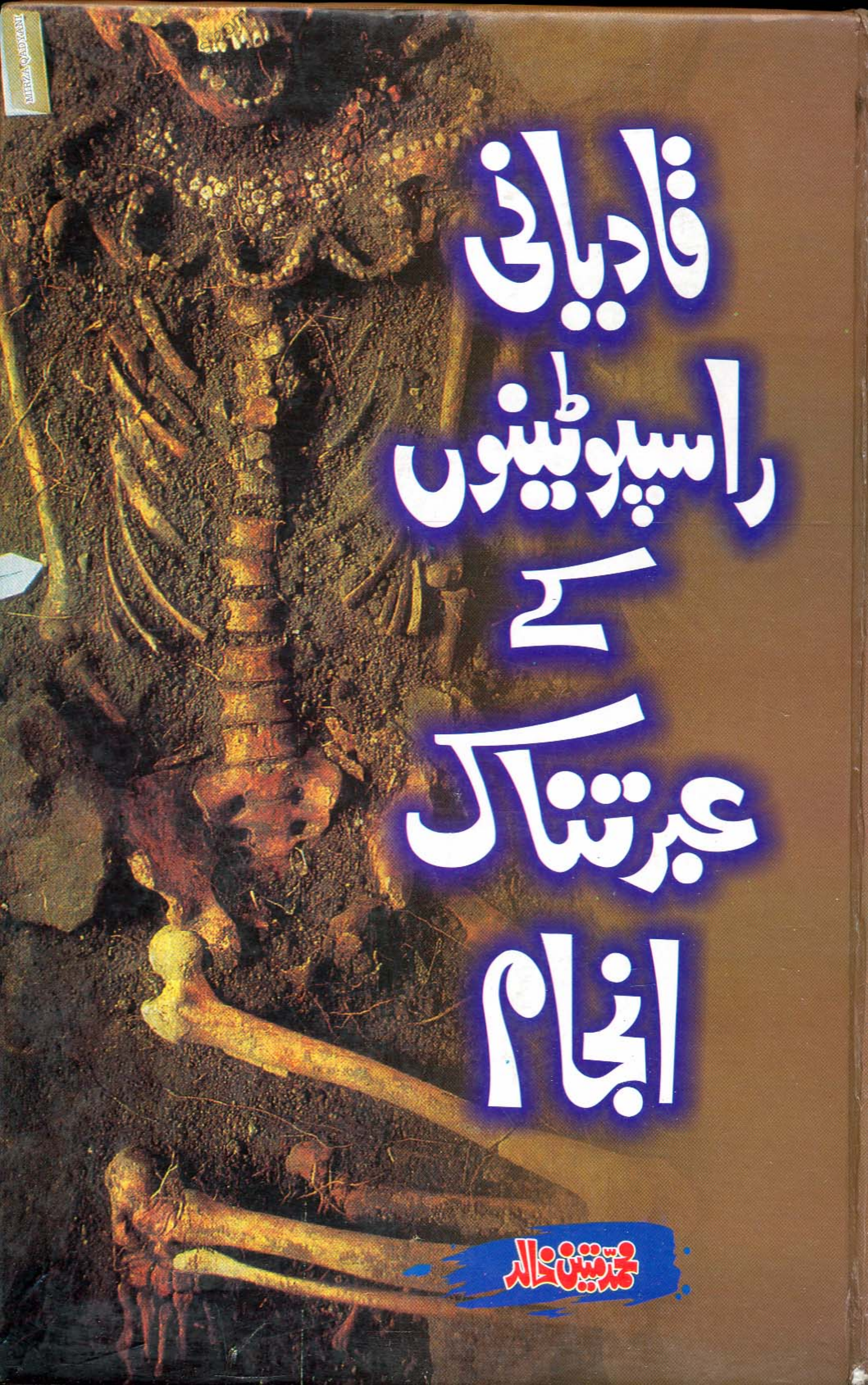

MIRZA QADYANI
قادیانی
راسپوٹینوں
کے
عبرتناک
انجام
محمد متین خالد

قادیانی راسپوٹینوں
کے
عبرتناک انجام

محمد متین خالد

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ، ملتان پاکستان فون:061-4514122



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک انجام



- نام کتاب .... قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک انجام
- مصنف .... محمد متین خالد
- ناشر .... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان پاکستان
- قانونی مشیر .... محمد نوید شاہین ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
- سن اشاعت 2006ء
- تعداد 1100
- قیمت .... -/220 روپے

واحد تقسیم کار

مکتبہ ختم نبوت، اُردو بازار لاہور

38-غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور۔فون: 0300-4385230

فہرست



انتساب!

- مجاہد ختم نبوت جناب مبشر سعید
- مجاہد ختم نبوت جناب احمد کمال

کے نام

جن کے سینے میں عشق رسالت مآب ﷺ کی محبت
کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

اللہ کرے یہ مرحلہ شوق نہ ہو طے



''سلام پہنچے...... اللہ تعالیٰ کے اس جلیل القدر پیغمبر (ﷺ) کو......
جو کائنات کی تخلیق کا باعث ہیں جن کا عشق ہمارا قبلۂ مراد اور کعبۂ ذوق ہے۔ جو تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں۔ جن کی ختم المرسلینی پر کئی رہزنوں نے دست درازی کرنا چاہی لیکن وقت کی غیرت نے انہیں نقش آب کی طرح محو کر دیا اور اُن کی قبروں کے نشان، فطرت کی دستبرد سے غبار معصیت ہو کر اُڑ گئے۔''

(آغا شورش کاشمیری مرحوم)



قادیانی رسوائی کی تقریب رونمائی

اس کائناتِ بسیط میں دو قوتیں ہمیشہ برسر پیکار رہی ہیں، ایک طرف حق کی تابانیوں نے خاکدان گیتی کے گوشہ گوشہ کو منور کیا تو دوسری جانب باطل کی تاریکیوں نے اس کی رعنائیوں کو حوالہ تکدر کر دیا۔ حق وصداقت کی خوشبوئیں اگر ماحول کو لالہ زار بناتی رہیں تو باطل کی گرد وغبار فضا کو ناخوشگوار کرتی رہی، اگر صدق وصفا کی بادنسیم گلہائے رعنا کی نشو ونما کے لیے کارگر ثابت ہوئی تو کذب وافتراء کی بادصرصر نے چمن انسانیت کی ہر کلی کو جھلسا دیا، اگر ایقان وعرفان، انسان کو رفعتوں کا مکین بناتے رہے تو تشکیک وارتیاب نے اسے خاک نشین بننے پر مجبور کر دیا، اگر طاغوتی قوتیں اپنی ریشہ دوانیوں سے اثم وعدوان کا کاروبار کرتی رہیں تو ملکوتی طاقتیں اپنے رحمٰن پروردگار کے سامنے پیکران تسلیم ورضا بنی رہیں، اگر خود تراشیدہ بتوں کے پرستار اپنی کارستانیوں میں مگن رہے تو مقابلے میں توحید کے علمبردار بھی خیمہ زن رہے، بقول اقبال ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر (پاک وہند) میں فتنوں کے ایسے ایسے طوفان اٹھے جنہوں نے گلشن اسلام کی مہکتی کلیوں کو افسردہ وپژمردہ کر دیا، ریشہ دوانیوں کے ایسے دبیز بادل چھائے جس سے ملک کا گوشہ گوشہ تاریک نظر آنے لگا، فتنہ سازیوں کے ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے گئے جس سے اہل اسلام تلملا اٹھے، باطل تحریکوں کی سازشوں کی ایسی بادسموم چلی جو ہر عاشق رسول ﷺ کے شاداب چہرے کو مغموم کر گئی...... غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں ہنود وعفریت نے بھی انگریز سامراج کا پورا پورا ساتھ دیا، ان دونوں نے مل کر ملت اسلامیہ کے زخم خوردہ جسم پر نمک پاشی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، اس سلسلہ میں ایک منظم پروگرام انہوں نے یہ ترتیب دیا کہ ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کے دلوں سے محبت رسول ﷺ کا یہ پاکیزہ جذبہ کھرچنے کے لیے انہوں نے وقت کے سمندر میں کئی کنکر ڈالے، کئی حربے آزمائے، کئی پروپیگنڈے کیے۔ جب ان کی ساری سیاسی افتراء پردازیاں اور معاشی حیلہ سازیاں جواب دے گئیں تو اپنے تئیں انہوں نے حسن فطرت کے عظیم ترین شاہکار (ﷺ) کے جمال جہاں آراء کی رعنائیوں کو مدھم کرنے کے لیے آخری حربے کے طور پر ایک ''خانہ ساز نبوت'' کا سوانگ رچایا اور ایک مخبوط الحواس اور فاتر العقل شخص کو ''قصر نبوت'' میں نقب زنی پر اکسایا، دنیا اسے ''مرزا قادیانی'' کے نام سے جانتی ہے۔

انگریزوں کا یہ خود کاشتہ پودا، یہودیوں کا لے پالک، ہندوؤں کا داشتہ، طاغوتی قوتوں کا ایجنٹ اور اسلام دشمن لابیوں کا آلہ کار (مرزا قادیانی) پہلے پہل ایک عالم دین کے روپ میں سامنے آیا۔ پھر مناظر اسلام کا روپ دھارا، بعد ازاں مصلح، مجدد اور مسیح موعود کی مسند پر حملہ کرتا نظر آیا، پھر پینترا بدلا اور ظلی و بروزی نبی کی اصطلاحوں سے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیتا رہا اور آخر کار نبوت کا دعویٰ کر دیا...... اس بدنام زمانہ متنبّی نے اپنے آقا (انگریز) کی خوشنودی کے لیے اس کی تائید و اطاعت میں ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ اور کتابیں لکھیں، اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے انتہائی اہم رکن ''جہاد'' کی تنسیخ پر سینکڑوں صفحات سیاہ کیے، اپنی کتاب ''تریاق القلوب'' میں بڑے فخر کے ساتھ اس نے اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''میں نے ممانعتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں، میں نے ان کتابوں کو تمام ممالک عرب مصر، شام، کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے، میری یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دینے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم کر دیئے جائیں۔''

اس بدقماش اور عیار نے ایک طرف اسلام دشمن طاقتوں سے مل کر ملت اسلامیہ کی ساکھ کو نقصان پہنچایا تو دوسری جانب ناموس رسالتؐ پر بھی رکیک حملے کیے ہیں، اس دریدہ دہن نے محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آپ کی ازواج مطہرات اور خاندان اہل بیت کی شان میں وہ ہذیان بکے ہیں کہ ان کو پڑھ کر یا سن کر انسان کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں، انہیں نقل کرتے ہوئے بھی قلم کانپتا اور وجدان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ذرا جگر تھام کر اس کی درج ذیل روح فرسا اور دل گداز

عبارات پڑھیے:

- نبی (ﷺ) سے دین کی مکمل اشاعت نہ ہو سکی، میں نے پوری کی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)
(حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص165 از مرزا قادیانی)
- ہجرت گاہ مصطفیٰ (ﷺ) نہایت متعفن اور حشرات الارض کی جگہ ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)
(حاشیہ تحفہ گولڑویہ، ص112، از مرزا قادیانی)
- میری وحی کے مقابلے میں حدیث مصطفیٰ (ﷺ) کوئی شے نہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)
(اعجاز احمدی، ص56، از مرزا قادیانی)
- قرآن شریف میں گندی گالیاں بھری ہیں اور قرآن عظیم سخت زبانی کے طریق کو اپنا رہا ہے۔
(نعوذ باللہ من ذلک) (ازالہ اوہام، ص28، از مرزا قادیانی)
- بعض نادان صحابہ کو درایت میں سے کوئی حصہ نہ تھا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)
(ضمیمہ نصرت الحق، ص120)
- پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو، اب نئی خلافت لو، ایک زندہ علی (مرزا قادیانی) تم میں موجود ہے، اس کو تم چھوڑتے ہو اور مردہ علی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو تلاش کرتے ہو۔ (نعوذ باللہ من ذلک) (ملفوظات احمدیہ، ص131)
- کربلا میرے روز کی سیر گاہ ہے، حسین جیسے سینکڑوں میرے گریبان میں ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) (نزول المسیح، ص99)
- قارئین کرام! یہ تو چند نمونے تھے، ورنہ اس مجسمۂ غلاظت نے ان پاکیزہ اور قدسی صفات شخصیات کی شان میں ایسے ایسے ہفوات بکے ہیں، جنہیں سن کر سنگلاخ چٹانیں پگھل جائیں اور پتھر دلوں میں شگاف ہو جائیں۔

بدنما دھبے ہیں جتنے چہرۂ تاریخ پر
غور سے پڑھیے انہیں اور فیصلہ خود کیجئے

جب سے اس منحوس گروہ نے جنم لیا ہے، اصحاب منبر و محراب اور ارباب قلم و قرطاس اس کی سفاکیوں اور زہرناکیوں سے اہل اسلام کو آگاہ کرتے رہے ہیں، جس سے کئی تشکیک و ارتیاب کے خارزاروں میں بھٹکنے والوں کو عرفان و ایقان کی مہکتی فضا ملی ہے، ان کے خطبات کی طغیانی اور قلم کی جولانی سے کئی دلوں کو شادمانی کے جذبے عطا ہوئے ہیں، ان وفا کیشوں نے ملت کو افتراق و انتشار کی پگڈنڈیوں اور

تعصب وعناد کے تنگناؤں سے نکال کر شفاعت نگر کی شاہراہ پر لگا دیا، کفر و باطل خصوصاً مرزائیت کے قلعوں میں انہوں نے ایسے شگاف ڈالے کہ قادیانی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی، دشمنان رسول ﷺ کے مذموم منصوبوں کو طشت ازبام کرنے اور بدعقیدگی کی تیرگی میں چراغاں کرنے والے یہ بلند ہمت لوگ جریدۂ عالم کے دیباچہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی فہرست میں ایک چمکتا دمکتا نام، منزل محبت کے راہی، لشکر عشق کے سپاہی، ملک کے بلند پایہ ادیب، نامور دانشور و محقق، مجاہد ختم نبوت جناب محمد متین خالد کا بھی آتا ہے، جو اپنی پوری تابانی کے ساتھ چمک رہا ہے، نہ صرف خود چمک رہا ہے بلکہ ظلمت کے کئی مکینوں کو بھی روشنی و رعنائی کے خزینے عطا کر رہا ہے۔

متین خالد صاحب کے قلمی جواہر پاروں میں ''جب حضور ﷺ آئے''، ''بارگاہ رسالت ﷺ میں'' ''شہیدان ناموسِ رسالت ﷺ''، ''عیسائیت کے تعاقب میں''، ''پادریوں کے کرتوت''، ''ثبوت حاضر ہیں'' اور ''قادیانیت سے اسلام تک'' کے علاوہ درجنوں بلند پایہ علمی و تحقیقی کتب زیور طبع سے آراستہ ہو کر قبولِ عام کا درجہ حاصل کر چکی ہیں، ''ثبوت حاضر ہیں'' تو ردِ مرزائیت میں انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ متین خالد صاحب کی یہی کتاب دیکھ کر حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ''اس کتاب سے نہ صرف عزیزی محمد متین خالد کا قد بلند ہوا ہے بلکہ ملت اسلامیہ کو بھی اس سے بلند قامتی ملی ہے، مجھے اس خوش قسمت نوجوان پر فخر ہے۔''

علم و آگہی کے نور کے ساتھ اگر ذوق و جنون کا سرور بھی میسر آجائے تو انسان عظمت کی بلندیوں پر فائز ہوتا ہے، متین خالد صاحب بھی ان بلند بخت اور سعادت مند لوگوں میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بحرِ علم و حکمت کی شناوری کے ساتھ ساتھ عشق و محبت کے بے پایاں جذبوں سے بھی نوازا ہے، انہوں نے اپنے دنوں کا سکون تج کر کے اور راتوں کو جگراتوں میں بدل کر ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں جو تاریخ دعوت و عزیمت کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

ذرِ مضمون کوئی یوں گوندھ لے اے شاد مشکل ہے

سلیقہ انتہا کا چاہیے موتی پرونے میں

زیر نظر کتاب ''قادیانی راسپوٹینوں کے عبرت ناک انجام'' بھی اسی زریں سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں موصوف مرزا قادیانی سمیت اس کی روحانی و جسمانی ذریت کے عبرتناک انجام، تاریخ کے بوسیدہ اوراق سے نکال کر منظر عام پر لائے ہیں، ہر چند کہ اس کام کے لیے انہیں دشوار گزار اور خارزار وادیوں سے گزرنا پڑا ہوگا، لیکن جب متین خالد منزل پر پہنچ کر دشمنانِ رسول ﷺ کی ''رسوائی'' کی

"تقریب رونمائی" میں کامیاب ہوئے تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کر رہی تھی اور آنکھوں میں خوشی کے آنسوؤں کے چراغ جگمگا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو شرف قبول عطا فرمائے اور ان کے پاکیزہ جذبات کو سدا سلامت رکھے۔ وہ یونہی عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی فولادی قوت سے سنگلاخ زمینوں میں محبت و وفا کا چمن آباد کرتے رہیں اور اس چمن کو اخلاص و عقیدت کے چشمۂ شیریں سے سیراب کرتے رہیں۔

صدائے حق کی جرأت سے تو زندہ رکھ زمانے کو
کہ تیرے ساتھ دنیا کے ہزاروں دل دھڑکتے ہیں

تحفظ ختم نبوت کا ادنیٰ سپاہی

محمد امیر القادری

ڈائریکٹر محمدیہ غوثیہ رائٹرز گلڈ

بھیرہ شریف۔ ضلع سرگودھا

7 ربیع الاوّل 1426ھ

18 اپریل 2005ء

قادیانیوں کو موت کیسے آئی؟

کسی بھی تصنیف پر تبصرہ کرنے سے قبل اسے ترتیب دینے والے کی علمی قابلیت اور تحقیقی فہم و فراست کو پرکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ''قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک انجام'' کے مصنف جناب محمد متین خالد کی شخصیت کا جائزہ لیں تو اس میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی، سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ وقت ضائع نہیں کرتا اور ہمہ وقت مطالعہ میں غرق رہتا ہے جبکہ سب سے بڑی خامی بھی یہی ہے کہ وہ اپنا وہ وقت بھی کتابوں کو دے دیتا ہے جس پر اس کی اپنی ذات کا حق ہے، یعنی تفریح کا وقت، اس کی سب سے بڑی تفریح کسی لائبریری میں بیٹھ کر ایسے مضامین کی تلاش ہے جن میں اسلام دشمنوں نے جان بوجھ کر حقائق مسخ کر کے اسلام کو نقصان پہنچانے کی دیدہ دانستہ کوشش کی ہو، اسلام دشمن قوتوں کو سازش کا جواب سازش کے بجائے اپنی تحریروں سے دینا، اس کا مشغلہ ہے، وہ اس کیچڑ کو صاف کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہتا ہے جو اسلام مخالفین دین مبین، انبیاء کرام اور بالخصوص حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ پر اچھالنے کی ناپاک جسارت گاہے بگاہے کرتے رہتے ہیں۔ اسے اللہ کی کرم نوازی ہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہر بار کامیاب ہو جاتا ہے، اس کی کامیابی میں سب سے بڑا کردار ان دلائل کا ہوتا ہے جنہیں تلاش کرنے کے واسطے اُسے گھنٹوں انٹرنیٹ کے سامنے بیٹھنا پڑتا ہے، جن کی کھوج میں ڈھیروں کتابوں کی عرق ریزی کرنا پڑتی ہے...... بے شک گھنٹوں جانگسل محنت کے پیچھے بھی ایک لالچ ہے...... اور لالچ بھی خوب...... بھلا آقائے دو عالم ﷺ کی قربت سے بڑھ کر بھی کوئی لالچ ہوسکتا ہے؟ اس لالچ کا وہ برملا اظہار بھی کرتا ہے۔ وہ اکثر کہتا ہے کہ مجھے اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں چاہیے کہ روزِ قیامت مجھے ان سپاہیوں کی صف میں کھڑا کیا جائے جو تحفظ ناموسِ رسالتؐ پر کٹ مرے، جن کا وجود مخالفین رسولؐ کے سینے میں کسی خنجر کی طرح کھٹکتا رہا۔ اس موضوع پر انتہائی جذباتی لہجے میں بات کرنے والے متین خالد نے جس راہ کو چنا ہے، وہ ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی، یہ راستہ سبھی کو دکھائی دیتا ہے لیکن اس پر لڑکھڑائے بغیر چلنا غازی علم الدین شہیدؒ جیسے غلامانِ رسولؐ ہی کا کام ہے، اگر متین خالد کو عہد حاضر میں ''غازی علم الدین کا مرید صادق'' قرار دیا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ اس کا قلم بھی علم الدین شہیدؒ کی طرح ناموسِ رسالت پر حملہ آوروں کے سینے میں

یوں پیوست ہے جیسے چودھویں کے چاند کا خنجر تاریک شب کے سینے میں۔ بالخصوص فتنہ قادیانیت تو اس کے خوف سے یوں کانپ اٹھتا ہے جیسے حضرت عمرؓ کے درہ سے شیطان، دو درجن سے زائد کتابیں لکھنے والے متین خالد نے زیرنظر تصنیف میں ایک بار پھر قادیانیت کو گریبان سے پکڑ کر بیچ چوراہے میں لاکر دلائل کے وہ تھپڑ مارے ہیں کہ مرزا قادیانی کی قبر میں پڑی عذاب جھیلتی بوسیدہ ہڈیاں بھی تھرا اٹھی ہیں۔

اس طرح یہ تصنیف قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم مصنف کی تحقیق کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور زور قلم کو بھی۔ زیرنظر کتاب میں مصنف نے حوالہ جات کے لیے مستند روایات سے استفادہ کیا ہے، بالخصوص مرزا قادیانی ملعون کے بارے میں قادیانیوں کی ہی روایات سے ثابت کر دینا کہ نبوت کے اس دعویدار کو یہ خبر تک ہوتی کہ اس نے اپنا جوتا سیدھا پہن رکھا ہے یا الٹا، اسی طرح یہ حوالہ بھی خوب ہے کہ مرزا ملعون گھڑی پر درست وقت بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، اسی طرح تقریر کی مہارت کے دعویٰ کو مصنف نے بری طرح مسترد کرتے ہوئے قادیانیوں کی کتابوں سے ہی حوالہ دیتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ مرزا قادیانی ملعون کئی عام الفاظ کی ادائیگی بھی درست طریقے سے نہ کر پاتا تھا۔ وہ ''پرنالہ'' کو ''پنالہ'' بولتا۔ مرزا قادیانی ملعون کی موت کا منظر بیان کرتے ہوئے مصنف نے ہرگز حقائق سے تجاوز نہیں کیا اور وہی لکھا جو قادیانیوں کی اپنی کتب اور تاریخ سے ثابت ہے ورنہ ایسے معاملات میں جانبداری سے کام لینا اور واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا عام سی بات ہے۔

اسی طرح انہوں نے حکیم نورالدین، مرزا محمود، بشیر احمد، ایم ایم احمد، محمد علی لاہوری، نصرت جہاں بیگم، مبارکہ بیگم، ثاقب زیروی اور پیام شاہجہان پوری کے بھیانک انجام کے بارے میں جو حقائق بیان کئے ہیں، اس سے پہلے وہ منظر عام پر نہیں آئے۔

مجموعی طور پر مذکورہ تصنیف کو کسی بھی تحقیقی بک شیلف میں پہلی دس کتابوں کے ساتھ رکھا جاسکتا ہے، جس کی سب سے بڑی وجہ حقائق سے تجاوز نہ کرنا ہے اور واقعات کو اسی حد تک بیان کرنا ہے کہ ان پر مبالغہ آرائی کی مہر نہ لگائی جاسکے، متین خالد نے ایک بار پھر ثابت کیا ہے کہ وہ اچھا عاشق رسول ہے، یہی عشق اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ ہر بار قادیانیت کے بھیانک چہرے کا نیا رخ سامنے لے آتا ہے۔ عہد حاضر میں متین خالد وہ دیوار ہے جس سے قادیانیت کی تعفن زدہ ہوائیں ٹکرانے کی جرأت ہی نہیں کرتیں اور پلٹ جاتی ہیں۔

اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ اسلام کے اس سپاہی کو سلامت رکھے اور اس کی تحقیق میں مزید جان پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ''لالچ'' میں بھی اضافہ کرے۔ (آمین)

ندیم رضا

میگزین انچارج روزنامہ ''انصاف''

''فطرت سے محاذ آرائیاں زہر ہلاہل ہیں'

مذہب رہنمائے زندگی ہے۔ دین اسلام، مذہب کی صورتِ کمال کا نام ن اس کا آئینہ۔ ایمان قلب، مسلم کی شمع فروزاں ہے، مومنِ حقیقی وہ ہے جو اس شمعِ روشن کی: ...ل ہو کر شبستانِ عالم کو منور کر دے۔ یہ کام صرف تدبر فی القرآن سے ممکن ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس پر امت مسلمہ کا اٹوٹ ایمان ہے کہ وہ دین و دنیا کی تمام ضروریات پورا کرنے کی واحد مکلف ہے۔ اسی پاک کتاب کے متعلق نبوت و رسالت کے شخصِ اعظم تاجدارِ ختم نبوت سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد قرآن حکیم اور میری سنت قیامت تک تمہاری راہنمائی کا کام دے گی۔ بالفاظِ دیگر یہی کتاب مقدس دستورِ حیاتِ انسانی ہے، آئین زندگی ہے، اور قانونِ فطرت ہے۔ اگر آج سے ساڑھے چودہ سو برس قبل بنی آدم کے ایک بدترین طبقے نے اس قانونِ جبلت انسانی کا عامل ہو کر ہمہ جہت ترقی کی منازل آسانی طے کر لی تھیں، چرواہے معلمین ادراک حقیقت بن گئے تھے، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والے اُجڈ اور گنوار عرب دنیا کو تہذیب و شائستگی سکھانے لگے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ اکیسویں صدی کے نام نہاد ترقی یافتہ انسان اُس نسخۂ کیمیائے تمسک کی بدولت عزت و عروج کے اس مقام پر فائز المرام نہ ہو سکیں۔

اسلام دین فطرت ہے، اس پر ایمان کا تقاضائے اوّلیں یہ ہے کہ مومن کھجور کی اس چٹائی پر صدقے واری ہو جائے جو فرشِ زمین پر پڑی تھی اور کائنات کے آخریں معلم قدسی ﷺ ہدایت انسانیت کے لیے اس پر جلوہ افروز تھے، یہ وہ زمین تھی جس کے مقابل چرخ نیلی فام پست تر اور جس کا ہر ذرّہ آفتاب سے روشن تر تھا۔ ان تجلیوں کی بنیاد وہی منزل من اللہ قانونِ فطرت تھا جو اپنے ماننے والوں کو نیابت فی الارض کی اہلیت سے مالا مال کرنا چاہتا تھا اور اُس نے یہ کام کر دکھایا۔ یہ دستور و آئین ہر اعتبار سے مکمل، ہر دور کے لیے شافی اور اس کا لانے والا تمام جہانوں اور تمام زمانوں کے لیے اکمل و کافی ہے۔ اس کے بعد کسی نئے اصول و ضابطے یا کسی نوتراشیدہ تشریعی و غیر تشریعی ظلی و بروزی کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اگر کوئی متنفس ایسا دعویٰ کرے تو وہ فطرت کے خلاف محاذ آرائی کا مرتکب ہو کر عبرت کے چوراہے پر لٹکتی برہنہ لاش کا منظر پیش کرتا دکھائی دیتا ہے کہ فطرت کسی فرد، گروہ یا قوم کا ایسا گناہ ہرگز ہرگز معاف نہیں

کرتی۔ انسان ان لاتبدیل حقائق کو کنکھیوں سے دیکھتا رہتا ہے۔ مگر جب دریائے زندگی کا بہاؤ بدلنے کی نامشکور سعی کرتا ہے تو قدم قدم پر ہنگامے جنم لیتے ہیں جن سے سوسائٹی کے اجتماعی بگاڑ کا خطرہ سروں پر منڈلانے لگتا ہے۔ ایسے میں قانونِ فطرت حرکت میں آ کر دھرتی کو قانون شکنوں کے بوجھ سے بہ لطائف الحیل نجات دلا دیتا ہے۔

یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ امت مسلمہ میں اصولِ فطرت کے کئی باغی پیدا ہوئے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اس گروہِ خنازیر میں سب سے زیادہ خطرناک تھا جو عالمی استعمار کا دلال بن کر دین فطرت کی بنیاد یعنی حضور ختمی مرتبت ﷺ کے منصب ختم نبوت پر حملہ آور ہوا۔ افراتفری کے اس دور میں کئی بکاؤ لوگ اس دنی سیرت غلط پیمان شخص کے مدد و معاون ہو گئے۔ اسلامیانِ برصغیر شدید تحیر میں مبتلا تھے۔ پھر ایکا ایکی حواس مجتمع کر کے ازسرنو صف بندی کی اور باطل کے مقابل پوری توانائیوں کے ساتھ صف آرا ہو گئے، دشمن بازی ہار گیا مگر فرنگی کی پشت پناہی سے سانسیں لیتا رہا۔ دوسری طرف فطرت نے ان باغیوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا؟، یہ بڑے خاصے کی بات ہے۔ فدائے ختم نبوت جناب محمد متین خالد نے خاندان ارتداد کے بڑوں کی غلیظ اموات کے سلسلے میں ''قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک انجام'' کے زیر عنوان حقائق پر مبنی کتاب ترتیب دی ہے۔ ایک ایک حرف ان کی عرق ریزی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مسلیمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی سے لے کر مرزا طاہر تک سربرآوردہ مرزائی مردوں وعورتوں کے حالات و واقعات اور آخری ہچکی تک کی کیفیات ٹھوس شواہد کے ساتھ کتاب میں بلاکم و کاست بیان کر دیئے ہیں۔ قادیانی امت کے دوسرے امام المرتدین مرزا بشیرالدین محمود کے آخری ایام کا ایک واقعہ مجھے ابھی تک یاد ہے جو ان کے سرکاری معالجوں کے چیف نے اخباری نمائندگان کو سنایا تھا اور بطل حریت عاشق رسول آغا شورش کاشمیریؒ کے سامنے بھی بیان کیا تھا۔ مرزا محمود شدید بیمار تھا۔ غالباً یہ 1965ء وسط کا ذکر ہے اس وقت کے صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے سرکاری ڈاکٹرز کی ایک ٹیم لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید کی سربراہی میں اس کا علاج کرنے کے لیے ربوہ (اب چناب نگر) بھیجی مگر وہ پوری ٹیم تیسرے ہی روز واپس آ گئی خواجہ صاحب کے بقول انہوں نے صدر مملکت کو رپورٹ بھیجی کہ ''مرزا محمود کی بیماری لاعلاج ہے کیونکہ:

1- مرزا محمود بہت شور مچاتا اور اکثر کتے کی طرح آوازیں نکالنا شروع کر دیتا ہے۔

2- اس سے بدبوئے اس قدر شدید بھبھوکے اٹھتے رہتے ہیں کہ صفائی کرنے اور خوشبوئیں لگانے کے باوجود بھی ختم ہونے کو نہیں آتے، ایسے میں اس کے پاس کھڑا ہونا بالکل ناممکنات میں سے ہے۔

3- ہم نے تمام صلاحیتیں اور توانائیاں بروئے کار لا کر اسے ٹیکہ لگانے کی کوشش کی۔ مگر عجیب بات ہے کہ اس کے جسم کے جس حصے میں بھی ٹیکہ لگایا، جاتا وہاں سے پیپ نکل آتی اور جسم دوائی قبول نہ کرتا۔

ان حالات و واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود جھوٹی نبوت کا پرچارک بن کر سخت خدائی گرفت میں آ گیا ہے، اس لیے ہم اس کا علاج کرنے سے یکسر قاصر ہیں۔ یوں بھی علاج تو کسی بیماری کا ہوتا ہے، عذابِ الٰہی کا علاج کرنے سے میڈیکل سائنس عاری ہے۔"

حضرت آغاجیؒ اپنی تقاریر میں بھی کبھی کبھار یہ واقعہ سنا دیا کرتے تھے۔ خواجہ عبدالرشید صاحب میو ہاسپٹل لاہور کے ایڈمنسٹریٹر تھے اور آغا صاحبؒ کے گہرے دوست بھی۔ ان دونوں میں عقیدۂ ختم نبوت ایسی قدر مشترک تھی جس نے ان کی دوستی کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

برادرِ گرامی قدر محمد متین خالد صاحب نے ''ثبوت حاضر ہیں'' ترتیب دے کر قادیانی ذریت البغایہ کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا تھا جس سے ایک طرف پوری امت خبیثہ تلملا کر رہ گئی اور اس کے بزرجمہروں سے کوئی جواب بھی بن نہیں پڑا۔ اب ''قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک انجام'' ابلیسی ٹولے کے تابوت میں آخری میخ ثابت ہوگی تو دوسری طرف نام نہاد ''روشن خیال'' ''آزاد منش'' لوگوں کی فکری آوارہ خرامی کے لیے تازیانۂ عبرت بھی ہوگی جس سے وہ اندر ہی اندر اپنی اصلاح کے مختلف پہلو تلاش کرنے لگیں گے۔ متین صاحب نے ڈانواں ڈول طبقات کو حقائق آشنا کرنے کے لیے بروقت قدم اٹھایا جس کا نتیجہ اس کتاب کی تدوین کی صورت میں نکلا ہے۔ انہوں نے اپنی نژادِ نو کو تفریق حق و باطل کے لیے جس قدر مواد فراہم کیا ہے، اس کی اہمیت و ضرورت مسلمہ ہے۔ فکری محاذ پر ان کا کام عدیم النظیر ہے۔ ان کے رشحاتِ قلم ہر پڑھے لکھے شخص کو اس کی قامت علمی کے مطابق لحۂ فکریہ فراہم کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی کتب تمام طبقات میں یکساں شغف کے ساتھ پڑھی جا رہی ہیں۔ شکر ایزد! کہ انہوں نے نوجوانانِ وطن کو غدارانِ دین فطرت کے انجام بد سے آگاہ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور ایک انوکھی کتاب کی نیو اٹھائی۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کی نسل نو جو میڈیائی مفکرین کے ہاتھوں تشکیک کا شکار ہے، اسے اس کتاب کے مطالعے سے اپنے ایمان کی اہمیت کا اندازہ ہوگا اور وہ مصنوعی اشکالات دور کر کے اسے مضبوط و مستحکم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گی۔ متین صاحب کے فراہم کردہ مواد سے اس پر یہ انمٹ سچائی بھی آشکار ہوگی کہ۔

''فطرت سے محاذ آرائیاں زہر ہلاہل ہیں''

گدائے در ختم المرسلین

سیّد یونس الحسنی



''تاریخ احمدیت'' کے گم گشتہ اوراق کا ماسٹر پرنٹ

فیبئن (Fabian) سوسائٹی کی منافقتوں اور دہرے معیاروں کا پردہ چاک کرنے والے شہرہ آفاق دانشور اور ڈرامہ نگار برنارڈ شاء نے عصر حاضر کے پیچیدہ تر اور گنجلک مسائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گو یہ مسائل بے حد الجھے ہوئے ہیں لیکن اگر (حضرت) محمد (ﷺ) دنیا میں ایک مرتبہ پھر تشریف لے آئیں اور پھر ان سے استدعا کی جائے کہ ان لاینحل مسائل کو حل کرنے کی کوئی راہ نکالیں تو میرا خیال ہے کہ وہ اپنی بے نظیر فراست سے ساری گتھیوں کو سلجھانے اور تمام پریشان کن مسئلوں کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

حضور ﷺ کی سیاسی، معاشی اور عمرانی دانش کو ایک غیر مسلم کی طرف سے پیش کیا جانے والا یہ ایک زبردست خراج تحسین ہے اور گو موجودہ دور میں سیاسی و معاشی معاملات بھی غیر معمولی تناؤ کا موجب بنے ہوئے ہیں لیکن اس وقت قادیانی امت کے عبرتناک انجام کے حوالے سے ہمارا موضوع زیادہ تر عمرانیات کی ذیل میں ہی آتا ہے اس لیے ہمیں اپنے آپ کو اسی دائرہ کے اندر محدود رکھنا ہوگا۔ حکیم الامت ڈاکٹر علامہ اقبال سے اسی سیاق میں جب ایک مغربی مفکر نے یہ کہا کہ عہد جدید میں عمرانی مسائل بہت خوفناک شکل اختیار کر رہے ہیں اور ان کا حل تلاش کرنا کارے دارد ہے تو علامہ اقبال نے انہیں بتایا کہ حضور ﷺ کی ان مسائل پر بہت گہری نگاہ تھی اور انہوں نے 14 سو سال پہلے ہی یہ ہدایت دی ہوئی ہے کہ نوجوان دیور و بھابی ایک جگہ اکٹھے نہیں ہونے چاہئیں اور ان کی علیحدہ علیحدہ رہائش کا بندوبست کیا جانا چاہیے تو فیلسوفِ مغرب نے بے اختیار کہا اگر آپؐ نے یہ کہا ہے تو پھر ان کے نبی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ آزادانہ اختلاط کسی بھی سطح پر کیوں نہ ہو، اس کے تباہ کن نتائج سے کسی طرح نہیں بچا جا سکتا اور حضور ختمی مرتبت ﷺ نے تو اس بارے میں اس قدر حزم اور احتیاط کا مظاہرہ کیا کہ بیعت رسالت لیتے ہوئے بھی انہوں نے خواتین کو کبھی اپنا ہاتھ آگے بڑھانے کی اجازت نہیں دی۔ اور عصمت و عفت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کے باوجود انہوں نے اس بارے میں اس قدر احتیاط کی کہ ایک مرتبہ جب وہ جھٹپٹے کے عالم میں اپنی ایک اہلیہ محترمہ (ام المؤمنین) کے ہمراہ جا رہے تھے تو راستے میں چند صحابہ آتے ہوئے مل گئے۔ سرکارِ دو عالم نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا اپنے چہرے سے چادر ہٹا دو اور جب

انہوں نے اس ہدایت پر عمل کیا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا دیکھ لیں، یہ میری بیوی ہیں تو صحابہ کرام نے بے ساختہ عرض کیا حضور ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! ہم آپ کے بارے میں کوئی غلط خیال ذہن میں لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تو آپ نے ارشاد فرمایا درست ہے لیکن شیطان تو دلوں میں وسوسے ڈالنے سے باز نہیں آتا۔ اس لیے میں نے چاہا کہ اسے تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کا موقع ہی نہ دوں۔

اب ایک طرف تو امام المعصومین خاتم الانبیاء علیہ السلام کا یہ کردار ہے اور دوسری طرف دعوؤں، تعلیوں اور الہامات کی رداؤں میں لپٹے ہوئے مسیح مردود مرزا غلام احمد قادیانی کی نجی زندگی جس طرح آلودگیوں کا شکار رہی، اس کا ہر گوشہ خود نبی کذاب کی کتابوں اور اس کے نام نہاد ''خلفاء'' کی تحریروں، تقریروں اور اخبارات کے اقتباسات کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ اور برادرم متین خالد نے جس محنت اور جانفشانی کے ساتھ قادیانیت کے اس رخ سے نقاب سرکائی ہے، اس سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مرزا غلام احمد کی جنسی زندگی سخت نا آسودہ تھی۔ بھلا ایک ایسا شخص جو ذیابیطس، دورانِ سر، کثرت پیشاب، مراق اور سینکڑوں دوسرے امراض کے گھیرے میں آیا ہوا ہو، اسے بیمار تو نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہی کہا جائے گا کہ وہ خود اتنی بڑی بیماری تھا جو تمام امراض کا ناطقہ بند کیے ہوئے تھا، ایسا آدمی اگر یہ اقرار نہ بھی کرے کہ اسے بار بار یہ گمان گزرتا تھا کہ وہ نامرد ہو گیا ہے تو بھی علم طب کی تھوڑی سی شدھ بدھ رکھنے والا کوئی بھی شخص یہ جان سکتا ہے کہ ذیابیطس کا سب سے پہلا حملہ ہی انسان کی جنسی قوت پر ہوتا ہے اور وہ اسے ناکارہ بنا کر رکھ دیتی ہے اور یہاں تو امراض کا ایک پورا لشکر بھی ساتھ ہے جس نے لامحالہ حشر میں حشر بپا کر کے رکھ دیا ہوگا۔ ان حالات میں متنبی قادیان کی پہلی بیوی بیچاری حرمت بی بی کے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ تھا کہ وہ اپنے بھائی کے گھر میں جا کر بیٹھ جاتی لیکن اس سے بھی بڑا ستم یہ ہوا کہ مولوی نور الدین کے زد جام عشق ٹائپ نسخوں نے مرزا غلام احمد کی مردہ رگوں میں بھی خون کی لہر دوڑا دی اور اس نے دہلی کے ایک مفلوک الحال خاندان کے میر ناصر نواب کی 16 سالہ کتخدا بیٹی اللہ رکھی کے سر پر ''نصرت جہاں بیگم'' کا تاج رکھ کر یہ نعرہ لگا دیا کہ خدا نے مجھے کہا ہے کہ

ہر چہ باید نو عروسے را ہمہ ساماں کنم
واں چہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم

کہ نئی بیوی کی جو بھی ضروریات ہوں گی وہ میں پوری کروں گا اور تمہیں جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ میں دوں گا۔

لیکن سینکڑوں امراض کے نرغے میں آیا ہوا ایک 45 سالہ بڈھا قانون قدرت کو تو نہیں توڑ سکتا۔ ایک طرف چڑھتی دھوپ تھی اور دوسری طرف ڈھلتی چھاؤں۔ ان حالات میں دھوپ کو اپنی تمازت کم کرنے کے لیے دوسرے راستے اختیار کرنے ہی تھے کہ یہ ایک فطری عمل تھا اور فطرت کے راستوں کے

آگے جب بندھ باندھنے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ سیلاب بلا ہر رکاوٹ کو توڑ کر نکل جاتا ہے پھر یہاں بھی ایسا ہی ہوا اور اتنا کچھ ہوا کہ اس کے اپنے بیٹے نے اپنی والدہ سے سیرت المہدی جلد اوّل کے پہلے ایڈیشن میں ایسی ایسی روایات بیان کیں کہ کوئی ماں اپنے بیٹے سے مجامعت کی ایسی تفصیلات بیان کر سکتی ہے نہ کسی بیٹے میں یہ ہمت ہے کہ وہ انہیں سن ہی لے چہ جائیکہ وہ انہیں ضبط تحریر میں بھی لے آئے (یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ اگرچہ سیرۃ المہدی کی جلد اول کے دستیاب ایڈیشنوں میں بھی اس نوع کا مواد خاصی مقدار میں موجود ہے لیکن اس کا اصلی ایڈیشن اول مرزا محمود احمد نے واپس لے لیا تھا) لیکن یہ کار آمد ریفرنس تو آپ اب بھی پڑھ سکتے ہیں کہ حضور نے پہلی بیگم سے مباشرت عرصہ ہوا ترک کر دی تھی۔ یہ انکشاف خواہ مؤلف سیرۃ المہدی کی والدہ نے کیا ہو یا والد نے، ہر دو صورتوں میں لاجواب ہے کہ مادر گیتی ایسے والدین روز روز پیدا کرتی ہے نہ ایسے بیٹے ہی روز روز جنم لیتے ہیں جو والدین کی خلوتوں کو بے نقاب کرنے میں بھی کوئی شرمندگی محسوس نہ کریں۔

جن لوگوں نے **History of Prostitution, My Secret Garden** اور **Secret Lives of Great People** اور جنس پر اس نوع کی دوسری تحقیقی کتب کا مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہے جب کچھ لوگ مردانہ ضعف کا شکار ہوتے ہیں تو جس رفتار سے یہ کمزوری ان میں در آتی ہے، اس سے کئی گنا زیادہ تیزی سے وہ اپنی مردانگی کے جوہر دکھانے کے لیے پاپڑ بیلنے لگتے ہیں۔ یہی حال مرزا غلام قادیانی کا تھا کہ اس کی ایک بیوی تو معلقہ ہو کر رہ گئی تھی جبکہ دوسری نے چندہ خوری سے ملنے والی دولت کے لیے ایک ازکار رفتہ بڈھے کے ہاں رہنا تو قبول کر لیا لیکن اپنی جوان امنگوں کا خون کرنے کی بجائے وہ کچھ کرنے کی راہ اختیار کر لی جس کا تصور بھی لرزہ براندام کر دیتا ہے۔

مگر مرزا غلام احمد کا جوش جنوں اب بھی فرو نہ ہوا اور اس کی نظر اپنی ایک رشتہ دار لڑکی محمدی بیگم پر پڑ گئی اور وہ اس پر کچھ اس انداز سے لٹو ہوا کہ آسمان پر اس سے اپنا نکاح بھی پڑھے جانے کا اعلان کر دیا اور یہاں تک لکھ دیا کہ اگر اس کا نکاح کسی دوسرے سے ہوا تو اس کا شوہر مر جائے گا یا اسے طلاق دے دے گا اور وہ ہر حال میں میرے نکاح میں آئے گی مگر ایسا نہ ہونا تھا نہ ہوا اور مرزا غلام احمد قادیانی وصل کی تمام حسرتیں دل میں لیے صرف محمدی بیگم کے پاجامے سونگھنے ہی پہ اکتفا کرتا رہا۔ یوں یہ ساری پیشگوئیاں ایک خبطی کی پیش خبریاں ثابت ہوئیں لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے یہ لچھن ہوں، کیا وہ نبوت کے قریب بھی پھٹک سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اس ماحول میں پروان چڑھنے والے مرزا غلام احمد کی دوسری بیوی کے بڑے بیٹے مرزا محمود احمد کو صرف 22 سال کی عمر میں مولوی نورالدین کی وفات کے بعد اس کے ماموؤں نے غنڈہ گردی سے "خلافت" کی گدی پر بٹھایا اور اہلِ نظر جانتے ہیں کہ مذہبی جماعتوں کی سربراہی کے لیے یہ عمر کس قدر غیر

موزوں ہے۔ اسی پس منظر میں یہاں اس امر کا تذکرہ بھی بے محل نہیں ہوگا کہ اس ''منصب'' پر فائز ہونے سے پہلے مرزا غلام احمد کی زندگی میں ہی میر سراج الحق نعمانی نے مرزا محمود احمد کی جنسی بے اعتدالیوں کی ایک شکایت مرزا غلام احمد کی پگڑی میں ایک چٹ ڈال کر کی تھی جس پر مولوی محمد علی کی سربراہی میں ایک انکوائری کمیٹی بنائی گئی جس کی Findings کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے خود کہا ہے کہ جرم تو ثابت ہوگیا تھا مگر ہم نے شبہ کا فائدہ دے کر ملزم کو بری کر دیا لیکن قانونی موشگافیوں کے ذریعے ایک مجرم کو بے گناہ قرار دینے کی یہ پیر پرستانہ کارروائی پھر بھی مولوی محمد علی کو قادیانؒ میں رہنے کے قابل نہ بنا سکی اور مولانا عبدالرحمٰن مصری، حکیم عبدالعزیزؒ اور حقیقت پسند پارٹی کے چیئرمین ملک عزیز الرحمٰن کے بقول جب ایک دن مرزا محمود احمد نے مولوی محمد علی کی اہلیہ ہی کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھ کر انہیں اپنے ڈھب پر لانے کی طرح ڈالی اور ان کی بیٹیوں تک پر نگاہ بد ڈالنا شروع کر دی تو پھر ان کے لیے قادیان سے بھاگنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا اور اس عجلت میں وہ مرزا غلام احمد کی نام نہاد نبوت بھی وہیں بھول آئے اور لاہور میں آکر ان کی مجددیت'' کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا تاکہ گلشن کا کاروبار چلتا رہے۔

اب مرزا محمود احمد کے لیے اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے کوئی روک باقی نہ رہ گئی تھی، اس لیے اس نے پہلے قادیان اور اس کے بعد ربوہ (چناب نگر) میں ایک ایسا آہنی نظام قائم کیا کہ مرزا غلام احمد کی ''نبوت'' کو نہ ماننے والوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر ان سے مصاہرت اور مناکحت کے رشتے توڑ دیئے۔ اور ان کے جنازے تک پڑھنے کو حرام قرار دے ڈالا اور جب ان سے مسلمانوں کے بچوں کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا کہ سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے۔ اس طرح جب مرید اپنے رشتہ داروں اور معاشرے سے پوری طرح کٹ گئے تو پھر اس نے ان کے مال و منال، عزت اور اولاد ہر چیز پر ہاتھ صاف کرنے کو پوری طرح مباح سمجھ لیا اور مرید بھی پیر پرستی میں اس حد تک آگے نکلے ہوئے تھے کہ وہ اپنے نام نہاد خلیفے کے خلاف کسی بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور پیر قادیانی نے تو پیش بندی کے طور پر اپنے ایک خطبے میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر تم مجھے کسی ناگفتہ بہ حالت میں دیکھ بھی لو تو سمجھ لو کہ یہ تمہاری آنکھ کی غلطی ہے۔ اسی طوفانی پروپیگنڈے کی یہ تاثیر تھی کہ ان کے ایک انتہائی قریبی ساتھی مولوی عبدالرحمٰن مصری کو جب ان کے بیٹے بشیر احمد مصری نے بتایا کہ جس خلیفے کو آپ تقدس مآب اور پتہ نہیں کن کن القابات سے نوازتے ہیں، وہ تو اول درجے کا چھٹا ہوا بدمعاش ہے اور اس سے کوئی محرم یا غیر محرم عورت تو درکنار کوئی خوبرو نوجوان تک محفوظ نہیں تو مریدِ سادہ کو اپنے بیٹے کے بیان پر بھی یقین نہ آیا اور وہ یہی سمجھتا رہا کہ میرا بیٹا مخالفین کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے لیکن جب بیٹے نے اپنے باپ کو ساتھ لے جا کر روشندان سے تمام منظر اپنی آنکھوں سے دکھا دیا تو تب کہیں جا کر اسے یقین آیا کہ اس شہر طلسمات میں تو وہ کچھ ہوتا ہے جس کا خواب میں بھی تصور نہیں کیا جا سکتا اور جب مرزا محمود کو اپنے جاسوسوں کی معرفت اس

ساری کارروائی کی خبر ہوئی تو مصری صاحب بدترین سوشل بائیکاٹ کی زد میں آگئے اور پھر اس کے بعد ایک نہیں سینکڑوں خاندان وقتاً فوقتاً سماجی مقاطعہ کا شکار بنتے رہے۔ اور کئی مراحل تو ایسے بھی آئے کہ ''الہامات'' کی چادروں میں لپٹی ہوئی ان بستیوں کو چھوڑنے والے لوگوں کا سامان اٹھانے کے لیے بھی کوئی تیار نہ ہوتا تھا۔ اور اگر ان میں کوئی بیمار پڑ جاتا تو اس کا علاج تو کیا، اس کی تیمارداری تک کوئی نہ کرتا۔ مگر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اگر مسلمان قادیانی امت کا سوشل بائیکاٹ کرنے کا کبھی اعلان کرتے ہیں تو وہ آسمان سر پر اٹھا کر اسے غیر انسانی قرار دیتے ہیں۔ امریکہ و یورپ میں اس کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ حقوق انسانی کے عالمی فورموں میں چلا چلا کر اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں لیکن یہ نہیں بتاتے کہ ان کے ہاں تو یہ روز کا معمول ہے۔ بلکہ اس سے بھی کہیں آگے بڑھ کر وہ قتل و غارت تک کی جو وارداتیں کرتے ہیں اس سے تو حسن بن سباح اور اس کے باطنی ساتھیوں کی روحیں بلکہ بدروحیں بھی کپکپا کر رہ جاتی ہیں۔

مرزا محمود احمد نے اپنے قریب ترین رحمی اور غیر رحمی رشتوں کے ساتھ جو سلوک کیا، اس کی داستان بیان کرنے والے ان کے عزیز، رشتہ دار اور اس کے وہ قریب ترین ساتھی ہیں جو سب کچھ قادیانیت کے لیے قربان کر کے اس کے چرنوں میں گئے تھے۔ مگر پھر جب انہیں اصل حقیقت کا علم ہوا تو پتہ چلا کہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ حافظ شیرازی نے کسی ایسے ہی موقع کے لیے کہا تھا ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

اس جنسی بے راہروی کا یہ نتیجہ نکلا کہ مرزا محمود احمد بدترین فالج کا شکار ہوا اور پندرہ سال تک ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرا لیکن اس کی احمق جماعت کا یہ حال تھا کہ وہ الفضل میں لوگوں کی یہ خوابیں شائع کر رہی تھی کہ چاند کو گرہن لگ گیا ہے اور وہ بہت جلد اپنی اصلی حالت میں آجائے گا لیکن عذاب الٰہی کی گرفت میں آیا ہوا کوئی شخص کیسے بچ سکتا ہے اور میں نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے کہ ربوہ کی ہر عبادت گاہ میں قادیانی صبح کی نماز کے بعد رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد رو رو کر اور چیخ چیخ کر رب اشف امیر المومنین شفاءً عاجلاً کاملاً لایغادر سقماً کی دعائیں اس طرح مانگا کرتے تھے کہ ان کی گھگھی بند جاتی تھی لیکن پی آئی اے کی پرواز سے روزانہ جرمنی سے دوائیں منگوانے اور سوئٹزرلینڈ کے بہترین ڈاکٹروں سے علاج کروانے کے باوجود اس کے مرض نے ایسی خوفناک صورت اختیار کر لی کہ اس کا نصف سے زیادہ دھڑ بالکل بیکار اور شل ہو گیا، ٹانگیں توری کی طرح لٹکنے لگیں اور مگر دولت کا پجاری ''خاندان نبوت'' اس عبرتناک حالت میں بھی حضرت صاحب کی زیارت کے نام پر نمائش کر کے چندہ اکٹھا کرتا رہا کہ دولت ہی تو اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور یہ سارا ناٹک اسی لیے رچایا گیا۔ یہاں اس امر کی نشاندہی بھی ضروری ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے بارے میں جو روایات موجود ہیں۔ قادیانی

اس کی پرزور تردید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے ساتھ کبھی ایسا نہیں کرتا لیکن جب مرزا محمود احمد عذاب خداوندی کی پکڑ میں آیا تو پھر ابوالآ ٹا (ابوالعطا) جالندھری جیسے ملاؤں نے انہی روایات کو مرزا محمود کی بیماری کے لیے بطور دلیل پیش کرنا شروع کر دیا۔

اور جب 1965ء میں مرزا محمود احمد اپنی تمام مکاریوں اور عیاریوں کو ساتھ لے کر جہنم کی سب سے نچلی تہ کی جانب روانہ ہوا تو وہ مرزا ناصر احمد کو اپنا جانشین بنانے کی تمام پلاننگ کر چکا تھا اور قادیانی جماعت میں رائج نیم آزاد اور محدود طریق انتخاب کو منسوخ کر کے اس کی جگہ پوپ کی طرز پر اپنے لے پالک نمائندین (کارڈینیلز) کا ایک انتخابی کالج بھی بنا چکا تھا مگر اتنے وسیع انتظامات کے باوجود اس کا سوتیلا بھائی مرزا رفیع احمد اس کے لیے ایک بڑا خطرہ تھا جس سے نمٹنے کے لیے مرزا ناصر احمد کے حقیقی بھائیوں اور حواریوں نے پہلے سے تیاریاں کر رکھی تھیں اور مرزا طاہر احمد جس کی اس سے پہلے مرزا رفیع احمد سے گاڑھی چھنتی تھی، وہ بھی مرزا رفیع احمد سے آنکھیں پھیر چکا تھا اور کمینگی اور مخبری میں اس حد تک آگے چلا گیا تھا کہ مرزا رفیع احمد کے صدر خدام الاحمدیہ ہونے کے زمانے میں جو طاہر کبڈی ٹورنامنٹ ہوتا تھا، اس کے بارے میں اس نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر مرزا ناصر کو یہ رپورٹ بھیجی کہ یہ نام سابق صدر مرزا رفیع احمد کا تجویز کردہ ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس کو رکھا جائے ورنہ تبدیل کر دیا جائے۔ میں بھی اس زمانے میں خدام الاحمدیہ کی مرکزی مجلس کا ایک اہم رکن تھا، اس لیے یہ تحریر میں نے خود پڑھی اور یہ جان کر حیران رہ گیا کہ محلاتی سازشیں یہاں کس طرح ہوتی ہیں؟ اس مخبری کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی بیٹی کا نکاح مرزا ناصر احمد کے بیٹے لقمان سے کر کے ''عروج بالفروج'' کے ذریعے اپنی ''خلافت'' پکی کرنے کی کوششیں بھی تیز کر دیں۔

ان حالات میں جب ڈرامہ بازی کر کے مرزا ناصر احمد کو خلیفہ ثالث یا سالوس بنانے کا جعلی اعلان کیا گیا تو کسی کو اس کا یقین نہ آیا اور قادیانی عبادت گاہ (مسجد مبارک) میں اس قدر شور برپا ہوا کہ مرزا ناصر کو اپنی چگی داڑھی سمیت یہ اعلان کرنا پڑا کہ خاموش ہو جائیں لیکن ہنگامہ پھر بھی فرو نہ ہوا تو میر محمود احمد نے باآواز بلند حاضرین سے اپیل کی کہ یہ ''خلیفہ المسیح کا پہلا حکم ہے خاموش ہو جائیں'' اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اندر خانے کیا کچھ ہوا ہوگا۔ یہ سارا منظر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور خدا شاہد ہے کہ اس میں ایک ذرہ بھی مبالغہ نہیں کیا گیا۔ مرزا ناصر احمد اور مرزا طاہر احمد جس ماحول میں پلے بڑھے، اس میں ان کے شریف ہونے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن انہوں نے اپنے آبا کی سنت پر چلتے ہوئے جو ''کارنامے'' انجام دیئے، اس کی ایک جھلک ''قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک انجام'' میں آپ کو ضرور ملے گی اور یہ نام ان پر مسلسل اور متواتر نازل ہونے والے عذاب کے حوالے سے بہت ہی موزوں ہے قادیانیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑی کد ہے۔ مرزا غلام احمد نے

انجیل کی بعض الحاقی روایات کے مورچے میں بیٹھ کر ان کے خلاف اپنی روایتی بدزبانی کا مظاہر تو کیا ہی ہے لیکن مرزا طاہر احمد نے بھی ان کے بارے میں ایک کتاب ''ابن مریم کا انجام'' لکھی اور جب ایک دن میں نے اس کے منہ پر کہا کہ یہ عنوان نہایت نامناسب ہے تو وہ زبان سے تو کچھ نہ بولا لیکن اگلے ایڈیشن میں اس کا عنوان ''وصال ابن مریم'' کر دیا۔ یہ دونوں کتب میرے پاس موجود ہیں۔

مرزا ناصر احمد نے اپنے والد اور دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جنسی بے راہ روی کی جونت نئی راہیں کھولیں، ان کے بارے میں راجہ غالب احمد کے بھائی راجہ منور احمد جو سابق وزیراعلیٰ پنجاب محمد حنیف رامے کے سیاسی مشیر بھی رہے ہیں، خاصی روشنی ڈال سکتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اب انہیں اپنے بھائی بشیر احمد رازی کی طرح سب کچھ کہہ ہی دینا چاہیے۔ مرزا ناصر احمد اگرچہ اس عہد میں ہی بے راہروی کے راستے پر چل نکلا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

جوانی سے طفلی گلے مل رہی تھی
ہوا چل رہی تھی کلی کھل رہی تھی

لیکن بڑھاپے میں خلافت کی گدی سنبھالنے کے بعد اس نے اپنے بیٹے لقمان کی معشوقہ فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور کی طالبہ طاہرہ خاں کو جس طرح اپنے حرم میں داخل کیا، اس سے ''خاندان نبوت'' کی پرانی روایت اس طرح تازہ ہوئی کہ مرزا ناصر احمد کو کشتے کھا کر اپنے عبرتناک انجام کی طرف جانا پڑا اور شدت بیماری سے ان کے سارے جسم پر پھوڑے نکل آئے اور چہرہ بھی اس سے نہ بچ سکا۔ ان ایام میں، میں نے لاہور کے ایک سکھ بند قادیانی عبدالعزیز بھٹی ایڈووکیٹ سے پوچھا: کہ یہ کیا ہوا تو اس نے فوراً کہا کہ اول تو حضرت صاحب کو اس عمر میں شادی کرنی ہی نہیں چاہیے تھی اور اگر کر ہی لی تھی تو پھر کشتے نہیں کھانے چاہئیں تھے کیونکہ یہ سب کچھ کشتوں ہی کا کیا دھرا ہے۔ میں نے استفسار کیا جب آپ کو سب کچھ پتہ ہے کہ بڑھاپے میں ایسی شادیاں بگڑے ہوئے امراء کا چلن ہیں اور اگر دینداری کا لبادہ اوڑھ کر یہ حرکت کی جائے تو یہ اس سے بھی بدتر ہے۔ تو پھر آپ قادیانیت سے تائب کیوں نہیں ہو جاتے تو اس نے کہا کہ میرے والد نے سکھ مذہب کو چھوڑ کر ''احمدیت'' قبول کی تھی، اس وقت ان کے بڑھاپے کا عالم تھا اور 50 سال کے بعد اب مجھے اصل حالات کا علم ہوا ہے تو میں کسی نئی سوسائٹی میں ایڈجسٹ نہیں ہوسکتا کیونکہ ہمیں زندگی میں سب سے قطع تعلق کر کے ایک مخصوص فضا میں رہنا سکھایا گیا ہے اس لیے اس ماحول سے الگ ہو کر زندگی بسر کرنا بہت مشکل کام ہے۔ بچوں کی شادیاں بھی کرنی ہیں جو سب سے بڑا پرابلم ہے۔ ''احمدیت'' چھوڑ دیں تو مسلمان بھی ہمیں قبول کرنے پر تیار نہیں ہو پاتے، ان حالات میں ہمیں تو اب یہیں جینا اور یہیں مرنا ہے۔ یہی مسئلہ ایئر مارشل (ر) ظفر چوہدری کا ہے کہ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اسی جوہڑ میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اسی طرح ٹھیکیدار اسمٰعیل جہلمی کا بیٹا ظفر جو امریکہ میں مقیم ہے، اُسے آج بھی خوب اچھی یاد ہے کہ بچپن میں ترکی کے مقام پر مرزا محمود نے ان کے ہاتھ میں رائفل پکڑا کر اور انہیں

فائرنگ پر آمادہ کر کے ابوالہاشم خاں بنگالی کی بیٹی اور صلاح الدین ناصر بنگالی کی بہن کو کس طرح قتل خطاء کا ڈرامہ کر کے قتل کیا تھا تا کہ اپنے گناہ پر پردہ ڈالا جا سکے۔ سینکڑوں قادیانی خوب سمجھتے ہیں کہ ''امن پسند جماعت احمدیہ'' کیسی کیسی غنڈہ گردی کرتی ہے۔ جسٹس منیر مرحوم نے فسادات پنجاب 1953ء کی انکوائری رپورٹ میں لکھا ہے کہ ایک سیاہ رنگ کی کار آتی تھی جو ختم نبوت کی حمایت میں نکالے جانے والے جلوسوں پر گولیاں برساتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ اس عہد میں بورسٹل جیل کے قادیانی سپرنٹنڈنٹ نذیر نے جو منڈی بہاء الدین کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، راقم کو یہ بتایا کہ مسلمانوں کو بھوننے کا یہ انتظام بھی ہم نے ہی کیا تھا اور ہم ساری کارروائی کرنے کے بعد اس کار کو واپس لا کر بورسٹل جیل کے اندر کھڑی کر دیتے تھے۔ سچ بولنا قادیانیوں کے لیے واقعی بہت مشکل ہے مگر انہیں بالآخر یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑے گا کیونکہ ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' کی پیشگوئی ایسی ناکامی سے دوچار ہوئی ہے کہ ''احمدیت'' اپنی ہی جنم بھومی میں اجنبی ہو کر رہ گئی ہے اور بیرونی ممالک قادیانیوں کے پرزور پروپیگنڈے کے باوجود پاکستان میں ان کے غیر مسلم قرار دیئے جانے کے فیصلے پر خط تنسیخ نہیں کھینچا جا سکا۔ جنوبی افریقہ میں بھی انہیں دائرۂ اسلام سے خارج کیا جا چکا ہے۔ بنگلہ دیش میں انہیں غیر مسلموں کی صف میں شامل کرنے کے لیے مظاہرے ہو رہے ہیں اور اگر امت مسلمہ کو اس بات کا پورا ادراک ہو گیا کہ جہاد اور دہشت گردی کو آپس میں لازم وملزوم قرار دینے کی امریکی کوششوں میں قادیانیوں کی جدوجہد کا کس قدر عمل دخل ہے اور وہ جہاد کے اسلامی احکامات کا استخفاف کرنے کی امریکی مساعی پر کس قدر خوش ہو رہے ہیں تو یہ سودا بھی انہیں بالآخر مہنگا ہی پڑے گا۔

قادیانی جب آلو اور گوبھی زیادہ کھا لیتے ہیں تو ان کی پیشگوئیوں میں جوش بھی کچھ زیادہ ہی پیدا ہو جاتا ہے لیکن جس طرح مرزا غلام احمد کی مصر میں احمدیوں کے ریت کے ذروں کی طرح ہونے کی پیش گوئی صحراء میں ہی بکھر کر رہ گئی، اسی طرح مرزا ناصر احمد اور مرزا طاہر احمد کی جانب سے ان کی تعداد ایک کروڑ تک پہنچانے کی پیشگوئیاں بھی تیز دھوپ میں برف کی طرح پگھل کر مٹی میں ملتی جا رہی ہیں۔

یہ تفصیلات تو یونہی پھسل کر قلم کی نوک پر آ گئیں ورنہ اصل تذکرہ تو قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک انجام کا تھا۔ مرزا غلام احمد دوسروں کی موت کی پیشگوئیاں کرنے کے کتنے شوقین تھے، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کبھی طاعون سے مرنے والوں کو اپنے ''معجزے'' کا نتیجہ قرار دیا۔ کبھی کوئٹہ میں آنے والے زلزلے کو اپنی صداقت کا نشان بتایا۔ کبھی شاہ کابل کی ریاست میں 85 ہزار افراد کے مرنے کی خبریں سنائیں۔ کبھی اپنے مخالفین کو عبرتناک موت کی وعید دی اور خاص طور پر مولانا ثناء اللہ امرتسری، عبداللہ آتھم اور مولانا سعد اللہ لدھیانوی کو تو نام لے کر دشنام طرازی کی سان پر چڑھایا۔ اسی کا ایک شعر جو قادیانی کلام بلاغت نظام کا ادنیٰ سا نمونہ ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

ومن اللئام اری رجیلا فاسقا
غولا لعینا نطفه السفهاء
شکس خبیث مفسد و مزور
نجس سیمی السعد فی الجهلاء

اور لئیموں میں سے ایک فاسق شخص کو دیکھتا ہوں کہ ایک شیطان ملعون ہے۔ سفیہوں کا نطفہ اور وہ بدگو خبیث مفسد اور جھوٹا ہے جو ہے تو نحس مگر جاہلوں میں سعد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی جنہوں نے علمی محاذ پر مرزا غلام احمد کے براہین کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں، ان کو گالیاں دینے کی اس نے نت نئی طرح ڈالی اور مہر علی کو مہو علی لکھتا اور پڑھتا رہا۔ انسان تو انسان شہر بھی اس کی گالیوں سے نہ بچ سکے۔

جہلم کو گالیاں نکالتے ہوئے اس نے تحریر کیا ہے کہ اس کے پہلے تین حرف جہل یعنی جہالت پر دلالت کرتے ہیں اور م روحانی و جسمانی موت کا پتہ دیتی ہے۔ جو شخص اپنے مخالفین کو جہاں سے نکلے ہو وہیں واپس چلے جاؤ اور ہندوؤں کے خدا کو ناف سے ایک بالشت 4 انگل نیچے قرار دیے بلکہ اسے لکھنے سے بھی باز نہ آتا ہو، اس کا انبیا تو بہت دور کی بات ہے کسی معمولی شریف آدمی سے بھی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن چونکہ ایک گروہ محض اپنے حلوے مانڈے کے لیے اسے نبی منوانے پر تلا ہوا ہے، اس لیے دیکھیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تو پوری تاریخ میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ملتا جس نے اپنے مخالفین کو اس طرح گالیاں نکالی ہوں اور ان کے برے انجام کی کہانیاں سنا سنا کر اپنے دل کو تسکین دی ہو لیکن یہ ساری پیش گوئیاں غلط نکلیں اور مرزا غلام احمد خود عبرتناک موت کا شکار ہوا۔

مولوی نورالدین اعانتِ جرم کی پاداش میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوا اور خود مرزا محمود احمد نے اس پر اپنے باپ کا الہام فٹ کر دیا کہ اس کی ''استقامت میں فرق آ گیا۔'' جبکہ مرزا محمود اس عبرتناک طریقے سے مرا کہ وہ پاگلوں کی طرح سر مارتا تھا اور قادیان واپس جانے کی ضد کرتا تھا اور گدی نشینوں کا ٹولہ مریدوں کو صرف یہ بتاتا تھا کہ ''حضور'' مقامات مقدسہ کے ذکر پر آبدیدہ ہو جاتے اور اصرار کرتے ہیں کہ انہیں ان کی جنم بھومی میں واپس لے جایا جائے لیکن رہیں دل کی دل میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا۔ قاضی اکمل ایسی خوفناک بواسیر سے مرا کہ وہ بستر پر ہی لیٹا رہتا تھا اور ہل تک نہیں سکتا تھا۔ مرزا محمود کا سالا ولی اللہ شاہ ناظر امورِ عامہ بھی فالج سے لنگڑا ہو کر چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا اور سالہا سال تک اسی حالت میں رہا جس پر حسن رہتاسی نے اس پر یہ نظم کہی:

چلے جب تو چال اس کی والعادیات
کھڑا ہو تو تفسیر قالوا کسالی

میں حیراں ہوں اس کا کیا نام رکھوں
نویلی دلہن یا پرانی چھنالہ

مرزا ناصر احمد کی موت کا احوال کسی قدر تفصیل سے آچکا ہے مرزا طاہر بھی بدترین موت کی گرفت میں آکر جلاوطنی کی موت مرا اور بھنڈراں والا جنتی بھی جرأت نہ دکھا سکا۔ مرزا طاہر احمد کی والدہ مریم آتشک سے جس المناک طریقے سے مری، اس کی تفصیل میری کتاب شہر سدوم میں موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اتنی زیادہ پڑھی گئی ہے کہ جہاد کی مخالفت اور انگریز کی شان میں مرزا غلام احمد کی پچاس الماریوں پر محیط کتابیں اس کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئی ہیں اور خود قادیانی تبرک کے طور پر اسے چھپا کر رکھتے اور پڑھتے ہیں۔

نوبل پرائز یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام کی بہن صلاح الدین بنگالی کی بہن روزی کی سہیلی تھی، اس لیے ناممکن ہے کہ انہیں اس خاندان کے جنسی عصیان کی کوئی خبر نہ ہو، اس لیے وہ کتمان حق کی پاداش میں علاج معالجے کی بہترین سہولتوں کے باوجود اپنی یادداشت کھو بیٹھا اور سالہاسال تک اس حالت میں رہا کہ ایک سیکنڈ کے لیے کھڑے ہوتا تو نیچے گر جاتا۔ چوہدری ظفر اللہ خاں اپنی عمر کا آخری حصہ نہایت اذیت ناک طریقے سے گزار کر مرا حالانکہ اسے مرزا محمود کی بدمعاشیوں کا ذاتی علم تھا اور وہ خود بھی بہت بڑا ''مدبر'' تھا اور اس کی جنسی انارکی اس مقام کو پہنچی ہوئی تھی کہ ایک دفعہ لاہور ریلوے سٹیشن پر وہ معروف صحافی بننے والے عبداللہ ملک کو عہد جوانی میں راجہ غضنفر علی کے ساتھ جانے سے روکنے کے لیے اس سے باقاعدہ گتھم گتھا ہو گیا۔ ان حالات میں خود قادیانی یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی قادیانی فالج یا دوسری عبرتناک بیماری سے نہیں مرتا تو وہ قادیانی ہی نہیں۔ کوئی شخص خواہ وہ ہندو، یہودی، عیسائی، ملیچھ یا قادیانی کوئی بھی ہو، اس کی بیماری کو ہدف طعن بنانا یا اس کی موت پر کسی قسم کی مسرت کا اظہار کرنا نہایت نازیبا ہے لیکن چونکہ قادیانیوں کے متنبی اعظم سے لے کر ان کے نام نہاد گدی نشینوں تک نے یہ وتیرہ بنالیا ہے کہ وہ ہر قابل ذکر مسلمان لیڈر اور عالم کی موت پر جشن مناتے ہیں اور ذوالفقار علی بھٹو اور شاہ فیصل کی موت پر تو انہوں نے باقاعدہ انبساط کا اظہار کرتے ہوئے مٹھائیاں تک تقسیم کیں، اس لیے ہم نے نہایت افسوس کے ساتھ یہ اجمالی سا تذکرہ کیا ہے کہ قادیانی امت کے اکابر کس طرح مقابر کی تاریکیوں میں ڈوبتے ہیں۔

چند روز پیشتر ایک قادیانی نے مجھے ٹیلی فون کیا کہ کچھ وقت دیں، آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔ میں نے کہا کسی وقت تشریف لے آئیں۔ چنانچہ وہ اگلے ہی روز آپہنچے اور سلسلہ کلام شروع کرتے ہی کہا کہ ''خلیفہ ثانی'' کی جنسی بے اعتدالیاں تو واقعی حد سے بڑھی ہوئی تھیں۔ آپ ان کے بارے میں ضرور لکھیں لیکن مرزا غلام احمد کے متعلق کوئی بات نہ کریں۔ میں نے کہا اس نے تاج برطانیہ کے سائے تلے جعلی نبوت کا دعویٰ کر کے جہاد کو منسوخ کر کے اور تمام مسلمانوں کو غلیظ ترین گالیاں دے کر جس طرح

امت مسلمہ کو نقصان پہنچایا ہے، اس صورتحال میں اسے کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ کہنے لگے سوچ لیں ہم آپ کو اتنے پیسے دے سکتے ہیں جو جماعت اسلامی، جماعۃ الدعوہ اور ختم نبوت والے آپ کو نہیں دے سکتے، میں نے جواب دیا کہ میرا ان جماعتوں سے فکری اتحاد ہے اور میں نے آج تک ان سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ اگر آپ باز نہ آئے تو ہم آپ کو ایسے طریقے سے بدنام کرنے کی کوشش کریں گے کہ کسی کو شبہ بھی نہیں ہوگا۔ تو میں نے جواباً کہا آپ جو چاہیں کرلیں، الزامات اگر جھوٹے ہوں تو سچ کی ایک کرن ہی ان کی پیدا کردہ تاریکی کا پردہ چاک کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے آپ جو چاہیں کرلیں لیکن میرے تین سوالات بھی اپنے بڑوں کے سامنے ضرور پیش کردیں:

-1 نذیر ڈرائیور اور مرزا اظہر کی شکلیں آپس میں ہو بہو کیوں ملتی ہیں؟

-2 خلیفہ صلاح الدین کے ایک بیٹے کی شکل آپ کے ایک خلیفے کی تصویر کا عکس کیوں دکھائی دیتی ہے۔

-3 مرزا محمود احمد کی بیٹی امۃ القیوم عرف قمی اور ان کی بیوی بشریٰ المعروف مہر آپا کا رحم کیوں غائب ہے۔ الٹرا ساؤنڈ کروالیں اگر ہماری بات غلط نکلے تو شہر سدوم کی تمام کاپیاں تلف کردوں گا جس پر وہ اٹھ کر باہر نکلنے لگے۔ تو ایک نے بڑبڑاتے ہوئے کہا کہ آپ اکیلے یہ جنگ کب تک لڑیں گے۔ میں نے کہا ''میں ختم نبوت کا ایسا سپاہی ہوں جس کے ہاتھ میں پرانی توڑے دار بندوق ہے لیکن میں آخری گولی تک اپنے مورچے میں ڈٹا رہوں گا۔''

جناب متین خالد نے جس محنت اور عرق ریزی سے یہ ساری تفصیلات قادیانیوں کی کتب، رسائل اور اخبارات سے جمع کی ہیں، یہ ایک بہت بڑا کام ہے جو نہ صرف قادیانیوں کے لیے ''سرمہ چشم احمدیہ'' کا کام دے کر ان کے ''ازالہ اوہام'' کا موجب بنے گا بلکہ آنے والے مورخ کی تحقیق کے لیے ایک ماخذ کا کام بھی دے گا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کی اس کتاب کو قادیانی زعماء کی جنسی زندگی کا ٹریل ایکس ماسٹر پرنٹ قرار دیا جاسکتا ہے۔

شفیق مرزا

لاہور



دریچہ

''ہوئے مر کے وہ جو رسوا''

بے نظیر بھٹو کے دورِ اقتدار میں اسلم اظہر پی ٹی وی کے مینیجنگ ڈائریکٹر تھے۔ اس محکمے کے ایک قادیانی کو اپنے کسی کام کے سلسلے میں ڈائریکٹر کی منظوری درکار تھی۔ وہ درخواست لے کر حاضر ہوا، ڈائریکٹر نے درخواست پڑھی اور بلا تاخیر دستخط کر دیئے۔ بغیر کسی دفتری اڑچن کے اس آسانی سے کام ہونے پر اس نے یہ سمجھا کہ ڈائریکٹر بھی اپنا آدمی ہے۔ اس لیے اگلے دن وہ بڑے اعتماد اور اپنائیت کے احساس کے ساتھ مٹھائی کا ڈبہ لے کر دفتر میں مسکراتا ہوا داخل ہوا اور وہاں موجود دوسرے لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ڈبہ میز پر رکھا اور بے تکلفی سے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے اس انداز سے آگے بڑھایا کہ اس کی مخصوص انگوٹھی واضح رہے۔ ایم ڈی نے اس کی مسکراہٹ، انگوٹھی اور بے تکلفی کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے اور ڈبے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے ہنس کر کہا: ''سر! وہ میرا کام ہو گیا ہے، اس لیے خوشی میں منہ میٹھا کرانے آیا ہوں اور ویسے بھی سر! آپ تو اپنے آدمی ہیں۔''

ایم ڈی نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہا: ''اوہو...... میاں! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کا کام تو میں نے اس لیے کر دیا کہ میرٹ پر آپ کا حق بنتا تھا اور یہ جو میرے چہرے پر لعنت برس رہی ہے اس کی وجہ کچھ اور ہے۔''

مجھے یہ قصہ اس کتاب کے مصنف و مؤلف محمد متین خالد نے سنایا۔ اسلم اظہر کے نزدیک گو مرزائیت اسباب لعنت میں سے ایک بڑا سبب تھا۔ لیکن کوئی اور فعل بد بھی اس کی وجہ بن سکتا ہے۔ متین خالد نے تقریباً بیس کتابوں میں لعنت و پھٹکار کے اصل اور بڑے سبب کے علاوہ دیگر وجوہ کی تفصیلات مع ثبوت کے جمع کر دی ہیں لیکن زیرِ نظر کتاب میں ان لعنتیوں کا انجام بد مذکور ہے۔

یوں تو اس کائنات کے بنانے والے نے بدکاروں، سیاہ کاروں، بدمعاشوں، سرکشوں اور نافرمانوں کو دنیا میں ڈھیل دے رکھی اور انجام و سزا روزِ قیامت تک موقوف ہے مگر کبھی کبھی اپنی قدرت کے اظہار اور اپنے بندوں کی عبرت کے لیے یہاں بھی ایک جھلک دکھا دی جاتی ہے۔ خصوصاً ایسوں کے لیے جو اپنے منہ سے رسوائی، لعنت اور ذلت طلب کریں۔ آنجہانی مرزا قادیانی نے اپنی تحریروں میں جابجا اپنے

جھوٹا ہونے کی صورت میں عبرتناک اور ذلت آمیز موت کی پیش گوئیاں خود اپنے حق میں کی ہیں، اس وضاحت کے ساتھ کہ عبرتناک موت جو قہر الٰہی اور بہت بری موت ہے، وہ ہیضہ ہے، اور یہ بات کون نہیں جانتا کہ مرزا قادیانی کی موت ہیضے سے ہوئی تھی۔ عذاب الٰہی اور انجام بد کے لیے کفر وارتداد اور ختم نبوت کا انکار ہی کافی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ فحاشی، لواطت، بدکاری، شراب خوری، دھوکہ، فراڈ اور ظلم و ستم بھی شامل ہو جائے تو یہ کفر کی بدترین شکل ہے۔ پھر یہ سیاہ کاریاں کھلے بندوں ڈنکے کی چوٹ پر ہوں تو اللہ کے عذاب کا کوڑا اسی دنیا میں حرکت میں آجاتا ہے۔

متین خالد نے اس کتاب کا نام ''قادیانی راسپوٹینوں کا عبرتناک انجام'' رکھا ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ اصل راسپوٹین کے ساتھ زیادتی ہے۔ مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا نورالدین کے داماد اور قادیانیوں کے خلیفہ ثانی مرزا محمود احمد کی جو غلیظ ترین اور گھناؤنی کرتوتیں اس کتاب میں مذکور ہیں، راسپوٹین دیکھ پاتا تو کانوں کو ہاتھ لگاتا۔ تاریخ میں راسپوٹین کا نام برائی اور بدی کی علامت کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے لیکن کیا اس کے حالات زندگی میں کوئی دکھا سکتا ہے کہ اس نے اپنی سگی بیٹی سے دست درازی کی ہو یا اپنی مقدس کتاب کو بستر گناہ کی چادر بنایا ہو۔

متین خالد ختم نبوت کی سرحد کا وہ جرأت مند، پرعزم اور نڈر پہرے دار ہے جو برے کو اس کے گھر تک پہنچانے کا حوصلہ اور ہمت رکھتا ہے۔ اس نے ان تمام چوراچکوں، اٹھائی گیروں، لچے لفنگوں، بدمعاشوں اور دلالوں کے پول تو اپنی دیگر کتابوں میں خوب خوب کھولے ہیں جنہوں نے مذہبی لبادے میں عقیدہ ختم نبوت پر شب خون مارا اور یہود و نصاریٰ کی کاسہ لیسی کا حق ادا کیا۔ اس کتاب میں اس نے پوسٹ مارٹم کر کے ان کے انجام بد اور اس کے اسباب و وجوہ کو آشکارا کیا ہے۔ متین خالد، اللہ تعالیٰ کے اس نظام قدرت کی ایک نشانی ہے جس نظام کے تحت تاقیام قیامت، اسلام کی بقا اور حفاظت کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا کام، محنت اور عزم میرے لیے باعث تعجب تو نہیں، قابل رشک ضرور ہے۔ ممکن ہے کسی نصیبے والے کو ان واقعات سے ہدایت کی راہ ملے اور متین خالد دربار رسالت میں سرخرو ٹھہرے۔ یہی اس کی محنت کا حاصل اور زندگی کا مقصد ہے۔

مولانا قاری منصور احمد

کالم نگار ''دریچہ''

ہفت روزہ ضرب مومن، کراچی



یقین کیجیے!!!

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بے پایاں محبت کرتے ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ حضور نبی کریمؐ نے اپنی روشن زندگی کا ایک ایک نورانی لمحہ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت اور رضا کے منور ہالے میں بسر کیا اور دوسرا یہ کہ آپؐ نے اس راستے میں آنے والی تمام جانگسل مشکلات، تکالیف، مصائب اور آزمائشوں کو نہایت خندہ پیشانی، صبر اور استقامت سے برداشت کیا۔ حضور نبی کریمؐ کی اس خوبصورت ادا اور قربانی نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپؐ کا مقام و مرتبہ بے حد بلند کیا۔ قرآن مجید میں خالق کائنات حضور نبی کریمؐ کا تعارف وما ارسلنک الا رحمة للعالمین کی رخشاں سند کے ساتھ کرتا ہے۔ کبھی آپ کے فرقِ اقدس پر یسین، طه، یاایها المزمل اور یا ایها المدثر کے تاج سجائے جاتے ہیں اور کبھی ورفعنالک ذکرک کی منادی انفس و آفاق میں آپ کی برتری کا اعلان کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنے محبوب علیہ السلام کے توسط سے کرائی۔ کبھی فرمایا هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق۔ رب العالمین وہ شان والا ہے جس نے اپنے رسول علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ کبھی اپنے تعارف کے لیے فرمایا۔ قل هو الله احد (اے حبیب مکرم) آپ اپنی زبان پاک سے لوگوں کو کہہ دیں کہ اللہ ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ، اہل ایمان کو آداب النبی سکھاتے ہوئے حکم دیتا ہے:

اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو (نبی کریم ﷺ) کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمھارے اعمال اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔ (الحجرات: 2)

سعدیؒ نے کہا تھا:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

یہ وہ عالی مرتبت دربار ہے، جہاں غالب ایسے شہنشاہِ سخن کو بھی اعتراف عجز سخن کرتے ہوئے

یوں کہنا پڑا۔

غالب ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

یہی وجہ ہے کہ خدائے رحمٰن و رحیم ان دریدہ دہنوں کو نہایت سخت الفاظ میں انتباہ کرتا ہے جو حضور نبی کریمؐ کی شان اقدس میں گستاخیوں کے ارتکاب کی جسارت کرتے، مقدس تعلیمات کا تمسخر اڑاتے، آپ کے مقام و مرتبہ کو گھٹانے کی مذموم سعی کرتے، ختم نبوت کا انکار کرتے، آپ کے عالی مقام اہل بیت کی تنقیص کرتے، آپ کے صحابہ کرامؓ کا مذاق اڑاتے یا آپ کے دلبر و دلدار شہرِ مدینہ منورہ کی توہین کرتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کی دنیوی و اخروی زندگی امن و سکون سے گزرے۔ ایسے بدبختوں پر قہر خداوندی ایسے نازل ہوتا ہے کہ ان کی زندگیاں نقش عبرت بن جاتی ہیں۔ ان کا سکون چھین لیا جاتا ہے، ان کے ہاں بہن بھائی اور باپ بیٹی ایسے مقدس رشتوں کا تقدس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ خدا کی لعنت ہمہ وقت ان کے تعاقب میں رہتی ہے۔

قرآنِ کریم میں رسول کریمؐ کو ایذا دینے والے کو مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں ذلیل کرنے والے دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ ایک بار ابولہب نے حضور اقدسؐ کی شان میں بکواس کرتے ہوئے کہا تھا 'تبالک آپ تباہ ہو جائیں (نعوذباللہ) اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی کا بدلہ اور انتقام لیتے ہوئے خود فرمایا: تبت یدا ابی لھب وتب: اور یہ الفاظ قرآنی وحی کی صورت میں قرآن مجید میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیئے گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ، بدنام زمانہ گستاخِ رسول ولید بن مغیرہ کے 9 بڑے عیب گنوانے کے بعد ایک بڑی حقیقت کا پردہ چاک کرتے ہوئے اسے "زنیم" یعنی "حرام زادہ" قرار دیتے ہیں۔ (سورۃ القلم 10 تا 13)

موجود دور میں فتنہ قادیانیت، گستاخان رسول کا وہ خبیث اور بدبخت ٹولہ ہے جو یہود و ہنود کی سرپرستی میں اسلام کی بیخ کنی کرنے میں مصروف عمل ہے۔ اس فتنہ کا بانی آنجہانی مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ وہ خود "محمد رسول اللہ" ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ قادیان میں نازل ہوا۔ (نعوذباللہ) اس عقیدہ کی بنیاد پر ہر قادیانی جب کلمہ پڑھتا ہے یا اذان کہتا ہے تو "محمد رسول اللہ" سے مراد مرزا قادیانی لیتا ہے۔ اس عقیدہ کے علاوہ بھی مرزا قادیانی نے شان رسالتؐ میں بے حد توہین آمیز کلمات کہے اور اس کے پیروکار "قادیانی" بھی آئے روز اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔

حکیم الامت، مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال کا اپنا بیان ہے:

"ذاتی طور پر میں اس تحریک (قادیانی جماعت) سے اس وقت بیزار ہوا جب ایک نئی نبوت، بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری

بغاوت کی حد تک پہنچ گئی، جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرتؐ کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔'' (سن رائز کے جواب میں)

قادیانی اپنے ہر مخالف کی موت پر نہ صرف خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں بلکہ گوئبلو پروپیگنڈہ کے تحت خوب نمک مرچ لگا کر اس کی کردار کشی کرتے اور ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ چونکہ اس شخص نے ہمارے ''حضرت'' اور مشن کی مخالفت کی تھی، اس لیے اسے عبرتناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ ایک گھٹیا سوچ ہے جو صرف قادیانیوں کا خاصا ہے۔ اس سلسلہ میں سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو آج تک قادیانیوں کے منفی پروپیگنڈے کا مسلسل نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جناب بھٹو کے عہدِ حکومت میں ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے 7 ستمبر 1974ء کو متفقہ طور پر قادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد وعزائم کی بناء پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔ اور یوں ایک 90 سالہ دیرینہ مسئلہ کا کافی وشافی آئینی حل سامنے آیا۔ اسی طرح جب کبھی قادیانی اخبارات ورسائل میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کا ذکر آتا ہے تو ہر چھوٹا بڑا قادیانی ان کی المناک شہادت پر اپنے شیطانی طنز اور تضحیک کے تیر چلا کر خوش ہوتا ہے۔

قادیانیوں کو آئین میں غیر مسلم اقلیت قرار دلانے والے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی پر قادیانیوں نے جشن منایا اور مٹھائیاں تقسیم کیں اور اپنے جھوٹے مدعی نبوت اور انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا قادیانی علیہ ماعلیہ کی کتابوں کو کھنگالنا شروع کر دیا کہ شائد کوئی ایسا لفظ مل جائے جسے وہ الہام بنا کر جناب بھٹو پر چسپاں کر سکیں، طویل تلاش وبسیار کے بعد مرزا قادیانی کی ایک نام نہاد وحی ملی کہ:

''ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعداد تہجی میں مجھے خبر دی جس کا ماحصل یہ ہے کہ (کلب یموت علیٰ کلب) یعنی وہ کتا ہے اور کتے کے عدد پر مرے گا۔ جو 52 سال پر دلالت کر رہے ہیں یعنی اس کی عمر 52 سال سے تجاوز نہیں کرے گی جب 52 سال کے اندر قدم دھرے گا۔ تب اسی سال کے اندر اندر راہی ملک بقاء ہوگا۔'' (ازالہ اوہام ص 187، مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 190 از مرزا قادیانی)

اس خود ساختہ اور من گھڑت الہام کو سچا ثابت کرنے کے لیے کتے کے اعداد نکالے جو 52 بنتے ہیں اور پھر اسے جناب بھٹو مرحوم پر چسپاں کر دیا گیا کہ چونکہ بھٹو صاحب کو 52 سال کی عمر میں پھانسی ہوئی اور مرزا قادیانی کا یہ الہام بھٹو صاحب کے بارے میں ہے، لہٰذا کتا (بھٹو) کتے کی موت مر گیا (استغفر اللہ) اس موقع پر مجاہدین ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ نے اپنے پرچہ ہفت روزہ ''لولاک'' میں لکھا تھا:

''یہ الہام نہیں بلکہ مرزا قادیانی نے اپنے بیٹے مرزا محمود کو کسی شرارت پر جھڑکا ہوگا اور کہہ دیا ہوگا کہ ''یہ کتا ہے، کتے کی موت مرے گا'' ماں باپ خواہ مسلمان ہوں یا مرزا قادیانی کی طرح کافر ومرتد اور زندیق ہوں، ان کی بددعا اکثر وبیشتر اولاد کے بارے میں اپنا اثر دکھاتی ہے، چنانچہ مرزا قادیانی کی اس

بددعا نے (جسے الہام بنا دیا گیا) اپنا اثر دکھایا اور مرزا محمود گیارہ سال تک خارش زدہ باؤلے کتے کی طرح ایک علیحدہ کمرے میں قید رہا، جس کے ساتھ کسی کو ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ آخری دنوں میں تو اس کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ کتے کی طرح بھونکتا تھا۔ چونکہ مرزا محمود کی مدت خلافت 52 سال تھی اور ''کلب'' کے عدد بھی 52 ہوتے ہیں، لہٰذا یہ بددعا مرزا محمود کو لگی اور وہ کتے کے عدد پر مر گیا۔''

قادیانیوں کا بھٹو کے خلاف فیصلہ کے بارے میں جو نکتہ نظر تھا، وہ مشہور قادیانی چوہدری ظفر اللہ خاں کے ایک انٹرویو کی صورت میں ''سیاسی اتار چڑھاؤ از منیر احمد منیر'' میں شائع ہو چکا ہے۔ جس میں اس نے بھٹو صاحب کے بارے میں اسی قسم کی بکواس کی ہے۔ حالانکہ بھٹو مرحوم نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے کر وہ تاریخی کارنامہ سرانجام دیا کہ رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ ان کی یہ شاندار خدمت تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے اور اس معاملے میں ہم انہیں ملک وملت کا محسن گردانتے ہیں۔

17 مئی 1977ء سے 4 اپریل 1979ء تک کرنل رفیع الدین نے سنٹرل جیل راولپنڈی میں مارشل لاء انتظامیہ کی جانب سے سپیشل سیکورٹی سپرنٹنڈنٹ کے فرائض سرانجام دیئے جہاں سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو رکھا گیا تھا۔ انہوں نے اسی عرصۂ ملازمت کے مشاہدات، تجربات اور محسوسات پر مبنی ایک کتاب ''بھٹو کے آخری 323 دن'' لکھی جس میں وہ لکھتے ہیں:

''احمدیہ مسئلہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر بھٹو صاحب نے کئی بار کچھ نہ کچھ کہا۔ ایک دفعہ کہنے لگے، رفیع! یہ لوگ چاہتے تھے کہ ہم ان کو پاکستان میں وہ مرتبہ دیں جو یہودیوں کو امریکہ میں حاصل ہے۔ یعنی ہماری ہر پالیسی ان کی مرضی کے مطابق چلے۔ ایک بار بھٹو نے کہا کہ قومی اسمبلی نے ان کو غیر مسلم قرار دیا ہے اس میں میرا کیا قصور ہے۔ ایک دن اچانک مجھ سے پوچھا کہ کرنل رفیع! کیا قادیانی آج کل یہ کہہ رہے ہیں کہ میری موجودہ مصیبتیں ان کے خلیفہ کی بددعا کا نتیجہ ہیں کہ میں کال کوٹھڑی میں پڑا ہوا ہوں۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ ''بھئی اگر ان کے اعتقاد کو دیکھا جائے تو وہ تو حضرت محمد ﷺ کو آخری پیغمبر ہی نہیں مانتے اور اگر وہ مجھے ہی اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دینے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ پھر کہنے لگے میں تو بڑا گناہگار ہوں اور کیا معلوم کہ میرا یہ عمل ہی میرے گناہوں کی تلافی کر جائے اور اللہ میرے تمام گناہ اس نیک عمل کی بدولت معاف کر دے۔'' بھٹو صاحب کی باتوں سے، میں یہ اندازہ لگایا کرتا تھا کہ شاید ان کو گناہ وغیرہ کا کوئی خاص احساس نہ تھا لیکن اس دن مجھے محسوس ہوا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔''

صدر محمد ضیاء الحق نے اپنے دور حکومت میں قادیانیوں کو شعائر اسلامی استعمال کرنے سے باز رکھنے کے لیے 26 اپریل 1984ء کو ایک صدارتی آرڈیننس نمبر 20 جاری کیا جس کی رو سے کوئی قادیانی خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی اپنے مذہب کو بطور اسلام پیش کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ قادیانیوں نے اس آرڈیننس کو ''حقوق انسانی'' کے منافی سمجھا اور اس کے خلاف پوری دنیا

میں شور مچایا۔ تمام اسلام دشمن طاقتیں بالخصوص بھارت اور مغربی میڈیا ان کی حمایت میں کھل کر سامنے آ گیا لیکن مسلمانانِ پاکستان کی بلند ہمتی اور اسلامی جذبوں سے سرشار ملی یکجہتی کی بدولت قادیانی پوری دنیا میں ذلیل و رسوا ہوئے۔ بالآخر قادیانیوں نے اس آرڈیننس کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جہاں ان کی رٹ درخواست خارج کرتے ہوئے جج صاحبان نے متفقہ طور پر اس آرڈیننس کو درست قرار دیا اور قادیانیوں کے بارے میں اپنے تاریخی فیصلہ لکھا:

''قادیانی امت مسلمہ کا حصہ نہیں ہیں۔ اس بات کو خود ان کا اپنا طرز عمل خوب واضح کرتا ہے۔ ان کے نزدیک تمام مسلمان کافر ہیں۔ وہ ایک الگ امت ہیں۔ یہ تناقض ہے کہ انہوں نے امت مسلمہ کی جگہ لے لی ہے اور مسلمانوں کو اس امت سے خارج قرار دیا ہے۔ مسلمان انہیں امت مسلمہ سے خارج قرار دیتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس امت سے خارج سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں ایک ہی امت میں سے نہیں ہو سکتے۔ یہ سوال کہ امت مسلمہ کے افراد کون ہیں؟ برطانوی ہندوستان میں کسی ادارے کے موجود نہ ہونے کی بنا پر حل نہ ہو سکا، لیکن اسلامی ریاست میں اس موضوع کو طے کرنے کے لیے ادارے موجود ہیں اور اس لیے اب کوئی مشکل درپیش نہیں ہے۔''

قادیانیوں نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی۔ جہاں ججوں نے متفقہ طور پر قادیانیوں کی اپیل خارج کرتے ہوئے اپنے تاریخی فیصلہ میں لکھا:

''ہمیں اس پس منظر میں احمدیوں کے صد سالہ جشن کی تقریبات کے موقع پر قادیانیوں کے اعلانیہ رویہ کا تصور کرنا چاہیے اور اس ردعمل کے بارے میں سوچنا چاہیے، جس کا اظہار مسلمانوں کی طرف سے ہو سکتا تھا۔ اس لیے اگر کسی قادیانی کو انتظامیہ کی طرف سے یا قانوناً شعائر اسلام کا اعلانیہ اظہار کرنے یا انہیں پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ اقدام اس کی شکل میں ایک اور ''رشدی'' تخلیق کرنے کے مترادف ہوگا...... ردعمل یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی احمدی یا قادیانی سرعام کسی پلے کارڈ، بیج یا پوسٹر پر کلمہ کی نمائش کرتا ہے یا دیوار یا نمائشی دروازوں یا جھنڈیوں پر لکھتا ہے یا دوسرے شعائر اسلامی کا استعمال کرتا یا انہیں پڑھتا ہے تو یہ اعلانیہ رسول اکرمؐ کے نام نامی کی بے حرمتی اور دوسرے انبیاء کرامؑ کے اسمائے گرامی کی توہین کے ساتھ ساتھ مرزا قادیانی کا مرتبہ اونچا کرنے کے مترادف ہے جس سے مسلمانوں کا مشتعل ہونا اور طیش میں آنا ایک فطری بات ہے اور یہ چیز امن عامہ کو خراب کرنے کا موجب بن سکتی ہے، جس کے نتیجہ میں جان و مال کا نقصان ہو سکتا ہے۔''

ایک اہم بات جس کا تذکرہ کرنا بے حد ضروری ہے اور یہ ایک آفاقی صداقت بھی ہے کہ کسی بھی قادیانی کی موت سکون اور اطمینان کے عالم میں نہیں ہوتی بلکہ وہ انتہائی کرب، پریشانی اور اول فول بکتے ہوئے سوئے جہنم روانہ ہوتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ موت کے وقت خدائی لعنت کی وجہ سے ہر قادیانی کا

چہرہ مسخ ہو جاتا ہے اور شکل اتنی ڈراؤنی، گھناؤنی اور بھیانک ہو جاتی ہے کہ دیکھنے والا وحشت محسوس کرتا ہے۔ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ جب بھی کوئی اہم قادیانی مرتا ہے تو قادیانی اخبارات و رسائل اس کے بچپن، لڑکپن، جوانی اور مرنے تک کے تمام اہم واقعات کی تصاویر بڑے اہتمام سے شائع کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کی گود میں کھیلتے ہوئے، سکول جاتے ہوئے، امتحان میں کامیابی کے موقع پر، کوئی گیم کھیلتے ہوئے، تقریر کرتے ہوئے، پکنک مناتے ہوئے، کھانا کھاتے ہوئے، اخبار پڑھتے ہوئے یا تیراکی کرتے ہوئے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آج تک کسی ایک بھی قادیانی کی لاش والی تصویر شائع نہیں ہوئی جس سے معلوم ہو سکے کہ اس کا چہرہ بوقتِ مرگ صحیح و سالم ہے۔ یہی وہ اہم بات ہے جسے قادیانی قیادت خود اپنے پیروکاروں سے بھی چھپاتی ہے۔ اس کی صرف ایک مثال پیش خدمت ہے۔

قادیانی جماعت کا چوتھا خلیفہ مرزا طاہر 19 اپریل 2003ء کو مختلف عوارض کا شکار ہو کر نہایت عبرتناک حالت میں جہنم واصل ہوا۔ خدائی عذاب کی گرفت میں آنے کی وجہ سے اس کا چہرہ بری طرح بگڑ گیا۔ لہٰذا قادیانی قیادت نے حسب معمول فیصلہ کیا کہ پیروکاروں کو مرزا طاہر کا منہ نہ دکھایا جائے۔ چنانچہ ایک اور تابوت خریدا گیا۔ یہ تابوت ایلومینیم کا تھا جس میں لاش والا تابوت ڈال کر سیل کر دیا گیا۔ قادیانی عقیدت مند آتے اور بند تابوت کی زیارت کر کے چلے جاتے۔ قادیانی ٹیلی ویژن چینل ایم ٹی اے نے مرزا طاہر کی آخری رسومات کو براہ راست ٹیلی کاسٹ کیا اور ہر منظر واضح دکھایا مگر مرزا طاہر کا چہرہ آخری وقت تک نہ دکھایا۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی بھی قادیانی کو مرزا طاہر کی قبر پر مٹی ڈالنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ اس طرح قادیانی ماہنامہ ''خالد'' نے اپریل 2004ء میں مرزا طاہر پر خاص شمارہ شائع کیا جس میں مرزا طاہر کے بچپن سے لے کر بیمار ہونے تک 15 بلیک اینڈ وائٹ اور 112 رنگین تصاویر پر مشتمل کل 127 تصویریں شائع کیں۔ مگر دوران بیماری اور مرنے کے بعد اس کی لاش کی ایک تصویر بھی شائع نہیں کی۔

جن لوگوں نے میری کتب کا مطالعہ کیا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ میں دو جمع دو چار کا قائل ہوں۔ میں نے ہمیشہ جھوٹ کا مقابلہ سچ سے کیا ہے۔ کیونکہ جھوٹ کا مقابلہ جھوٹ سے کرنے سے آدمی خود شرمندگی اور خجالت کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ جس شخص کے پاس سچائی کی دلیل موجود ہو، اسے جھوٹ بولنے کا کیا فائدہ؟ میں اپنی تقریر و تحریر میں ہمیشہ دلائل و براہین، مستند حوالہ جات اور ناقابل تردید حقائق بیان کرتا ہوں۔ اس کا بین ثبوت میری کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' ہے۔ قادیانیوں نے اپنے خلاف شائع ہونے والی ہر کتاب حتیٰ کہ معمولی پمفلٹ کا بھی جواب تحریر کیا ہے مگر یقیناً یہ واحد کتاب ہے جس کی اشاعت پر انہیں سانپ سونگھ گیا ہے۔ گذشتہ پانچ سالوں میں اس کتاب کے 5 ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مگر آج تک قادیانیوں کو اس کا جواب تحریر کرنے کی جرأت نہیں ہوئی بلکہ اس کی مقبولیت اور ناقابل شکن دلائل کی موجودگی میں قادیانی، قیادت نے اس کتاب کو قادیانیوں کے لیے شجرہ ممنوعہ قرار دے دیا ہے تاکہ

حق کا متلاشی کوئی قادیانی قادیانیت کو خیر باد نہ کہہ دے۔ میں یہاں محض تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کے مطالعے سے اب تک 200 سے زائد قادیانی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ الحمدللہ۔ یہ محض سچائی کی طاقت ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں درج ہر واقعہ نہایت تحقیق، چھان بین اور مصدقہ تصدیق کے بعد شامل کیا گیا ہے۔

محترم قارئین!

یہ کتاب قادیانیوں کی فرعونیت سے ان کی بے بسی تک، عروج و زوال کی ایک سبق آموز داستان ہے مگر صرف عقل و خرد رکھنے والوں کے لیے۔ قادیانی راسپوٹینوں کے یہ عبرتناک انجام کوئی نئی بات نہیں، تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جس بدبخت نے بھی حضور نبی کریمؐ کی شان اقدس میں توہین کا ارتکاب کیا، نہایت ہولناک انجام نے اُسے لقمہ اجل بنایا۔ بقول شخصے ''تاریخ نے بہت سے لبوں پر وقت آخر تبسم کھیلتا دیکھا ہے اور بہت سے چہروں پر تاریکیوں، مایوسیوں اور لعنتوں کو منڈاتے بھی دیکھا ہے۔ وہ جس کی تمام عمر رسالت مآب ﷺ کی توہین کرتے گزری ہو، اس کے وقت آخر کا عبرتناک انجام ہونا لازم ہے۔ تب وقت اور سبق دونوں بیکار ہو جایا کرتے ہیں۔''

''قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک انجام'' قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک حالات زندگی اور بھیانک و لرزہ خیز انجاموں کو بے نقاب کرتی ہے۔ اس میں درج کئی واقعات اس قدر خوفناک ہیں کہ شائد آپ انہیں تسلیم کرنے میں تامل محسوس کریں یا یہ رائے قائم کریں کہ مصنف نے بعض جگہ پر اپنے تعصب، جھوٹ یا جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ کا یہ سوچنا فطری امر ہے کیونکہ اس کتاب میں درج بعض انکشافات اس قدر ہوش ربا اور چشم کشا ہیں کہ انہیں پڑھتے ہوئے یقین ہی نہیں آتا۔ لیکن کیا کیجئے! ان قادیانیوں کے جرائم اس قدر سنگین ہیں کہ وہ براہ راست خدائی عذاب کا مستوجب بنے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے تمام واقعات نہایت مستند ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں، اس لیے ان کی تاریخی حیثیت نہایت معتبر اور ثقہ ہے۔ میں نے تقریباً 2 سال تک انتہائی محنت اور احتیاط سے قادیانی کتب، اخبارات و رسائل، قادیانی و اینٹی قادیانی ویب سائٹس اور قادیانی ٹیلی ویژن چینل MTA سے براہ راست استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ کئی اہم سابق قادیانیوں سے مختلف ملاقاتوں میں اس موضوع پر سیر حاصل معلومات حاصل کیں جو بے شمار چشم کشا واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ اس بناء پر زیر نظر کتاب نہایت مستند، مبنی بر حقیقت اور اہم معلومات پر مشتمل ہے۔

اس کے باوجود اگر کسی قادیانی یا قادیانی نواز کو اس کتاب میں درج کردہ حقائق و واقعات سے کوئی اختلاف ہو تو وہ میرے خلاف طعن و تشنیع کے طومار باندھنے کے بجائے اخلاقی جرأت بروئے کار لاتے ہوئے دنیا بھر کی کسی بھی عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔ وہاں از خود دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو

جائے گا۔ یاد رہے مرزا قادیانی اپنے ان مخالفین کو جھوٹا اور شکست خوردہ سمجھتا تھا جو اس کے چیلنج کا جواب نہیں دیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں اگر اس سلسلہ میں قادیانی جماعت کا موجودہ سربراہ مرزا مسرور احمد دنیا بھر میں کہیں بھی مجھ سے براہ راست مناظرہ یا مباہلہ کرنا چاہے تو مجھے بصد خوشی منظور ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی اسلام کا متلاشی سنجیدہ قادیانی حقائق جاننے کے لیے اپنی کسی الجھن کو سلجھن بنانا چاہتا ہے تو میرے ای میل ایڈریس پر رابطہ کر سکتا ہے۔ fatehqadyaniat@hotmail.com

محمد متین خالد



آغا ثاقب سلیمانی

شاتمانِ رسول ﷺ کا عبرتناک انجام

قرآنِ کریم نے اپنی سچی اور بے باک تعلیمات کی بنا پر ساری باطل اور مشرک دنیا سے جنگ مول لے لی۔ سب سے پہلے توحید کے عقیدہ نے مشرکوں پر کاری ضرب لگائی، پھر یہود کو زیر کیا۔ نصاریٰ بھی محکوم ہوگئے مگر اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر سبھی تلملا اٹھے اور خفیہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئے۔ اگرچہ حضور ﷺ کی انقلابی دعوت اور ان کے فیضانِ صحبت سے صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار میں نکھار پیدا ہوگیا تھا اور جاں نثاروں کی ایک ایسی جماعت وجود میں آگئی تھی جو موت سے ڈرتی، نہ جنگ کی آگ سے، بلکہ ہر وقت شہادت کی طلبگار رہتی تھی۔ قرآن مجید میں اس جماعت کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

ترجمہ: ''نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ (تعالیٰ) اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے مخالفت مول لی۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔ انہیں باغوں میں لے جایا جائے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں (گے) اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے اللہ تعالیٰ، ان کی ہی جماعت کامیاب ہے۔'' (المجادلہ، آیت: 64)

ان کی روشن مثالیں جنگ بدر اور اُحد میں نظر آتی ہیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے جنگ احد میں اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روزِ بدر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مبارزت کے لیے طلب کیا لیکن رسول اکرم ﷺ نے اس جنگ کی اجازت نہ دی اور مصعبؓ بن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا، اور حضرت عمرؓ بن خطاب نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو موت کے گھاٹ اتارا اور حضرت علیؓ بن ابی طالب، حمزہؓ و ابوعبیدہؓ

نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عقبہ کو قتل کیا جو اُن کے رشتہ دار تھے۔

ایمان اور اسلام ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں، یقین قلبی کا نام ایمان ہے اور اس کا اثر، جو اعمال و افعال میں ظاہر ہو، وہ اسلام ہے۔ اسلام کے معنی اطاعت کے ہیں۔ اسلام کے دعوت کو قبول عام حاصل ہونے لگا تو مشرکین مکہ نے اپنی مخالفانہ سرگرمیوں کو تیز کر دیا اور حضور ﷺ کی ایذا رسانیوں پر اُتر آئے۔ کبھی آپؐ کے قتل کے مشورے ہوتے۔ کبھی آپ ﷺ کے خاندان اور باقی ماندہ مسلمانوں کا معاشی و معاشرتی مقاطعہ کیا جاتا۔ آپ ﷺ اپنے حامیوں اور ساتھیوں کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور بھی کر دیئے گئے۔ غرضیکہ مکہ میں آپ ﷺ کے لیے زندگی دُوبھر کر دی گئی۔ طائف گئے تو وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ گالیاں کھائیں۔ طنز و تشنیع کا نشانہ بنے۔ آپ ﷺ پر پتھروں کی بارش ہوئی اور جسم اطہر سے اتنا خون بہا کہ نعلین پاک خون سے بھر گئے۔ مگر آپ شدید مزاحمتوں کے مقابلہ میں بھی تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ ﷺ کی تبلیغ کے اثر سے مکہ کے نواحی قبائل اسلام قبول کرنے لگے، لیکن قوم بحیثیت مجموعی اسلام دشمنی پر تلی رہی اور جو کوئی شخص اسلام کی طرف میلان ظاہر کرتا، وہ ملامت کا ہدف اور جسمانی اذیت کا نشانہ بنتا۔ اسے معاشی و معاشرتی مقاطعہ کا شکار بھی ہونا پڑتا۔ قریش کی مزاحمت اور جفا کاری اتنی شدت اختیار کر چکی تھی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت حبش کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئی مگر وہاں بھی انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔

ہجرت کے بعد منافقت کا عنصر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس میں وہ منافق بھی داخل ہیں جنہوں نے اظہارِ ایمان تو کیا مگر دل میں کفر رکھ کر اقرار کی روشنی کو ضائع کر دیا۔ سردار المنافقین عبداللہ بن اُبی بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید میں یہ وعید نازل ہوئی:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے کچھ ہدایت دی۔ پھر انہوں نے اس کو ضائع کر دیا، اور ابدی دولت کو حاصل نہ کیا۔ ان کا مال حسرت و افسوس اور عبرت و خوف ہے۔''

مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دی:

ترجمہ: ''تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔ بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔'' (سورۂ حجر آیت: 104)

اب ہم ان معاندین کا نام بنام ذکر کرتے ہیں، جنہوں نے ساری عمر اسلام و رسول ﷺ دشمنی میں گزاری اور انجام کار اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

ابولہب:

یہ وہ بدبخت ازلی ہے، جس کا ذکر قرآن پاک میں تَبَّتْ یَدَا (تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں) کے الفاظ سے آیا ہے۔ یہ حضور ﷺ کا دشمنِ جان تھا۔ طاعون میں مبتلا ہو کر واصلِ جہنم ہوا۔ دوستوں اور

عزیزوں نے بھی لاش کو ہاتھ نہ لگایا۔ اس کے اقارب نے لاش پر اتنے پتھر پھینکے کہ لاشہ ان میں چھپ گیا اور یہی ڈھیر اس کی قبر بنا۔

ام جمیل بنت حرب بن امیہ:

ابوسفیان کی بہن اور ابولہب کی جورو، حضور اکرم ﷺ سے نہایت عناد اور دشمنی رکھتی تھی اور باوجودیکہ دولت مند تھی لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی عداوت میں انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ خود اپنے سر پر کانٹوں کا گٹھا لا کر حضور ﷺ کے راستہ میں ڈالتی تاکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو تکلیف ہو۔ وہ اس کام میں کسی دوسرے سے مدد لینا بھی گوارا نہ کرتی۔

ایک روز یہ بوجھ اٹھا کر لا رہی تھی کہ تھک کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ ایک فرشتے نے بحکم الٰہی اس کے پیچھے سے اس گٹھے کو کھینچا۔ وہ گرا اور اسی سے گلے میں پھانسی لگ گئی اور جہنم واصل ہوئی۔ ان دونوں کے بارے میں سورۂ تبت یدیٰ نازل ہوئی۔

ابوجہل:

یہ بھی راس الاشرار تھا اور حضور ﷺ کی دشمنی میں سب سے بڑھ کر تھا۔ اس کے بارے میں جناب سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اور میری امت کا فرعون ابوجہل ہے۔

سورۂ قیامہ میں جب یہ آیت نازل ہوئی اَولیٰ لک فاولیٰ ثُمَّ اَولیٰ لک فاولیٰ یعنی تیری خرابی آ لگی، پھر تیری خرابی آ لگی، اب آ لگی، تو حضور ﷺ نے بطحا میں ابوجہل کے کپڑے پکڑ کر یہی آیت دہرائی اور اس سے فرمایا: تیری خرابی آ لگی، اب آ لگی، تیری خرابی آ لگی، تو ابوجہل نے کہا: اے محمد ﷺ کیا تم مجھے دھمکاتے ہو؟ تم اور تمہارا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مکہ کے پہاڑوں کے درمیان میں سب سے زیادہ قوی اور زور آور ہوں اور صاحب شوکت ہوں..... مگر قرآنی خبر ضرور پوری ہونی تھی اور حضور ﷺ کا فرمان بھی پورا ہونے والا تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جنگ بدر میں ابوجہل ذلت وخواری کے ساتھ بری طرح مارا گیا۔

آیۂ مذکورہ میں اس کی خرابی کا ذکر چار مرتبہ آیا ہے۔ پہلی خرابی بے ایمانی کی حالت میں موت، دوسری خرابی قبر کی سختیاں اور وہاں کی شدتیں، تیسری خرابی مرنے کے بعد جی اٹھنے پر مصائب میں گرفتاری اور چوتھی خرابی عذابِ جہنم۔

ولید بن مغیرہ:

شاتمانِ رسول ﷺ میں سرفہرست تھا۔ صاحب مال واولاد بھی تھا۔ اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں سے کہتا: ''اگر تم میں سے کسی نے اسلام قبول کیا تو میں اسے اپنے مال میں سے کچھ نہ دوں گا۔'' حضور ﷺ پر عیب لگاتا اور انہیں ''مجنون'' کہتا۔ اس جھوٹے کلمہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس کے دس عیوب ظاہر

فرمادیئے۔

ترجمہ: ''بڑی قسمیں کھانے والا، ذلیل، طعنے دینے والا، ادھر سے ادھر کی لگانے والا، بھلائی سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، گنہگار، درشت خو (ان سب پر طرہ یہ کہ) اس کی اصل میں خطا۔''

جب سورۂ قلم کی یہ آیات نازل ہوئیں تو ولید بن مغیرہ نے اپنی ماں سے جا کر کہا: ''محمد مصطفیٰ ﷺ نے میرے بارے میں دس باتیں فرمائی ہیں۔ نو کو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں لیکن دسویں بات (اصل میں خطا ہونے کی) اس کا حال مجھے معلوم نہیں، یا تو مجھے سچ سچ بتا دے ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا۔''

اس پر اس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ نامرد تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مر جائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چرواہے کو بلا لیا، تو اس سے ہے، مگر بد بخت ولید پھر بھی ایمان نہ لایا۔

یہی ولید بن مغیرہ تیر فروش کی دکان کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اس کے تہ بند میں ایک تیر چبھا مگر اس نے تکبر سے اس کو نکالنے کے لیے سر نیچے نہ کیا۔ اسی سے اس کی پنڈلی میں زخم آیا اور وہ اسی حال میں مر گیا۔

کفار قریش کے پانچ سردار عاص بن وائل سہمی، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس اور ان سب کا سرغنہ ولید بن مغیرہ، حضور نبی کریم ﷺ کو بہت ایذا دیتے اور آپ کے ساتھ تمسخر اور استہزا کرتے تھے۔ ایک روز حضور ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ پانچوں آئے اور حسب دستور طعن و تشنیع پر اُتر آئے اور طواف کرنے لگے۔ اسی حال میں حضرت جبرئیل امین حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے ولید بن مغیرہ کی پنڈلی کی طرف اور عاص کے کف پا کی طرف اور اسود بن مطلب کی آنکھوں کی طرف اور اسود بن عبد یغوث کے پیٹ کی طرف اور حارث بن قیس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور کہا ان کا شر دفع ہو جائے گا۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ کی پنڈلی میں زخم آیا اور وہ اسی حال میں مر گیا۔ عاص بن وائل گدھے پر سوار تھا۔ غار کے برابر گدھے نے ٹھوکر کھائی اور سر کے بل گڑھے میں اوندھا جا پڑا۔ وہاں زہریلا عقرب موجود تھا۔ اس نے کاٹا، سوجن ہوگئی اور سڑ سڑ کر مرا۔ اسود بن مطلب حضور اکرم ﷺ کی نقلیں اتارا کرتا تھا۔ ایک درخت کے نیچے سویا ہوا تھا۔ اٹھا تو سخت بے چین تھا۔ کہتا تھا میری آنکھوں میں کانٹے چبھ رہے ہیں اور ایسا درد ہوا کہ دیوار میں سر مارتے مارتے مر گیا، اور یہ کہتے ہوئے مرا کہ مجھ کو محمد ﷺ نے قتل کیا۔ اسود بن عبد یغوث کو استسقاء ہوا اور کلبی کی روایت میں ہے کہ بادِ سموم سے چہرہ جھلس کر سیاہ ہوگیا کہ گھر والوں نے بھی نہ پہچانا اور باہر نکال دیا۔ زبان پیاس کی شدت سے باہر نکل آئی اور اسی حال میں یہ کہتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا کہ مجھ کو محمد ﷺ کے رب نے قتل کیا۔ حارث بن قیس۔ اس کے پیٹ میں زرد پانی پڑ گیا جو ناک اور منہ سے نکل آتا۔ اسی میں ہلاک ہوا

انہی کے بارے میں سورۂ حجر کی آیت نمبر 104 نازل ہوئی۔

ترجمہ: ”بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔“

عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ:

عامر نے اربد بن ربیعہ سے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس چلو۔ میں انہیں باتوں میں لگاؤں گا۔ تو پیچھے سے تلوار سے حملہ کرنا۔ یہ مشورہ کر کے وہ حضور کے پاس آئے اور عامر نے آپ ﷺ سے گفتگو شروع کی۔ بہت طویل گفتگو کے بعد کہنے لگا۔ اب ہم جاتے ہیں اور ایک جرار لشکر آپ ﷺ پر لائیں گے۔ یہ کہہ کر چلا آیا۔ باہر آ کر اربد سے کہنے لگا کہ تو نے تلوار کیوں نہیں ماری؟ اس نے کہا۔ جب میں تلوار مارنے کا ارادہ کرتا تھا تو تو درمیان میں آ جاتا تھا۔ سید عالم ﷺ نے ان لوگوں کے نکلتے وقت یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اکْفِھِمَا بِمَاشِئْتَ جب یہ دونوں مدینہ شریف سے باہر آئے تو ان پر بجلی گری۔ اربد جل گیا اور عامر راستہ ہی میں بدتر حال میں مرا۔

سورۂ رعد کی آیات نمبر 37-38 میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے:

ترجمہ: ”وہ کڑک بھیجتا ہے تو اسے ڈال دیتا ہے جس پر چاہے اور وہ اللہ (تعالیٰ) میں جھگڑتے ہیں اور اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔“

امیہ بن خلف:

بدزبانی میں مشہور تھا۔ حضرت بلالؓ اس کی مِلک میں تھے۔ ان پر انتہائی ظلم اور سختیاں کرتا۔ آپ کو گرم زمین پر ڈال کر تپتے ہوئے پتھر ان کے سینے پر رکھتا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے گراں قیمت پر ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر سورۂ واللیل نازل ہوئی۔ حضرت بلالؓ کے ہاتھوں ہی یہ شقی القلب دارالبوار کو پہنچا۔

نصر بن حارث:

مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

عاص بن منبہ:

گدھے پر سوار تھا۔ طائف کی راہ میں کانٹا لگا، اسی کے زہر سے ہلاک ہوا۔

منبہ بن حجاج:

اندھا ہوا اور تڑپ تڑپ کر جان دی

زبیر بن ابی اُمیہ:

وبا کا لقمہ ہوا اور چل بسا۔

مرزا غلام احمد قادیانی

جھوٹی نبوت کا دعویدار آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی پنجاب میں ضلع گورداسپور کے ایک قصبے ''قادیان'' میں پیدا ہوا۔ یہ قصبہ امرتسر سے شمال مشرق کی طرف ریلوے لائن پر ایک قدیم شہر بٹالہ سے گیارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مرزا قادیانی کی تاریخ پیدائش کا تذکرہ کئی کتابوں سے ملتا ہے، لیکن اس کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مرزا قادیانی اپنی پیدائش کے بارے میں لکھتا ہے:

''میری پیدائش 1839ء یا 1840ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں 1857ء میں سولہ برس کا یا سترہویں برس میں تھا۔'' (کتاب البریہ (حاشیہ) ص 159، مندرجہ روحانی خزائن جلد 13 ص 177، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

''لیکن بعد میں اس کے خاندان کے افراد میں اس کے سال ولادت کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا، اس کے بیٹے مرزا بشیر احمد، جو اس کا سوانح نگار اور ''سیرت المہدی'' کا مصنف ہے، کے پہلے نظریے کے مطابق سال ولادت 1836ء یا 1837ء ہوسکتا ہے۔''

(سیرت المہدی، جلد 2، صفحہ 150 از مرزا بشیر احمد ایم اے)

پھر لکھتا ہے:

''پس 13 فروری 1835ء عیسوی بمطابق 14 شوال 1250 ہجری بروز جمعہ والی تاریخ صحیح قرار پاتی ہے۔'' (سیرت المہدی جلد 3، صفحہ 76 از مرزا بشیر احمد ایم اے)

پھر لکھتا ہے:

''ایک تخمینہ کے مطابق سال ولادت 1831ء ہوسکتا ہے۔''

(سیرت المہدی جلد 3 ص 74 از مرزا بشیر احمد ایم اے)

''معراج دین نے تاریخ ولادت 17 فروری 1832ء مقرر کی ہے۔''

(سیرت المہدی جلد 3 ص 302 از مرزا بشیر احمد ایم اے)

''جبکہ دیگر 1833ء یا 1834ء کو سال ولادت قرار دیتے ہیں۔'' (سیرت المہدی جلد 3 ص

194 از مرزا بشیر احمد ایم اے)

مولانا ابوالحسن ندوی نے اپنی کتاب ''قادیانیت، مطالعہ و جائزہ'' کے صفحہ 23 کے حاشیہ پر تحریر کیا ہے کہ مرزا قادیانی کی عمر میں ترمیم ایک خاص مقصد کے لیے کی گئی تھی تا کہ اس کی ایک پیشین گوئی کو سچ ثابت کیا جا سکے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ پیشین گوئی اربعین نمبر 3 ص 80 پر درج کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ پیشین گوئی بھی غلط ثابت ہوئی۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ مرزائی حضرات نے مرزا قادیانی کی مقام افسوس اور خلاف الہام وفات سے سبق لینے کی بجائے اس کے واقعات عمر میں ہی رد و بدل کرنا شروع کر دیا۔ وفات کی تاریخ تو وہ بدل نہ سکتے تھے۔ ناچار انہوں نے تاریخ پیدائش میں اختلاف کرنا شروع کر دیا کہ کسی نہ کسی بہانے واقعات کو پیش گوئی پر منطبق کیا جا سکے۔

؎ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

مرزا قادیانی اپنی پیدائش کے متعلق لکھتا ہے:

''میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کا نام جنت تھا۔ اور پہلے وہ لڑکی پیٹ میں سے نکلی تھی اور بعد اس کے میں نکلا تھا اور میرے بعد میرے والدین کے گھر میں اور کوئی لڑکی یا لڑکا نہیں ہوا اور میں ان کے لیے خاتم الاولاد تھا۔''

(تریاق القلوب ص 351 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 ص 479 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی اپنے استادوں کے متعلق لکھتا ہے:

''جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر تقریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں خیال کرتا تھا کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی اس لیے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے، وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا، حاصل کیا۔'' (کتاب البریہ حاشیہ ص 163,162 مندرجہ روحانی خزائن جلد 13 ص 181,180 از مرزا قادیانی)

پھر جھوٹ بولتے ہوئے لکھتا ہے:

''سو آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا، سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا۔ اور قرآن و حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی حال ہے۔ کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے یا کسی مفسر یا محدث کی شاگردی اختیار کی ہے۔ پس یہی مہدویت ہے جو نبوت محمدیہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہوئی ہے اور اسرار دین بلاواسطہ میرے پر کھولے گئے۔''

(ایام الصلح ص 147 مندرجہ روحانی خزائن جلد 14 ص 394 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی نے یہ صریحاً جھوٹ بولا ہے۔ خود مرزا قادیانی کا اعتراف موجود ہے کہ اس نے عربی، فارسی، قواعد، صرف ونحو، حکمت اور منطق وغیرہ کی تعلیم فضل الٰہی، فضل احمد اور گل علی شاہ نامی استادوں سے حاصل کی۔

حالانکہ مرزا قادیانی خود لکھتا ہے:

- ''جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا۔'' (چشمہ معرفت ص 222 مندرجہ روحانی خزائن جلد 23 ص 231 از مرزا قادیانی)
- ''محض ہنسی کے طور پر یا لوگوں کو اپنا رسوخ جتانے کے لیے دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے یہ خواب آئی، اور یا الہام ہوا اور جھوٹ بولتا ہے یا اس میں جھوٹ ملاتا ہے، وہ اس نجاست کے کیڑے کی طرح ہے جو نجاست میں ہی پیدا ہوتا ہے اور نجاست میں ہی مر جاتا ہے۔''

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص 20 مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 ص 56 از مرزا قادیانی)

- ''جھوٹ بولنا مرتد ہونے سے کم نہیں۔''

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص 20 مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 ص 56 از مرزا قادیانی)

مثل مشہور ہے کہ ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' اس کے مصداق مرزا قادیانی بچپن ہی سے ایک آوارہ مزاج، کھلنڈرہ، رنگین مزاج اور مذہب بیزار نوجوان تھا۔ اس کا بچپن بے شمار آلودگیوں سے لتھڑا پڑا تھا۔ شرارت، فساد، جھوٹ، گالی اور آوازے کسنا اس کے مشغلے تھے۔ اس کے بیٹے بشیر احمد ایم اے کے مطابق بچپن میں اسے سُندھی کہا جاتا۔ وہ چڑیاں پکڑتا اور پھر بڑی بے رحمی سے سرکنڈے کے ساتھ ان کے گلے کاٹتا (یعنی جس طرح سکھ مذہب کے لوگ جانوروں کا جھٹکا کرتے ہیں) اور پھر ان کا گوشت پکا کر بڑے شوق سے کھاتا۔ اکثر بغیر پوچھے اپنے دادا کی پنشن (جو اس دور میں سات سو روپے تھی) چوری چھپے وصول کر کے رقم عیاشی میں ضائع کر دیتا۔ وہ بٹیر بازی اور مرغ بازی کا دلدادہ تھا۔ اسی طرح وہ چشم نیم باز اپنے گھر کی چھت اور کھڑکیوں کی اوٹ سے دوسرے گھروں میں جھانکتا، اس پر کئی دفعہ جھگڑا بھی ہوا۔ ایسے

ہی شوق میں وہ ایک دن اپنے چوبارے کی کھڑکی سے گرا اور دایاں بازو ٹوٹ گیا اور یہ ہاتھ آخر عمر تک ٹھیک نہ ہوا۔ اس کے بیٹے بشیر احمد ایم اے کی ایک روایت کے مطابق اس ہاتھ سے کھانے کا لقمہ تو منہ تک لے جاسکتا تھا مگر پانی کا گلاس یا چائے وغیرہ کا کپ منہ تک نہ اٹھا سکتا تھا۔ وہ گھر سے چینی چوری کر کے باہر دوستوں میں لے جاتا اور خود بھی کھاتا اور انہیں بھی کھلاتا۔ ایک دفعہ چوری چھپے ایک برتن میں سے سفید چینی سمجھ کر اپنی جیبوں میں بھر کر باہر لے گیا اور راستہ میں ایک مٹھی بھر کر منہ میں ڈال لی، اس کا دم رک گیا، بعد میں پتہ چلا کہ جسے اس نے چینی سمجھ کر جیبوں میں بھرا تھا، وہ چینی نہ تھی بلکہ پسا ہوا نمک تھا۔ وہ قادیان کے کچے اور گندے تالابوں میں تیراکی کرتا۔ وہ اکثر و بیشتر جھوٹے موٹے منتر پڑھتا اور لوگوں کو پھونکیں مارتا جس سے لوگوں کو نفسیاتی طور پر مرعوب کرتا۔ رات کو ہاتھوں میں جگنو پکڑ کر اس کی روشنی سے لوگوں کو بے وقوف بناتا۔

مرزا قادیانی کی بدعملی اور آوارہ مزاجی کے نتیجہ میں اس کی شادی تقریباً 1850ء میں کر دی گئی۔ مرزا قادیانی کا نکاح اس کے سگے ماموں مرزا جمعیت بیگ کی بیٹی حرمت بی بی سے ہوا، جس سے دو بیٹے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد پیدا ہوئے۔ یہ شادی بڑے دھوم دھڑکے اور پورے لوازمات کے ساتھ ہوئی۔ مرزا قادیانی کا والد اور بھائی اس سے بے حد متنفر تھے کیونکہ وہ کوئی کام نہ کرتا تھا۔ وہ اس کے مستقبل کے بارے میں بھی پریشان رہتے۔ خود مرزا قادیانی کا اعتراف ہے کہ میرا والد اکثر اوقات افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتا کہ ''میرا ایک بچہ تو لائق ہے مگر دوسرا نالائق ہے۔ کوئی کام نہ اسے آتا ہے اور نہ وہ کرتا ہے، مجھے فکر ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ کھائے گا کہاں سے۔''

(تاریخ احمدیت از دوست محمد شاہد ج 1 ص 71)

1857ء میں جنگ آزادی شروع ہوئی تو مرزا قادیانی کی قسمت بدل گئی۔ انگریز حکومت کو مسلمانوں کے خلاف مخبر اور غدار درکار تھے۔ اس سلسلہ میں مرزا قادیانی نے انہیں اپنی خدمات پیش کیں، اپنے خاندان کی پرانی خدمات کے نتیجے میں وہ انگریز حکومت کی سرپرستی میں آ گیا۔ انگریزوں نے اس پر اپنی نوازشات کی بارش کر دی۔ اسی دوران مرزا قادیانی نے انگریز کی حمایت میں کتابیں لکھنی شروع کیں۔ خود مرزا قادیانی کا اقبالی بیان ہے کہ اس نے 17 برس تک سرکار انگریز کی اطاعت اور ہمدردی کے لیے لوگوں کو ترغیب دی اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں مؤثر تقریریں کیں۔

اس جنگ میں مرزا قادیانی کے والد نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریز کو مدد دی۔ پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ جنگ کے وقت سرکار انگریز کی امداد میں دیئے۔ مرزا قادیانی کا بیان ہے ''میں نے اپنی عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزارا اور ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں

اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔'' (تریاق القلوب ص 28,27 از مرزا قادیانی) پھر مرزا قادیانی نے فتویٰ دیا ''انگریز گورنمنٹ سے جہاد کرنا نہایت حماقت ہے کیونکہ انگریز ہمارا محسن ہے اور محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔'' (شہادت القران ص 84 از مرزا قادیانی) پھر کہا ''اسلام کے دو حصے ہیں۔ایک خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور دوسرے حکومت برطانیہ کی اطاعت۔''

(شہادت القرآن ص 84 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کی ان خدمات کے نتیجہ میں انگریز حکومت نے مرزا قادیانی اور ان کے خاندان پر اپنی نوازشات اور مراعات کی انتہا کر دی۔ مرزا قادیانی کے دن پھر گئے۔ دولت اور وسائل کی ریل پیل ہوگئی۔ بعد ازاں اپنی عیاشیوں کے نتیجہ میں اس نے اپنی بیوی حرمت بی بی سے قطع تعلق کرلیا اور اسے میکے بٹھا دیا۔

مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو اوائل سے ہی مرزا فضل احمد کی والدہ سے جن کو لوگ عام طور پر ''پھجے دی ماں'' کہا کرتے تھے، بے تعلقی سی تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور ان کا ان کی طرف میلان تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگی تھیں۔ اس لیے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے ان سے مباشرت ترک کر دی تھی۔'' (سیرت المہدی جلد اوّل ص 33 از مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

قادیانی ذہنیت کی پستی ملاحظہ فرمائیں کہ مرزا بشیر احمد ایم اے جو مرزا قادیانی کی دوسری بیوی نصرت جہاں بیگم کی اولاد میں سے ہے، جب اپنی والدہ کا ذکر کرتا ہے تو اسے ''ام المومنین'' کے لقب سے یاد کرتا ہے اور جب مرزا قادیانی کی پہلی بیوی کا ذکر کرتا ہے تو اسے ''پھجے کی ماں'' کہتا ہے۔ پھجا سے مراد مرزا فضل احمد ہے جس نے مرزا قادیانی کو نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مزید برآں یہ کس قدر بے غیرتی اور بے حمیتی کی بات ہے کہ مرزا بشیر احمد بقلم خود بیان کر رہا ہے کہ میرے والد نے اپنی پہلی بیوی سے مباشرت ترک کردی تھی۔ ظاہر ہے مرزا بشیر احمد کو یہ بات مرزا قادیانی نے بتائی یا اس کی والدہ نصرت بائی نے۔ ان ہر دو صورتوں میں ان کی خباثت پوری طرح کھل کر سامنے آ گئی ہے۔

دہلی میں اکثر لوگ اپنی اولاد کو اخلاق و آداب، اطوار و عادات، تہذیب و شائستگی اور آداب مجلسی سکھانے کے لیے اونچے درجے کی طوائفوں کے پاس بھجواتے، جہاں ان کے کوٹھوں پر انہیں زبان کے مزاج، گفتگو کی نزاکت اور ادب و شعر کی تعلیم بھی دی جاتی۔ طوائفوں کے آدابِ کو سند کا درجہ دیا جاتا تھا اور مشہور تھا کہ جس نے تہذیب سیکھنی ہو، وہ طوائفوں سے سیکھے۔

دہلی کے ایسے ہی ایک آزاد خیال گھرانے میں مرزا قادیانی کی دوسری شادی 17 نومبر 1884ء

کونصرت جہاں بیگم نامی ایک خاتون کے ساتھ ہوئی۔ اس وقت مرزا قادیانی کی عمر 45 سال اور نصرت جہاں بیگم کی عمر صرف 16 سال تھی۔ نصرت کے خاندان کے کئی معزز لوگ اس شادی کے خلاف تھے۔ وہ اس بات پر بھڑک اٹھے کہ دولت کی خاطر ایک نوخیز لڑکی کی ایک بوڑھے شخص کے ساتھ شادی کر دی گئی ہے۔ اس غصہ اور ناراضی کی وجہ سے انہوں نے نکاح کی تقریب میں شرکت نہ کی۔ بہرحال مخالفت کے باوجود مرزا قادیانی نصرت کو لے کر قادیان آ گیا۔

مرزا قادیانی کے بعض قدیم اور مخلص دوستوں نے بھی اس کی صحت اور بیماری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس شادی پر اظہارِ افسوس کیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ کہیں حقوق زوجیت پورے نہ ہونے پر کوئی ابتلاء نہ پیش آ جائے۔ آخرکار وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ شادی تو ہوگئی مگر سبھی جانتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے لیے نہیں بنائے گئے تھے۔ خود نصرت جہاں کا بیان ہے "سہاگ رات کو کچھ بھی نہیں ہوا، وہ میرے بستر پر آن لیٹے اور ہزار کوشش کے باوجود کچھ نہ ہونے پر شرمسار ہو کر ساری رات کروٹیں لیتے رہے۔" یہ سنسنی خیز خبر کسی خادمہ نے پورے قادیان میں پھیلا دی۔ پھر کسی نہ کسی طرح مرزا قادیانی بھی اس سے آگاہ ہو گیا اور نصرت سے منت سماجت کرنے لگا کہ وہ اسے مزید بدنام نہ کرے۔

آزادی ایسی چیز ہے جو عورت کو بدچلن، بدقماش اور بدکردار بنا دیتی ہے۔ بہت زیادہ آزاد رویہ بھی عورت کو بدکردار بنا دیتا ہے۔ وطن سے دور، محبت میں ناکامی، بوڑھا خاوند اور خاوند کا کئی کئی دن گھر سے باہر رہنا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو عورت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر عورت بے راہرو ہو جاتی ہے۔

دوسری شادی سے پہلے مرزا قادیانی کے کئی عورتوں سے ناجائز تعلقات تھے جن میں بھانو، عائشہ، زینب بیگم، مائی تابی، مائی کاکو، رسول بی بی، مائی فجو، اہلیہ بابو شاہ دین وغیرہ خاص طور پر شامل ہیں۔ ان غلط کاریوں کی وجہ سے اس کی صحت جواب دے گئی۔ خود مرزا قادیانی نے حکیم نورالدین کے نام ایک خط میں اعتراف کیا ہے:

"جب میں نے دوسری شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں۔ میرا دل، دماغ اور جسم بے حد کمزور ہے۔ ذیابیطس، دورانِ سر، تشنج قلب اور دق کی بیماری بھی موجود ہے۔ اس وجہ سے میری حالت مردمی کالعدم ہے۔ اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی ہے۔" (تریاق القلوب از مرزا قادیانی) پھر ایک اور خط میں مرزا قادیانی نے حکیم نورالدین کو لکھا کہ وہ اس نازک مرحلہ میں اس کی مدد کرے۔ قوت باہ بڑھانے، منی کو غلیظ کرنے اور مباشرت کا وقت بڑھانے کی دوا تیار کر کے فوری بھجوائے تاکہ مزید شرمندگی سے بچا جا سکے۔

چنانچہ حکیم نورالدین نے کئی ایک ممسک ادویہ بھجوائیں۔ ان ادویہ میں مشک عنبر، مروارید، سنکھیا،

کشتہ اور افیون بھی شامل تھی۔ مرزا قادیانی کو ان ادویہ کے استعمال سے کچھ افاقہ ہوا مگر وہ مستقل طور پر مردانہ طاقت سے محروم ہو چکا تھا۔ بعد ازاں اس نے جنسی تحریک کے لیے افیون اور شراب ٹانک وائن کا استعمال شروع کر دیا۔ اس کے استعمال پر بھی اسے ناکامی ہوئی۔

ٹانک وائن کے متعلق مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا محمود کا کہنا ہے: ''اور ٹانک وائن کے متعلق دکان ای پلومر سے پوچھا گیا کہ چیست؟ تو جواب ملا: ٹانک وائن ایک قسم کی طاقتور اور نشہ دینے والی شراب ہے جو ولایت سے سربند بوتلوں میں آتی ہے اس کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ہے۔'' (21 ستمبر 1933ء)

(''سودائے مرزا'' ص 39، حاشیہ، طبع دوم، مصنفہ حکیم محمد علی صاحب، پرنسپل طبیہ کالج امرتسر)

اور دوسری گواہی بھی خود مرزا محمود کی مرزا قادیانی کے بارہ میں ہے۔

''افیون دواؤں میں اس کثرت سے استعمال ہوتی ہے کہ حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے کہ بعض اطبا کے نزدیک وہ نصف طب ہے..... حضرت مسیح موعود نے تریاق الٰہی دوا خدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت بنائی اور اس کا ایک بڑا جزو افیون تھا اور یہ دوا کسی قدر اور افیون کی زیادتی کے بعد حضرت خلیفہ اوّل (نورالدین) کو حضور (مرزا) چھ ماہ سے زائد تک دیتے رہے اور خود بھی وقتاً فوقتاً مختلف امراض کے دوروں کے وقت استعمال کرتے رہے۔''

(مضمون از مرزا بشیر الدین محمود مندرجہ اخبار الفضل، جلد 17 نمبر 6 مورخہ 19 جولائی 1929ء)

مرزا قادیانی کا خادم حامد علی قادیانی بیان کرتا ہے کہ جب حضرت صاحب مرزا؟ نے دوسری شادی (محمود کی اماں سے) کی تو ایک عمر تک تجرد میں رہنے اور مجاہدات کرنے کی وجہ سے آپ (مرزا) نے اپنے قویٰ میں ضعف محسوس کیا (پھر شادی کیوں کی؟ اس پر وہ الہامی نسخہ جو ''زدجام عشق'' کے نام سے مشہور ہے بنوا کر استعمال کیا۔ چنانچہ وہ نسخہ نہایت ہی بابرکت ثابت ہوا..... الہامی ہونے کے متعلق دو باتیں سنی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ نسخہ الہام ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ کسی نے یہ نسخہ حضور (مرزا) کو بتایا۔ اور پھر الہام میں اسے استعمال کرنے کا حکم دیا۔ (تذکرہ ص 761 طبع 3 بحوالہ سیرت المہدی حصہ 3 روایت نمبر 569 از مرزا بشیر احمد)

نسخہ زدجام عشق یہ ہے جس میں ہر حرف دوا کے نام کا پہلا حرف مراد ہے زعفران، دار چینی، جائفل، افیون، مشک، عقرقرحا، شنگرف، قرنفل یعنی لونگ ان سب کو ہم وزن کوٹ کر گولیاں بناتے ہیں اور روغن سم الفار میں چرب رکھتے ہیں اور روزانہ ایک گولی استعمال کرتے ہیں۔

(تذکرہ ص 761 بحوالہ سیرت المہدی ج 3 ص 51 از مرزا بشیر احمد)

مرزا قادیانی کا رویہ نصرت جہاں بیگم سے بہت اچھا تھا۔ مگر وہ اس شدت اور حدت کے ساتھ اس کی جنسی خواہش کی تسکین نہیں کر سکتا تھا جو نصرت کے جوش شباب سے دہکتے بدن کا تقاضا تھی۔ اس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے بدن کے مطالبے خود پورے کرنے کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ ایک بار اس کی سہیلی نے پوچھا، نصرت تم اپنی جوانی کی آگ کیسے بجھاتی ہو؟ اس نے جواب دیا۔ ''ہمارا گھر بہت شاندار ہے، دولت ہے، نوکر چاکر ہیں اور جہاں تک جوانی کی آگ کا تعلق ہے تو مجھے معلوم ہے اسے کیسے بجھانا ہے؟''

مرزا قادیانی چند ماہ تک نئی نویلی دلہن کے ناز اٹھاتا رہا اور پھر حسب سابق عدالتی مقدمات، بیماریوں اور تصنیف و تحریر میں بری طرح الجھ گیا۔ یہ مصروفیات ایسی تھیں کہ ہر وقت بیوی کی نگرانی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں نصرت جو گل کھلا رہی تھی، اس کی ''مہکار'' سے سب باخبر تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مرزا قادیانی بھی اپنی بیوی کی جنسی معرکہ آرائیوں سے بخوبی آگاہ تھا لیکن اس نے مصلحت کے تحت اپنی آنکھیں اور کان پوری طرح بند کر لیے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بار جہلم کے سفر سے واپسی پر جب اسے بتایا گیا کہ بیگم صاحبہ، حکیم نورالدین کے ہمراہ بھیرہ گئی ہیں تو اس پر بھی وہ مشتعل نہ ہوا۔ نصرت کئی راتیں حکیم صاحب کے ساتھ بسر کر کے قادیان واپس آئی تو مرزا قادیانی کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ بنیادی طور پر وہ سرد مزاج شخص تھا جبکہ نصرت اپنی پہاڑی ندی کی طرح تند اور پُرشور جنسی خواہشات کے دھارے میں دور تک بہہ جانا چاہتی تھی۔ اس کی جنسی بھوک نئے سے نئے دستر خواں کی طلب گار رہتی تھی۔ اس نئے تعلق نے اسے بے پناہ جنسی سرشاری اور تسکین بخشی۔ وہ زمین پر چلتی تھی لیکن معلوم یہی ہوتا تھا جیسے ہواؤں میں اُڑ رہی ہو۔ حکیم نورالدین کی گرم رفاقت کے حصول کے بعد وہ اس قدر خوش تھی کہ کئی کئی سال اپنے میکے دہلی نہ جاتی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جب مرزا محمود پیدا ہوا تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ غیر معمولی طور پر حکیم نورالدین سے مشابہت رکھتا ہے۔ مرزا قادیانی یہ سب کچھ پہلے سے ہی جانتا تھا مگر خاموش رہا جبکہ عافیت بھی اسی میں تھی۔ منہ زور بیوی کی بے لگام جنسی ضرورتوں کو آخر اور کون پورا کرتا؟

اس کے باوجود مرزا قادیانی اپنی قریبی رشتے دار کم عمر خاتون محمدی بیگم کے عشق میں بری طرح مبتلا ہو گیا۔ اور اس کے فراق میں عشقیہ اشعار کہنے لگا۔ مرزا قادیانی کی عشقیہ شاعری ملاحظہ فرمائیں۔

عشق کا روگ ہے کیا پوچھتے ہو اس کی دوا
ایسے بیمار کا مرنا ہی دوا ہوتا ہے
کچھ مزا پایا میرے دل! ابھی کچھ پاؤ گے
تم بھی کہتے تھے کہ الفت میں مزا ہوتا ہے

....

ہائے کیوں ہجر کے الم میں پڑے
مفت بیٹھے بٹھائے غم میں پڑے

اس کے جانے سے صبر دل سے گیا
ہوش بھی ورطہ عدم میں پڑے

....

سبب کوئی خداوندا بنا دے
کسی صورت سے وہ صورت دکھا دے
کرم فرما کے آ او میرے جانی
بہت روئے ہیں اب ہم کو ہنسا دے
کبھی نکلے گا آخر تنگ ہو کر
دلا اک بار شور و غل مچا دے

....

نہ سر کی ہوش ہے تم کو نہ پا کی
سمجھ ایسی ہوئی قدرت خدا کی
مرے بت اب سے پردہ میں رہو تم
کہ کافر ہو گئی خلقت خدا کی

....

نہیں منظور تھی گر تم کو الفت
تو یہ مجھ کو بھی جتلایا تو ہوتا
مری دلسوزیوں سے بے خبر ہو
مرا کچھ بھید بھی پایا تو ہوتا
دل اپنا اس کو دوں یا ہوش یا جاں
کوئی اک حکم فرمایا تو ہوتا"

(سیرت المہدی جلد اول ص233,232 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

شروع شروع میں مرزا قادیانی کا عقیدہ تھا کہ:

نبوت بند ہے۔ اور حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ اب دنیا کسی نئے نبی کے وجود سے مستغنی ہوگئی ہے۔ لیکن جیسا کہ قرآن مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ کلام، اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔ اس آیت کریمہ نے فیصلہ کر دیا کہ اگر مدعی نبوت کے اقوال میں اختلاف ہو تو وہ اپنے دعویٰ نبوت میں سچا نہیں بلکہ جھوٹا ہے اور

آنجہانی مرزا قادیانی بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ لکھتا ہے:

1- ''جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔''

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص112 مندرجہ روحانی خزائن نمبر 21 ص275)

2- ''اس شخص کی حالت ایک مخبوط الحواس انسان کی حالت ہے کہ ایک کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے۔'' (ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص184 مندرجہ روحانی خزائن نمبر 22 ص191)

3- ''ظاہر ہے کہ ایک دل سے دو متناقض باتیں نہیں نکل سکتیں کیونکہ ایسے طریق سے یا انسان پاگل کہلاتا ہے یا منافق۔'' (ست بچن ص 31 مندرجہ روحانی خزائن نمبر 10 ص143)

4- ''کسی عقلمند اور صاف دل انسان کے کلام میں تناقض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی پاگل یا مجنوں یا ایسا منافق ہو کہ خوشامد کے طور پر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہو، اس کا کلام بیشک متناقض ہو جاتا ہے۔''

(ست بچن ص30 مندرجہ روحانی خزائن نمبر 10 ص142)

چونکہ خود مرزا قادیانی بھی مدعی نبوت ہے، اس لیے اس کے صدق و کذب کے پرکھنے کی ایک آسان سی صورت یہ بھی ہے کہ دیکھا جائے کہ آیا خود مرزا قادیانی کے کلام میں تناقض تو نہیں پایا جاتا، اگر ان کے کلام میں تناقض و تعارض پایا جاتا ہو تو بحوالہ فیصلہ قرآنی مرزا قادیانی اپنے دعویٰ نبوت میں کاذب قرار پاتا ہے۔

مرزا قادیانی کے کلام میں تناقض کی اس قدر بھرمار ہے کہ جس کا احصار اس جگہ ممکن نہیں۔ اس لیے بطور مشتے نمونہ از خروارے چند مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے اور فیصلہ قارئین کرام کے شعور و انصاف پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

آنجہانی مرزا قادیانی نے پینترہ بدلتے ہوئے اپنے سابقہ عقیدہ میں بددیانتی سے انحراف کیا اور ختم نبوت کے مسلمہ عقیدہ پر چوٹ لگاتے ہوئے نبوت کے جاری ہونے پر اصرار کیا۔ اور خود نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ مرزا قادیانی کے نئے عقیدہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

میرے پاس جبرائیل آیا

''میرے پاس آئیل آیا اور اس نے مجھے چن لیا اور اپنی انگلی کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آ گیا...... اس جگہ آئیل خدا تعالیٰ نے جبرائیل کا نام رکھا ہے اس لیے کہ بار بار رجوع کرتا ہے۔''

(حقیقۃ الوحی ص103، روحانی خزائن نمبر 22 ص106 از مرزا قادیانی)

خدا تعالیٰ کی وحی

''میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا...... اور یہ

دعویٰ امت محمدیہ میں سے آج تک کسی اور نے ہرگز نہیں کیا کہ خدا تعالیٰ نے میرا یہ نام رکھا ہے اور خدا تعالیٰ کی وحی سے صرف میں اس نام کا مستحق ہوں۔''

(حقیقۃ الوحی ص 387، روحانی خزائن نمبر 22 ص 503 از مرزا قادیانی)

خدا نے میرا نام نبی رکھا

''اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔''

(حقیقۃ الوحی ص 387، روحانی خزائن نمبر 22 ص 503 از مرزا قادیانی)

کثرتِ وحی

''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں، ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔'' (حقیقۃ الوحی ص 391، روحانی خزائن نمبر 22 ص 406، 407 از مرزا قادیانی)

بارش کی طرح وحی نازل ہوئی

- ''مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی، اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔''

(حقیقۃ الوحی ص 150، روحانی خزائن نمبر 22 ص 153، 154 از مرزا قادیانی)

- ''میں خدا تعالیٰ کی تیئس برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں۔ میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی ص 150، روحانی خزائن نمبر 22 ص 154 از مرزا غلام احمد قادیانی)

قادیان، رسول کا تخت گاہ

''تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہرحال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے، قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس

کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کے لیے نشان ہے۔"

(دافع البلاء ص 14، روحانی خزائن نمبر 18 ص 230 از مرزا قادیانی)

سچا خدا

"سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔"

(دافع البلاء ص 11 مندرجہ روحانی خزائن نمبر 18 ص 231 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کی اس تحریر کا مطلب یہ ہوا کہ سچے خدا کی نشانی صرف یہ ہے کہ اس نے مرزا قادیانی کو قادیان میں رسول بنا کر بھیجا ہے اور اگر مرزا قادیانی رسول نہیں ہے تو پھر (نعوذ باللہ) خدا کی سچائی بھی مشکوک ہے۔

ختم نبوت، ایک باطل عقیدہ، اسلام شیطانی مذہب

"یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ ہیں، قصے ہیں اور کوئی اگرچہ اس کی راہ میں اپنی جان بھی فدا کرے، اس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے اور ہر ایک چیز پر اس کو اختیار کر لے، تب بھی وہ اس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات اور مخاطبات سے اس کو مشرف نہیں کرتا۔

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا۔ (دریں چہ شک۔ ناقل) میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور اندھا رکھتا ہے اور اندھا ہی مارتا اور اندھا ہی قبر میں لے جاتا ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص 184، روحانی خزائن جلد 21 ص 354 از مرزا قادیانی)

ایک غلطی کا ازالہ

"ہماری جماعت میں سے بعض صاحب جو ہمارے دعویٰ اور دلائل سے کم واقفیت رکھتے ہیں جن کو نہ بغور کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ وہ ایک معقول مدت تک صحبت میں رہ کر اپنے معلومات کی تکمیل کر سکے، وہ بعض حالات میں مخالفین کے کسی اعتراض پر ایسا جواب دیتے ہیں کہ جو سراسر واقعہ کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لیے باوجود اہل حق ہونے کے ان کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔ چنانچہ چند روز ہوئے ہیں کہ ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے، وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ سے دیا گیا حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں

ہے، حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں ایسے الفاظ، رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔ پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہوسکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں بلکہ اس وقت تو پہلے زمانہ کی نسبت بھی بہت تصریح اور توضیح سے یہ الفاظ موجود ہیں۔''

(ایک غلطی کا ازالہ ص3، روحانی خزائن نمبر18 ص206 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا محمود کی گواہی

ذیل میں مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا محمود کی کتاب کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے جس میں وہ مرزا قادیانی کے حوالہ جات نقل کر کے استدلال کرتا ہے کہ نبوت جاری ہے اور مرزا قادیانی نبی ہے۔

-1 ''میں مسیح موعود ہوں اور وہی ہوں جس کا نام سردار انبیاء نے نبی اللہ رکھا ہے۔''

(نزول المسیح ص48)

-2 ''میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے، میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔'' (نزول المسیح ص3 حاشیہ)

-3 ''میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔''

(آخری خط مرزا قادیانی مندرجہ اخبار عام 26 مئی 1908ء)

-4 ''میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشین گوئی کرنے والا اور بغیر کثرت کے یہ معنی متحقق نہیں ہوسکتے۔''

(آخری خط مرزا قادیانی مندرجہ اخبار عام 26 مئی 1908ء)

-5 ''پس اسی بنا پر خدا نے میرا نام نبی رکھا ہے کہ اس زمانے میں کثرتِ مکالمہ، مخاطبہ الٰہیہ اور کثرتِ اطلاع بر علوم غیب صرف مجھے ہی عطا کی گئی ہے۔''

(آخری خط مرزا قادیانی مندرجہ اخبار عام 26 مئی 1908ء)

-6 ''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ دراصل یہ نزاع لفظی ہے۔ خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ایسا مکالمہ مخاطبہ کرے کہ جو بلحاظ کمیت و کیفیت دوسروں سے بہت بڑھ کر ہو اور اس میں پیشین گوئیاں بھی کثرت سے ہوں، اسے نبی کہتے ہیں اور یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے پس ہم نبی ہیں۔'' (بدر 5 مارچ 1908ء)

-7 ''جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کرسکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں، اس وقت تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں۔''

(آخری خط مرزا قادیانی مندرجہ اخبار عام 26 مئی 1908ء)

-8 ''میں نبی ہوں اور امتی بھی ہوں تاکہ ہمارے سید آقا کی وہ پیش گوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح

امتی بھی ہوگا اور نبی بھی ہوگا۔" (آخری خط مندرجہ اخبار عام 26 مئی 1908ء)

9- "کبھی نبی کی وحی خبر واحد کی طرح ہوتی ہے اور مع ذالک مجمل ہوتی ہے اور کبھی وحی ایک امر میں کثرت سے اور واضح ہوتی ہے..... پس میں اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ کبھی میری وحی بھی خبر واحد کی طرح ہو اور مجمل ہو۔" (لیکچر سیالکوٹ ص 33)

حضرت محمد ﷺ ، اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور اس کی جملہ مخلوقات میں سب سے اعلیٰ، افضل اور رب العزت کے مقرب خاص ہیں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ ﷺ کے لیے کہا گیا اور سچ یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر آپ کے مقام رفیع کا بیان ممکن نہیں۔

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ایسی بے نظیر اور آئیڈیل تھی جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کے مبارک منہ سے پژمردہ دلوں کو تازگی اور فرحت ملی۔ آپؐ نے زندگی بھر کسی کو نہ جھڑکا اور نہ گالی دی، آپؐ رحمت ہی رحمت تھے۔ دشمن آپ ﷺ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی چلتا پھرتا قرآن تھی۔ کس کو طاقت ہے کہ وہ آپ ﷺ کی زندگی کے کسی ایک لمحہ کو ہی کماحقہ بیان کرسکے۔ آپ ﷺ کے محاسن اتنے ہیں کہ وہ شمار ہی نہیں ہوسکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری کلام قرآن مجید میں مختلف حوالوں سے اپنے اس "عبد کامل" اور "رسول خاتم" کا ذکر کیا اور اتنے پیار اور محبت سے کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

لیکن ایک مرزا قادیانی ہے جس کے بے لگام اور گستاخ قلم سے اس انسانِ اعظم، رسولِ اکرم ﷺ اور نبی مکرم ﷺ کے متعلق وہ وہ دلخراش عبارتیں نکلیں کہ الامان والحفیظ۔

ایسی جسارت تو ابلیس اعظم علیہ ماعلیہ بھی نہ کرسکا۔ اس نے بھی محض اپنی بڑائی کے اظہار کے لیے "انا خیر منہ" کی بات کہی۔ لیکن تیرھویں صدی کے دم آخر، انگریزی استبداد کے زیر سایہ نبوت کا ڈھونگ رچانے والے اس ابلیس مجسم نے اس امام الانبیاء ﷺ کا کس طرح ذکر کیا، وہ بڑی ہی اندوہناک داستان ہے۔ افسوس کہ گوری اقلیت کے زیر سایہ یہ سب گند اچھالا جاتا رہا اور اب تک بعض بدقسمت اس مردود ازلی سے اپنی عقیدتوں کا رشتہ جوڑے بیٹھے ہیں۔ ہم اس کفر کو دل پر پتھر رکھ کر نقل کر رہے ہیں۔

قادیانی محمد رسول اللہ

- ''پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے محمد رسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔''
(ایک غلطی کا ازالہ ص 4، مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 ص 207 از مرزا قادیانی)

- ''خدا تعالیٰ نے آج سے چھبیس برس پہلے میرا نام براہین احمدیہ میں محمد اور احمد رکھا ہے اور آنحضرت ﷺ کا بروز مجھے قرار دیا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی تتمہ ص 67، مندرجہ روحانی خزائن جلد 22 ص 502 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی خاتم النبیین

- ''میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں موجب آیت و آخرین منھم لما یلحقوبھم بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں، میرا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص 10، مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 ص 212 از مرزا قادیانی)

- ''مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں۔ اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے، کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔'' (کشتی نوح ص 56، مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 ص 61 از مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا قادیانی تمام نبیوں کا مجموعہ

''میں آدمؑ ہوں، میں نوحؑ ہوں۔ میں ابراہیمؑ ہوں، میں اسحاقؑ ہوں، میں یعقوبؑ ہوں، میں اسمٰعیلؑ ہوں، میں موسیٰؑ ہوں، میں داؤدؑ ہوں، میں عیسیٰؑ ابن مریم ہوں، میں محمد ﷺ ہوں۔''
(تتمہ حقیقت الوحی ص 521 مندرجہ روحانی خزائن جلد 22 ص 521 از مرزا قادیانی)

قادیان میں محمد رسول اللہ

''اور چونکہ مشابہت تامہ کی وجہ سے مسیح موعود (مرزا قادیانی) اور نبی کریم ﷺ میں کوئی دوئی باقی نہیں کہ ان دونوں کے وجود بھی ایک وجود کا ہی حکم رکھتے ہیں جیسا کہ خود مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ صار وجودی وجودہ (دیکھو خطبہ الہامیہ صفحہ 171) اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) میری قبر میں دفن کیا جائے گا جس سے یہی مراد ہے کہ وہ میں ہی ہوں یعنی مسیح

موعود (مرزا قادیانی) نبی کریم ﷺ سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے جو بروزی رنگ میں دوبارہ دنیا میں آئے گا تا کہ اشاعت اسلام کا کام پورا کرے اور ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کے فرمان کے مطابق تمام ادیانِ باطلہ پر اتمام حجت کر کے اسلام کو دنیا کے کونوں تک پہنچا دے تو اس صورت میں کیا اس بات میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قادیان میں اللہ تعالیٰ نے پھر محمد ﷺ کو اتارا تا کہ اپنے وعدہ کو پورا کرے۔"

(کلمۃ الفصل ص105، از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا غلام احمد قادیانی)

محمدؐ رسول اللہ کے تمام کمالات مرزا غلام احمد قادیانی میں

"ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے تھے، کسی کو بہت، کسی کو کم۔ مگر مسیح موعودؑ کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہ کے تمام کمالات کو حاصل کر لیا اور اس قابل ہو گیا کہ ظلی نبی کہلائے پس ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم ﷺ کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔"

(کلمۃ الفصل ص113، از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا غلام احمد قادیانی)

قادیانی کلمہ

"ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) نبی کریمؐ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے صار وجودی وجودہ نیز من فرق بینی وبین المصطفی فما عرفنی وماریٰ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت آخرین منھم سے ظاہر ہے، پس مسیح موعودؑ خود محمدؐ رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے، اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمدؐ رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔"

(کلمۃ الفصل ص158، از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا غلام احمد قادیانی)

افضلیت مرزا

"اس (نبی کریمؐ) کے لیے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا، اب کیا تو انکار کرے گا۔" (اعجاز احمدی ص71، مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 ص183 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی پر درود

- "صلی اللہ علیک وعلیٰ محمد"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص794 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

☐ "یصلون علیک صلحاء العرب وابدال الشام وتصلی علیک الارض والسماء ویحمدک اللہ من عرشہ"

(ترجمہ) تجھ پر عرب کے صلحاء اور شام کے ابدال درود بھیجیں گے۔ زمین و آسمان تجھ پر درود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش سے تیری تعریف کرتا ہے۔" (تذکرہ ص 168 از مرزا قادیانی)

بڑی فتح مبین

"اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گذر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کا وقت ہو۔" (خطبہ الہامیہ ص 193 مندرجہ روحانی خزائن جلد 16 ص 288 از مرزا قادیانی)

نبی کریمؐ کے تین ہزار معجزات

"مثلاً کوئی شریر النفس ان تین ہزار معجزات کا کبھی ذکر نہ کرے جو ہمارے نبی ﷺ سے ظہور میں آئے اور حدیبیہ کی پیش گوئی کو بار بار ذکر کرے کہ وہ وقت اندازہ کردہ پر پوری نہیں ہوئی۔"

(تحفہ گولڑویہ ص 67 مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 ص 153 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کے 10 لاکھ نشانات

"ان چند سطروں میں جو پیش گوئیاں ہیں، وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اوّل درجہ پر خارقِ عادت ہیں۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص 72 مندرجہ روحانی خزائن جلد 21 ص 72 از مرزا قادیانی)

نشان اور معجزہ ایک ہی ہے

"امتیازی نشان جس سے وہ شناخت کیا جاتا ہے پس یقیناً سمجھو کہ سچا مذہب اور حقیقی راست باز ضرور اپنے ساتھ امتیازی نشان رکھتا ہے اور اسی کا نام دوسرے لفظوں میں معجزہ اور کرامت اور خارقِ عادت امر ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص 63 مندرجہ روحانی خزائن جلد 21 ص 63 از مرزا قادیانی)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مرزا قادیانی کے معجزات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے معجزات پر سینکڑوں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہر ہر معجزہ کو علیحدہ علیحدہ سند متصل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مرزا قادیانی کے نام نہاد "صحابہ و تابعین" کو بھی چاہیے کہ وہ مرزا قادیانی کے دس لاکھ معجزات پر کوئی کتاب لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ دنیا کو مرزا قادیانی کے معجزات کا علم ہو سکے کہ آخر وہ کیا معجزات تھے؟

آگے سے بڑھ کر

''امام اپنا عزیزو اس زماں میں
غلام احمد ہوا دارالاماں میں
غلام احمد ہے عرش رب اکرم
مکاں اس کا ہے گویا لامکاں میں
غلام احمد رسول اللہ ہے برحق
شرف پایا ہے نوع انس و جاں میں
محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں''

(اخبار بدر قادیان 25 اکتوبر 1906ء)

جب اس دلخراش قصیدہ پر اعتراض ہوا تو قادیانی قیادت نے جلتی پر تیل کی طرح جو جواب دیا، وہ نہایت افسوسناک ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''یہ وہ نظم ہے جو حضرت مسیح موعود کے حضور میں پڑھی گئی اور خوشخط لکھے ہوئے قطعے کی صورت میں پیش کی گئی اور حضور اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ پھر یہ نظم اخبار بدر 25 اکتوبر 1906ء میں چھپی اور شائع ہوئی۔ پس حضرت مسیح موعود کا شرف سماعت حاصل کرنے اور جزاکم اللہ تعالیٰ کا صلہ پانے اور اس قطعے کو اندر خود لے جانے کے بعد کسی کو حق ہی کیا پہنچتا ہے کہ اس پر اعتراض کر کے اپنی کمزوری ایماں و قلت عرفاں کا ثبوت دے۔'' (اخبار روزنامہ ''الفضل'' 23 اگست 1944ء ص 4)

رسولِ قدنی

اے مرے پیارے مری جان رسول قدنی
تیرے صدقے، ترے قربان رسول قدنی
تو نے ایمان ثریا سے ہمیں لا کے دیا
نازش دودۂ سلمانؓ رسول قدنی
انت منی وانا منک خدا فرمائے
میں بتاؤں تری کیا شان رسول قدنی

عرش اعظم پہ تری حمد خدا کرتا ہے
ہم ہیں ناچیز سے انسان رسول قدنی
دستخط قادر مطلق تری مسلوں پہ کرے
اللہ اللہ! یہ تری شان رسول قدنی
آسماں اور زمیں تو نے بنائے ہیں نئے
تیرے کشفوں پہ ہے ایمان رسول قدنی
پہلی بعثت میں محمدؐ ہے تو اب احمدؐ ہے
تجھ پہ پھر اُترا ہے قرآن رسول قدنی
سر چشم تری خاک قدم بنواتے
غوث اعظم شہ جیلان رسول قدنی
عرش بلقیس معانی ہے ترے قبضے میں
اس زمانہ کے سلیمانؑ رسول قدنی

(روزنامہ اخبار الفضل قادیان جلد 10 شمارہ نمبر 30، 16 اکتوبر 1922ء)

مندرجہ بالا نظم بھی قاضی ظہور الدین اکمل قادیانی کی ہے جس میں اس نے نبی کریم ﷺ ،جن کو تمام مسلمان ان کے شہر مبارک ''مدینہ طیبہ'' کی نسبت سے ''رسول مدنی'' کہتے ہیں، کی نقل اتارتے ہوئے مرزا قادیانی کی شان میں اس کے شہر ''قادیان'' کی نسبت سے ''رسول قدنی'' کے عنوان سے نظم لکھی۔

محمد رسول اللہ سے بڑھ کر

''یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کرسکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پاسکتا ہے حتیٰ کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔'' (حضرت خلیفہ المسیح مرزا بشیر الدین محمود کی ڈائری، اخبار الفضل قادیان نمبر 5 جلد 17,10 جولائی 1922ء)

نبی کریمؐ سور کی چربی استعمال کرتے تھے (نعوذ باللہ)

''آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب..... عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھالیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ سور کی چربی اس میں پڑتی ہے۔'' (مرزا قادیانی کا مکتوب، اخبار الفضل قادیان 22 فروری 1924ء)

مرزا قادیانی، احمد مجتبیٰ

''منم مسیح زمانہ ومنم کلیم خدا منم محمد واحمد کہ مجتبیٰ باشد''

(ترجمہ) ''میں مسیح زماں ہوں، میں کلیم خدا یعنی موسیٰ ہوں، میں محمد ہوں، میں احمد مجتبیٰ ہوں۔''

(تریاق القلوب ص 6 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 ص 134 از مرزا قادیانی)

اپنی وحی پر ایمان

"مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر۔"

(اربعین نمبر 4 ص 19 مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 ص 25 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی پر نازل ہونے والی وحی

- "انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک هو الابتر"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص 281-282 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "ورفعنالک ذکرک" (تذکرہ مجموعہ الہامات ص 282 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "هوالذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص 621 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "اصحاب الصفة وما ادرک ما اصحاب الصفة تری اعینهم تفیض من الدمع یصلون علیک" (تذکرہ مجموعہ الہامات ص 626,625 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "وَداعیًا الی الله و سراجاً منیراً"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص 626 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "یا احمد فاضت الرحمة علی شفتیک"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص 626 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "یرفع الله ذکرک" (تذکرہ مجموعہ الہامات ص 626 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "تبت یدا ابیٔ لهب وتب"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص 632 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "قُل اِن کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص 634 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "وما ارسلنک الا رحمة للعالمین"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص 636 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "انت منی بمنزلة عرشی. انت منی بمنزلة ولدی"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص 636 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "انا انزلناه قریباً من القادیان وبالحق انزلناه وبالحق نزل صدق الله ورسوله وکان امر الله مفعولا"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص 637 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

"قرآن مجید قادیان کے قریب نازل ہوا"

"انا انزلناہ قریبا من القادیان"

اس کی تفسیر یہ ہے کہ انا انزلناہ قریبًا من دمشق بطرف شرقی عند المنارۃ البیضاء کیونکہ اس عاجز کی سکونتی جگہ قادیان کے شرقی کنارہ پر ہے۔"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص76 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

قرآن، مرزا قادیانی پر دوبارہ اُترا

"ہم کہتے ہیں کہ قرآن کہاں موجود ہے؟ اگر قرآن موجود ہوتا تو کسی کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ مشکل تو یہی ہے کہ قرآن دنیا سے اُٹھ گیا ہے۔ اسی لیے تو ضرورت پیش آئی کہ محمد رسول اللہ (مرزا قادیانی) کو بروزی طور پر دوبارہ دنیا میں مبعوث کر کے آپ پر قرآن شریف اتارا جائے۔"

(کلمۃ الفصل ص173 از صاحبزادہ مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

قرآن شریف، مرزا کی باتیں

"قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص635 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا کے الہامات، قرآن کی طرح

- "میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر۔ اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں، اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے، خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔" (حقیقۃ الوحی ص220، مندرجہ روحانی خزائن جلد22 ص220 از مرزا قادیانی)

احادیث رسولؐ کی توہین

"تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں۔ اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔"

(اعجاز احمدی ص30 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 ص140 از مرزا قادیانی)

عیسائی، یہودی، مشرک

"جو میرے مخالف تھے، ان کا نام عیسائی اور یہودی اور مشرک رکھا گیا۔"

(نزول المسیح (حاشیہ) ص4 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 ص382 از مرزا غلام احمد قادیانی)

بدکار عورتوں کی اولاد

"تلک کتب ینظر الیها کل مسلم بعین المحبة والمودة وینتفع من معارفها ویقبلنی ویصدق دعوتی الا ذریة البغایا"

(ترجمہ) "میری ان کتابوں کو ہر مسلمان محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے مگر رنڈیوں (بدکار عورتوں) کی اولاد نے میری تصدیق نہیں کی۔" (آئینہ کمالات اسلام ص 547, 548 مندرجہ روحانی خزائن جلد 5 ص 548,547 از مرزا قادیانی)

مرد خنزیر، عورتیں کتیاں

"دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے۔ اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔"

(نجم الہدیٰ ص 53 مندرجہ روحانی خزائن جلد 14 ص 53 از مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا کو نہ ماننے والا پکا کافر

"ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰؑ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰؑ کو نہیں مانتا یا عیسیٰؑ کو مانتا ہے مگر محمدﷺ کو نہیں مانتا اور یا محمدﷺ کو مانتا ہے پر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔"

(کلمۃ الفصل ص 110 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

جہنمی

- "اور مجھے بشارت دی ہے کہ جس نے تجھے شناخت کرنے کے بعد تیری دشمنی اور تیری مخالفت اختیار کی، وہ جہنمی ہے۔" (تذکرہ مجموعہ الہامات ص 168 طبع دوم از مرزا قادیانی)
- "خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔"

(تذکرہ مجموعہ الہامات ص 600 طبع دوم از مرزا غلام احمد قادیانی)

- "اس الہام کی تشریح میں حضرت مسیح موعود نے الذین کفروا غیر احمدی مسلمانوں کو قرار دیا ہے۔" (کلمۃ الفصل ص 143 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کا انکارِ کفر

"اب معاملہ صاف ہے، اگر نبی کریمﷺ کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود کا انکار بھی کفر ہونا چاہیے کیونکہ مسیح موعود نبی کریمﷺ سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے اور اگر مسیح موعود کا منکر کافر نہیں تو نعوذ باللہ نبی

کریم کا منکر بھی کافر نہیں کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پہلی بعثت میں تو آپ کا انکار کفر ہو مگر دوسری بعثت میں جس میں بقول حضرت مسیح موعود آپ کی روحانیت اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے، آپ کا انکار کفر نہ ہو۔"

(کلمۃ الفصل ص147,146 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا غلام احمد قادیانی)

خواہ نام بھی نہیں سنا

"کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

(آئینہ صداقت ص35 از مرزا بشیر الدین محمود ابن مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کی پیچیدہ بیماریاں

انبیاء کرام انسانوں میں اللہ تعالیٰ کا بہترین انتخاب ہوتے ہیں۔ انہیں نبوت و رسالت ایسے عظیم ترین منصب سے سرفراز اور ممتاز کیا جاتا ہے۔ وہ عنداللہ بے حد مقبول اور محبوب ہوتے ہیں۔ ان کا مقام و مرتبہ پوری انسانیت میں سے بلند ہوتا ہے۔ انہیں جہاں دیگر اعلیٰ ترین اوصاف حمیدہ سے نوازا جاتا ہے، وہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انبیاء کرام کی صحت نہایت قابل رشک ہوتی ہے کیونکہ بارِ نبوت اٹھانے اور نباہنے کے لیے ان کا تندرست اور صحت مند ہونا لازمی امر ہے۔ وہ کسی خاص مرض کا نشانہ نہیں بنتے۔ اس کے برعکس آنجہانی مرزا قادیانی پوری زندگی جسمانی اور دماغی بیماریوں کا شکار رہا۔ وہ بیمار نہیں بلکہ "بیماری" تھا۔ اسے لاحق چند پیچیدہ امراض کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

1- بدہضمی (ریویو، مئی 1928ء)
2- تشنج دل (ضمیمہ اربعین نمبر 3 نمبر 4 ص4 خزائن ص471 ج17)
3- تشنج اعصاب (سیرۃ المہدی ص13 ج1)
4- جسمانی قویٰ مضمحل (آئینہ احمدیت ص186 دوست محمد)
5- دق (حیات احمد جلد دوم نمبر اوّل ص79 یعقوب علی)
6- سل (سیرۃ المہدی ص42 ج1 بدر جون 1906ء)
7- مراق (سیرۃ المہدی ص55 ج2 بدر جون 1906ء)
8- ہسٹیریا (سیرۃ المہدی ص13 ج1 ص55 ج2)
9- دماغی بے ہوشی (الحکم 21 مئی 34ء)
10- غشی (سیرۃ المہدی ص13 ج1)
11- سوسو بار پیشاب (ضمیمہ اربعین ص4 نمبر4)

-12	کثرت اسہال	(نسیم دعوت ص68)
-13	دل ودماغ سخت کمزور	(تریاق القلوب ص35)
-14	قولنج زحیری	(تریاق القلوب ص334)
-15	مسلوب القویٰ	(آئینہ احمدیت ص186)
-16	ذیابیطس	(نزول المسیح ص209 حاشیہ)
-17	رینگن	(مکتوبات احمدیہ)
-18	دورانِ سر	(نزول المسیح ص209 حاشیہ)
-19	شدید دردسر جس کا آخری نتیجہ مرگی	(حقیقتہ الوحی ص363)
-20	حافظہ نہایت ابتر	(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم ص3 وص21)
-21	حالت مردمی کالعدم	(تریاق القلوب ص35)
-22	سستی نامردی	(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم ص14)

میں یہاں یہ تمام حوالہ جات نقل کرنا چاہتا تھا مگر صفحات کی کمی کے پیش نظر صرف چند حوالہ جات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

صحت کا ٹھیکہ

(1) ''ہم نے تیری صحت کا ٹھیکہ لیا ہے۔'' الہام (تذکرہ ص803)

(2) ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود فرماتے تھے کہ ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تمہارے تین اعضاء پر خدا کی رحمت کا نزول ہے، ایک ان میں سے آنکھ ہے۔'' (سیرۃ المہدی حصہ سوم ص51)

آنکھوں میں مائی اوپیا

ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت صاحب کی آنکھوں میں مائی اوپیا تھا۔ اسی وجہ سے پہلی رات کا چاند نہیں دیکھ سکتے تھے۔'' (سیرۃ المہدی حصہ سوم 119)

اُلٹے سیدھے پاؤں کی پہچان

''ایک دفعہ کوئی شخص آپ کے لیے گرگابی لے آیا۔ آپ نے پہن لی۔ مگر اس کے الٹے سیدھے پاؤں کا پتہ نہیں لگتا تھا۔ کئی دفعہ الٹی پہن لیتے تھے۔ اور پھر تکلیف ہوتی تھی۔ بعض دفعہ الٹا پاؤں پڑ جاتا تھا تو بہت تنگ ہوتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میں نے آپ کی سہولت کے واسطے الٹے سیدھے پاؤں کی شناخت کے لیے نشان لگا دیئے تھے۔ مگر باوجود اس کے آپ الٹا سیدھا پہن لیتے تھے۔ اس لیے آپ نے

اسے اتار دیا۔" (سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص 53)

اپنی سوٹی کی پہچان

"مولوی صاحب کے ہاتھ میں اس وقت حضرت صاحب کی چھڑی تھی، حضرت صاحب باہر نکلے تو مولوی صاحب نے آپ کو چھڑی دی۔ حضرت صاحب نے چھڑی ہاتھ میں لے کر اسے دیکھا اور فرمایا یہ کس کی چھڑی ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضور ہی کی چھڑی ہے جو حضور ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں۔ فرمایا اچھا میں نے سمجھا تھا کہ میری نہیں ہے۔ خان صاحب کہتے ہیں کہ وہ چھڑی مدت سے آپ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔" (سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص 227)

اپنی گھڑی پر وقت کی پہچان

"بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت صاحب کو ایک جیبی گھڑی تحفہ میں دی تھی۔ حضرت صاحب اس کو رومال میں باندھ کر جیب میں رکھتے تھے۔ زنجیر نہیں لگاتے تھے اور پھر جب وقت دیکھنا ہوتا تھا تو گھڑی نکال کر اس کے ہندسے یعنی عدد سے گن کر وقت کا پتہ لگاتے تھے۔ اور انگلی رکھ رکھ کر ہندسے گنتے تھے اور منہ سے بھی گنتے جاتے تھے۔ گھڑی دیکھتے ہی وقت نہیں پہچان سکتے تھے۔" (سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص 166)

دایاں ہاتھ

بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب (حال عبدالرحیم درد صاحب قادیانی) ایم۔اے کے کہ ایک دفعہ والد صاحب (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) اپنے چوبارے کی کھڑکی سے گر گئے اور دائیں بازو پر چوٹ آئی۔ چنانچہ آخر عمر تک وہ ہاتھ کمزور رہا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ آپ کھڑکی سے اترنے لگے تھے۔ سامنے سٹول رکھا تھا، وہ الٹ گیا اور آپ گر گئے اور دائیں ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور یہ ہاتھ آخر عمر تک کمزور رہا۔ اس ہاتھ سے آپ لقمہ تو منہ تک لے جاسکتے تھے مگر پانی کا برتن وغیرہ منہ تک نہیں اٹھا سکتے تھے۔" ("سیرت المہدی" حصہ اوّل، ص 198، روایت نمبر 187، مولفہ مرزا بشیر احمد قادیانی)

دندانِ مبارک

"دندان مبارک آپ کے (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے) آخر عمر میں کچھ خراب ہو گئے تھے، یعنی کیڑا بعض داڑھوں کو لگ گیا تھا جس سے کبھی کبھی تکلیف ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک داڑھ کا سرا ایسا نوک دار ہو گیا تھا کہ اس سے زبان میں زخم پڑ گیا تو ریتی کے ساتھ اس کو گھسوا کر برابر بھی کرایا تھا۔" ("سیرۃ المہدی" حصہ دوم، ص 135، روایت نمبر 444، مولفہ مرزا بشیر احمد قادیانی)

ایک ابتلاء

''ایک ابتلاء مجھ کو اس (دہلی کی) شادی کے وقت یہ پیش آیا کہ بباعث اس کے کہ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور دو مرضیں یعنی ذیابیطس اور درد سر مع دورانِ سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں جن کے ساتھ بعض اوقات تشنج قلب بھی تھا۔ اس لیے میری حالت مردمی کالعدم تھی اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی......

غرض اس ابتلاء کے وقت میں نے جناب الٰہی میں دعا کی اور مجھے اس نے رفع مرض کے لیے اپنے الہام کے ذریعہ سے دوائیں بتلائیں اور میں نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک فرشتہ وہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا ہے۔ چنانچہ وہ دوائیں میں نے تیار کیں اور اس میں خدا نے اس قدر برکت ڈال دی کہ میں نے دلی یقین سے معلوم کیا کہ وہ پر صحت طاقت جو ایک پورے تندرست انسان کو دنیا میں مل سکتی ہے، وہ مجھے دی گئی...... میں اس زمانہ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک بچہ کی طرح تھا اور پھر اپنے تئیں خداداد طاقت میں پچاس مرد کے قائم مقام دیکھا۔''

(''تریاق القلوب'' ص35-36 ''روحانی خزائن'' ص204-203، ج15، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

مجرب دوائیں

- مخدومی مکرمی اخویم مولوی (نورالدین) صاحب

''السلام علیکم...... وہ دوا جس میں مروارید داخل ہیں، جو کسی قدر آپ لے گئے تھے، اس کے استعمال سے بفضلہ تعالیٰ مجھ کو بہت فائدہ ہوا۔ قوت باہ کو ایک عجیب فائدہ یہ دوا پہنچاتی ہے اور مقوی معدہ اور کاہلی سستی کو دور کرتی ہے اور کئی عوارض کو نافع ہے۔ آپ ضرور استعمال کر کے مجھ کو اطلاع دیں۔ مجھ کو تو یہ بہت ہی موافق آ گئی۔

خاکسار غلام احمد 30 دسمبر 1886ء

(''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، نمبر 2، ص12، مولفہ یعقوب علی عرفانی قادیانی)

- مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب

''السلام علیکم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ دوا معلومہ سے آں مخدوم کو کچھ فائدہ محسوس نہ ہوا۔ شاید کہ یہ وہی قول درست ہو کہ ادویہ کو ابدان سے مناسبت ہے۔ بعض ادویہ بعض ابدان کے مناسب حال ہوتی ہیں اور بعض دیگر کے نہیں۔ مجھے یہ دوا بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوئی ہے کہ چند امراض کاہلی وسستی و رطوبات معدہ اس سے دور ہو گئے ہیں۔ ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھی کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوظ بکلی جاتا رہتا تھا۔ شاید قلت

حرارت غریزی اس کا موجب تھی۔ وہ عارضہ بالکل جاتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوا حرارت غریزی کو بھی مفید ہے اور منی کو بھی غلیظ کرتی ہے۔ غرض میں نے تو اس میں آثار نمایاں پائے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم۔

اگر دوا موجود ہو اور آپ دودھ اور ملائی کے ساتھ کچھ زیادہ قدر شربت کر کے استعمال کریں تو میں خواہش مند ہوں کہ آپ کے بدن میں ان فوائد کی بشارت سنوں۔ کبھی کبھی دوا کی چھپی چھپی تاثیر بھی ہوتی ہے کہ جو ہفتے عشرے کے بعد محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ دوا ختم ہو چکی ہے اور میں نے زیادہ زیادہ کھالی ہے اس لیے ارادہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دوبارہ تیار کی جائے۔'' خاکسار غلام احمد از قادیان، 19 جنوری 1887ء

(''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، نمبر 2 ص 14)

محبی عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ تعالیٰ

''السلام علیکم۔ کسی قدر تریاق جدید کی گولیاں بدست مرزا خدا بخش صاحب آپ کی خدمت میں ارسال ہیں اور کسی قدر اس وقت دے دوں گا جب آپ قادیان آئیں گے۔ یہ دوا تریاق الٰہی سے فوائد میں بہت بڑھ کر ہے۔ اس میں بڑی بڑی قابل قدر دوائیں پڑی ہیں۔ جیسے مشک، عنبر، نربسی، مروارید، سونے کا کشتہ، فولاد، یاقوتِ احمر، کونین، فاسفورس، کہربا، مرجان، صندل، کیوڑہ، زعفران۔ یہ تمام دوائیں قریب سو کے ہیں اور بہت سا فاسفورس اس میں داخل کیا گیا ہے۔ یہ دوا علاجِ طاعون کے علاوہ مقوی دماغ، مقوی جگر، مقوی معدہ، مقوی باہ اور مراق کو فائدہ کرنے والی اور مصفی خون ہے۔ مجھ کو اس کے تیار کرنے میں اوّل تامل تھا کہ بہت سے روپیہ پر اس کا تیار کرنا موقوف تھا لیکن چونکہ حفظ صحت کے لیے یہ دوا مفید ہے اس لیے اس قدر خرچ گوارا کیا گیا۔

خوراک اس کی اوّل استعمال میں دو رتی سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے تا کہ گرمی نہ کرے۔ نہایت درجہ مقوی اعصاب ہے اور خارش اور بثورات اور جذام اور ذیابیطس اور انواع و اقسام کے خطرناک امراض کے لیے مفید ہے اور قوت باہ میں اس کو ایک عجیب اثر ہے۔''

خاکسار مرزا غلام احمد 29 اگست 1899ء

(''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، نمبر 4، ص 105، مجموعہ مکتوبات مرزا قادیانی)

مخدومی مکرمی اخویم حکیم نور الدین

''ایک میرے دوست سامانہ علاقہ پٹیالہ میں ہیں جن کا نام مرزا محمد یوسف بیگ ہے۔ انہوں نے کئی دفعہ ایک معجون بنا کر بھیجی ہے جس میں کچھ مدبر داخل ہوتا ہے۔ وہ معجون میرے تجربے

میں آیا ہے کہ اعصاب کے لیے نہایت مفید ہے اور امراض رعشہ اور فالج اور تقویت دماغ اور قوتِ باہ کے لیے اور نیز قوتِ معدہ کے لیے فائدہ مند ہے۔ مدت سے میرے استعمال میں ہے۔ اگر آپ اس کو استعمال کرنا قرین مصلحت سمجھیں تو میں کسی قدر جو میرے پاس ہے، بھیج دوں۔" (''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، نمبر 2، ص55، مجموعہ مکتوبات مرزا قادیانی)

پہلا دورہ

بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ''حضرت مسیح موعود (یعنی والد صاحب) کو پہلی دفعہ دورانِ سر اور ہسٹریا کا دورہ...... بشیر اوّل کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا۔ رات کو سوتے ہوئے آپ کو اتھو آیا اور پھر اس کے بعد طبیعت خراب ہوگئی مگر یہ دورہ خفیف تھا۔ پھر اس کے کچھ عرصے بعد آپ ایک دفعہ نماز کے لیے باہر گئے اور جاتے ہوئے فرما گئے کہ آج کچھ طبیعت خراب ہے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر کے بعد شیخ حامد علی...... نے دروازہ کھٹکھٹایا کہ جلدی پانی کی ایک گاگر گرم کر دو۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میں سمجھ گئی کہ حضرت صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی ہوگی۔ چنانچہ میں نے کسی ملازم عورت کو کہا کہ اس سے پوچھو میاں کی طبیعت کا کیا حال ہے؟ شیخ حامد علی نے کہا کہ کچھ خراب ہوگئی ہے۔ میں مسجد میں چلی گئی تو آپ لیٹے ہوئے تھے۔ میں جب پاس گئی تو فرمایا کہ میری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی لیکن اب افاقہ ہے۔ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کوئی کالی کالی چیز میرے سامنے سے اٹھی ہے اور آسمان تک چلی گئی۔ پھر میں چیخ مار کر زمین پر گر گیا اور غشی کی سی حالت ہوگئی۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں، اس کے بعد سے آپ کو باقاعدہ دورے پڑنے شروع ہوگئے۔ خاکسار نے پوچھا دورہ میں کیا ہوتا تھا؟ والدہ صاحبہ نے کہا ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے اور بدن کے پٹھے کھنچ جاتے تھے۔ خصوصاً گردن کے پٹھے اور سر میں چکر ہوتا تھا اور اس حالت میں آپ اپنے بدن کو سہار نہیں سکتے تھے۔ شروع شروع میں یہ دورے بہت سخت ہوتے تھے۔ پھر اس کے بعد کچھ تو دوروں کی ایسی سختی نہیں رہی اور کچھ طبیعت عادی ہوگئی۔ خاکسار نے پوچھا کہ اس سے پہلے تو سر کی کوئی تکلیف نہیں تھی؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا پہلے معمولی سر درد کے دورے ہوا کرتے تھے۔ خاکسار نے پوچھا کیا پہلے حضرت صاحب خود نماز پڑھاتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے کہا کہ ہاں مگر پھر دوروں کے بعد چھوڑ دی۔"

(''سیرۃ المہدی'' حصہ اوّل، ص13، روایت نمبر 19، مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

رمضان کے دورے

بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ''جب حضرت مسیح موعود کو دورے پڑنے شروع ہوئے تو آپ نے اس سال سارے رمضان کے روزے نہیں رکھے اور فدیہ ادا کر دیا۔ دوسرا رمضان آیا تو

آپ نے روزے رکھنے شروع کیے مگر آٹھ نو روزے رکھے تھے کہ پھر دورہ ہوا۔ اس لیے باقی چھوڑ دیئے اور فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد جو رمضان آیا تو اس میں آپ نے دس گیارہ روزے رکھے تھے کہ پھر دورہ کی وجہ سے روزے ترک کرنے پڑے اور آپ نے فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد جو رمضان آیا تو آپ کا تیرھواں روزہ تھا کہ مغرب کے قریب آپ کو دورہ پڑا اور آپ نے روزہ توڑ دیا اور باقی روزے نہیں رکھے اور فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد جتنے رمضان آئے آپ نے سب روزے رکھے مگر پھر وفات سے دو تین سال قبل کمزوری کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکے اور فدیہ ادا فرماتے رہے۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ جب آپ نے ابتداءً دوروں کے زمانہ میں روزے چھوڑے تو کیا پھر بعد میں ان کو قضا کیا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ نہیں، صرف فدیہ ادا کر دیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب شروع شروع میں حضرت مسیح موعود کو دورانِ سر اور بردِ اطراف کے دورے پڑنے شروع ہوئے تو اس زمانہ میں آپ بہت کمزور ہو گئے تھے اور صحت خراب رہتی تھی......"

(''سیرۃ المہدی'' حصہ اوّل، ص 51، روایت نمبر 81، مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

سخت دورہ

بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ''اوائل میں ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سخت دورہ پڑا۔ کسی نے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد کو بھی اطلاع دے دی اور وہ دونوں آ گئے۔ پھر ان کے سامنے بھی حضرت مرزا صاحب کو دورہ پڑا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں اس وقت میں نے دیکھا کہ مرزا سلطان احمد تو آپ کی چارپائی کے پاس خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہے مگر مرزا فضل احمد کے چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا اور وہ کبھی ادھر بھاگتا تھا اور کبھی ادھر۔ کبھی اپنی پگڑی اتار کر حضرت صاحب کی ٹانگوں کو باندھتا تھا اور کبھی پاؤں دبانے لگ جاتا تھا اور گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ کانپتے تھے۔"

(''سیرۃ المہدی'' حصہ اوّل، ص 22، روایت نمبر 36، مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

خطرناک

''پھر آپ نے (یعنی مرزا قادیانی نے) فرمایا میں کیا کروں میں نے تو خدا کے سامنے پیش کیا ہے کہ میں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کو تیار ہوں مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں میں تجھے ذلت سے بچاؤں گا اور عزت کے ساتھ بری کروں گا۔ پھر آپ محبت الٰہی پر تقریر فرمانے لگ گئے اور قریباً نصف گھنٹے تک جوش کے ساتھ بولتے رہے۔ لیکن پھر یک لخت بولتے بولتے آپ کو ابکائی آئی اور ساتھ ہی قے ہوئی جو خالص خون کی تھی جس میں کچھ خون جما ہوا تھا اور کچھ بہنے والا تھا۔ حضرت نے قے سے سر اٹھا کر رومال سے اپنا منہ پونچھا اور آنکھیں بھی پونچھیں جو قے کی وجہ سے پانی لے آئی تھیں۔ مگر آپ کو یہ

معلوم نہیں ہوا کہ قے میں کیا نکلا ہے، کیونکہ آپ نے یک لخت جھک کر قے کی اور پھر سر اٹھالیا۔ مگر میں اس کے دیکھنے کے لیے جھکا تو حضور نے فرمایا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا حضور قے میں خون نکلا ہے۔ تب حضور نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور دوسرے لوگ کمرے میں آگئے اور ڈاکٹر کو بلوایا گیا۔ ڈاکٹر انگریز تھا۔ وہ آیا اور قے دیکھ کر خواجہ صاحب کے ساتھ انگریزی میں باتیں کرتا رہا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بڑھاپے کی عمر میں اس طرح خون کی قے آنا خطرناک ہے۔" ("سیرۃ المہدی" حصہ اوّل، ص80، روایت نمبر 106، مولفہ حضرت صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

مراق کا سلسلہ

- "مراق کا مرض حضرت مرزا صاحب میں موروثی نہ تھا بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا اور اس کا باعث سخت دماغی محنت، تفکرات، غم اور سوءِ ہضم تھا جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دورانِ سر کے ذریعہ ہوتا تھا۔"

(رسالہ "ریویو" قادیان، ص10، بابت اگست 1926ء)

- "میری بیوی کو مراق کی بیماری ہے۔ کبھی کبھی وہ میرے ساتھ ہوتی ہے، کیونکہ طبی اصول کے مطابق اس کے لیے چہل قدمی مفید ہے۔ ان کے ساتھ چند خادم عورتیں بھی ہوتی ہیں...... ہم باغ تک جاتے ہیں پھر واپس آجاتے ہیں۔" (مرزا قادیانی کا بیانِ عدالت مندرجہ اخبار "الحکم" قادیان جلد5، نمبر29، مورخہ 10 اگست 1901ء، منقول از منظور الٰہی، ص244، مصنفہ منظور الٰہی قادیانی لاہور)

- "بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت (مرزا) صاحب کے ایک حقیقی ماموں تھے جن کا نام مرزا جمعیت بیگ تھا۔ ان کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئے اور ان کے دماغ میں کچھ خلل آگیا تھا۔ لڑکے کا نام مرزا علی شیر تھا اور لڑکی کا حرمت بی بی۔ لڑکی حضرت صاحب کے نکاح میں آئی اور اسی کے بطن سے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد پیدا ہوئے۔"

("سیرۃ المہدی" حصہ اوّل، ص206، روایت 212، مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

- "مراق کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ورثہ میں ملا ہوا طبعی میلان اور عصبی کمزوری ہے۔ عصبی امراض ہمیشہ ورثہ میں ملتے ہیں اور لمبے عرصے تک خاندان میں چلتے ہیں۔"

(بیاض نورالدین، جلد اوّل، منقول از اخبار "پیغام صلح" لاہور، جلد 106، ص47، مورخہ یکم دسمبر 1948ء)

"جب خاندان میں اس کی ابتدا ہو چکی تو پھر اگلی نسل میں بے شک یہ مرض منتقل ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی (مرزا محمود احمد) نے فرمایا کہ مجھ کو بھی کبھی کبھی مراق کا دورہ ہوتا ہے۔"

(مضمون ڈاکٹر شاہنواز قادیانی، مندرجہ رسالہ "ریویو" قادیان، ص11، بابت اگست 1926ء)

مالیخولیا مراق

''مالیخولیا کی ایک قسم ہے جس کو مراق کہتے ہیں۔ یہ مرض تیز سوداء سے جو معدہ میں جمع ہوتا ہے، پیدا ہوتا ہے اور جس عضو میں یہ مادہ جمع ہو جاتا ہے، اس سے سیاہ بخارات اٹھ کر دماغ کی طرف چڑھتے ہیں۔ اس کی علامات یہ ہیں ترش دخانی ڈکاریں آنا، ضعف معدہ کی وجہ سے کھانے کی لذت کم معلوم ہونا، ہاضمہ خراب ہو جانا، پیٹ پھولنا، پاخانہ پتلا ہونا، دھوئیں جیسے بخارات چڑھتے ہوئے معلوم ہونا۔'' (ترجمہ)
(شرح الاسباب والعلامات امراضِ راس مالیخولیا تصنیف برہان الدین نفیس)

''یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مرض (مراق) کی علامات کا ظہور فتورِ قوت حیوانی یا روحِ حیوانی سے ہوتا ہے۔ جو کہ جگر و معدے میں ہوتی ہے مگر تحقیقات جدیدہ سے معلوم ہوا ہے کہ مرض عصبی ہے اور جیسا کہ عورت میں رحم کی مشارکت سے مرض اختناق الرحم (ہسٹریا) پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح اعضائے اندرونی کے فتور سے ضعف دماغ ہو کر مردوں میں مراق ہو جاتا ہے۔

علاماتِ مرض

- ''مریض ہمیشہ سست و متفکر رہتا ہے۔ اس میں خودی کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک بات میں مبالغہ کرتا ہے...... بھوک نہیں لگتی، کھانا ٹھیک طور پر ہضم نہیں ہوتا۔''

(''مخزنِ حکمت'' مصنفہ شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب، طبع دوم)

- ''فساد ہضم، کھٹی دخانی ڈکاریں، منہ میں زیادہ رال آئے، پیٹ پھولتا ہو، پیٹ میں قراقر، تناوٹ اور سوزش ہو، جھوٹی بھوک معلوم ہو، تالو کی طرف دھوئیں جیسے بخارات چڑھتے ہوئے معلوم ہوں، ہاضمہ اچھا ہو تو مرض میں تخفیف ہو۔ ہاضمے کی خرابی اور تخمے سے مرض میں زیادتی ہو...... گاہے جسم کے اوپر کے حصے میں کپکپی اور لرزہ، ہاتھ پاؤں کی ہتھیلیوں یا تمام بدن کا ٹھنڈا ہو جانا۔ مرض کی کمی بیشی کے مطابق کمزوری لاحق ہونا، یہاں تک کہ کبھی غشی کی نوبت پہنچ جائے...... کبھی ایک چیز کے دو معلوم ہونا۔ کبھی آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوندتی معلوم ہونا۔ آنکھوں کی کرختگی، پلکوں کا بوجھ ہونا، دماغ اور سر میں سوزش و گرمی، دردسر اور نسیان، یک بیک اچھو لگ جانا...... مرض مراق کے لوازم سے ہے لیکن ان سب کا ایک مریض میں پایا جانا ضروری نہیں۔ (ترجمہ)'' (''اکسیر اعظم'' ج اوّل ص 189، مصنفہ حکیم محمد افضل خان)

- ''مالیخولیا اس مرض کو کہتے ہیں جس میں حالت طبعی کے خلاف خیالات و افکار متغیر بخوف و فساد ہو جاتے ہیں۔ اس کا سبب مزاج کا سوداوی ہو جانا ہوتا ہے، جس سے روح دماغی اندرونی طور پر متوحش ہوتی ہے اور مریض اس کی ظلمت سے پراگندہ خاطر ہو جاتا ہے یا پھر یہ مرض حرارتِ

جگر کی شدت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی چیز مراق ہوتی ہے۔ جب اس میں غذا کے فضلات اور آنتوں کے بخارات جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے اخلاط جل کر سوداء کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں تو ان اعضاء سے سیاہ بخارات اٹھ کر سر کی طرف چڑھتے ہیں۔ اسی کو نفخہ مراقیہ، مالیخولیائے نافخ اور مالیخولیائے مراقی کہتے ہیں۔" (ترجمہ)

(قانون شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا، فن اوّل از کتاب ثالث)

علاج

عمدہ خون پیدا کرنے والی غذائیں استعمال کرائی جائیں۔ مثلاً مچھلی، (پرندوں کا) زود ہضم گوشت اور کبھی کبھی سفید ہلکی شراب جو تیز اور پرانی نہ ہو...... اور عمدہ عمدہ خوشبوئیں جیسے مشک، عنبر، نافہ اور عود استعمال کرائیں۔ نیز فم معدہ کے لیے مقوی جوارشات کا استعمال کرائیں۔

مریض مالیخولیا کو لازم ہے کہ کسی دل خوش کام میں مشغول رہے اور اس کے پاس وہ لوگ رہیں جو اس کی تعظیم و تکریم کرتے رہیں اور اس کو خوش رکھیں اور شراب تھوڑا تھوڑا پانی ملا کر اعتدال کے ساتھ پلائی جائے۔" (قانون شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا، فن اوّل از کتاب ثالث)

مریض مالیخولیا کے کرشمے

"مالیخولیا خیالات و افکار کے طریق طبعی سے متغیر بخوف و فساد ہو جانے کو کہتے ہیں...... بعض مریضوں میں گاہے گاہے یہ فساد اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیب دان سمجھتا ہے اور اکثر ہونے والے امور کی پہلے ہی خبر دے دیتا ہے...... اور بعض میں یہ فساد یہاں تک ترقی کر جاتا ہے کہ اس کو اپنے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔"

(شرح الاسباب والعلامات امراض راس مالیخولیا، مصنفہ برہان الدین نفیس)

"مریض کے اکثر اوہام اس کام سے متعلق ہوتے ہیں جس میں مریض زمانہ صحت میں مشغول رہا ہو۔ مثلاً...... مریض صاحب علم ہو تو پیغمبری اور معجزات و کرامات کا دعویٰ کر دیتا ہے۔ خدائی کی باتیں کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تبلیغ کرتا ہے۔" ("اکسیر اعظم" جلد اوّل، ص 188، مصنفہ حکیم محمد اعظم خان)

ہسٹریا

☐ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ "میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود سے سنا ہے کہ مجھے ہسٹریا ہے۔ بعض اوقات آپ مراق بھی فرمایا کرتے تھے لیکن دراصل بات یہ ہے کہ آپ کو دماغی محنت اور شبانہ روز تصنیف کی مشقت کی وجہ سے بعض ایسی عصبی علامات پیدا ہو جایا کرتی تھیں جو ہسٹریا کے مریضوں میں بھی عموماً دیکھی جاتی ہیں۔ مثلاً کام کرتے کرتے یک

دم ضعف ہو جانا، چکروں کا آنا، ہاتھ پاؤں کا سرد ہو جانا، گھبراہٹ کا دورہ ہو جانا، ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی دم نکلتا ہے یا کسی تنگ جگہ یا بعض اوقات زیادہ آدمیوں میں گھر کر بیٹھنے سے دل کا سخت پریشان ہونے لگنا وغیر ذالک۔"

("سیرۃ المہدی" حصہ دوم، ص55، روایت نمبر 369، مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

- "ہسٹریا کا بیمار جس کو اختناق الرحم کہتے ہیں، چونکہ عام طور پر یہ مرض عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس کو رحم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ورنہ مردوں میں بھی یہ مرض ہوتا ہے۔ جن مردوں کو یہ مرض ہو، ان کو مراقی کہتے ہیں۔" (خطبہ جمعہ مرزا محمود احمد، خلیفہ قادیان، مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان، جلد 10 نمبر 84، ص6، مورخہ 30 اپریل 1923ء)
- "یہ درست ہے کہ مرگی اور ہسٹریا میں بھی مراق کی علامات پائی جاتی ہیں مگر یہ نہیں کہ ہر مراقی کو مرگی یا ہسٹریا کا مرض ہوتا ہے۔" ("بیاض نور الدین، جلد اوّل، منقول از اخبار "پیغام صلح" لاہور، جلد 36، نمبر 47، مورخہ یکم دسمبر 1948ء)
- "ایک مدعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ اس کو ہسٹریا، مالیخولیا، مرگی کا مرض تھا تو اس کے دعوے کی تردید کے لیے پھر کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ ایسی چوٹ ہے جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہے۔" ("مضمون ڈاکٹر شاہنواز قادیانی، مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان، ص7-6، بابت ماہ اگست 1926ء)

دق اور سل

- "حضرت اقدس نے اپنی بیماری دق کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بیماری آپ کو مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی زندگی میں ہوگئی تھی اور آپ قریباً چھ ماہ تک بیمار رہے۔ مرزا غلام مرتضیٰ آپ کا علاج خود کرتے تھے اور آپ کو بکرے کے پائے کا شوربا کھلایا کرتے تھے۔ اس بیماری میں آپ کی حالت بہت نازک ہوگئی تھی۔" ("حیات احمد" جلد دوم، نمبر اوّل، ص79، مولفہ یعقوب علی قادیانی)
- بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے "ایک دفعہ تمہارے دادا کی زندگی میں حضرت (مرزا) صاحب کو سل ہوگئی...... حتیٰ کہ زندگی سے ناامیدی ہوگئی...... والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تمہارے دادا خود حضرت صاحب کا علاج کرتے تھے اور برابر چھ ماہ تک انہوں نے آپ کو بکرے کے پائے کا شوربا کھلایا تھا۔"

("سیرۃ المہدی" حصہ اوّل، ص42، روایت 66، مؤلفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

دو چادریں

- ''دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت ﷺ نے پیش گوئی کی تھی جو اس طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر ہے۔ جب اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی تو اسی طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں۔ ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرت بول۔''

(ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب، مندرجہ رسالہ ''تشحیذ الاذہان'' قادیان)

- ''دو مرض میرے لاحق حال ہیں۔ ایک بدن کے اوپر کے حصہ میں اور دوسرا بدن کے نیچے کے حصہ میں۔ اوپر کے حصہ میں دوران سر ہے اور نیچے کے حصہ میں کثرتِ پیشاب ہے اور یہ دونوں مرضیں اس زمانہ سے ہیں جس زمانہ سے میں نے اپنا دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے۔'' (اخبار ''بدر'' قادیان، جلد 2 نمبر 23، مورخہ 7 جون 1906ء) (''مرزا قادیانی کی تالیف ''حقیقت الوحی'' ص 307، ''روحانی خزائن'' ص 320، ج 22)

- ''مسیح موعود زرد چادروں میں اترے گا۔ ایک چادر بدن کے اوپر کے حصہ میں ہوگی اور دوسری چادر بدن کے نیچے کے حصہ میں ہوگی۔ سو میں نے کہا کہ اس طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود دو بیماریوں کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ کیونکہ تعبیر کے علم میں زرد کپڑے سے مراد بیماری ہے اور وہ دونوں بیماریاں مجھ میں ہیں۔ یعنی ایک سر کی بیماری اور دوسری کثرتِ پیشاب اور دستوں کی بیماری (عیسیٰ مسیح کا معجزہ تھا کہ بیماروں کو تندرست بلکہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور مسیح موعود یعنی بزعم خود مرزا قادیانی صاحب کی نشانی خود امراض ہیں۔ خاص کر سر کی بیماری اور پیشاب اور دستوں کی بیماری لیکن کیا عجب ہے یہ چودھویں صدی کا کمال ہو جس سے اچھے اچھوں نے پناہ مانگی)...... (مرزا قادیانی کی تالیف ''تذکرۃ الشہادتین'' ص 23-24، ''روحانی خزائن'' ج 20، ص 46)

- ''مسیح موعود کی نسبت حدیثوں میں دو زرد رنگ چادروں کا ذکر ہے۔ ایسے ہی میرے لاحق حال دو بیماریاں ہیں۔ ایک بیماری بدن کے اوپر کے حصہ میں ہے جو اوپر کی چادر ہے اور وہ دورانِ سر ہے، جس کی شدت کی وجہ سے بعض وقت میں زمین پر گر جاتا ہوں اور دل کا دورانِ خون کم ہو جاتا ہے اور ہولناک صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ (بعض دیگر دماغی امراض خاص کر مرگی میں یہ کیفیت گزرتی ہے۔ دردِ سر میں تو بیشتر تکلیف رہتی ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے اپنی خرابی صحت میں ہسٹریا کا مرض بھی ظاہر کیا اور دوسری بیماری بدن کے نیچے کے حصہ میں ہے جو مجھے کثرتِ پیشاب کی مرض ہے جس کو ذیابیطس کہتے ہیں اور معمولی طور پر مجھے ہر روز پیشاب

کثرت سے آتا ہے اور پندرہ یا بیس دفعہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور بعض اوقات قریب سو دفعہ کے دن رات میں آتا ہے اور اس سے بھی ضعف بہت ہو جاتا ہے۔"

(مرزا قادیانی کی تالیف "ضمیمہ براہین احمدیہ" حصہ پنجم، ص 201، "خزائن" ص 373، ج 21، منقول از اخبار "پیغام صلح" لاہور، جلد 36، نمبر 47، مورخہ یکم دسمبر)

دو بیماریاں

"مجھے دو بیماریاں مدت دراز سے تھیں۔ ایک شدید درد سر، جس سے میں نہایت بے تاب ہو جاتا تھا اور ہولناک عوارض پیدا ہو جاتے تھے اور یہ مرض قریباً پچیس برس تک دامن گیر رہی اور اس کے ساتھ دوران سر بھی لاحق ہو گیا اور طبیبوں نے لکھا کہ ان عوارض کا آخری نتیجہ مرگی ہوتی ہے۔ چنانچہ میرے بڑے بھائی مرزا غلام قادر قریباً دو ماہ تک اسی مرض میں مبتلا ہو کر آخر مرض صرع میں مبتلا ہو گئے اور اسی سے ان کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا میں دعا کرتا رہا کہ خدا تعالیٰ ان امراض سے مجھے محفوظ رکھے۔ ایک دفعہ عالم کشف میں مجھے دکھائی دیا کہ ایک بلا سیاہ رنگ چار پایہ کی شکل پر جو بھیڑ کے قد کے مانند اس کا قد تھا اور بڑے بڑے بال تھے اور بڑے بڑے پنجے تھے، میرے پر حملہ کرنے لگی اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہی صرع ہے تو میں نے اپنا داہنا ہاتھ زور سے اس کے سینے پر مارا اور کہا کہ دُور ہو، تیرا مجھ میں حصہ نہیں۔ تب خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ بعد اس کے وہ خطرناک عوارض جاتے رہے اور وہ دردِ شدید بالکل جاتی رہی۔ صرف دوران سر کبھی کبھی ہوتا ہے تا دو زرد رنگ چادروں کی پیش گوئی میں خلل نہ آوے۔ دوسری مرض ذیابیطس تخمیناً بیس برس سے ہے جو مجھے لاحق ہے، جیسا کہ اس نشان کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور ابھی تک بیس دفعہ کے قریب ہر روز پیشاب آتا ہے اور امتحان سے بول میں شکر پائی گئی۔ ایک دن مجھے خیال آیا کہ ڈاکٹروں کے تجربہ کی رُو سے انجام ذیابیطس کا یا تو نزول الماء ہوتا ہے یا کاربنکل یعنی سرطان کا پھوڑا نکلتا ہے جو مہلک ہوتا ہے۔ سو اسی وقت نزول الماء کی نسبت مجھے الہام ہوا یعنی تین عضو پر رحمت نازل کی گئی۔ آنکھ اور دو اور عضو پر اور پھر جب کاربنکل کا خیال میرے دل میں آیا تو الہام ہوا السلام علیکم۔

("حقیقۃ الوحی" ص 363، روحانی خزائن، ص 376، 377، ج 22 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

تیس برس

- "مجھے دو مرض دامنگیر ہیں۔ ایک جسم کے اوپر کے حصہ میں کہ سر درد اور دورانِ سر اور دوران خون کم ہو کر ہاتھ پیر سرد ہو جانا۔ نبض کم ہو جانا اور دوسرے جسم کے نیچے کے حصہ میں کہ پیشاب کثرت سے آنا اور اکثر دست آتے رہنا۔ یہ دونوں بیماریاں قریباً تیس برس سے ہیں۔"

("نسیم دعوت" ص 68، "روحانی خزائن" ص 435، ج 19، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

- ''یہ دونوں بیماریاں کبھی دعا سے ایسی رخصت ہو جاتی ہیں کہ گویا دُور ہوگئیں مگر پھر شروع ہو جاتی ہیں۔ ایک دفعہ میں نے دعا کی کہ یہ بیماریاں بالکل دُور کر دی جائیں تو جواب ملا کہ ایسا نہیں ہوگا...... مسیح موعود کے لیے یہ بھی ایک علامت ہے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ وہ دو زرد چادروں میں اُترے گا۔'' (اخبار ''پیغام'' صلح لاہور جلد 36، نمبر 47، مورخہ یکم دسمبر 1948ء)

دائم المرض

''میں ایک دائم المرض آدمی ہوں...... ہمیشہ درد سر اور دوران سر اور کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے...... وہ بیماری ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔'' (''ضمیمہ اربعین'' نمبر 3-4، صفحہ 4 ''روحانی خزائن'' ص 470-471، ج 17 مصنفہ مرزا قادیانی)

مخدومی مکرمی اخویم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''حالت صحت اس عاجز کی بدستور ہے۔ کبھی غلبہ دورانِ سر اس قدر ہو جاتا ہے کہ مرض کی جنبش شدید کا اندیشہ ہوتا ہے اور کبھی یہ دوران کم ہوتا ہے لیکن کوئی وقت دورانِ سر سے خالی نہیں گزرتا۔ مدت ہوئی نماز تکلیف سے بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔ بعض وقت درمیان میں توڑنی پڑتی ہے۔ اکثر بیٹھے بیٹھے رینگن ہو جاتی ہے اور زمین پر قدم اچھی طرح نہیں جمتا۔ قریب چھ سات ماہ یا زیادہ عرصہ گزر گیا ہے کہ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھی جاتی اور نہ بیٹھ کر اس وضع پر پڑھی جاتی ہے جو مسنون ہے اور قرأت میں شاید قل ھو اللہ بہ مشکل پڑھ سکوں کیونکہ ساتھ ہی توجہ کرنے سے تحریک بخارات کی ہوتی ہے۔''

خاکسار غلام احمد قادیان، 5 فروری 1891ء (''مکتوبات احمدیہ'' جلد 5، نمبر 2، ص 88)

چشم نیم باز

''مولوی شیر علی صاحب نے بیان کیا کہ باہر مردوں میں بھی حضرت (مرزا قادیانی) صاحب کی یہ عادت تھی کہ آپ کی آنکھیں ہمیشہ نیم بند رہتی تھیں...... ایک دفعہ حضرت مرزا صاحب مع چند خدام کے فوٹو کھنچوانے لگے تو فوٹو گرافر آپ سے عرض کرتا تھا کہ حضور ذرا آنکھیں کھول کر رکھیں ورنہ تصویر اچھی نہیں آئے گی اور آپ نے اس کے کہنے پر ایک دفعہ تکلف کے ساتھ آنکھوں کو کچھ زیادہ کھولا بھی مگر وہ پھر اسی طرح نیم بند ہوگئیں۔'' (''سیرۃ المہدی'' حصہ دوم، ص 77، روایت 403-404 مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

عصبی کمزوری

''حضرت (مرزا) کی تمام تکالیف مثلاً دورانِ سر، دردِ سر، کمی خواب، تشنج دل، بدہضمی، اسہال،

کثرتِ پیشاب اور مراق وغیرہ کا صرف ایک ہی باعث تھا اور وہ عصبی کمزوری تھا۔"
(رسالہ "ریویو" قادیان، بابت مئی 1937ء)

مرض اعصابی

مخدومی مکرمی اخویم (مولوی نورالدین صاحب) السلام علیکم

یہ عاجز پیر کے دن 9 مارچ 1891ء کو مع اپنے عیال کے لودھیانہ کی طرف جائے گا اور چونکہ سردی اور دوسرے تیسرے روز بارش بھی ہو جاتی ہے اور اس عاجز کی مرض اعصابی ہے، سرد ہوا اور بارش سے بہت ضرر پہنچتا ہے۔ اس وجہ سے یہ عاجز کسی صورت سے اس قدر تکلیف اٹھا نہیں سکتا کہ اس حالت میں لدھیانہ پہنچ کر پھر جلدی لاہور میں آوے۔ طبیعت بیمار ہے، لاچار ہوں۔ اس لیے مناسب ہے کہ اپریل کے مہینہ میں کوئی تاریخ مقرر کی جاوے"...... والسلام خاکسار غلام احمد
("مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر 2 ص 90، مولفہ یعقوب علی عرفانی قادیانی)

خرابی حافظہ

مکرمی اخویم سلمہ

"......میرا حافظہ بہت خراب ہے۔ اگر کئی دفعہ کسی کی ملاقات ہو تب بھی بھول جاتا ہوں۔ یاد دہانی عمدہ طریقہ ہے۔ حافظہ کی یہ ابتری ہے کہ بیان نہیں کرسکتا۔" خاکسار غلام احمد، از صدر انبالہ حاطہ ناگ پھنی ("مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر 3، ص 21)

مرزا بشیر احمد سے روایت ہے کہ:

میں نے والدہ صاحب سے پوچھا کہ حضرت صاحب کو دودھ ہضم ہو جاتا تھا؟ فرمایا ہضم تو نہیں ہوتا تھا مگر پی لیتے تھے۔ (سیرۃ المہدی ص 50 جلد اوّل از مرزا بشیر احمد)

مقدمہ کی فکر

بیان کیا مجھ سے مولوی ذوالفقار علی خان صاحب نے کہ "جن دنوں میں گورداسپور میں کرم دین کا مقدمہ تھا، ایک دن حضرت (مرزا) صاحب کچہری کی طرف تشریف لے جانے لگے اور حسب معمول پہلے دعا کے لیے اس کمرہ میں گئے جو اس غرض کے لیے پہلے مخصوص کرلیا تھا۔ میں اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ باہر انتظار میں کھڑے تھے اور مولوی صاحب کے ہاتھ میں اس وقت حضرت صاحب کی چھڑی تھی۔ حضرت صاحب دعا کرکے باہر نکلے تو مولوی صاحب نے آپ کو چھڑی دی۔ حضرت صاحب نے چھڑی ہاتھ میں لے کر اسے دیکھا اور فرمایا یہ کس کی چھڑی ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضور ہی کی ہے جو حضور اپنے ہاتھ

میں رکھا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا! میں نے تو سمجھا تھا کہ یہ میری نہیں ہے۔''

(''سیرۃ المہدی، حصہ اوّل، ص 227، روایت 246، مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

بے توجہی

□ ''ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جسمانی عادات میں ایسے سادہ تھے کہ بعض دفعہ جب حضور جراب پہنتے تھے تو بے توجہی کے عالم میں اس کی ایڑی پاؤں کے تلے کی طرف نہیں بلکہ اوپر کی طرف ہو جاتی تھی اور بارہا ایک کاج کا بٹن دوسرے کاج میں لگا ہوتا تھا اور بعض اوقات کوئی دوست حضور کے لیے گرگابی (جوتہ) ہدیۃً لاتا تو آپ بسا اوقات دایاں پاؤں بائیں میں ڈال لیتے تھے اور بایاں دائیں میں۔ چنانچہ اسی تکلیف کی وجہ سے آپ دیسی جوتہ پہنتے تھے۔ اسی طرح کھانا کھانے کا یہ حال تھا کہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تو اس وقت پتہ لگتا ہے کہ کیا کھا رہے ہیں کہ جب کھاتے کھاتے کوئی کنکر وغیرہ کا ریزہ دانت کے نیچے آ جاتا ہے۔''

(''سیرۃ المہدی'' حصہ دوم، ص 58، روایت 375، مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد)

□ ''بارہا دیکھا گیا کہ بٹن اپنا کاج چھوڑ کر دوسرے ہی میں لگے ہوئے ہوتے تھے بلکہ صدری کے بٹن کوٹ کے کاجوں میں لگائے ہوئے دیکھے گئے۔''

(سیرت المہدی جلد دوئم ص 126 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

جیب کے ڈھیلے

''آپ کو (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کو) شیرینی سے بہت پیار ہے اور مرض بول بھی آپ کو عرصہ سے لگی ہوئی ہے۔ اسی زمانہ میں آپ مٹی کے ڈھیلے بعض وقت جیب میں ہی رکھتے تھے اور اسی جیب میں گڑ کے ڈھیلے بھی رکھ لیا کرتے تھے۔ اسی قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں جو اس بات پر شاہد ناطق ہیں کہ آپ کو اپنے یار ازل کی محبت میں ایسی محویت تھی کہ جس کے باعث سے اس دنیا سے بالکل بے خبر ہو رہے تھے (البتہ کھانے میں مرغ، بٹیر، مقویات میں مشک، عنبر، مفرح عنبری اور خاص مجربات اور مشاغل میں سرکار عظمت مدار کی توصیف و تائید اور دین میں تاویلات اور نبوت کے دعوے۔ دنیا کی طرف صرف اسی قدر توجہ باقی رہ گئی تھی، اس سے زیادہ نہیں......) (''مرزا صاحب کے حالات'' مرتبہ معراج الدین عمر قادیانی ''تتمہ براہین احمدیہ'' جلد اوّل، ص 67)

مصروفیت اور مراق

''میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ سے مبتلا رہتا ہوں تاہم آج کل

کی مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے اور دوران سر کا دورہ زیادہ ہو جاتا ہے تاہم میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کام کو کیے جاتا ہوں۔'' (مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ اخبار ''الحکم'' قادیان، جلد5، نمبر40، ''ملفوظات'' ص376، ج2 مورخہ 30 اکتوبر 1901ء منقول از کتاب منظور الٰہی ص348، مولفہ محمد منظور الٰہی قادیانی)

انہماک

''مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں مگر جس وقت پاخانے کی بھی حاجت ہوتی ہے تو مجھے رنج ہی ہوتا ہے کہ ابھی کیوں حاجت ہوئی۔ ایسا ہی روٹی کے لیے جب کئی مرتبہ کہتے ہیں تو بڑا جبر کر کے جلد جلد چند لقمے کھالیتا ہوں۔ بظاہر تو میں روٹی کھاتا ہوا دکھائی دیتا ہوں مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کہاں جاتی ہے اور کیا کھاتا ہوں۔ میری توجہ اور خیال اسی طرف لگا ہوا ہوتا ہے۔'' (مرزا غلام احمد قادیانی، مندرجہ اخبار ''الحکم'' قادیان، جلد 5، نمبر 40، ''ملفوظات'' ص377-376، جلد 2، طبع ربوہ)

روٹی کے ٹکڑے

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کھانا کھایا کرتے تھے تو بمشکل ایک پھلکا آپ کھاتے اور جب آپ اٹھتے تو روٹی کے ٹکڑوں کا بہت سا چورہ آپ کے سامنے سے نکلتا۔ آپ کی عادت تھی کہ روٹی توڑتے اور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے جاتے۔ پھر کوئی ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈال لیتے اور باقی ٹکڑے دستر خوان پر رکھے رہتے۔'' (میاں محمود احمد صاحب، خلیفہ قادیان کا خطبہ جمعہ، مندرجہ اخبار ''الفضل'' قادیان، جلد 22، نمبر105، ص7-8، مورخہ 3 مارچ 1935ء، ملخص ''سیرت المہدیٰ'' ص131، ج2، نمبر444)

دورانِ سر

''پان عمدہ بیگی اور ایک انگریزی وضع کا پاخانہ جو ایک چوکی ہوتی ہے اور اس میں ایک برتن ہوتا ہے۔ اس کی قیمت معلوم نہیں آپ ساتھ لاویں۔ قیمت یہاں سے دی جاوے گی۔ مجھے دورانِ سر کی بہت شدت سے مرض ہوگئی۔ پیروں پر بوجھ دے کر پاخانہ پھرنے سے مجھے سر کو چکر آتا ہے۔''

(خطوطِ امام بنام غلام، ص6، حکیم محمد حسین قریشی قادیانی، مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)

دماغی بیہوشی

''پہلے بھی کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جب حضور سخت دماغی محنت کیا کرتے تو اچانک آپ کے دماغ پر

ایک کمزوری کا حملہ ہوتا اور بے ہوش ہو جاتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ مجھے یاد ہے جب کہ عیسائی دشمنوں نے حضور پر مقدمہ اقدام قتل کا بنایا اور مسلمان مولوی صاحبان عیسائیوں کی تائید میں گواہیاں دینے کے لیے آئے تو جس دن بٹالہ میں پیشی تھی، اس سے قبل رات عشاء کی نماز کے بعد حضور جواب دعویٰ لکھنے بیٹھے اور مجھے حکم فرمایا کہ میں حضور کے مسودہ کو خوشخط لکھتا جاؤں۔ اندر کے صحن میں حضور بیٹھ گئے۔ لالٹین اور بتیاں روشن کی گئیں...... حضرت صاحب مسودہ لکھتے رہے اور میں نقل کرتا رہا۔ اسی حالت میں ساری رات گزر گئی اور صبح کی اذان ہوگئی۔ اس وقت اچانک حضرت صاحب کو دماغ میں تکلیف محسوس ہوئی جس سے لیٹ گئے اور بیہوش ہو گئے۔ لوگ باہر سے بلائے گئے۔ بہت دیر تک بدن کو دباتے اور ملنے کے بعد ہوش میں آئے۔" ("منظر وصال" از مفتی محمد صادق قادیانی، مندرجہ اخبار "الحکم" قادیان، خاص نمبر، مورخہ 21 مئی 1934ء)

خرابی صحت

"عرصہ تین چار ماہ سے میری طبیعت نہایت ضعیف ہوگئی ہے۔ بجز دو وقت ظہر و عصر کے نماز کے لیے بھی نہیں جا سکتا اور اکثر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہوں اور اگر ایک سطر بھی کچھ لکھوں یا فکر کروں تو خطرناک دورانِ سر شروع ہو جاتا ہے اور دل ڈوبنے لگتا ہے۔ جسم بالکل بے کار ہو رہا ہے اور جسمانی قویٰ ایسے مضمحل ہو گئے ہیں کہ خطرناک حالت ہے۔ گویا مسلوب القویٰ ہوں اور آخری وقت ہے۔ ایسا ہی میری بیوی دائم المریض ہے۔ امراض رحم و جگر دامن گیر ہیں۔" (ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی، مندرجہ اخبار "بدر" قادیان، جلد 2، نمبر 21، منقول از "آئینہ احمدیت" ص 186، مولفہ دوست محمد قادیانی لاہوری)

قولنج زحیری

- ☐ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب (حال عبدالرحیم صاحب درد قادیانی) ایم۔ اے کہ "ایک دفعہ والد صاحب (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) سخت بیمار ہو گئے اور حالت نازک ہوگئی اور حکیموں نے ناامیدی کا اظہار کر دیا اور نبض بھی بند ہوگئی مگر زبان جاری رہی۔ والد صاحب نے کہا کہ کیچڑ لا کر میرے اوپر اور نیچے رکھو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس سے حالت رُو بہ اصلاح ہوگئی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت (مرزا) صاحب نے لکھا ہے کہ یہ مرض قولنج زحیری کا تھا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:
- ☐ "ایک مرتبہ میں قولنج زحیری سے سخت بیمار ہوا اور سولہ دن تک پاخانہ کی راہ سے خون آتا رہا اور سخت درد تھا جو بیان سے باہر ہے۔"

("حقیقۃ الوحی" ص 334 "روحانی خزائن" ص 246، ج 22)

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا تھا کہ پانی اور ریت منگوا کر بدن پر ملی جاوے۔ سو ایسا کیا گیا تو حالت اچھی ہوگئی۔

(''سیرۃ المہدی'' حصہ اوّل، ص203، روایت 200، مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

مرغوبات

بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ''حضرت (مرزا) صاحب جب بڑی مسجد میں جاتے تھے تو گرمی کے موسم میں کنوئیں سے پانی نکلوا کر ڈول سے ہی منہ لگا کر پانی پیتے تھے اور مٹی کے تازہ ٹنڈ یا تازہ آبخورہ میں پانی پینا آپ کو پسند تھا اور میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب اچھے تلے ہوئے کرارے پکوڑے پسند کرتے تھے۔ کبھی کبھی مجھ سے منگوا کر مسجد میں ٹہلتے ٹہلتے کھایا کرتے تھے اور سالم مرغ کا کباب بھی پسند تھا..... گوشت کی خوب بھنی ہوئی بوٹیاں بھی مرغوب تھیں..... حضرت صاحب نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا تھا کہ گوشت زیادہ نہیں کھانا چاہیے۔ جو شخص چالیس دن لگاتار کثرت کے ساتھ صرف گوشت ہی کھاتا رہتا ہے، اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ دال، سبزی، ترکاری کے ساتھ بدل بدل کر گوشت کھانا چاہیے۔''

(''سیرۃ المہدی'' حصہ اوّل، ص163، روایت 167، مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

درستی صحت

''مجھے دماغی کمزوری اور دورانِ سر کی وجہ سے بہت سی ناطاقتی ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اب میری حالت بالکل تالیف وتصنیف کے لائق نہیں رہی اور ایسی کمزوری تھی کہ گویا بدن میں روح نہیں تھی۔ اسی حالت میں مجھے الہام ہوا ترد الیک انوار الشباب یعنی جوانی کے نور تیری طرف واپس کیے۔ بعد اس کے چند روز میں ہی مجھے محسوس ہوا کہ میری گم شدہ قوتیں پھر واپس آتی جاتی ہیں اور تھوڑے دنوں کے بعد مجھ میں اس قدر طاقت ہوگئی کہ میں ہر روز دو دو جزو تالیف کتاب کو اپنے ہاتھ لکھ سکتا ہوں اور نہ صرف لکھنا بلکہ سوچنا اور فکر کرنا جو نئی تالیف کے لیے ضروری ہے، پورے طور پر میسر آ گیا۔ ہاں دو مرض میرے لاحق حال ہیں۔ ایک بدن کے اوپر کے حصہ میں اور دوسرے بدن کے نیچے کے حصہ میں۔ اوپر کے حصہ میں دوران سر ہے اور نیچے کے حصہ میں کثرت پیشاب ہے۔ یہ دونوں مرضیں اسی زمانہ سے ہیں جس زمانہ سے میں نے اپنا دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے۔ میں نے ان کے لیے بھی دعائیں کیں مگر منع میں جواب پایا اور میرے دل میں القا کیا گیا کہ یہ ابتداء سے مسیح موعود کے لیے یہ نشان مقرر ہے کہ وہ دو زرد چادروں کے ساتھ دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اترے گا۔ سو یہ وہی دو زرد چادریں ہیں جو میری جسمانی حالت کے ساتھ شامل کی گئیں۔''

(''حقیقۃ الوحی'' ص306 ''روحانی خزائن'' ص319-320، ج22)

روغن بادام

''ایسی حالت میں روغن بادام سر اور پیروں کی ہتھیلیوں پر ملنا اور پینا فائدہ مند محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے میں مولوی یار محمد صاحب کو بھیجتا ہوں کہ آپ خالص تلاش سے ایسا روغن بادام کہ جو تازہ ہو اور کہنہ نہ ہو اور نیز اس کے ساتھ کوئی ملونی نہ ہو ایک بوتل خرید کر بھیج دیں۔ پانچ روپیہ قیمت اس کی ارسال ہے۔''

(''خطوط امام بنام غلام، ص5 از حکیم محمد حسین قریشی قادیانی، مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)

''بادام روغن میری بیماری کے لیے خریدا جاوے گا۔ نیا اور تازہ ہو اور عمدہ ہو۔ یہ آپ کا خاص ذمہ ہے۔'' (''خطوط امام بنام غلام'' ص7 از حکیم محمد حسین قریشی قادیانی، مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)

مشک

''آپ براہِ مہربانی ایک تولہ مشک خالص جس میں ریشہ جھلی اور صوف نہ ہوں اور تازہ و خوشبودار ہو، بذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل ارسال فرما دیں۔ کیونکہ پہلی مشک ختم ہو چکی ہے اور باعث دورہ مرض ضرورت رہتی ہے۔''

(''خطوط امام بنام غلام'' ص6، از حکیم محمد حسین قریشی قادیانی، مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)

مخدومی مکرمی حضرت مولوی صاحب۔ السلام علیکم

''اور اس عاجز کی طبیعت آج بہت علیل ہو رہی ہے۔ ہاتھ پاؤں بھاری اور زبان بھی بھاری ہو رہی ہے۔ مرض کے غلبے سے نہایت لاچاری ہے۔ مجھ کو ایک مرتبہ آن مکرم نے کسی قدر مشک دیا تھا۔ وہ نہایت خالص تھا اور مجھ کو بہت فائدہ اس سے ہوا تھا۔ اب میں نے کچھ عرصہ ہوا، لاہور سے مشک منگوائی تھی اور استعمال بھی کی مگر بہت کم فائدہ ہوا۔ بازاری چیزیں مغشوش ہوتی ہیں۔ خاص کر مشک، یہ تو مغشوش ہونے سے خالی نہیں ہوتی۔ چونکہ میری طبیعت گری جاتی ہے اور ایک سخت کام کی محنت سر پر ہے اس لیے تکلیف دیتا ہوں کہ ایک خاص توجہ اس طرف فرمائیں اور مشک کو ضرور دستیاب کریں۔ بشرطیکہ وہ بازاری نہ ہو۔ کیونکہ بازاری کا تو چند دفعہ تجربہ ہو چکا ہے۔ اگرچہ مشک دو ماشے یا تین ماشے ہو وہ بالفعل کفایت کرے گا مگر عمدہ ہو۔ اگر اصلی نافہ جو مصنوعی نہ ہو، مل جائے تو نہایت خوب ہے مگر جلد ہو۔'' (خاکسار غلام احمد از قادیان 24 اگست 1892ء، ''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، نمبر 2 ص 120-121، مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ......

''کل سے میری طبیعت علیل ہو گئی ہے۔ کل شام کے وقت مسجد میں اپنے تمام دوستوں کے روبرو جو حاضر تھے، سخت درجہ کا عارضہ لاحق حال ہوا اور ایک دفعہ تمام بدن سرد اور نبض کمزور اور طبیعت میں

سخت گھبراہٹ شروع ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا زندگی میں ایک دو دم باقی ہیں۔ بہت نازک حالت ہو کر پھر صحت کی طرف عود ہوا مگر اب تک کلی اطمینان نہیں۔ کچھ کچھ آثار عود مرض کے ہیں۔

ایسے وقتوں میں ہمیشہ مشک کام آتی ہے۔ اس وقت مشک جو بمبئی سے آپ نے منگوا کر بھیجی تھی، لیکن طبیعت کی سخت سرگردانی اور دل کے اضطراب کی وجہ سے وہ مشک کھولنے کے وقت زمین پر متفرق ہو کر گر گئی اور گرنے کے سبب سے خشک تھی اور ہوا چل رہی تھی، ضائع ہو گئی۔ اس لیے مجھے دوبارہ آپ کو تکلیف دینی پڑی۔ یہ مشک بہت عمدہ تھی۔ اس دکان سے ایک تولہ مشک لے کر جہاں تک ممکن ہو، جلد ارسال فرمائیں کہ دورہ مرض کا سخت اندیشہ ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ ہے۔'' خاکسار غلام احمد از قادیان

(''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، حصہ اوّل، ص 28)

''سر کے دورے اور سردی کی تکلیف کے لیے سب سے زیادہ آپ مشک یا عنبر استعمال فرمایا کرتے تھے اور ہمیشہ نہایت اعلیٰ قسم کا منگوایا کرتے تھے۔ یہ مشک خریدنے کی ڈیوٹی آخری ایام میں حکیم محمد حسین صاحب لاہوری موجد مفرح عنبری کے سپرد تھی۔ عنبر اور مشک دونوں مدت تک سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی کی معرفت بھی آتے رہے۔ مشک کی تو آپ کو اس قدر ضرورت رہتی کہ بعض اوقات سامنے رومال میں باندھ رکھتے تھے کہ جس وقت ضرورت ہوئی، فوراً نکال لیا۔''

(''سیرۃ المہدی'' حصہ دوم، ص 137، روایت 444، مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

عنبر

☐ مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ......

''عنایت نامہ پہنچا۔ اب بفضلہ تعالیٰ میری طبیعت ٹھہر گئی ہے۔ دورہ مرض سے امن ہے۔ حقیقت میں یہ عمر جب انسان ساٹھ پینسٹھ سال کا ہو جاتا ہے، مرنے کے لیے ایک بہانہ چاہتی ہے، جیسا کہ ایک بوسیدہ دیوار۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس قدر سخت حملوں سے وہ بچا لیتا ہے۔ کل کی تاریخ عنبر بھی پہنچ گیا۔

عنبر سفید دراصل بہت ہی نافع معلوم ہوا۔ تھوڑی خوراک سے دل کو قوت دیتا ہے اور دوران خون تیز کر دیتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ایسی بیماری دامن گیر ہے کہ ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ (مکتوب نمبر 68)

(''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، حصہ اوّل، ص 26-27، مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

☐ عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ تعالیٰ السلام علیکم۔

میں بباعث علالت طبع چند روز جواب لکھنے سے معذور رہا۔ میری کچھ ایسی حالت ہے کہ ایک دفعہ ہاتھ پیر سرد ہو کر اور نبض ضعیف ہو کر غشی کے قریب قریب حالت ہو جاتی ہے اور دوران

خون یک دفعہ ٹھہر جاتا ہے جس میں اگر خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو موت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ تھوڑے دنوں میں یہ حالت دو دفعہ ہو چکی ہے۔ آج رات پھر اس کا سخت دورہ ہوا۔ اس حالت میں صرف عنبر یا مشک فائدہ کرتا ہے۔ رات دس خوراک کے قریب مشک کھایا۔ پھر بھی دیر تک مرض کا جوش رہا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ صرف خدا تعالیٰ کے بھروسے پر زندگی ہے ورنہ دل جو رئیس بدن ہے، بہت ضعیف ہو گیا ہے۔" (خاکسار مرزا غلام احمد، 20 جون 1899ء "مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم، نمبر چہارم، ص98، مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

مفرح عنبری

"میں (حکیم محمد حسین) اپنے مولا کریم کے فضل سے اس کو بھی اپنے لیے بے اندازہ فخر و برکت کا موجب سمجھتا ہوں کہ حضور (مرزا صاحب) اس ناچیز کی تیار کردہ مفرح عنبری کا بھی استعمال فرماتے تھے۔ حضور کو چونکہ دورہ مرض کے وقت اکثر مشک و دیگر مقوی دل ادویات کی ضرورت رہتی تھی جو اکثر میری معرفت جایا کرتی تھیں۔"

("خطوط امام بنام غلام" ص8، از حکیم محمد حسین قریشی قادیانی، مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)

افیون

"مجھے اس وقت اپنا سرگزشت قصہ یاد آتا ہے اور وہ یہ کہ مجھے کئی سال سے ذیابیطس کی بیماری ہے۔ پندرہ بیس مرتبہ روز پیشاب آتا ہے اور بعض وقت سو سو دفعہ ایک ایک دن میں پیشاب آتا ہے بوجہ اس کے کہ پیشاب میں شکر ہے۔ کبھی کبھی خارش کا عارضہ بھی ہو جاتا ہے اور کثرت پیشاب سے بہت ضعف تک نوبت پہنچتی ہے۔ ایک دفعہ مجھے ایک دوست نے یہ صلاح دی کہ ذیابیطس کے لیے افیون مفید ہوتی ہے۔ پس علاج کی غرض سے مضائقہ نہیں کہ افیون شروع کر دی جائے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ ہمدردی فرمائی۔ لیکن اگر میں ذیابیطس کے لیے افیون کھانے کی عادت کرلوں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی اور دوسرا افیونی۔"

("نسیم دعوت" مصنفہ مرزا قادیانی، ص67، "روحانی خزائن" ص435-434، ج19)

افیون دواؤں میں اس کثرت سے استعمال ہوتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا صاحب) فرمایا کرتے تھے کہ بعض اطباء کے نزدیک وہ نصف طب ہے۔ پس دواؤں کے ساتھ افیون کا استعمال بطور دوا نہ کہ بطور نشہ کسی رنگ میں بھی قابل اعتراض نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک شخص نے علم کے ساتھ یا بغیر علم کے ضرور کسی نہ کسی وقت افیون کا استعمال کیا ہوگا......

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تریاق الٰہی دوا خدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت بنائی اور اس کا

ایک بڑا جزو افیون تھا اور یہ دوا کسی قدر اور افیون کی زیادتی کے بعد حضرت خلیفہ اوّل (حکیم نور الدین) کو حضور (مرزا قادیانی) چھ ماہ سے زائد تک دیتے رہے اور خود بھی وقتاً فوقتاً مختلف امراض کے دوروں کے وقت استعمال کرتے رہے۔ (مضمون مرزا محمود احمد، خلیفہ قادیان، مندرجہ اخبار ''الفضل'' جلد 17 نمبر 6، ص 2، مورخہ 19 جولائی 1929ء)

ٹانک وائن

مجی اخویم حکیم محمد حسین صاحب السلام علیکم۔

''اس وقت میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے۔ آپ اشیاء خریدنی خود خرید دیں اور ایک بوتل ٹانک وائن کی پلومر کی دکان سے خرید دیں مگر ٹانک وائن چاہیے۔ اس کا لحاظ رہے۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام (مرزا غلام احمد) (خطوط امام بنام غلام، ص 5، مجموعہ مکتوبات، مرزا غلام احمد قادیانی، بنام حکیم محمد حسین قریشی قادیانی، مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)

''ٹانک وائن کی حقیقت لاہور میں پلومر کی دکان سے ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی معرفت معلوم کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب جواباً تحریر فرماتے ہیں حسب ارشاد پلومر کی دکان سے دریافت کیا گیا جواب حسب ذیل ملا:

''ٹانک وائن ایک قسم کی طاقتور اور نشہ دینے والی شراب ہے جو ولایت سے سربند بوتلوں میں آتی ہے۔ اس کی قیمت ڈیڑھ روپیہ ہے۔'' (21 ستمبر 1933ء)

(''سودائے مرزا ص 39 حاشیہ طبع دوم مصنفہ حکیم محمد علی صاحب پرنسپل طبیہ کالج امرتسر)

ٹانک وائن کا فتویٰ

''پس ان حالات میں اگر حضرت مسیح موعود برانڈی اور رم کا استعمال بھی اپنے مریضوں سے کرواتے یا خود بھی مرض کی حالت میں کر لیتے تو وہ خلاف شریعت نہ تھا۔ چہ جائیکہ ٹانک وائن جو ایک دوا ہے۔ اگر اپنے خاندان کے کسی ممبر یا دوست کے لیے جو کسی لمبے مرض سے اٹھا ہو اور کمزور ہو یا بالفرض محال خود اپنے لیے بھی منگوائی ہو اور استعمال بھی کی ہو تو اس میں کیا حرج ہو گیا۔ آپ کو ضعف کے دورے ایسے شدید پڑتے تھے کہ ہاتھ پاؤں سرد ہو جاتے تھے، نبض ڈوب جاتی تھی۔ میں نے خود ایسی حالت میں آپ کو دیکھا ہے۔ نبض کا پتہ نہیں ملتا تھا تو اطبایا ڈاکٹروں کے مشورے سے آپ نے ٹانک وائن کا استعمال اندریں حالات کیا ہو تو عین مطابق شریعت ہے۔ آپ تمام تمام دن تصنیفات کے کام میں لگے رہتے تھے۔ راتوں کو عبادت کرتے تھے۔ بڑھاپا بھی پڑتا تھا تو اندریں حالات اگر ٹانک وائن بطور علاج پی بھی لی ہو تو کیا قباحت لازم آ گئی۔'' (از ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی، فریق لاہوری، مندرجہ اخبار ''پیغام صلح'' ج 23، نمبر

15، مورخہ 4 مارچ 1935ء، وجلد 23، نمبر 65، مورخہ 11 اکتوبر 1935ء)

مجاہدات

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب......

''یہ بات مسلم اور واضح رہے کہ راست باز انسان کے لیے ایسے امور کی غرض سے کسی قدر مجاہدہ ضروری ہے۔ الکرامات ثمرۃ مجاہدات۔ علالت طبع بہت حرج انداز ہے۔ اگر یہ مقابلہ صحت اور طاقت دماغی کے ایام میں ہوتا تو یقین تھا کہ تھوڑے دن کافی ہوتے مگر اب طبیعت تحمل شدائد مجاہدات نہیں رکھتی اور ادنیٰ درجے کی محنت اور خوض اور توجہ سے جلد بگڑ جاتی ہے۔'' (خاکسار غلام احمد، 31 مارچ 1891ء، ''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، نمبر 2، ص 103، مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

توجہات

مخدومی مکرمی اخویم (مولوی نورالدین صاحب)

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دو روز سے میں نے اس شخص کے لیے توجہ کرنا شروع کیا تھا مگر افسوس کہ اس عرصہ میں میرے گھر کے لوگ یک دفعہ سخت علیل ہو گئے یعنی تیز تپ ہو گیا، جس کی وجہ سے مجھے ان کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ کل ارادہ ہے کہ ان کو مسہل دوں۔ بعد ان کی صحت کے پھر توجہ میں مصروف ہوں...... والسلام خاکسار غلام احمد

(''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، نمبر 2 ص 46، مولفہ یعقوب علی عرفانی قادیانی)

❑ ''میری طبیعت آپ کے بعد پھر بیمار ہو گئی۔ ابھی ریزش کا نہایت زور ہے۔ دماغ بہت ضعیف ہو گیا ہے۔ آپ کے دوست ٹھاکر رام کے لیے ایک دن بھی توجہ کرنے کے لیے مجھے نہیں ملا۔ صحت کا منتظر ہوں۔ والسلام خاکسار غلام احمد، مورخہ یکم جنوری 1890ء

(''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، نمبر 2 ص 46، مولفہ یعقوب علی عرفانی صاحب قادیانی)

پنجابی حلق

''بے شک یہ درست ہے کہ پنجابی حلق ہر ایک لفظ کو پوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ تو قرآن کا صحیح تلفظ عربی لہجہ میں ادا نہیں کر سکتا ہے۔ ایسا شخص کہاں مسیح ہو سکتا ہے! اس کی یہ بات سن کر عبداللطیف صاحب نے اس پر ہاتھ اٹھایا مگر مولوی عبدالکریم صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت مسیح نے بھی انہیں روک دیا۔'' (تقریر میاں محمود احمد، خلیفہ قادیان، مندرجہ اخبار ''الفضل'' قادیان، مورخہ 7 فروری 1920ء، نمبر 62، ج 17)

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ایک دفعہ ایک لکھنؤ کا آدمی آیا۔ آپ نے قرآن کریم

کا ذکر کیا تو کہنے لگا اچھے مسیح موعود بنے ہو کہ ق اور ک میں بھی فرق نہیں جانتے۔" (خطبہ جمعہ میاں محمود احمد، خلیفہ قادیان، مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان، جلد 16، نمبر 22، ص 7، مورخہ 14 ستمبر 1928ء)

ریشمی ازار بند کے فوائد

"ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے پاجاموں میں، میں نے اکثر ریشمی ازار بند پڑا ہوا دیکھا ہے اور ازار بند میں کنجیوں کا گچھا بندھا ہوتا تھا، (اور جب چلتے ہوں گے تو چھن چھنا چھن چھن سے کیا سماں پیدا ہوتا ہوگا؟) ریشمی ازار بند کے متعلق بعض اوقات فرماتے تھے کہ ہمیں پیشاب کثرت سے اور جلدی جلدی آتا ہے تو ایسے ازار بند کے کھولنے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔" (سیرت المہدی جلد سوئم ص 110 از مرزا بشیر احمد ایم اے)

لکنت

"قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی زبان میں کسی قدر لکنت تھی اور آپ پرنالے کو (پ پ پ پ پ) پنالہ فرمایا کرتے تھے۔"
(سیرت المہدی جلد دوئم ص 25 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

ایڑیاں پھٹ گئیں

"پیر کی ایڑیاں آپ کی بعض دفعہ گرمیوں کے موسم میں پھٹ جایا کرتی تھیں۔"
(سیرت المہدی جلد دوئم ص 125، از مرزا بشیر احمد ایم۔ اے)

مرگی اور تعلق شیطان

(1) "مرگی کی بیماری کے مبتلا اکثر شیطان کو اسی طرح دیکھا کرتے ہیں۔"

(2) "یسوع دراصل مرگی کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اور اسی وجہ سے ایسی خوابیں بھی دیکھا کرتا تھا۔"

(3) "جن لوگوں کو شیطان کا سخت آسیب ہوتا ہے اور شیطان ان سے محبت کرنے لگتا ہے تو گو ان کی اپنی مرگی وغیرہ اچھی نہیں ہوتی مگر دوسروں کو اچھا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ شیطان ان سے محبت کرتا ہے۔"

(4) یہ جو کہا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ اس میں بھید یہ ہے کہ در حقیقت مصروع مرگی کا بیٹا ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے مرگی کو طبابت میں ام الصبیان کہتے ہیں۔" (ست بچن ص 170-171 حاشیہ)

مرگی کے دورے

"بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود کو پہلی مرتبہ دوران سر اور ہسٹریا کا

دورہ بشیر اوّل کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا۔ مگر یہ دورہ خفیف تھا۔'' میں پردہ کرا کے مسجد میں چلی گئی تو آپ لیٹے ہوئے تھے، میں جب پاس گئی تو فرمایا میری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ لیکن اب افاقہ ہے۔ میں نماز پڑھا رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کوئی کالی کالی چیز میرے سامنے سے اٹھی ہے اور آسمان تک چلی گئی ہے۔ پھر میں چیخ مار کر زمین پر گر گیا اور غشی کی سی حالت ہوگئی۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ کو با قاعدہ دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ خاکسار نے پوچھا دورہ میں کیا ہوتا تھا؟ والدہ صاحبہ نے کہا ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے۔ اور بدن کے پٹھے کھچ جاتے تھے۔ خصوصاً گردن کے پٹھے۔ اور سر میں چکر ہوتا تھا اور اس وقت آپ اپنے بدن کو سہار نہیں سکتے تھے۔ (سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص 13)

خارش کی بیماری

بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب کی دائی کا نام لاڈو تھا۔ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ عزیز احمد کی پیدائش کے وقت جب لاڈو آئی تو ان دنوں اسے خارش کی مرض تھی۔ چنانچہ اس سے عزیز احمد کو خارش ہوگئی اور آہستہ آہستہ تمہارے تایا کے گھر میں پھیل گئی اور آخر اُدھر سے ہمارے گھر میں بھی خارش کا اثر پہنچا۔ چنانچہ حضرت صاحب کو بھی ان دنوں خارش کی تکلیف ہوگئی تھی۔''

(سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص 237-238)

مرزا قادیانی کی عبرتناک موت

قارئین کرام! جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ مرزا قادیانی کو درجنوں بیماریاں لاحق تھیں اور یہ بیماریاں ساری زندگی اس کے ساتھ چمٹی رہیں۔ بالآخر اس کی زندگی کا عبرتناک انجام قریب آ گیا۔ روزنامہ الفضل مرزا قادیانی کی اہم تحریروں میں سے درج ذیل اقتباس نقل کرتا ہے جو ہر قادیانی کے لیے دعوت فکر ہے۔

''اور جو شخص کہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور اس کے الہام اور کلام سے مشرف ہوں حالانکہ وہ نہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ اس کے الہام اور کلام سے مشرف ہے، وہ بہت بری موت مرتا ہے اور اس کا انجام نہایت ہی بد اور قابل عبرت ہوتا ہے۔''

(روزنامہ الفضل قادیان جلد 28، نمبر 50، ص 1 مورخہ 2 مارچ 1940ء)

اب اس معیار پر مرزا قادیانی کو جانچ لیتے ہیں۔ یعنی اگر مرزا قادیانی اپنے دعوؤں میں سچا تھا تو اس کا انجام اچھا ہونا چاہیے تھا، اور اگر اپنے دعوؤں میں جھوٹا تھا تو ''نہایت ہی بد اور قابل عبرت انجام'' ہونا چاہیے تھا۔ مزید براں خود مرزا قادیانی کا کہنا ہے:

☐ ''غلط بیانی اور بہتان طرازی راست بازوں کا کام نہیں، بلکہ نہایت شریر اور بد ذات آدمیوں کا

کام ہے۔" (آریہ دھرم ص 13 مندرجہ روحانی خزائن جلد 10 ص 13 از مرزا غلام احمد قادیانی)

□ "واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص 288، مندرجہ روحانی خزائن، جلد 5 ص 288 از مرزا قادیانی)

"مولوی ثناء اللہ سے آخری فیصلہ" میں اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب سے لکھوایا تھا:

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔ السلام علی من اتبع الھدی۔ مدت سے آپ کے پرچہ اہلحدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذاب، دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور دجال اور کذاب ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افترا ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لیے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں..... اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے، تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں، آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔

یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیش گوئی نہیں محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک!..... اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے، تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی ہی میں ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور

بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔ آمین یارب العالمین۔

میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لیے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے...... تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص (مرزا قادیانی) درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے...... میں دیکھتا ہوں مولوی ثناء اللہ ان ہی تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں درحقیقت مفسد اور کذاب ہے، اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے۔ یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک، تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔ ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار مورخہ 5اپریل 1907ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم، ص120، مجموعہ اشتہارات، ج3، ص579-578)

اس اشتہار کی اشاعت کے ہفتہ عشرہ بعد ہی 25اپریل 1907ء کو اخبار بدر قادیان میں مرزا صاحب کی روزانہ ڈائری میں شائع ہوا کہ:

''ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا یہ دراصل ہماری (یعنی مرزا قادیانی کی) طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔''

اس پیش گوئی کے تقریباً ایک سال بعد مرزا قادیانی کی موت نے ''آخری فیصلہ'' کر دیا کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں تھا کیونکہ اس کی موت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی زندگی میں بقول اس کے ''خدائی ہاتھوں کی سزا'' سے ہوئی۔ ہر شخص دم بخود رہ گیا کہ خود مرزا قادیانی کی دعا پر قدرت حق نے عجب فیصلہ کیا۔

25 مئی 1908ء کو شام کھانے کے بعد اس کی حالت اچانک بگڑنے لگی۔ اسے مسلسل اسہال شروع ہو گئے۔ ایک دو دفعہ رفع حاجت کے لیے لیٹرین گیا، بعدازاں ضعف کی وجہ سے نڈھال ہو گیا۔ اس کے جسم کا پانی اور نمک ختم ہو گیا تھا۔ بلڈ پریشر کم ہونے سے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئیں اور نبض اتنی کمزور ہو گئی کہ محسوس کرنا مشکل ہو گئی۔ پھر دست آیا تو چارپائی سے بڑی مشکل سے اٹھا تو چارپائی پر گر گیا۔ ضعف اتنا تھا کہ وہ پشت کے بل چارپائی پر گر گیا اور اس کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔ بعدازاں ایک اور دست آیا تو بستر پر ہی نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے قے ہونا

شروع ہوگئیں۔

بقول حکیم نورالدین "معدہ کے اندر کی تمام سوزشیں، آنتوں کی سوزشیں اور پیٹ کی جھلیوں کی سوزشیں قے کا باعث بنتی ہیں۔ ہیضہ کی صورت میں جب آنتیں متاثر ہوتی ہیں تو قے کے ساتھ اسہال ہوتے ہیں۔ قے کا آنا بذاتِ خود کوئی بیماری نہیں بلکہ یہ متعدد بیماریوں کی علامت ہے۔ آنتوں کے فالج اور رکاوٹ میں غذا ہی قے کا باعث بنتی ہے۔ کھانے کے فوراً بعد شراب یا افیون کے استعمال سے بھی قے ہوتی ہے۔ اگر اسہال کے ساتھ قے بھی شامل ہو تو مرض اسہال کے بجائے ہیضہ بن جاتا ہے۔"

(بیاض نورالدین ص 209)

مسلسل اسہال اور قے کی وجہ سے مرزا قادیانی کے جسم، بستر اور کمرے میں سخت بدبو اور تعفن پھیل گیا تھا۔ اس کی حالت دگرگوں ہوگئی اور نورالدین کو بلانے کے لیے کہا۔ حکیم نورالدین آیا تو مرزا قادیانی نے اسے کہا "مجھے اسہال کا دورہ ہوگیا ہے۔ آپ کوئی دوائی تجویز کریں۔"

(ضمیمہ الحکم 28 مئی 1908ء)

حکیم نورالدین نے چند مقوی ادویات کھانے کو دیں مگر مرزا قادیانی نے قے کر دیں۔ اس کے بعد اس کی نبض ڈوبنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ایک انگریز ڈاکٹر آیا مگر وہ نہایت عبرتناک حالت دیکھتے ہی چلا گیا۔ بعض عینی شاہدین کے مطابق مرزا قادیانی کے منہ سے پاخانہ نکل رہا تھا۔ ایسی ہی بھیانک حالت میں مرزا قادیانی 26 مئی 1908ء کو صبح ساڑھے دس بجے جہنم واصل ہوگیا۔

موت پاخانے میں پائی، حشر دوزخ میں ہوا
عہد نو کے مہدی موعود کی کیا شان ہے

محقق قادیانیت پروفیسر محمد الیاس برنیؒ لکھتے ہیں:

"مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تحریرات میں ہیضے کو قہر الٰہی کا ایک نشان قرار دیتے تھے جو سرکشوں پر بطور عذاب نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض مسلمانوں مثلاً مولوی ثناء اللہ صاحب سے اُن کے جو مقابلے ہوئے، ان میں بھی انہوں نے یہی بددعا کی کہ جو کاذب ہو، اس پر ہیضے وغیرہ کی شکل میں موت نازل ہو اور آج قادیانی صاحبان کا ہیضہ کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ خدا کی قدرت کہ اسی مرض ہیضہ میں خود مرزا صاحب نے انتقال کیا اور ہیضہ بھی ایسا تیز کہ اچھے خاصے تھے۔ تصنیف و تالیف میں مشغول تھے۔ شام کو سیر و تفریح کر کے آئے۔ رات کو بیوی صاحبہ کے ساتھ کھانا کھایا۔ یکا یک دست اور قے شروع ہوئے۔ ہزار علاج کیا، چند گھنٹوں میں خاتمہ ہوگیا، مقام عبرت ہے۔

قادیانی صاحبان اس واقعہ سے دل میں تو شرماتے ہیں لیکن زبان سے جھٹلاتے ہیں کہ مرزا صاحب گویا اسہال کے مرض میں فوت ہوئے۔ ہیضہ سے فوت نہیں ہوئے۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب کے

پہلے ایڈیشن میں سیدھی بات لکھ دی تھی کہ مرزا صاحب ہیضہ میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے لیکن قادیانی صاحبان اس پر بہت چراغ پا ہوئے کہ گویا مرزا صاحب ہیضہ سے فوت ہوئے تو سارا مطلب فوت ہو گیا۔ چنانچہ پہلی کتاب (''تصدیق احمدیت'' مصنفہ سید بشارت احمد صاحب قادیانی) میں یہ تنبیہ کی گئی کہ حضور (مرزا صاحب) کے وصال کا باعث ہیضہ قرار دینا صریح جھوٹ بلکہ قانونی جرم ہے۔ دوسری کتاب (''ہمارا مذہب'' مصنفہ علی محمد صاحب قادیانی) شائع ہوئی تو اس میں الزام دیا گیا کہ جناب محقق برنی صاحب بالقابہ نے حضرت مسیح موعود کی وفات کے متعلق لکھا ہے کہ ہیضہ سے واقع ہوئی۔ مگر یہ منجملہ آپ کے افتراؤں کے ایک نہایت ہی ناپاک افتراء ہے۔ شاید ناپاکی ہیضہ سے پیدا ہوئی۔

چونکہ قادیانی صاحبان بوجہ معلومہ ہیضہ کے نام سے بہت چڑتے ہیں۔ بعد کے ایڈیشنوں میں ہم نے اس کی صراحت لکھ دی کہ مرزا صاحب دست اور قے کے مرض میں فوت ہوئے لیکن مثل مشہور ہے ''جوئندہ یابندہ'' حق کا اظہار ہونا تھا۔ بالآخر خود مرزا صاحب کے قول سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ ان کو مرض ہیضہ لاحق ہوا تھا جو باعث وفات ہوا اور مرزا صاحب بھی کون جو قادیانی اعتراف کے بموجب ''خاندانی طبیب'' تھے اور علم طب میں خاصی دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ اس بارہ میں مرزا صاحب کے خسر میر ناصر نواب صاحب کی عینی شہادت اس پانچویں ایڈیشن میں اوپر درج ہے۔ کیا اب توقع کی جا سکتی ہے کہ قادیانی صاحبان ہیضہ کے واقعہ کو تسلیم کر لیں یا اب بھی ان کو عذر ہی رہے گا اور خدانخواستہ مرزا صاحب کا آخری قول جھٹلانے میں بھی دریغ نہ ہوگا۔

اس بارہ میں قادیانی صاحبان دو عذر بڑے شد و مد سے پیش کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ تیماردار ڈاکٹر اور اطباء نے مرزا کی وفات کا سبب اسہال قرار دیا۔ دوم یہ کہ مرزا صاحب کا جنازہ لاہور سے قادیان لائے تو کچھ سفر ریل میں طے ہوا۔ گویا ہیضہ کے مرض میں ریل کے سفر کی اجازت کیسے مل سکتی تھی۔ لیکن ان عذرات کی حقیقت بخوبی ظاہر ہے۔ یہ تیماردار ڈاکٹر اور طبیب کون تھے۔ خود مرزا صاحب کے مرید اور معتقد جو کسی طرح مرزا صاحب سے ہیضہ منسوب کرنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا گول بات کہہ دی کہ اسہال سے موت واقع ہوئی۔ حالانکہ اسہال تمام عمر آئے، اسہال میں تمام کام انجام پائے۔ گویا اسہال طبیعت ثانی بن چکے تھے۔ پھر یہ کس قسم کے اسہال تھے کہ یکایک اچھی صحت میں شروع ہوئے۔ ان کے ساتھ قے بھی آئی اور آناً فاناً کام تمام ہو گیا۔ رہا ریل میں جنازہ لے جانے کا معاملہ۔ ایک جماعت کا مذہبی پیشوا جو ذی اثر اور ذی استطاعت ہو جو خصوصیت سے حکومت کا موید اور مداح رہا ہو، حکومت سے روابط رکھتا ہو، اگر کسی قریب مقام تک اس کا جنازہ ریل میں لے جانے کی اجازت مل جائے اور روک ٹوک نہ ہو تو کون سی بڑی بات ہے اور اسکی رعایت میں کیا مضائقہ ہے۔

خود مرزا صاحب کی وفات تو یوں واقع ہوئی۔ اس کے سوا قادیانی اکابر اور مخلصین جو مرزا صاحب

کے بڑے بڑے صحابہ شمار ہوتے تھے۔ مثلاً مولوی عبدالکریم، حکیم نورالدین، میاں عبداللہ سنوری۔ یہ بھی جن حالات میں اور جن امراض میں فوت ہوئے، وہ خالی از عبرت نہیں تھے۔

قادیانی صاحبان کا یہ قدیم مسلک ہے کہ کوئی مسلمان جوان کی آنکھ میں کھٹکتا ہو، اگر اسے کوئی معمولی حادثہ بھی پیش آجائے تو اس کو بڑھا چڑھا کر مشتہر کرتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں کہ گویا ان کو آسمانی نصرت حاصل ہوئی۔ چنانچہ اس ذہنیت کا اکثر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے جو ہمیشہ مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ قادیانی صاحبان جو مسلمانوں کو بہت عبرت دلانا چاہتے ہیں، کبھی تو انصاف سے دل میں سوچیں کہ خود ان کو عبرت حاصل کرنے کی کس درجہ ضرورت ہے اور کس درجہ عبرت آموز واقعات ان کو پیش آچکے ہیں اور پیش آرہے ہیں ورنہ۔''

ہم اگر کچھ بھی کہیں گے تو شکایت ہوگی

(قادیانیت کا علمی محاسبہ از پروفیسر محمد الیاس برنیؒ)

مرزا قادیانی کی موت اور انجام'' کے عنوان سے شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

''مرزا قادیانی کی موت کس عارضہ سے ہوئی؟ اس کے لیے کسی ڈاکٹری رپورٹ کی احتیاج نہیں، بلکہ مرزا قادیانی کے ''مقدس صحابی'' اور خسر جناب میر ناصر نواب کی ثقہ روایت سے خود مرزا قادیانی کا اپنا ''اقرارِ صالح'' موجود ہے، میر صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت (مرزا) صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا، جب آپ کو سخت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا، جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا تو مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''میر صاحب! مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے۔'' اس کے بعد کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں آپ نے نہیں فرمائی، یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔'' (حیاتِ ناصر ص 14)

لیجیے! بہت ''بری موت'' کے تینوں مرحلے اللہ تعالیٰ نے خود مرزا جی کی زبان وقلم سے طے کرا دیئے۔ یعنی پہلے ان سے لکھوایا کہ مفتری بہت ہی بری موت مرتا ہے، پھر اس کی تعیین وتشخیص بھی انہی کے قلم سے کرا دی کہ طاعون اور ہیضہ کی موت ہی وہ ''بری موت'' ہے، جو بطورِ سزا ''خدا تعالیٰ کے ہاتھوں'' سے کسی سرکش مفتری کو دی جاتی ہے، اور پھر خود انہی کی زبان سے یہ اقرار بھی کرا دیا کہ وہ ''وبائی ہیضہ'' سے ''بہت بری موت'' مر رہے ہیں، اور ان کا یہ اقرار ریکارڈ پر موجود ہے۔ اس کے بعد بھی ''پیغام صلح'' کو ''بہت ہی بری موت'' اور ''نہایت ہی بد اور قابل عبرت انجام'' میں شک وشبہ ہو تو اس کا کیا علاج؟''

(تحفہ قادیانیت از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ)

ہیضہ نہایت عبرتناک موت کا ذریعہ بنتا ہے، اس کا اعتراف خود قادیانیوں کو بھی ہے۔ روزنامہ

الفضل لکھتا ہے:

''محمد عاشق نائب صدر مجلس احرار قصور جو حضرت مسیح موعود کی شان میں بے حد بدزبانی کیا کرتا تھا، 29 جولائی کو ہیضہ سے نہایت عبرتناک موت مر گیا۔ قصور کے دوسرے احرار کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ (روزنامہ الفضل قادیان جلد 24 نمبر 30 ص 2 مورخہ 4 اگست 1936ء)

نامور سکالر جناب فرزند توحید اپنے کتابچے ''عبرتناک موت'' میں لکھتے ہیں:

قادیانی لنکا میں چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں۔ دجل وفریب اور کذب وافترا کے لحاظ سے ہر مرزائی باون گز کا ہی ہے۔ لیکن خلافت مآب کی بارگاہ میں عزت وتوقیر اس مرزائی کی ہوتی ہے اور تنخواہ میں اضافہ بھی اسی کا ہوتا ہے، جو مغالطہ دہی اور کذب بیانی میں ید طولیٰ رکھتا ہو۔ اس دور میں ہر قادیانی مبلغ، ہر مدرس، ہر مفتی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑھاپا قبر میں لے جانے والی بیماری، قیامت کی باز پرس اور جہنم کی دہکتی آگ کے شعلوں کا خیال بھی ان کے لیے سدراہ نہیں ہوتے۔ مرزائیوں کا ستر بہتر سالہ مفتی محمد صادق (برعکس نہند نام زنگی کافور) قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ اور مرزا محمود کو خوش کرنے کے لیے اپنے نامۂ اعمال کو افتراء وکذب بیانی کے باعث تاریک سے تاریک تر کرتا چلا جا رہا ہے۔ چنانچہ قادیانی نبوت کے سرکاری آرگن ''الفضل'' میں ''مفتی کاذب'' نے ''مخالفین احمدیت کی غلط بیانی'' کے عنوان سے ایک مضمون دھر گھسیٹا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں:

''آج کل مخالفین سلسلۂ حق نے دروغ گوئی کے ساتھ ہمارے خلاف جو باتیں پھیلانی شروع کی ہیں، ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت مرزا صاحب مرض ہیضہ سے فوت ہوئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات لاہور میں ہوئی تھی۔ اور میں اور دیگر احباب اس وقت حضور کے پاس موجود تھے۔ حضور جب بھی دماغی محنت کیا کرتے تھے، تو عموماً آپ کو دورانِ سر اور اسہال کا مرض ہو جاتا تھا۔ چنانچہ لاہور جب حضور اپنے لیکچر کا مضمون تیار کر رہے تھے۔ تو کثرتِ دماغی محنت کے باعث آپ کی طبیعت خراب ہو گئی اور دورانِ سر اور اسہال کا مرض ہو گیا اور اس مرض کے علاج کے لیے جو ڈاکٹر بلایا گیا تھا، وہ انگریز لاہور کا سول سرجن تھا۔ اور چونکہ بعض مخالفین نے اس وقت بھی یہ شور مچایا تھا کہ آپ کو ہیضہ ہو گیا ہے، اس لیے صاحب سول سرجن نے یہ لکھ دیا کہ آپ کو ہیضہ نہیں ہوا اور وفات کے بعد آپ کی نعش مبارک ریل میں بٹالہ تک پہنچائی گئی۔ اگر ہیضہ ہوتا تو ریل والے نعش مبارک کو بک نہ کرتے۔ پس مخالفین کا یہ کہنا بالکل جھوٹ ہے کہ حضور ہیضہ سے فوت ہوئے۔''

(مفتی محمد صادق ربوہ، 22 جنوری 51ء، الفضل 11 فروری 51ء، ص 5)

قادیانی مفتی نے کس قدر جسارت اور دیدہ دلیری سے ایک مسلمہ حقیقت پر خاک ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ وہ مرزائی ہی کیا ہوا جو حق کو کذب بیانی کے پردہ میں چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ خود

جھوٹ کا مرتکب ہونا اور الزام دوسروں پر لگانا قادیانیوں کا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ان کی یہ چال بازی ان کے دجل وفریب اور کذب وافتراء کی غمازی کرتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ انگریز کی بخشی ہوئی نبوت میں بیٹھ کر قادیانی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مستور ہیں۔ ہمیں کوئی نہیں دیکھتا۔ جائز وناجائز جو چاہیں کرتے چلے جائیں۔ انہیں کیا معلوم کہ مجلس ختم نبوت کے خدام مرزائیوں کے رازہائے درونِ پردہ کو مرزائیوں سے زیادہ جانتے ہیں۔

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

مرزا کے مرضِ موت ''ہیضہ'' کو چھپانے کے لیے مفتی کاذب نے دورانِ سر اور اسہال کا لبادہ اوڑھا دیا۔ اور یہ نہ سمجھا کہ ''ان کے حضرت'' کے ''اسہال'' ''ہیضہ'' کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ مفتی صاحب نے اسہال کا ذکر تو کر دیا لیکن ظلی و بروزی مصلحت کے پیش نظر اپنے ''مسیح موعود'' کی ''قے'' کو ہضم کر گئے۔ حالانکہ مرتے وقت مرزا صاحب کے گرد قے اور دست دونوں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔ جیسا کہ خود مرزا جی کی اہلیہ اور مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان کی والدہ مکرمہ نے فرمایا۔ مرزا بشیر احمد ایم، اے ابن مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود کی وفات کا ذکر آیا تو والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود کو پہلا دست کھانا کھانے کے وقت آیا تھا۔ مگر اس کے بعد تھوڑی دیر تک ہم لوگ آپ کے پاؤں دباتے رہے اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے اور میں بھی سو گئی۔ لیکن کچھ دیر کے بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالبًا ایک یا دو دفعہ رفع حاجت کے لیے آپ پاخانہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے زیادہ ضعف محسوس کیا، تو اپنے ہاتھ سے مجھے جگایا۔ میں اٹھی تو آپ کو اتنا ضعف تھا کہ آپ میری چارپائی پر ہی لیٹ گئے، اور میں آپ کے پاؤں دبانے کے لیے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا: تم اب سو جاؤ۔ میں نے کہا۔ نہیں میں دباتی ہوں۔ اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا۔ مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانہ نہ جاسکتے تھے۔ اس لیے میں نے چارپائی کے پاس ہی انتظام کر دیا۔ اور آپ وہیں بیٹھ کر فارغ ہوئے۔ پھر اٹھ کر لیٹ گئے اور میں پاؤں دباتی رہی۔ مگر ضعف بہت ہوگیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور دست آیا اور پھر آپ کو ایک قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ لیٹتے لیٹتے پشت کے بل چارپائی پر گر گئے۔ اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہوگئی۔''

(سیرت المہدی مرتبہ مرزا بشیر احمد ایم اے طبع دوم ص 11)

مرزائیو! بتاؤ کہ دست اور قے دونوں تھے یا نہیں؟ اگر آپ اس ''قادیانی معجون مرکب'' کو ہیضہ کے نام سے موسوم نہیں کرتے۔ تو فرمائیے کہ ''مرزائی نبوت'' کی اصطلاح میں دست و قے کی اس مہلک بیماری کا کیا نام ہے؟ رہا قادیانی مفتی صاحب کا یہ فرمان کہ

(الف) انگریز ڈاکٹر نے لکھ دیا کہ ہیضہ نہیں ہوا۔

(ب) اگر ہیضہ سے موت ہوتی تو ریل والے نعش کو بک نہ کرتے۔ یہ دونوں عذر لنگ ہیں۔ نہ معلوم قادیانی مفتی نے بہتر سالہ عمر کس جنت الحمقانہ میں بسر فرمائی ہے۔ از راہِ کرم تکلیف فرما کر اپنے ''امیر المومنین خلیفۃ المسیح'' ہی سے دریافت فرمالیتے کہ سفارشات و رشوت سے کیسے کیسے سخت اور مشکل کام فوراً انجام پذیر ہو سکتے ہیں۔

معمولی قادیانیوں کا کیا ذکر۔ جب ان کے ''بڑے حضرت'' نے محترمہ محمدی بیگم کے ساتھ نکاح کروانے کے لیے محمدی بیگم کے حقیقی ماموں کو رشوت یا انعام کا لالچ دے کر نکاح کرانے سے دریغ نہ کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی زندیق کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم۔اے لکھتے ہیں ''بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب جالندھر جا کر قریباً ایک ماہ ٹھہرے تھے، اور ان دنوں محمدی بیگم کے ایک حقیقی ماموں نے محمدی بیگم کا حضرت صاحب سے رشتہ کرا دینے کی کوشش کی تھی، مگر کامیاب نہیں ہوا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب محمدی بیگم کا والد مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری زندہ تھا اور ابھی محمدی بیگم کا مرزا سلطان احمد بیگ سے رشتہ نہیں ہوا تھا۔ محمدی بیگم کا یہ ماموں جالندھر اور ہوشیار پور کے درمیان یکے میں آیا جایا کرتا تھا۔ اور وہ حضرت صاحب سے کچھ انعام کا بھی خواہاں تھا۔ اور چونکہ محمدی بیگم کے نکاح کا عقدہ زیادہ تر اسی شخص کے ہاتھ میں تھا اس لیے حضرت صاحب نے اس سے کچھ انعام کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ (سیرت المہدی حصہ اوّل طبع دوم ص 193-192)

یہ گھر کی شہادت بآوازِ بلند اعلان کر رہی ہے کہ محمدی بیگم کے ساتھ نکاح کرانے کے لیے مرزا غلام احمد صاحب محمدی بیگم کے ماموں کو انعام یا رشوت دینے کے لیے تیار تھے۔ مرزائیو! اللہ کے لیے غور کرو کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے نام سے محمدی بیگم کے نکاح کو پیشگوئی شائع کرنا۔ انعام، رشوت اور روپے کے لالچ سے نکاح کی کوشش کرنا کسی راستباز انسان کا کام ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں جیسا کہ خود مرزا غلام احمد نے لکھا ہے: ''ہم ایسے مرشد کو اور ساتھ ہی ایسا مرید کو کتوں سے بدتر اور نہایت ناپاک زندگی والا خیال کرتے ہیں کہ جو اپنے گھر سے پیشگوئیاں بنا کر پھر اپنے ہاتھ سے، اپنے مکر سے، اپنے فریب سے ان کے پورے ہونے کے لیے کوشش کرے اور کروائے۔'' (سراج منیر مصنفہ مرزا غلام احمد طبع سوم ص 23)

مرزائیو! اب اپنے پادری غلام احمد کے بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟

تو چھوٹے ''حضرتوں'' نے انگریز ڈاکٹر اور انگریز سٹیشن ماسٹر کو رشوت یا انعام دے کر مرزا جی کی نعش کو دجال کے گدھے پر ''لدوا دیا تو کون سے تعجب کی بات ہے؟ مرزائی ریل گاڑی کو دجال کا گدھا کہتے ہیں۔ گدھا دجال کا اور اس پر نعش مرزا غلام احمد کی! مرزا قادیانی کا کیا ہی صحیح مقولہ ہے: ''حق بحقدار رسید''۔

اگر ایسی ہی شہادتوں سے آپ اپنے ''مسیح موعود'' کی صداقت پیش کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو دنیا میں ہزاروں فرنگی ایسے مل جائیں گے، جو انعام یا رشوت لے کر لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ قادیانی مسیحیت کا ڈھنڈورا پیٹ دیں۔

مفتی جی: آپ اپنے ''مسیح موعود'' ''ام المؤمنین'' اور ''قادیانی خاندان نبوت'' کو چھوڑ کر فرنگی گواہیوں کی پناہ کیوں لے رہے ہیں؟

عیسائیوں سے ساز باز تو نہیں کر رکھی؟ جب مرزا غلام احمد صاحب کی اہلیہ صاحبہ فرماتی ہیں اور صاحبزادہ بشیر احمد مشتہر کرتے ہیں کہ مرزا صاحب آنجہانی کی موت دست و قے سے ہوئی تو کیا ہیضہ کے سر پر سینگ ہوا کرتے ہیں؟

اگر لفظ ہیضہ سے آپ کی تسلی و تشفی نہیں ہو سکتی تو لیجئے مرزا غلام احمد کے خسر، مرزا محمود احمد کے نانا میر ناصر نواب کے واسطہ سے خود مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے مرض موت کا جو نام...... ہیضہ...... تجویز فرمایا۔ سن لیجئے۔

اور ''قادیانی غلو'' کی عینک اتار کر مندرجہ ذیل عبارت پڑھئے۔ اور سو بار سوچ کر بتائیے کہ مرزا غلام احمد کی موت ہیضہ سے ہوئی یا نہیں؟

مرزا غلام احمد کے خسر میر ناصر نواب خود نوشت سوانح حیات میں تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت صاحب جس رات کو بیمار ہوئے۔ اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا۔ جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا۔ جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ ''میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔'' اس کے بعد آپ نے کوئی صاف بات میرے خیال میں تو نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔'' (حیات ناصر ص14 مرتبہ شیخ یعقوب علی عرفانی قادیانی)

کسی زندہ دل شاعر نے مرزا قادیانی آنجہانی کی تاریخ وفات لکھی ہے۔

یوں کہا کرتا تھا مر جائیں گے اور
اور تو زندہ ہیں خود ہی مر گیا
اس کے بیماروں کا ہو گا کیا علاج
کالرہ (1) سے خود مسیحا مر گیا

معروف عالم دین مولانا ابوالفضل کرم الدین دبیر اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تازیانہ عبرت'' میں لکھتے ہیں: ''ہر چند مرزا صاحب دوسروں کی وفات کی خبریں سن کر خوش ہوتے اور اپنے کسی مخالف شخص کی

(1) کالرہ (Cholera) سے مراد ہیضہ۔

مرگ سے اپنے نشانات اور پیشگوئیوں کے نمبرات میں اضافہ فرمایا کرتے تھے مگر آخر کار بحکم کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت ایک دن وہ بھی آ پہنچا کہ بڑے بڑے دعاوی کے مدعی (مرزا جی) عین ایام غربت میں دارالامان قادیاں سے دور فاصلہ (شہر لاہور) میں ایک مہلک بیماری کالرا میں مبتلا ہو کر بہت ہی جلدی شکار نہنگ اجل ہو گئے۔ کسی شخص کی نیکی یا بدی یا اس کی بزرگی وغیرہ کا ثبوت اس کی وفات کے بعد بھلی یا بری شہرت سے ملتا ہے۔ جو نیک ہوتے ہیں، زبان خلق پر اُن کی نیک شہادت ہوتی ہے۔ مقدس نفوس کی وفات کے بعد ان کی میت کی خاص عزت اور احترام ہوتی ہے جس طرح زندگی میں اُن سے فیض حاصل کرنے کیلئے مخلوق خدا حاضر ہو کر اُن کے قدموں پر گرتی ہے، اُن کی وفات پر ان کی میت کی زیارت کے لئے خلق خدا، اطراف و اکناف سے ٹوٹ پڑتی ہے، اُن کے جنازہ میں شمولیت باعث سعادت سمجھی جاتی ہے اور ہر ایک زبان پر ان کا ذکر خیر جاری ہوتا ہے اور ہر ایک آنکھ ان کے غم میں خون کے آنسو بہاتی ہے۔

اس کے ثبوت کے لئے چند ایک مقدس ہستیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی وفات کے بعد اُن کے جنازہ کی عزت اور معیت کا احترام کیا گیا۔

1- امام طاؤس (تابعی) کا جب جنازہ اٹھایا گیا تو آدمیوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ جنازہ کسی طرح نہ نکل سکتا تھا۔ آخر حاکم وقت نے فوج بھیجی اور اُس کے اہتمام سے جنازہ نکلا۔

2- حضرت عبداللہ بن حسنؓ کے جنازے کو جو لوگ اٹھائے ہوئے تھے، ازدحام خلق کی وجہ سے ان کا لباس پارہ پارہ ہو گیا۔

3- حضرت امام الحرمین نے جب وفات پائی تو تمام شہر نیشاپور کے بازار اُن کے ماتم میں بند ہو گئے اور جامع مسجد کا ممبر جس پر بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے، توڑ دیا گیا۔

4- امام ابوجعفر طبری کی قبر پر کئی مہینے تک شب و روز نماز جنازہ پڑھی گئی۔

5- امام ابن داؤد کے جنازہ کی نماز اسی دفعہ پڑھی گئی۔ کل نمازیوں کا تخمینہ لگایا گیا تو تین لاکھ ہوا۔

6- امام اعظمؒ کے جنازہ کی نماز بعد دفن بیس روز تک ہوتی رہی۔

7- امام احمد بن حنبلؒ کے جنازہ پر قدرتی پرندوں نے سایہ کیا ہوا تھا، جس کو دیکھ کر ہزاروں یہودی مسلمان ہو گئے تھے۔

8- مولانا مولوی غلام قادر صاحب مرحوم کا جنازہ جب شہر لاہور میں اٹھایا گیا تو ہجوم خلائق اس قدر تھا کہ نماز جنازہ باہر پریڈ میں پڑھی گئی۔ کارخانوں کے مزدوروں نے اس روز مزدوری موقوف کر کے شمولیت جنازہ کیا۔

9- غازی علم الدین شہید کا جنازہ ایک لاکھ نفوس نے پڑھا۔ بڑے بڑے مقتدر لیڈر، پلیڈر، اور سر وغیرہ شریک جنازہ ہوئے۔

10- عاشقانِ رسول میاں امیر احمد اور خان عبداللہ خان کے جنازہ میں باوجود اطلاع عام نہ ہونے کے قریباً پچاس ہزار نفوس شامل ہوئے۔

11- مولانا محمد علی مرحوم کی وفات ملک انگلستان دارالکفر میں ہوئی۔ اُن کی میت کا کس قدر احترام ہوا، کس کس اہتمام و احتیاط سے کس پاک جگہ (بیت المقدس) میں پہنچا کر دفن کی گئی۔ جس کے تقدس وتبرک پر آیت قرآن بارکنا حولہ گواہ ہے۔ بیت المقدس میں میت کی آمد پر جو استقبال ہوا، اخبار بین حضرات اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ سول وملٹری کے معزز افسران میت کی اردل میں تھے۔ ہجوم خلائق کے باعث شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ شرکاء جنازہ کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جاسکا۔

اب ہم مرزا صاحب کے بعد از وفات حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔ آپ کی موت وطن سے بہت دور اس وقت ہوئی جب مقابلہ کے لئے آپ کے مخالف علماء آپ کو چیلنج کر رہے تھے اور میدان میں نکلنے کی پُرزور دعوت دی جارہی تھی۔ یکایک آپ ایک موذی مرض ہیضہ میں مبتلا ہو کر رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔ شرکاء جنازہ ڈیڑھ درجن سے زائد نہ تھے۔ عوام الناس نقلیں اُتار کر مرنیوالے کی تضحیک کا مظاہرہ کر رہے تھے پھر آپ کی نعش کو کسمپرسی کی حالت میں خرد جال (مال گاڑی) پر لاد کر قادیاں میں پہنچایا گیا۔ افسوس مرنیوالا بہت سی حسرتیں دل میں لے کر لحد میں جاسویا۔ ابھی تو دولہا بننا تھا، محمدی بیگم بیاہ لانی تھی۔ بڈھے میاں اپنے پیارے صنم کو خوش نصیب رقیب (مرزا سلطان محمد) کے ہاتھ میں چھوڑ کر دنیا سے چل بسے۔''

جدا ہوں یار سے ہم اور نہ ہو رقیب جدا ہے اپنا اپنا مقدر جدا نصیب جدا

(تازیانہ عبرت از مولانا ابوالفضل کرم الدین دبیر ص 201 تا 202)

مولانا تاج محمدؒ صاحب مرزا قادیانی کی موت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب پٹیالوی، وہ مشہور ومعروف شخصیت ہیں جو قریباً 25 برس تک مرزا غلام احمد قادیانی کے خاص الخاص، جلیل القدر مریدین میں شمار ہوتے رہے۔ مرزا صاحب کو آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب پر اپنا فضل وکرم فرمایا کہ 25 برس بعد مرزائیت سے تائب ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مرزائیت کے زمانے میں قرآن کریم کی ایک تفسیر بنام ''تفسیر القرآن بالقرآن'' لکھی۔ مرزا غلام احمد کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کا کیا مقام تھا؟ اس کے لیے مرزا صاحب کے درج ذیل ارشادات ذہن میں رکھیے:

''حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ مہدی موعود کے پاس ایک چھپی ہوئی کتاب ہوگی، جس میں اس کے تین سو تیرہ اصحاب کا نام درج ہوگا۔ یہ پیشگوئی آج پوری ہو گئی...... بموجب منشا حدیث کے یہ بیان کر دینا پہلے سے ضروری ہے کہ یہ تمام

اصحاب خصلت صدق و صفا رکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں [پھر اس سے آگے مرزا صاحب تین سو تیرہ صاحبان کا نام درج کرتے ہیں، جن میں نمبر 159 پر ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب کا نام ہے]''۔ (انجام آتھم ص 324 ضمیمہ ص 40)

مرزا صاحب نے اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' مطبوعہ لاہور ص 808/404 پر ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے کہ ''حبی فی اللہ میاں عبدالحکیم خاں جوان صالح ہے۔ علامات رشد و سعادت اس کے چہرہ سے نمایاں ہیں۔ زیرک اور فہیم آدمی ہیں۔ انگریزی زبان میں عمدہ مہارت رکھتے ہیں۔ امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کئی خدمات اسلام ان کے ہاتھ سے پوری کرے گا۔''

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مرزائیت کے زمانہ میں قرآن مجید کی جو تفسیر لکھی تھی۔ اس کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کی ''تفسیر القرآن بالقرآن'' ایک بے نظیر تفسیر ہے۔ جس کو ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب نے کمال محنت کے ساتھ تصنیف فرمایا ہے۔ نہایت عمدہ شیریں بیان ہے۔ اس میں قرآنی نکات خوب بیان کیے گئے۔ یہ تفسیر دلوں پر اثر کرنے والی ہے۔'' (اخبار ''بدر'' شمارہ 38، جلد 9، 9 اکتوبر 1930ء بحوالہ فسانہ قادیان)

چونکہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کو خدمت اسلام لینا منظور تھا، اس لیے 25 برس مرزائیت میں ضائع کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو توبہ کی توفیق ملی۔ مرزا صاحب ڈاکٹر صاحب کے مرزائیت کو چھوڑنے پر لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کا اگر تقویٰ صحیح ہوتا تو وہ کبھی تفسیر لکھنے کا نام نہ لیتا کیونکہ وہ اس کا اہل ہی نہیں تھا۔ اس کی تفسیر میں ذرہ بھر روحانیت نہیں اور نہ ہی ظاہری علم کا کچھ حصہ۔'' (اخبار ''بدر'' 7 جون 1906ء بحوالہ فسانہ قادیان)

سوچنے کا مقام ہے۔ ڈاکٹر صاحب جب تک مرزائی رہے، ان کی تفسیر ایک بے نظیر تفسیر تھی اور عمدہ شیریں بیان تھی، دلوں پر اثر کرنے والی تھی۔ جب مرزائیت سے تائب ہوئے تو مرزا صاحب نے ان کی مذمت شروع کر دی کہ ایسا تھا، ویسا تھا، گنجا تھا، لنگڑا تھا، لولا تھا۔ تفسیر لکھنے کا نااہل تھا، روحانیت نزدیک نہ پھٹکی، ظاہری علم سے کچھ حصہ نہ پایا۔

حقیقت یہ ہے کہ انکشاف صداقت اور قبول حق کے لیے خدا کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے چونکہ جب تک فضل خداوندی انسان کے شامل حال نہ ہو، صراط مستقیم اور راہ ہدایت کا میسر ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ ''انسان اپنی عقل میں غلطی کر سکتا ہے، لیکن خدا تو اپنی راہنمائی میں غلطی نہیں کر سکتا۔''

تاریخ اسلام میں اس قسم کے متعدد واقعات موجود ہیں کہ پیغمبر آخرالزمان ﷺ کے بعد مرزا قادیانی کی طرح

کئی مدعیان نبوت باطلہ پیدا ہوئے۔ جن پر ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں مردودان ازلی انسانوں نے ایمان لا کر اپنی عاقبت کو برباد کیا۔ ان جھوٹے نبیوں پر ایمان لانے والوں میں بعض بڑے بڑے لائق و قابل تھے۔ یعنی بظاہر اس قدر لائق و قابل کہ قادیانی نبوت اور خلافت ان کے سامنے کوئی چیز ہی نہیں ہے اور پھر ان کذابوں اور دجالوں کو کافی ترقی اور عروج حاصل ہوا۔

چنانچہ مرزا قادیانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک خطرناک زمانہ پیدا ہو گیا تھا۔ کئی فرقے عرب کے، مرتد ہو گئے اور جھوٹے پیغمبر کھڑے ہو گئے تھے۔ خدا نے حضرت ابوبکر کے کاموں میں برکت دی اور نبیوں کی طرح اس کا اقبال چمکا۔ اس نے مفسدوں اور جھوٹے نبیوں کو خدا سے قدرت اور جلال پا کر قتل کیا۔ آنحضرت کے بعد چند شریر لوگوں نے پیغمبری کا دعویٰ کر دیا۔ جن کے ساتھ کئی لاکھ بدبخت انسانوں کی جمعیت ہو گئی اور دشمنوں کا شمار اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہ کی جماعت ان کے آگے کچھ بھی چیز نہ تھی۔ جس شخص کو اس زمانہ کی تاریخ پر اطلاع ہے۔ وہ گواہی دے سکتا ہے کہ وہ طوفان ایسا طوفان تھا کہ اگر درحقیقت اسلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا، تو اس دن اسلام کا خاتمہ تھا۔'' (''تحفہ گولڑویہ'' ص 93-95)

''غور کا مقام ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت حقہ کی تبلیغ کر رہے تھے، اس وقت مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے کیا کیا فتنے برپا کر دیے تھے۔ ایسا ہی ابن صیاد نے بہت فتنہ ڈالا تھا اور یہ تمام لوگ ہزارہا لوگوں کی ہلاکت کا موجب ہوئے تھے۔'' (''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم، نمبر 2، ص 113)

پس مرزا صاحب کے ان ہر دو مذکورہ بالا حوالوں سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد چند شریر اور بدمعاش اٹھے، جنھوں نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا اور ان کی بیعت کرنے والے بدبخت لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہو گئے۔ اسی طرح مرزا صاحب نے بھی نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ

''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔''

(''دافع البلاء'' ص 10-11، ''بدر'' 5 مارچ 1908ء)

شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وہ جھوٹے نبی، منکر اسلام تھے جبکہ مرزائی بظاہر مصدق اسلام ہیں۔ سو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جو نوعیت، دعویٰ اسلام کی اس وقت مرزائیوں کی ہے، وہی نوعیت ان کی تھی۔ یعنی جس طرح مرزائی، مرزا قادیانی کے انکار کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی مسلمانوں کو اپنے خانہ ساز پیغمبروں کے انکار کی وجہ سے کافر سمجھتے تھے۔ ورنہ اسلام کے دعویدار

بظاہر وہ بھی تھے۔ چنانچہ اس امر کا اعتراف خود امت مرزائیہ کو بھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''مسیلمہ کذاب مع اپنی جماعت کے بظاہر اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ اعمال سحریہ وغیرہ میں اس کو بڑا دخل تھا۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ بہت کثیر آدمی ہو گئے تھے۔''

(''ریویو'' جلد 7، نمبر 6-7، ماہ جون و جولائی 1908ء، ص 226 قادیان)

مگر باوجود ان تمام ناقابل رہائی، ایمان ربا دل فریبیوں اور باطل پرستیوں کے، پھر بھی ان گرفتاران الحاد و ضلالت میں بعض اشخاص موجود ہوتے ہیں کہ جن میں فطرتی طور پر کوئی نہ کوئی نیکی اور خوبی پوشیدہ ہوتی ہے، جس کی بدولت کبھی نہ کبھی ایسے گمراہ انسان بھی خداوندان عالم کی رہنمائی میں صداقت ابدی یعنی نور اسلام کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔

ان میں سے ایک ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب بھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کافی عرصہ مرزا قادیانی کے مرید رہے۔ آخر ہادی برحق نے ان کی رہنمائی کی اور ان کو شمع ہدایت سے منور فرمایا۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.**

چونکہ ڈاکٹر صاحب صدق و صفا کی خصلت رکھتے تھے اور رشد و سعادت کی علامات ان کے چہرے سے نمایاں تھیں۔ نیز خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ ان سے اسلام کی خدمات لی جائیں، اس لیے ترک مرزائیت کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے نہایت تحدی کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ خداوند عالم نے بذریعہ الہام مجھے اطلاع دی ہے کہ میں صادق ہوں اور مرزا قادیانی کاذب، میں حق پر ہوں اور مرزا قادیانی باطل پر اور میرے صادق ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ مرزا قادیانی میری زندگی میں ہی ہلاک ہو گا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ

''مرزا مسرف، کذاب اور عیار ہے۔ صادق کے سامنے شریر ہلاک ہو گا۔''

(''اعلان الحق و اتمام الحجت'' ص 4 و ''تبلیغ رسالت'' جلد 10، ص 115)

ڈاکٹر صاحب کا کیسا واضح اور صاف الہام ہے کہ صادق کے سامنے شریر ہلاک ہو گا۔ اب اس میں کسی تاویل وغیرہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جو کاذب اور شریر ہو گا، وہ پہلے مرے گا۔

اب مرزا صاحب نے دیکھا کہ وہ شخص جس کو میں نے کل دنیا کے سامنے اپنے دعویٰ مہدویت میں بطور ایک دلیل کے پیش کیا تھا، آج وہ شخص نہ صرف مجھ سے منحرف ہی ہو گیا ہے، بلکہ میری مہدویت پر ضرب کاری لگاتا ہوا اور اس کو باطل کرتا ہوا نہایت تحدی سے یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ وہ صادق اور میں شریر ہوں اور اپنی صداقت کا معیار پیش کرتا ہے کہ میں اس کی زندگی ہی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اب مرزا جی نے ''ملا آں باشد کہ چپ نہ شود'' کی مثال کے مطابق ڈاکٹر عبدالحکیم خان کے مقابلے میں جواب شائع کیا۔ مگر کرشمہ قدرت دیکھئے کہ وہ جواب بھی برق آسمانی بن کر مرزا جی کے خانہ ساز دعویٰ مہدویت اور نبوت کو خاکستر کر کے رکھ گیا۔

اب جواب ملاحظہ ہو۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''اس امر سے اکثر لوگ واقف ہوں گے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب، بیس برس تک میرے مریدوں میں داخل رہے۔ چند برس سے مجھ سے برگشتہ ہو کر سخت مخالف ہو گئے ہیں اور اپنے رسالہ المسیح الدجال میں میرا نام کذاب، مکار، شیطان، دجال، شریر، حرام خور رکھا ہے اور مجھے خائن، شکم پرست، نفس پرست، مفسد، مفتری اور خدا پر افترا کرنے والا قرار دیا ہے اور کوئی ایسا عیب نہیں ہے جو میرے ذمہ نہیں لگایا۔ گویا جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ ان تمام بدیوں کا مجموعہ میرے سوا کوئی نہیں گزرا اور پھر اس پر کفایت نہیں کی بلکہ پنجاب کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کر کے میری عیب شماری کے بارہ لیکچر دیے اور انواع واقسام کی بدیاں عام جلسوں میں میرے ذمہ لگائیں اور میرے وجود کو دنیا کے لیے ایک خطرناک شیطان سے بدتر ظاہر کیا اور پھر میاں عبدالحکیم صاحب نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ہر ایک لیکچر کے ساتھ یہ پیش گوئی بھی صدہا آدمیوں میں شائع کی کہ مجھے خدا نے الہام کیا ہے، کہ یہ شخص تین سال کے عرصہ میں فنا ہو جائے گا، کیونکہ وہ کذاب اور مفتری ہے۔ میں نے اس کی ان پیشین گوئیوں پر صبر کیا مگر آج جو 14 اگست 1906ء ہے۔ پھر اس کا خط آیا ہے۔ اس میں بھی لکھا ہے کہ 12 جولائی 1906ء کو خدا تعالیٰ نے اس شخص کے ہلاک ہونے کی خبر مجھے دی ہے کہ اس تاریخ سے تین برس تک ہلاک ہو جائے گا۔ جب اس حد تک نوبت پہنچ گئی تو اب میں بھی اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتا، کہ جو کچھ خدا نے اس کی نسبت میرے پر ظاہر فرمایا ہے، میں بھی شائع کروں۔ کیونکہ اگر درحقیقت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک کذاب ہوں، تو اس صورت میں تمام بدکرداروں سے بڑھ کر سزا کے لائق ہوں تا کہ لوگ میرے فتنہ سے نجات پائیں۔

وہ پیش گوئی جو خدا کی طرف سے میاں عبدالحکیم خان صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ کی نسبت مجھے معلوم ہوئی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں، ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَ کَاذِبٍ۔''

(المشتہر مرزا غلام احمد مسیح موعود قادیانی، 16 اگست 1906ء ''تبلیغ رسالت'' جلد 10 ص 113)

مرزا قادیانی نے کہا کہ خدا نے مجھے فرمایا:

''میں رحمان ہوں، میری مدد کا منتظر رہ اور اپنے دشمن کو کہہ دے کہ خدا تجھ سے

مواخذہ لے گا اور پھر فرمایا کہ میں تیری عمر کو بھی بڑھا دوں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی 1907ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ میں اس کو جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھا دوں گا تا کہ معلوم ہو کہ میں خدا ہوں، یہ عظیم الشان پیش گوئی ہے، جس میں میری فتح اور دشمن کی شکست کا بیان فرمایا ہے اور دشمن جو میری موت چاہتا ہے، وہ خود میری آنکھوں کے روبرو اصحاب فیل کی طرح نابود اور تباہ ہوگا۔" (خاکسار مرزا غلام احمد، 5 نومبر 1907ء، "تبلیغ رسالت" جلد 10، ص 131)

"آخری دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے۔ جس کا نام عبدالحکیم خان ہے اور وہ ڈاکٹر ہے اور وہ ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ میں اس کی زندگی میں ہی 4 اگست 1908ء تک ہلاک ہو جاؤں گا اور یہ اس کی سچائی کے لیے ایک نشان ہوگا۔ یہ شخص الہام کا دعویٰ کرتا ہے اور مجھے دجال اور کافر اور کذاب قرار دیتا ہے...... اس نے یہ پیش گوئی کی ہے کہ میں اس کی زندگی میں ہی 4 اگست 1908ء تک اس کے سامنے ہلاک ہو جاؤں گا۔ مگر خدا نے اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی ہے کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔ سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نظر میں صادق ہے۔ خدا اس کی مدد کرے گا۔"

("چشمہ معرفت" مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی، ص 321 مندرجہ روحانی خزائن ج 23 ص 337)

حق و باطل کا فیصلہ کن معرکہ آپ کے سامنے ہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب کا یہ الہام کہ صادق کے سامنے شریر ہلاک ہوگا۔ حرف بحرف پورا ہوا اور مرزا جی کا الہام کہ میرا دشمن یعنی ڈاکٹر عبدالحکیم میری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوگا اور خدا میری عمر کو بڑھا دے گا، از سرتا پا غلط ثابت ہوا۔"

(قادیانیت سے اسلام تک از محمد متین خالد)

مرزا قادیانی 26 مئی 1908ء کو ڈاکٹر صاحب کی پیشگوئی کے عین مطابق 4 اگست 1908ء سے پہلے پہلے مر گیا۔ اور ڈاکٹر عبدالحکیم مرزا قادیانی کے مرنے کے گیارہ برس بعد تک زندہ رہا۔ وہ 1919ء میں فوت ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی پیشگوئی سچی نکلی اور مرزا صاحب کی جھوٹی۔ مرزائیوں کے لیے مرزا قادیانی کی کتاب "چشمہ معرفت" کا صفحہ 337,336 مرزا قادیانی کی ذلت اور رسوائی کا قیامت خیز زلزلہ بنا ہوا ہے۔

مرا قادیانی تو مومن پکارے
کھول کے، خس کم جہاں پاک، سارے



حکیم نورالدین

26 مئی 1908ء کو مرزا قادیانی لاہور میں دائمی پیچش اور وبائی ہیضہ کی وجہ سے جہنم واصل ہوا تو اس کا قریبی ساتھی حکیم نورالدین قادیان کی گدی پر پہلا خلیفہ مقرر ہوا، حالانکہ مرزا قادیانی کی واضح ہدایات تھیں کہ میرے بعد احمدی معاملات کو ایک انجمن چلائے۔ حکیم نورالدین بھیرہ ضلع سرگودھا کے ایک حجام گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ 1841ء میں بھیرہ میں پیدا ہوا۔ بارہ سال کی عمر میں اس نے اپنے بھائی سے عربی پڑھنا شروع کی اور اوائل عمری میں ہی وہ اپنے باپ کے ساتھ اسلامی علوم، منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے لاہور آ گیا۔ بعد میں اس نے علم الادویہ کو زیادہ وقت دینا شروع کر دیا۔ وہ دینی علم اور عربی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے رامپور، بھوپال، روہیل کھنڈ اور دہلی بھی گیا۔ کچھ عرصہ کے لیے وہ پنڈ دادنخاں کے ایک سکول میں بطور معلم کام کرتا رہا، پھر واپس بھیرہ آ کر معالج کے طور پر کام شروع کر دیا۔

1876ء میں اسے مہاراجہ کشمیر رنبیر سنگھ کے دربار میں شاہی معالج کی ملازمت مل گئی۔ اس عہدہ کے حصول میں ریاست کے ہندو پولیس آفیسر لالہ متھر اداس اور مشہور کشمیری مورخ دیوان کرپارام نے اس کی مدد کی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نہایت عیاش اور بدمعاش تھا۔ وہ شراب کے ساتھ ساتھ کچے اور پکے گوشت کا عادی تھا۔ حکیم نورالدین دن بھر اس کے لیے کشتے تیار کرتا تا کہ وہ رات کو تازہ دم ہو کر نوجوان دوشیزاؤں کی عصمتیں لوٹ سکے۔ 1877ء میں حکیم نورالدین نے دہلی دربار میں حاضری دی جس میں اس نے ملکہ وکٹوریہ کو قیصرۂ ہند کا خطاب دیا۔

معروف سکالر اور مورخ جناب بشیر احمد صاحب اپنی کتاب :Ahmadiya Movement British Jewish Connections جس کا اردو ترجمہ جناب احمد علی ظفر صاحب نے ''تحریک احمدیت، یہودی و سامراجی گٹھ جوڑ'' کے نام سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''حکیم صاحب ایک معاملہ فہم اور شاطر آدمی تھے۔ انہوں نے مختلف مواقع پر کشمیر کی سیر کے لیے آنے والے برطانوی حکام سے روابط رکھے اور ان میں سے بعض کے ساتھ تعلقات پروان چڑھائے۔ برطانوی حکومت نے ان کو کشمیر دربار میں اپنا مخبر مقرر کر دیا۔ کشمیر دربار کے بارے میں دی گئی ان کی اطلاع

کو حکومت بڑی اہمیت دیتی تھی۔ انیسویں صدی کے اختتام پر وسط ایشیا میں روسی سرگرمیوں سے برطانوی پریشان تھے۔ حکیم صاحب نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ان معانقوں پر گہری نظر رکھی جو وہ زارِ روس کے ساتھ انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کر رہا تھا۔

مہاراجہ نے روسی امداد کے حصول کے لیے ایک چار رکنی وفد روس بھیجا۔ اس وفد کے رہنما کو دو ایلچیوں سمیت راستے میں ہی قتل کر دیا گیا۔ غالباً وسط ایشیا میں سرگرم برطانوی جاسوسوں کے طاقتور حلقے نے انہیں ختم کر دیا اور مہاراجہ کی طرف سے تاشقند کے روسی حکام کو لکھا جانے والا خط بھی راستے میں ہی غائب ہو گیا۔ زندہ بچ جانے والے اشخاص عبدالرحمٰن خان اور سرفراز خان نومبر 1865ء میں تاشقند پہنچے۔ رُوسی جنرل چرنایوف نے ان کا استقبال کیا۔ مہاراجہ نے روس سے معاہدۂ دوستی اور امکانی مدد کی درخواست کی تھی۔ یہ گفتگو ناکام ہو گئی کیونکہ زار حکومت ہندوستان میں آزادی کے مقصد کو پروان چڑھانے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے بابا کرم پرکاش کی سربراہی میں 1870ء میں ایک اور وفد تاشقند بھیجا تاکہ روسی فوجی مدد حاصل کر سکے مگر یہ وفد بھی کوئی کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

رنبیر سنگھ کی وفات کے بعد پرتاپ سنگھ (1925-1885ء) تخت کشمیر پر بیٹھا۔ اس کا چھوٹا بھائی رام سنگھ اور سب سے چھوٹا امر سنگھ تھا۔ معاہدۂ امرتسر کے تحت پرتاپ سنگھ ریاست کے جملہ امور اپنی نگرانی میں رکھنا چاہتا تھا جبکہ برطانوی حکومت اپنی بالادستی برقرار رکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ کشمیر میں ایک ریذیڈنٹ (برطانوی حکومت کا ایجنٹ جو وائسرائے کی طرف سے ریاست میں متعین ہوتا تھا) کا تقرر کیا گیا جس کا کام ریاست کے اندرونی حالات پر نظر رکھنا تھا۔ اس میں روسی توسیع پسندی اور داخلی تبدیلیوں کا جائزہ لینا شامل تھا۔ مہاراجہ نے انگریز ریذیڈنٹ کا تقرر بامر مجبوری قبول کر لیا۔ پہلا ریذیڈنٹ سر اولیور سینٹ جان تھا جس کے بعد پلاؤڈن اور کرنل پیری نسبٹ تعینات کیے گئے۔ اپنی تقرری کے کچھ عرصہ بعد ہی نسبٹ نے چند خطوط پکڑے جو اس نے پرتاپ سنگھ کے نام منسوب کیے۔ یہ خطوط اس نے زارِ روس کو لکھے تھے۔ لندن اور (اس وقت کے دارالحکومت ہند) کلکتہ نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ معاہدہ امرتسر کو پس پشت ڈال کر انگریز نے ریاست کے برطانوی عملداری سے الحاق کا فیصلہ کر لیا۔ امر سنگھ نے جو کرنل نسبٹ کے ساتھ مل کر در پردہ حصول اقتدار کے لیے سرگرم عمل تھا، پرتاپ سنگھ سے زبردستی انتظامی امور سے دستبرداری کے پروانہ پر دستخط کرا لیے۔

حکیم نورالدین نے برطانوی ریذیڈنٹ کے آلہ کار اور امر سنگھ کے ساتھی کے طور پر کام کیا۔ حکیم صاحب درباری سازشوں میں پوری طرح ملوث تھے۔ انگریزوں نے پوری طرح ریاست کا الحاق کر لیا ہوتا مگر حالات کے دھارے نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ ایک قوم پرست اخبار ''امرت بازار پتریکا کلکتہ'' نے پرتاپ سنگھ کے دستخطوں سے وائسرائے ہند کو لکھا گیا ایک خط پہلی دفعہ چھاپ دیا، جس میں اس نے اپنے

اوپر لگائے گئے تمام الزامات سے انکار کر دیا تھا۔ دوسرے واقعہ میں اس اخبار نے ایک اعلیٰ خفیہ تحریر چھاپ دی جس میں برطانوی سیکرٹری خارجہ نے حکومت ہند کو تمام سرحدی ریاستوں کے الحاق کا مشورہ دیا تھا۔ برطانوی حکومت پہلے مرحلے میں گلگت کو اپنے ساتھ ملانا چاہتی تھی۔ ایک ہندوستانی قوم پرست صوفی امباپرشاد نے جو اپنے آپ کو گونگا اور بہرا ظاہر کرتا تھا اور برطانوی ریذیڈنٹ کے دفتر میں ملازم تھا۔ یہ خفیہ کاغذات اخبار کے حوالے کر دیئے۔ دو برطانوی پارلیمانی ارکان ولیم ڈگبی اور بریڈلا نے مہاراجہ کے دفاع میں کئی مضامین لکھے۔ آخرکار برطانوی حکومت مجبور ہوکر ریاست کے الحاق سے باز آ گئی۔

نورالدین نے امر سنگھ پر اپنا خاصا اثر ورسوخ قائم کرلیا تھا۔ انہوں نے اسے قائل کرلیا تھا کہ حصولِ اقتدار کے لیے برطانوی امداد حاصل کرے۔ نورالدین نے کشتوار پر برطانوی راج کے قیام کے لیے بھی ایک سازش کی داغ بیل ڈالی مگر یہ منصوبہ برطانوی سیاسی محکمہ نے ترک کر دیا۔ محرم علی چشتی بھی اس منصوبے میں ان کا شریک کار تھا جس کو بعد میں کشمیر سے نکال دیا گیا۔ اس نے اخبار ''رفیق ہند لاہور'' کی ادارت شروع کر دی۔

1889ء میں انگریز نے کشمیر کے نظم ونسق کے لیے ایک مجلس قائم کی اور مہاراجہ کے اختیارات محدود کر دیئے۔ مجلس میں رام سنگھ، امر سنگھ، ایک برطانوی آفیسر، پنڈت سورج کول اور پنڈت بھاگ رام شامل تھے۔ تمام انتظامی اختیارات امر سنگھ کے ہاتھ میں تھے جو اس مجلس کا سربراہ تھا۔ 1891ء تک یہ سلسلہ رہا۔ بعد میں پرتاپ سنگھ انگریز کو وفاداری کی یقین دہانی کروا کر اس مجلس کا سربراہ بن گیا۔ سورج کول نورالدین کو اس کی خفیہ سرگرمیوں اور برطانوی ریذیڈنٹ کے ساتھ تعلقات کی بناء پر سخت ناپسند کرتا تھا۔ جونہی پرتاپ سنگھ مجلس کا سربراہ اور امر سنگھ اس کا نائب سربراہ بنا، اس نے فوری طور پر حکیم نورالدین کی چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ریاست بدری کے احکامات جاری کر دیئے۔ حکیم صاحب کو چوبیس گھنٹے کے اندر ریاست کشمیر چھوڑنا پڑی۔ اس طرح حکیم صاحب جو کہ بدنام درباری سازشی اور برطانوی آلۂ کار تھے بہت جلد ریاست چھوڑ کر اپنے آبائی گاؤں بھیرہ آ گئے۔ بعد ازاں انہوں نے قادیان میں سکونت اختیار کر لی۔ راجہ امر سنگھ نے ان کے ساتھ تعلقات قائم رکھے اور انہیں خفیہ طور پر خطوط لکھتا رہا۔ اس واقعہ کے بعد بھی وہ ان کی عزت کرتا تھا۔

شیخ یعقوب علی قادیانی کہتا ہے کہ نورالدین کے مخالفین انہیں الزام دیتے ہیں کہ وہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی بجائے مہاراجہ امر سنگھ کو تخت نشین کرانے کے لیے ایک سیاسی سازش کا تانا بانا بنتے رہے۔ یہی ان کی ریاست سے اخراج کی وجہ تھی۔''

1881ء یا اس کے لگ بھگ حکیم نورالدین کے مرزا غلام احمد قادیانی سے تعلقات قائم ہو گئے۔ اس نے فوراً ہی مرزا قادیانی کے متدعویہ نظریات وعقائد کا اثر قبول کرلیا اور اپنے آپ کو مذہب بالخصوص

قادیانی عقائد کے لیے مختص کردیا۔ مولانا ابوالحسن ندویؒ سمیت بہت سارے علمائے اسلام کا کہنا ہے کہ قادیانی تحریک کے پیچھے اصل دماغ حکیم نورالدین کا تھا۔ نورالدین کی تدابیر اور پلاننگ ہی تھی جو اس تحریک نے یکدم شہرت پکڑی۔

حکیم نورالدین بھی مرزا قادیانی کی طرح عیاش طبع اور رنگین مزاج تھا۔ اس نے جنسی موج مستی کے علاوہ تین شادیاں کیں۔ خود اس کا اپنا بیان ہے:

''میری تین بیویاں ہوئیں جن میں دو آپس میں لڑتی بھی تھیں۔ میں نے اس بات کے معلوم کرنے کی کہ لڑائی کی بنیاد کیا ہے، بہت کوشش کی لیکن بعض باتوں کا مجھ کو آج تک بھی پتہ نہیں چلا۔ جب اپنے گھر کے متعلق اور اپنے متعلق واقعہ کی یہ حالت ہے تو دوسرے واقعات اور تاریخ پر کیا اعتماد ہوسکتا ہے۔'' (مرقاۃ الیقین فی حیوۃ نورالدین از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ص 137)

پھر لکھا:

''میں ایک مرتبہ ایک عیسائی عورت سے شادی کرنے لگا تھا لیکن بسرف پردہ کے مشکلات کے باعث باز رہا۔'' (حکیم نورالدین کا قول مندرجہ کتاب مرقاۃ الیقین فی حیوۃ نورالدین از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

اس کی پہلی شادی تیس سال کی عمر میں بھیرہ کی فاطمہ نامی ایک خاتون سے ہوئی۔ نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے حق مہر پر جھگڑا بھی ہوا مگر لڑکی کے والد کی مداخلت سے معاملہ ٹھپ گیا۔ اس واقعہ سے حکیم نورالدین کے مزاج پر گہرا اثر پڑا۔ میاں بیوی کے درمیان ایک عرصہ ناچاقی رہی۔ بعد ازاں اس نے لدھیانہ کی ایک خاتون سے دھوکے سے شادی کی۔ اس شادی کا حال جناب ابوالقاسم محمد رفیق دلاوریؒ کی زبانی سنیے:

''حکیم نورالدین صاحب بھی حسن و ملاحت کے کچھ کم قدردان نہ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے مرید یا دوست مشفق مرزا صاحب بڑھاپے میں نئی دلہن بیاہ لائے اور ارمان بھرے دل کی آرزوئیں پوری ہوئیں تو ان کی آتش شوق بھی بھڑک اٹھی اور دل میں جنون انگیز جذبات ہجوم کرنے لگے کہ کسی نوخیز مہوش کو حبالۂ نکاح میں لائیں۔

مرا عمر از برائے وصل یار نازنین باید
گر آن دولت نہ باشد زندگی دیگر چہ کار آید

اس وقت حکیم صاحب اپنی عمر کی قریباً ساٹھ منزلیں طے کر چکے تھے۔ مرزا قادیانی کی طرح ان کی بھی پہلی بیوی موجود تھی اور ان کی طرح صاحب اولاد بھی تھے۔ لیکن فرق یہ تھا کہ مرزا قادیانی نے اپنی پہلی بیوی محترمہ حرمت بی بی کو کئی سال سے معلقہ کر رکھا تھا اور وہ جرم ناآشنا تادم واپسیں اپنے بھائی کے گھر میں اُجڑی بیٹھی رہیں لیکن حکیم صاحب اپنی رفیقۂ حیات سے نہایت شریفانہ سلوک کرتے تھے۔ دوسرا فرق

یہ تھا کہ مرزا قادیانی نے اپنی پہلی اولاد سے قطع تعلق کر رکھا تھا لیکن حکیم صاحب اپنی اولاد کے حق میں شفقت پدری اور حسن سلوک کے تمام لوازم انجام دیتے تھے۔ معاشرت کا یہ فرق شاید اس علت پر مبنی تھا کہ حکیم صاحب کسی آسمانی منصب پر فائز نہیں تھے۔ اگر مرزا قادیانی کی طرح وہ بھی مجدد زمان اور مسیح دوران ہوتے تو ان کا بھی اہل و عیال کے ساتھ شاید وہی برتاؤ ہوتا جو قادیاں کے مجدد اعظم کا طغرائے امتیاز تھا۔ بہر حال جب بڑھاپے میں گلشن نوجوانی کی گل چینی کا شوق سر سرایا تو حکیم صاحب نے مرزا صاحب کو لکھا کہ کہیں میرے لیے بھی اپنے حلقہ مریدین میں کسی ''دُرِ ناسفتہ'' کا انتظام فرما دیجئے۔

لدھیانہ میں احمد جان نامی ایک شخص پیری مریدی کرتا تھا۔ بدنصیبی سے وہ شخص کسی طرح قادیاں کے دام تزویر میں پھنس گیا اور قبول مرزائیت کے تھوڑے ہی دن بعد دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس نے بارہ تیرہ سال کی ایک نہایت حسینہ لڑکی پیچھے چھوڑی تھی۔ مرزا قادیانی نے اپنے مرید خاص میر عباس علی لدھیانوی کو لکھا کہ ''حکیم نورالدین صاحب کے لیے اس لڑکی کی بات چیت کرو۔'' میر عباس علی نے لڑکی کی ماں اور بھائی سے گفتگو کی اور بہلا پھسلا کر ان کو راضی کر لیا۔ لیکن انہوں نے اس ازدواج کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ وہ حنفی ہوں۔ اگر وہابی ہوں گے تو ہمیں قطعاً منظور نہیں ہے۔ گو مرزائی ہو جانے کے بعد نہ کوئی شخص حنفی رہ سکتا ہے، نہ اہل حدیث لیکن چونکہ اس وقت تک مرزا صاحب اور ان کے پیروؤں کو بہت کم لوگ مرتد اور خارج از اسلام گمان کرتے تھے، اس لیے شاید بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگی کہ تقلید اور عدم تقلید ائمہ بھی مرزائیت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ ارتداد سے پہلے مرزا صاحب اور حکیم نورالدین صاحب دونوں ''اہل حدیث'' تھے۔ اور چونکہ اس وقت تک ان کے مذہبی رویہ میں اسلام کی کچھ نہ کچھ رمق باقی تھی اس لیے یہ خود بھی اب تک اہل حدیث ہی کہلاتے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی نے مرزا قادیانی کی نسبت لکھا کہ ''اہل حدیث جو قادیانی کو اہل حدیث سمجھ کر ان کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں، اس دعوائے تحریف کو ایمان و انصاف سے دیکھیں تو ان کو منکر صحت احادیث صحیحین جان لیں۔ (اشاعۃ السنہ، جلد 13، ص 229) اور لکھا کہ ''قادیانی صاحب اہل حدیث کہلا کر بعض احادیث صحیحین کی صحت سے انکاری ہوتے ہیں۔'' (ایضاً ص 334) میر عباس علی لدھیانوی نے مرزا صاحب کو اطلاع دی کہ لڑکی والے حنفیت کی شرط لگاتے ہیں۔ وہابی کو وہ لڑکی ہرگز نہ دیں گے۔

لیکن اہل حدیث کو حنفی ظاہر کر دینا قادیانی صاحب کے لیے کون سا مشکل کام تھا؟ انہوں نے حکیم صاحب کو لکھ بھیجا کہ وہ اپنے حنفی ہونے کا (منافقانہ) اظہار کر دیں۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب نے 23 جنوری 1888ء کو حکیم صاحب کے نام جو چٹھی لکھی وہ ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ''اس عاجز نے آن مخدوم کے نکاحِ ثانی کی تجویز کے لیے کئی جگہ خط روانہ کیے تھے۔ ایک جگہ سے جو جواب آیا ہے وہ کسی قدر حسب مراد معلوم ہوتا ہے یعنی میر عباس علی شاہ لدھیانوی کا خط جو روانۂ خدمت کرتا ہوں۔ اس میں ایک

شرط عجیب ہے کہ حنفی ہوں غیر مقلد نہ ہوں۔ چونکہ میر صاحب حنفی ہیں اور میرے مخلص دوست منشی احمد جان صاحب جن کی بابرکت لڑکی سے یہ تجویز درپیش ہے پکے حنفی تھے اور ان کے مرید جو اس علاقہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں، سب حنفی ہیں اس لیے حنفیت کی قید بھی لگا دی گئی۔ یوں حنیفا مسلما میں سب مسلمان داخل ہیں لیکن اس قید کا جواب بھی معقولیت سے دیا جائے تو بہتر ہے۔ منشی احمد جان مرحوم جب تک زندہ رہے خدمت کرتے رہے۔ دوسرے تیسرے مہینے کسی قدر روپے اپنے رزقِ خداداد سے مجھے بھیجتے رہے۔ چونکہ وہ عالی خیال اور صوفی تھے اس لیے ان میں تعصب نہیں تھا۔ میری نسبت وہ خوب جانتے تھے کہ یہ حنفی تقلید پر قائم نہیں ہیں اور نہ اسے پسند کرتے ہیں لیکن پھر بھی یہ خیال انہیں محبت اور اخلاص سے نہیں روکتا تھا۔ لڑکی کا بھائی صاحبزادہ افتخار احمد صاحب بھی نوجوان صالح ہے۔ اب دو باتیں تدبیر طلب ہیں۔ اول یہ کہ ان کی حنفیت کے سوال کا کیا جواب دیا جائے۔ دوسرے اگر رضامندی فریقین کی ہو جائے تو لڑکی کے ظاہری حلیہ سے بھی اطلاع ہو جانی چاہیے۔ مجھ سے میر عباس علی صاحب نے اپنے سوالات مستفسرہ خط کا بہت جلد جواب طلب کیا ہے۔ اس لیے مکلف ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو جلد تر جواب ارسال فرما دیں۔ ابھی میں نے تصریح سے آپ کا نام ان پر ظاہر نہیں کیا۔" (مکتوباتِ احمدیہ، جلد 5، نمبر 2، ص 53-54)

دوسرے خط میں لکھا کہ میں نے خاص صاحب اسرار اور واقف لوگوں سے اس لڑکی کی بہت تعریف سنی ہے۔ صاحبزادہ افتخار احمد صاحب اور ان کے تمام اعزہ متعلقین کے دل پر تقلید حنفی کا بڑا رعب طاری ہے اور مدت دراز کی عادت جو طبیعت ثانیہ کا حکم پیدا کر لیتی ہے اگر خدا تعالیٰ چاہے تو تدریجاً دور ہو سکتی ہے۔ یکبارگی تبدیلی گو قلب ماہیت میں داخل ہے۔ اس موقع میں تمام تر حکمت عملی حلم و رفق و درگزر و زیادت محبت و مؤدت و غائبانہ دعا میں ہے۔ میرے گھر کے لوگوں کے خیالات موحدین (اہل حدیث) کے ہیں۔ اول تو خیالات میں خشک موحدین کی طرح حد سے زیادہ غلو تھا۔ مگر اب میں نے کوشش کی ہے کہ اس ناجائز غلو کو کچھ گھٹا دیا جائے۔ چنانچہ میرے خیال میں وہ کسی قدر گھٹ بھی گیا ہے۔ میرے گھر کے لوگوں نے ذکر کیا تھا کہ انہوں نے (یعنی آپ کے گھر والوں نے) لدھیانہ میں کسی تقریب سے یہ ذکر کیا تھا کہ اب تک تو مولوی صاحب (حکیم نورالدین صاحب) کا حنفیوں کا طریق معلوم ہوتا ہے۔ مگر میں ڈرتی ہوں کہ کہیں وہابی نہ ہوں۔ اور اب تک تو میں نے وہابیوں کی بات ان میں کوئی دیکھی نہیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں مناسب نہ سمجھا کہ اپنی رائے ظاہر کریں۔ (یہاں سے مرزائی جامع اوراق نے کچھ عبارت حذف کر دی ہے۔ راقم) چونکہ عورتوں کی باتیں عورتوں کے دلوں پر بڑا اثر ڈالتی ہیں اس لیے آپ کے گھر کے لوگوں کی بشیر کی والدہ سے ملاقات منتج حسنات ہو سکتی ہے۔ (ایضاً ص 69) گو مکتوبات احمدیہ کے جامع نے مرزا قادیانی کے ان الفاظ کو جو ساری چٹھی کی جان تھے حذف کر کے ان کی جگہ نقطے دے دیئے ہیں لیکن یقین ہے کہ مجدد صاحب نے حکیم صاحب کو لکھا تھا کہ تم مصلحتہً اپنے تئیں حنفی ظاہر کرو۔ میرے اس خیال کی

تائید صاحبزادہ بشیر احمد صاحب ایم اے کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حافظ روشن علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کسی دینی ضرورت کے ماتحت حضرت مسیح موعود نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کو یہ لکھا کہ آپ یہ اعلان فرما دیں کہ میں حنفی المذہب ہوں حالانکہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب عقیدتاً اہل حدیث تھے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں ایک پوسٹ کارڈ ارسال کیا جس میں لکھا۔

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسمِ منزلہا

اور اس کے نیچے نورالدین حنفی کے الفاظ لکھ دیئے۔ (سیرۃ المہدی، جلد 2 ص 48) غرض غیر مقلد کو مقلد ظاہر کر کے افتخار احمد اور اس کی ماں کو راضی کر لیا گیا اور حکیم صاحب ان کی لڑکی کو بیاہ لائے۔ واقعی چودھویں صدی کی مجددیت کو یہی دیانت اور صداقت زیب دیتی تھی۔''

(رئیس قادیاں از مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری ص 269 تا 273)

حکیم نورالدین ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' کا مصداق تھا۔ اس کے نصرت جہاں بیگم سے ناجائز تعلقات تھے۔ اس نے اپنی اداؤں کے تیر، جسمانی خم اور ابھار کے کرشموں سے نورالدین کو خیرہ کر رکھا تھا۔ ایک دفعہ حکیم نورالدین نے جون 1912ء کو احمدیہ بلڈنگس لاہور میں اپنی تقریر میں کہا: میں ایک امر واقعہ کا اعلان کرتا ہوں کہ ''نصرت جہاں بیگم کے منہ سے بیسیوں مرتبہ میں نے سنا ہے کہ میں تو آپ کی لونڈی ہوں۔'' (سوانح فضل عمر از مرزا طاہر احمد ص 206)

حکیم نورالدین اس کے عشوہ و ادا کے جال میں ایسا پھنسا کہ بس اسی کا ہو کر رہ گیا۔ نصرت جہاں بیگم مرزا قادیانی کے انداز محبت سے مطمئن نہ تھی۔ کیونکہ مرزا قادیانی نامرد تھا۔ اس کا اعتراف اس نے حکیم نورالدین کے نام اپنے کئی ایک خطوط میں کیا۔ علاوہ ازیں وہ کئی بیماریوں میں مبتلا تھا۔ پھر عدالتی مقدمات، تحریر و تصنیف اور مناظروں میں اس قدر کھویا رہتا کہ کئی کئی ماہ گھر سے باہر رہتا۔ جبکہ نصرت جہاں بیگم عمدہ قد کی جوان پچھیری تھی جو چاہتی تھی کہ کوئی حبشی ہو اور اسے استعمال کرے۔ فتنہ روزگار اور خیر و شر کی جملہ اخلاقی اقدار سے بے نیاز نصرت جہاں بیگم نے اپنے کرتوتوں کی وہ جولانیاں دکھائیں کہ خود شیطنت دانتوں انگلیاں دے کر رہ گئی۔ نصرت پکے ہوئے آم کی طرح حکیم نورالدین کی جھولی میں گر گئی۔ اور پھر دونوں نے ایک عرصہ تک عیش و عشرت کا بازار گرم کیے رکھا۔ ایک بار کسی نے مرزا قادیانی کو اطلاع دی کہ آپ کی غیر موجودگی میں نصرت جہاں بیگم، حکیم نورالدین کے علاوہ بھی کئی اشخاص سے جنسی روابط بڑھانے میں کوشاں ہے تو مرزا قادیانی نے اس پر خاموشی اختیار کی۔

کتنے دلوں پہ لایا خرابی؟
اے نصرت! تیرا حسن شرابی

18 نومبر 1910ء کو حکیم نورالدین قادیان میں گھوڑے پر سوار تھا کہ اچانک گھوڑے کے بدک کر تیز ہو جانے سے وہ حواس باختہ ہوگیا۔ گھوڑے کی لگامیں کھینچنے کے باوجود وہ تیز دوڑ رہا تھا۔ ایک موڑ کے آگے ایک شخص مہرالدین آتشباز کے مکان کے قریب پہنچ کر اس کا پاؤں رکاب ہی میں لٹک گیا اور کئی فرلانگ تک گھسٹتا ہی چلا گیا۔ لوگوں نے دیکھا تو ایک شور مچ گیا۔ چند ایک نے ہمت کی اور بھاگ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ گھوڑا انہیں دھکیل کر کافی دور لے گیا۔ اسی اثناء میں حکیم نورالدین کا پاؤں رکاب سے نکل گیا۔ وہ ایک بڑے پتھر پر گرا اور ماتھے پر سخت چوٹ آئی، اور بائیں ٹانگ ٹوٹ گئی۔ سر سے بے حد خون نکل رہا تھا جو سر پر پانی ڈالنے کے باوجود بند نہ ہوا۔ شیخ رحمت اللہ قادیانی کی بیوی نے اپنے دوپٹے سے خون صاف کیا۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو اس کا شاگرد حکیم غلام محمد امرتسری اس کی چارپائی اٹھا کر اس کے مکان میں لے آیا۔ قادیانی ڈاکٹروں (ڈاکٹر محمد حسین شاہ، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، ڈاکٹر کرم الٰہی، ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین وغیرہ) نے علاج معالجہ کیا تو پتہ چلا کہ جسم کے کئی حصوں پر گہرے زخم آئے ہیں۔ وہ تقریباً تین سال تک بستر علالت پر پڑا رہا۔ ٹانگ کا زخم ٹھیک نہ ہوا اور بگڑ کر گنگرین میں تبدیل ہوگیا۔ اس کے علاوہ اس کی دماغی قوتیں شدت سے متاثر ہوئیں اور ذہنی توازن بری طرح بگڑنے لگا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے خلاء میں تکتا رہتا۔ ایک عرصے تک اس سے خلاف عقل اور توہم پرستانہ حرکات سرزد ہوتی رہیں۔ ایک دن یکایک قوت گویائی کھو بیٹھا۔ لہٰذا فوری طور پر میڈیکل کالج لاہور کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر میجر ہرڈ (Herd) کو علاج کے لیے بلایا گیا۔ وہ 19 جنوری 1911ء کو دوپہر کے وقت قادیان پہنچا اور حکیم نورالدین کا علاج شروع کیا۔ ڈاکٹر ہرڈ کے علاج سے کچھ افاقہ نہ ہوا۔ لیکن پھر درد شقیقہ شروع ہوگیا۔ جس سے وہ اکثر اختلال حواس کا شکار ہوگیا۔ ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ آخر ڈاکٹر میر اسماعیل نے کہا کہ ابرو کے زخم سے وجنہ کو نقصان پہنچا ہے اور وہ ریح بن گیا ہے۔ میر اسماعیل نے اس کا آپریشن کیا۔ آپریشن کا زخم ناسور بن گیا۔ ڈاکٹر مرہم پٹی کرتے ہوئے کراہت محسوس کرتے۔ پیشاب کی کثرت ہوگئی اور شدت کا ہزال ہوا۔ زخم کا ناسور تین سال تک رہا۔ اس دوران اسے ذیابیطس کی شکایت ہوگئی جو مرتے دم تک ساتھ رہی۔ حکیم نورالدین اپنی بیماریوں سے شدید تنگ آ کر زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ وہ جلد مرنا چاہتا تھا مگر قدرت اسے دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بنانا چاہتی تھی۔ نورالدین نے 16 ستمبر 1913ء کو حکیم فیروز الدین مؤلف رموز الاطباء لاہور کے نام اپنے ایک خط میں اپنی بے بسی اور کسمپرسی کا کھل کر اظہار کیا۔ ملک بھر کے ڈاکٹروں اور حکیموں کے طویل علاج کے باوجود وہ پوری طرح صحت یاب نہ ہو سکا۔ اس کے جسم پر کمزوری کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوگئے۔ قادیانی جماعت کے جلسہ سالانہ 26 دسمبر 1913ء پر ابھی تقریر شروع ہی کی تھی کہ سر چکرانے سے نیچے گر پڑا اور تقریر مکمل کیے بغیر واپس گھر آ گیا۔ 15 جنوری 1914ء کو رات گئے پیشاب کے لیے لیٹرین میں گیا تو سینے کے بل دھڑام سے گرا اور پسلی میں سخت چوٹیں

آئیں۔ یہ اس کی مرض الموت کا آغاز تھا۔ 17 جنوری کو اس کی طبیعت بے حد خراب ہونا شروع ہوگئی۔ شدید بخار اور سر درد رہتا۔ جو خوراک یا دوائی دی جاتی، قے کر دیتا۔ آہستہ آہستہ بیماری نے اس قدر زور پکڑ لیا کہ وہ بستر پر کروٹ نہ لے سکتا۔ اسی دوران دانتوں میں شدید درد شروع ہوگیا۔ 2 دانت نکلوانے سے مسوڑوں پر سوجن آ گئی۔ اس سے طبیعت مزید ناسازگار ہوگئی۔ فروری کے پہلے ہفتہ میں وہ وقفے وقفے سے بے ہوش ہو جاتا اور بول نہ سکتا۔ 15 فروری عبدالرحمٰن قادیانی لاہور سے ایک یورپین ڈاکٹر میلول کو لے کر پہنچا۔ اس نے معائنہ کیا اور بتایا کہ معدے میں رسولی ہے اور جب تک آپریشن نہ ہوگا، افاقہ نہ ہوگا۔ لیکن اس قدر ضعف اور کمزوری کی حالت میں اس کا آپریشن کرنا ممکن نہیں ہے۔ 18 فروری کو پسلی میں شدید درد ہوا۔ اس کی شدت اور تکلیف سے وہ دھاڑیں مار مار کر روتا۔ 19 فروری کو نصرت جہاں بیگم عیادت کے لیے آئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دیر تک روتی رہی۔ نورالدین کی آنکھیں بھی پرنم ہوگئیں۔ آنکھوں میں ماضی کے تمام حسین واقعات گھوم گئے۔ نصرت دیر تک نورالدین کے پاس رہی۔ نصرت سے نورالدین نے کہا کہ وہ شہر سے باہر کھلی فضا میں رہنا چاہتا ہے کیونکہ یہاں اس کا دم گھٹتا ہے۔ چنانچہ نصرت کی سفارش پر نورالدین کو نواب محمد علی خاں کی وسیع و عریض کوٹھی دارالسلام کے سرونٹ کوارٹر میں شفٹ کر دیا گیا۔ 27 فروری 1914ء کو جب اس کی چارپائی اٹھا کر لے جائی جا رہی تھی تو راستے میں بورڈنگ ہاؤس کے پاس ایک آدمی کا ہاتھ پھسل جانے سے چارپائی نیچے گری اور حکیم نورالدین کی پسلیوں کے زخم پھر ہرے ہوگئے۔ اس موقع پر مرزا شریف احمد نے چارپائی اٹھانے والوں کو خوب لعن طعن کی۔ مورخ تاریخ احمدیت دوست محمد شاہد کے بقول یہ سب کچھ ایک سازش کے تحت ہوا۔ دراصل مولوی صدرالدین اور مولوی محمد علی چاہتے تھے کہ حکیم نورالدین کو ہائی سکول کے بورڈنگ ہاؤس کی اوپر کی جنوبی منزل میں لے جایا جائے۔ اس تمام کوشش کا درپردہ منشاء یہ تھا کہ حکیم نورالدین کو ایسی جگہ رکھا جائے جہاں لوگ زیادہ نہ جا سکیں اور خاص پہرہ بھی تجویز کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ حکیم نورالدین کے مرنے کے بعد مولوی محمد علی کی خلافت کا اعلان کیا جاسکے۔'' لیکن مرزا محمود اور مرزا شریف نے اپنے حواریوں سمیت نورالدین کو نہایت تکلیف اور غمناک حالت میں نواب محمد علی خاں کی کوٹھی منتقل کر دیا۔ 2 مارچ کو حکیم نورالدین نے پسلیوں میں درد کی شکایت کی جس کا سلسلہ اگلے دنوں میں اور زیادہ تشویشناک صورت اختیار کر گیا۔ اس رات اس کی گردن پر ایک پھنسی نمودار ہوئی جو صبح تک مکمل پھوڑے کی شکل اختیار کر گئی۔ اس کی تکلیف سے نورالدین کی طبیعت مزید بگڑ گئی۔ ڈاکٹروں نے علاج معالجے کے لیے ازسرنو مشورے کیے۔ میر اسماعیل نے اس پھوڑے کا چھوٹا سا آپریشن کیا تاکہ پیپ خارج ہو جائے۔ زخم پر نشتر چلنے کی دیر تھی کہ نورالدین شدت درد سے بے تحاشا چیخیں مارنے لگا۔ نورالدین کا منہ اور گردن پیپ اور خون سے بھر گئے۔ اس منظر کو دیکھ کر ڈاکٹروں کے جسم پر بھی کپکپی طاری ہوگئی۔ 13 مارچ کی صبح طلوع ہوتے ہی نورالدین کی آنکھیں پتھرا گئیں اور نبض تیز تیز چلنے لگی۔

دو بجے دوپہر فالج کا شدید دورہ پڑا جس سے سارا جسم مفلوج ہوگیا۔ دو بج کر 20 منٹ پر نہایت عبرتناک اور اذیت ناک حالت میں جہنم واصل ہوا۔

مرزا محمود اپنے باپ کے پرانے مشیروں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ اس کی خلافت کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور حکیم نورالدین کے مرنے کے بعد یہ لوگ اس کی خلافت پر شب خون ماریں گے۔ لہٰذا مرزا محمود ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے دیرینہ اور مخلص ساتھیوں کو ''مشتبہ'' قرار دیا۔ انہیں گستاخ اور بے ضمیر اور نجانے کن کن القابات سے نوازا۔ وہ سندھ اپنی زمینوں پر شکار کے لیے جاتا تو سؤر اس کے شکار کے لیے استعمال کیے جاتے۔ یہ شکار میدانوں میں کھیلا جاتا۔ وہ ان جنگلی سوروں کو شکار کے دوران اپنے مخالفین کے نام دیا کرتا اور اس پر قہقہے لگاتا۔

جب نورالدین گھوڑے سے گر کر شدید زخمی ہوا تو مرزا محمود کو امید بندھی کہ اب اس بڈھے سے جان چھوٹے گی اور وہ خلافت پر قابض ہو جائے گا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ ابھی کچھ دیر ہے تو مایوس ہوگیا۔ بعد ازاں جب اس نے محسوس کیا کہ حکیم نورالدین اس کے مخالفین مولوی محمد علی لاہوری، ڈاکٹر مرزا محمد یعقوب، ڈاکٹر محمد حسین اور ڈاکٹر کمال الدین وغیرہ کے لیے نہایت نرم جذبات رکھتا ہے تو وہ آپے سے باہر ہوگیا۔ اس نے اپنے ایک خطبۂ جمعہ میں کہا کہ ''حضرت مسیح موعود نے خواب دیکھا تھا کہ ایک شخص گھوڑے سے گر پڑا۔ پھر حضرت مسیح موعود کو الہام ہوا ''استقامت میں فرق آ گیا'' (تذکرہ طبع دوم ص 479) سو ''مولوی نورالدین صاحب کی استقامت میں بھی فرق آ گیا ہے۔'' بعد ازاں مرزا محمود کے قریبی ساتھیوں نے برملا کہنا شروع کر دیا کہ ''حکیم نورالدین مرتد ہوگیا ہے۔'' پہلے یہ بات دبے لفظوں کہی جاتی تھی مگر بعد میں اس پر کھل کر اظہار ہونے لگا۔ روزنامہ الفضل نے حکیم نورالدین کی ذلت و رسوائی کی موت اور انجام کو ان الفاظ میں لکھا:

''کہاں مولوی نورالدین صاحب کا حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو نبی اللہ اور رسول اللہ اور اسمہٗ احمد کا مصداق یقین کرنا، اور کہاں وہ حالت کہ وصیت کے وقت مسیح موعود کی رسالت کا اشارہ تک نہ کرنا...... استقامت میں فرق آنا اور پھر بطور سزا کے گھوڑے سے گر کر بری طرح زخمی ہونا، آخر مرنے سے پہلے کئی دنوں تک بولنے سے بھی لاچار ہو جانا اور نہایت مفلسی میں مرنا اور آئندہ جہاد میں بھی کچھ سزا اٹھانا اور اس کے بعد اس کے فرزند عبدالحی کا عنفوانِ شباب میں مرنا اور اس کی بیوی کا تباہ کن طریق پر کسی اور جگہ نکاح کر لینا، یہ باتیں کچھ کم عبرت انگیز نہیں تھیں۔''

(''الفضل'' قادیان شمارہ نمبر 19 جلد نمبر 9 مورخہ 23 فروری 1922ء)

جناب مرزا محمد حسین اپنی کتاب میں مرزا محمود کی حکیم نورالدین کے ساتھ ذہنی اور قلبی عداوت کا

پردہ چاک کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چونکہ جماعت میں سربراہِ اوّل حکیم نورالدین کا احترام بہت تھا، اس سے خائف ہو کر اس نے لومڑی کے انداز اختیار کر لیے اور اپنے پیشرو کی جو اس کا خسر بھی تھا، مذمت کئی حیلوں سے کرتا۔ اس نے کہا: ''خلیفہ اوّل کے زمانے میں، میں لنگر خانے کا افسر تھا اور یہ بات بھی جانتا ہوں اور دوسرے سب لوگ بھی جانتے ہیں کہ خلیفہ اوّل کے گھر لنگر سے کھانا جایا کرتا تھا۔ مگر ہمارے گھر میں کبھی لنگر خانے کا کھانا نہیں آیا۔ (الفضل 31 اگست 1938ء) ''خدا تعالیٰ نے نوحؑ جیسے نبی کی پروانہیں کی۔ نہ معلوم یہ لوگ خلیفہ (حکیم نورالدین) کو کیا سمجھے بیٹھے ہیں۔'' (الفضل 2 اگست 1956ء) ''اس وقت بھی خلیفہ اوّل کے خاندان کے چند افراد پیغامیوں کے ساتھ مل کر خلافت کے مٹانے کے لیے کوشاں تھے۔'' (نوٹ: اس وقت سے مراد شاید وہ زمانہ ہے جب نورالدین کی اولاد کا ربوہ سے اخراج نہیں ہوا تھا)۔ (الفضل 28 اگست 1956ء) اور بہت سے ایسے فقرات ہیں جن سے اس نے حکیم صاحب کو نظروں سے گرانے کی کوشش کی اور کرتا رہا۔''
(فتنہ انکار ختم نبوت از مرزا محمد حسین ص 27)

حکیم نورالدین کی موت پر قادیانی جماعت دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک گروہ نے ''ریویو آف ریلیجنز'' کے ایڈیٹر محمد علی لاہوری کی جانشینی کی حمایت کی جبکہ دوسرے گروہ نے جو غالب اکثریت میں تھا، قادیانی جماعت کے بانی مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا محمود کو منتخب کرلیا۔ محمد علی لاہوری اپنے ساتھیوں سمیت لاہور آ گیا۔ جہاں اس نے ''انجمن اشاعت اسلام'' کے نام سے ایک مجلس اور کالج قائم کرلیا۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' بھی لاہور لے جایا گیا۔ مرزا محمود سے اختلاف اور خلافت نہ ملنے کے بعد ان لوگوں نے اپنے عقائد و نظریات میں واضح تبدیلی کرلی۔ یہ لوگ مرزا قادیانی کو پیغمبر کی بجائے ایک مذہبی مصلح، مہدی اور مسیح موعود مانتے ہیں۔

بقول جناب بشیر احمد:

''دونوں فرقوں کی باہمی مخالفت بسا اوقات ایک دوسرے کے عقائد پر تنقید کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ ان دونوں میں سے قادیانی گروہ زیادہ تلخ واقع ہوا ہے۔ 1919ء میں انہوں نے لاہوری گروہ پر براہ راست حملہ کیا اور اعلان کیا کہ اس کے قائدین اسلامی قانون کے مطابق واجب القتل ہیں۔ لاہور انجمن کے صدر محمد علی نے اس حملہ کے جواب میں قادیانیوں پر غلط افواہیں پھیلانے کا الزام لگاتے ہوئے تفصیلی جواب دیا۔ یہاں پر معاملہ کچھ مشکوک لگتا ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے تحت معاند ہیں لیکن اب تک ان کے تنازعات عدالت کے بیرون ہی طے ہو جاتے ہیں۔'' (تحریک احمدیت از بشیر احمد ص 7)

معروف سکالر جناب م ب خالد اپنے ایک مضمون ''قادیانی خلافت کی گدی اور حکیم نورالدین کا خاندان'' میں لکھتے ہیں:

''بشیر الدین محمود باپ کی وفات پر بڑی آس لگائے بیٹھے تھے مگر حالات کا رخ دیکھ کر بادل نخواستہ حکیم صاحب کی قیادت تسلیم کر لی۔ لیکن یہ اوائل عمر سے ہی بڑا جاہ طلب اور سازشی دماغ کا مالک تھا۔ حکیم نورالدین جب قادیانی گدی کے پہلے خلیفہ بنے تو وہ کافی ضعیف العمر ہو چکے تھے۔ خلافت کے تیسرے سال وہ گھوڑے سے گر گئے۔ اس کے بعد صحت اور بھی بگڑ گئی۔ بشیر الدین محمود نے سوچا کہ بڈھا زیادہ دن نہ جئے گا۔ اس نے سوچا کہ باپ کی وفات پر تو چوک ہوگئی اب ایسی پلاننگ ہو کہ حکیم صاحب کی وفات پر کوئی دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔ چنانچہ اپنے لیے گدی نشینی پکی کرنے کے لیے نوجوان قادیانیوں کی ایک تنظیم اپنی سربراہی میں بنائی جس کا نام ''انصار اللہ'' رکھا اور ایک اخبار ''الفضل'' اور ایک رسالہ تشحیذ الاذہان کے نام سے نکالنا شروع کیا۔ یہ تنظیم اور رسالے مرزا کے پرانے ساتھیوں کے خلاف کیچڑ اچھالتے تھے۔ یعنی ان ساتھیوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا جن سے یہ خطرہ ہوسکتا تھا کہ وہ حکیم صاحب کے بعد خلیفہ منتخب ہوسکتے ہیں۔

حکیم صاحب کی بعض باتیں بھی مرزا بشیر الدین محمود کو اچھی نہ لگتی تھیں۔ حکیم صاحب پر تو وہ کوئی الزام تراشی نہ کرسکتا تھا مگر مرزا کے پرانے ساتھیوں خاص کر محمد علی لاہوری، خواجہ کمال الدین، سید محمد حسین شاہ اور دیگر ایسے پرانے ساتھی، جن سے گدی نشینی کا خطرہ تھا، ان کے خلاف دن رات پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ یہ لوگ مرزا غلام احمد کا مقام اور مرتبہ گھٹا کر بیان کرتے ہیں۔ اس لیے یہ سچے قادیانی نہیں۔ حکیم صاحب کے دور میں مسلمانوں کو تو سکون ملا لیکن خود ان کی اور ان کے ساتھیوں کے لیے ان کے پیر و مرشد کے اہل خاندان کے ہاتھوں نیند حرام رہی۔ حکیم صاحب اپنی خرابی صحت کی بنا پر حالات کو کنٹرول نہ کرسکے اور مرزا بشیر الدین محمود کو راہ راست پر لانے کی حسرت لیے آنجہانی ہوگئے۔

حکیم صاحب کی رحلت کے وقت مرزا محمود نے فوراً اپنی تنظیم کے کارکنوں کے ذریعے اپنے ہم خیال قادیانیوں کو قادیان میں جمع کرلیا اور منصوبہ کے مطابق ان سب نے مل کر نعرہ لگانا شروع کر دیا کہ مرزا محمود ہی خلیفہ ہوں گے۔ اس وقت مرزا صاحب کے پرانے ساتھیوں نے کھڑے ہو کر مرزا محمود کے خلاف بولنا چاہا مگر ان کے بندے پہلے سے تیار تھے۔ سب نے ان کی بات سننے سے انکار کر دیا اور ''مرزا محمود کو تخت خلافت مبارک ہو'' کے نعرے لگانے شروع کر دیئے اور مرزا محمود نے بلا توقف کھڑے ہو کر اپنے ''خلیفہ دوم منتخب ہونے کا اعلان کر دیا'' اور اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ فوراً قادیان سے باہر کے قادیانیوں کو بذریعہ پوسٹ اپنے خلیفہ ہونے کے اشتہار (جو پہلے ہی طبع کرا لیے گئے تھے) بھجوا دیئے۔ خلیفہ بننے کے فوراً بعد مرزا محمود نے اپنے والد کے تمام پرانے ساتھیوں اور قادیانی اکابرین جن سے اس کی خلافت کو خدشہ ہوسکتا تھا، کو قادیانی تنظیم سے خارج کر دیا۔ ان میں سرکردہ پرانی مقبول شخصیت مولوی محمد علی تھے جن کو بہت تنگ کر کے قادیان سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا۔ مرزا صاحب کے پرانے ساتھیوں مولانا محمد احسن امروہی،

خواجہ کمال الدین، ڈاکٹر محمد حسین شاہ اور دیگر معروف ساتھیوں نے مولانا محمد علی کی امارت میں اپنا مرکز لاہور بنالیا جن کے پیروکار لاہوری احمدی کہلانے لگے۔ خلیفہ بننے کے وقت مرزا محمود کی عمر صرف 25 سال تھی اور اس نے اس نوجوانی میں اپنی خلافت سے سب رکاوٹیں اپنی اعلیٰ تخریبی منصوبہ بندی کی بدولت دور کر کے شاندار کامیابی حاصل کی اور اپنے باپ کے چہیتے ہوئے اور منجھے ہوئے پرانے ساتھیوں پر برتری حاصل کی۔

اس کامیابی کے بعد بھی مرزا محمود کو ہمیشہ دھڑکا ہی رہا کہ کوئی اور قادیانی اتنا مقبول نہ ہو جائے کہ خلافت اس کے خاندان سے چھن جائے، کیونکہ یہ ایک سونے کا انڈا دینے والی مرغی ہے۔ چندوں، نذرانوں کی بھرمار، مریدوں اور مریدنیوں کی عقیدت اور خدمات کے مزے۔ مرزا محمود نے خود لکھا ہے کہ جب وہ خلیفہ بنے تو خلافت میں صرف چند آنے تھے اور خود مرزا محمود کی ملکیت میں پرانا ویران سا آموں کے درختوں پر مشتمل ایک باغ تھا۔ خود میٹرک فیل تھے۔ کوئی ملازمت بھی نہ مل سکتی تھی مگر سازشی اور تخریبی ذہنیت پائی تھی۔ اس مفلس شخص کی وفات کے وقت اس کے پاکستان کے ہر شہر میں بنگلے، جائدادیں اور سندھ کے کئی قصبات پر مشتمل بے حساب زمینیں اور کئی بینکوں میں اکاؤنٹ موجود تھے۔ مرزا محمود اور ان کے باپ کا خاندان حکیم نورالدین کی خلافت کے دوران اپنا چھ سالہ کسمپرسی کا دور نہیں بھولا، اس لیے انہوں نے آئندہ کے لیے خاندانِ مرزا سے باہر خلافت جانے کے تمام راستے مسدود کر دیئے۔

ایک دفعہ مرزا محمود کے بھائی بشیر احمد نے اپنے والد کی ایک خواب شائع کرائی جس میں مرزا صاحب خربوزے کی پھانکیں مریدوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ ایک پھانک (شاید غلطی سے) انہوں نے باہر کے کسی مرید کو دی۔ باقی سب پھانکیں خاندان میں تقسیم کیں۔ اس کی تعبیر ''الفضل'' میں یہ شائع کی گئی کہ صرف ایک خلیفہ (حکیم نورالدین) باہر سے بنا تھا اور خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی خلیفہ خاندانِ مرزا کے سوا ہو ہی نہیں سکتا۔ ان خوابوں اور ہر طرح کی پیش بندیوں کے بعد بھی دھڑکا ہی رہتا تھا کہ کوئی دوسرا قادیانی خلافت کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ (شاید خربوزے کی پھانکوں والے خواب پر بھروسہ نہ تھا) اس سلسلے میں حکیم نورالدین کے خاندان سے مرزا محمود کو بہت خدشہ رہتا تھا، کیونکہ عام قادیانیوں کے دلوں میں مرزا صاحب کی طرح ہی حکیم نورالدین اور ان کے خاندان کا احترام موجود تھا، اور جو مرید قادیانی خلیفہ سے ملنے آتے، وہ حکیم نورالدین کے اہل خاندان سے بھی ضرور ملاقات کرنے جاتے۔ مرزا محمود اور اس کی والدہ اور اہل خاندان کو یہ بات بھی کھلتی تھی اور ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ حکیم نورالدین کی اولاد بھی لائق فائق تھی۔ اور مرزا محمود کی طرح میٹرک فیل نہ تھی۔ سب سے بڑے لڑکے میاں عبدالحیٰ تھے۔ مرزا محمود نے ان سے دوستی گانٹھی۔ خلافت کے دو تین سال بعد اچانک میاں عبدالحیٰ کی موت کی خبر پھیلی۔ معلوم یہ ہوا کہ زہر خورانی سے موت واقع ہوئی ہے۔

میاں عبدالحیٰ قادیانی جماعت میں بڑے مقبول تھے۔ ان کی موت سے مرزا محمود کو آئندہ

خلافت کے لیے ایک بڑے خطرے سے نجات ملی۔ حکیم نورالدین کے دوسرے لڑکے میاں عبدالسلام تھے جو بہت بڑے زمیندار تھے اور تیسرے میاں عبدالوہاب عمر تھے جو اپنے والد کی طرح لائق طبیب تھے۔ یہ دونوں قادیانی تنظیم کے امور میں دلچسپی نہ لیتے تھے۔ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ اس لیے ان سے مرزا محمود کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا لیکن ان کے خلاف پروپیگنڈہ جاری رہتا تھا، تاکہ یہ بددل ہو کر قادیانی افراد کی نظروں سے دور رہیں۔ حکیم نورالدین کا چھوٹا لڑکا میاں عبدالمنان عمر تھا جو کہ مرزا محمود کے بیٹے مرزا ناصر کا ہم عمر تھا۔ مرزا ناصر بعد میں قادیانیوں کے تیسرے سربراہ بنے۔ عبدالمنان بڑا ہو کر بہت لائق نکلا۔ ایم۔ اے کے علاوہ عربی فاضل بھی تھے، پھر پی ایچ ڈی بھی کی۔ تقریر بھی بڑی اچھی کرتے تھے۔ جبکہ مرزا ناصر تقریر کر ہی نہیں سکتے تھے۔ پھر بھی عبدالمنان سے مقابلہ کے لیے ان کی تقریر قادیانیوں کے جلسہ سالانہ پر ضرور رکھی جاتی تھی مگر مرزا ناصر کی تقریر اس قدر بور ہوتی تھی کہ قادیانی جلسہ کے میدان سے اپنی چادریں اٹھا اٹھا کر جھاڑنا شروع کر دیتے تھے اور باہر نکلنے لگ جاتے تھے۔ سارا میدان گرد سے بھر جاتا۔ سٹیج سے اپیل ہوتی مگر کوئی نہ رُکتا۔

اسی طرح قادیانیوں کی تنظیم خدام الاحمدیہ کے صدر کے سالانہ انتخاب میں ہر سال عبدالمنان عمر کا نام پیش ہونے لگا۔ پہلے تو منان کی تھوڑی بہت اکثریت ہوتی جسے ہیرا پھیری سے کمی میں بدل کر مرزا ناصر کے صدر ہونے کا اعلان کر دیا جاتا۔ یہ صورت حال بڑھاپے میں مرزا محمود کے لیے پھر پریشانی کا باعث بنی۔ وہ ہر قیمت پر اپنے بیٹے ناصر احمد کو آئندہ خلیفہ بنانا چاہتے تھے مگر اب پھر حکیم نورالدین کا خاندان انہیں اپنے لیے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ حکیم نورالدین کی بیگم صاحبہ اور ان کے بڑے صاحبزادے میاں عبدالسلام صاحب زندہ تھے۔ قادیانی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ ان کی زندگی میں ان کے کسی اہل خاندان کے خلاف کوئی قدم اٹھانا مرزا محمود کے لیے بہت مشکل اور خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ موقع کی تلاش میں رہے۔ آخر حکیم نورالدین کی بیگم صاحبہ اور چند سال بعد میاں عبدالسلام بھی انتقال کر گئے۔ چنانچہ 57ء کے بعد میاں عبدالوہاب عمر اور میاں عبدالمنان عمر صحیح معنوں میں یتیم ہو گئے اور مرزا محمود کے سازشی شکنجے میں آ گئے۔ پہلے تو میاں عبدالوہاب کے خلاف اخبار الفضل میں اپنے حواریوں سے باقاعدہ اس قسم کے مضمون لکھوانا شروع کیے کہ وہ جماعتی کاموں میں حصہ نہیں لیتا۔ قادیانیت سے لاتعلق ہو رہا ہے۔ مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتا ہے۔ اس کا ایمان کمزور ہے۔ انہی دنوں قادیانی تنظیم خدام الاحمدیہ کے صدر کا انتخاب ہوا تو عبدالمنان عمر زبردست اکثریت سے جیت گئے۔ لیکن خلیفہ محمود کی چالبازی دیکھیے کہ اعلان کر دیا کہ آئندہ سے خدام الاحمدیہ کا صدر خلیفہ خود ہو گا۔ چنانچہ میاں عبدالمنان کے ساتھ پھر زیادتی کی اور خود صدر بن جانے کے بعد نائب صدر مرزا ناصر احمد کو بنا دیا۔ صدارت بھی بیٹے کے ہاتھ سے نہ جانے دی اور عبدالمنان عمر کو مات بھی دے دی۔ انہی دنوں عبدالمنان کو امریکہ سے ایک

یونیورسٹی نے لیکچر دینے کے لیے بلایا۔ عبدالمنان کو وہاں گولڈ میڈل، انعامی شیلڈ اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں بھی ملیں۔ ان اعزازات نے خاندانِ مرزا کے لیے جلتی پر تیل کا کام کیا اور مرزا محمود کی نیند حرام ہوگئی اور غیظ وغضب میں اس نے آخری وار کیا یعنی منان صاحب کی غیر حاضری میں عبدالوہاب اور ان کے خلاف اخبار الفضل میں مہم چلائی کہ یہ لوگ خلیفہ کے خلاف ہیں اور اپنی خلافت کے لیے کوشاں ہیں۔

عبدالوہاب بیچارے سیدھے سے آدمی تھے۔ نہ ان کا کوئی اخبار تھا جو ان کی طرف سے کوئی وضاحت شائع کرتا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ شاید خلیفہ صاحب کو کوئی غلط فہمی ہوگئی، عقیدت سے ایک خط لکھا جس میں ان کی زیادتیوں کے پیش نظر لکھ دیا کہ ''آپ سے ہمیں بہت میٹھی قاشیں کھانے کو ملی ہیں۔ اب کے ایک کڑوی بھی سہی۔'' مرزا محمود نے تو اس خط سے آسمان سر پر اٹھالیا کہ ''دیکھو کہتے ہیں کہ اللہ کا خلیفہ کڑوی قاشیں کھانے کو دیتا ہے۔ حد ہوگئی ان کی بے ایمانی کی'' ساتھ ہی چیلوں چانٹوں نے ''الفضل'' میں خلیفہ کی سُر میں سُر ملائی اور تان اس پر ٹوٹی کہ حکیم نورالدین کے خاندان پر طرح طرح کے من گھڑت الزامات لگا کر میاں عبدالوہاب عمر اور عبدالمنان عمر اور سب اہل خاندان کو خارج از قادیانیت قرار دے دیا اور ان سے تعلق رکھنا منع ہوگیا۔ بائیکاٹ ہوگیا۔

عامۃ المسلمین کے لیے تو یہ حالات دلچسپی کا باعث ہوئے ہوں گے۔ لیکن قادیانی حضرات کے لیے یہ حالات خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔ کیا خدائی سلسلے اور خلیفے ایسے ہوتے ہیں؟ ان کے طور طریق اور لچھن ایسے ہی ہوتے ہیں؟ کیا ایسی تخریبی کارروائیاں چند روزہ زندگی اور عارضی گدی کے لیے کسی کو زیب دیتی ہیں؟''

مرزا محمود نے اپنی خلافت کی راہ پکی کرنے کے لیے حکیم نورالدین کی بیٹی امۃ الحیٔ سے شادی کی۔ امۃ الحیٔ یکم اگست 1901ء کو پیدا ہوئی اور ابھی وہ 13 سال کی تھی کہ مرزا محمود نے اس سے 31 مئی 1914ء کو شادی کرلی۔ مرزا محمود نے اس شادی کے بارے میں کہا کہ ''یہ شادی منشائے الٰہی ہے۔'' امۃ الحیٔ 10 دسمبر 1924ء کو اچانک طبیعت خراب ہونے پر خون آلود قے کرتے ہوئے انتقال کرگئی۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کا کہنا تھا کہ مرزا محمود نے پہلے صاحبزادہ عبدالحیٔ کو زہر دے کر پُراسرار طریقے سے مروایا اور اب امۃ الحیٔ کو زہر دے کر مار دیا ہے۔ حال ہی میں امۃ الحیٔ کے چھوٹے بھائی میاں عبدالمنان کا ایک انٹرویو انٹرنیٹ کی مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر جاری ہوا۔

www.ahmedi.org

معلومات اور انکشافات سے بھرپور یہ انٹرویو آج بھی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ اپنے انٹرویو میں میاں عبدالمنان نے بتایا کہ امۃ الحیٔ کو مرزا محمود نے زہر دے کر مارا۔ انہوں نے کہا کہ امۃ الحیٔ کے اپنے کہے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار جو میں نے خود اُس سے سنے اور اپنی آنکھوں سے اس کے اپنے ہاتھوں

سے لکھی ہوئی ڈائری میں پڑھے، یہ اشعار مرزا محمود کے سنگدلانہ برتاؤ اور ظالمانہ رویے کی عکاسی کرتے ہیں۔

جی چاہتا ہے بیٹھ کے رویا کریں کہیں
عصیاں کے داغ، اشکوں سے دھویا کریں کہیں
دن بھر تو آپ محفل "اغیار" میں رہیں
میری بلا سے شب کو بھی سویا کریں کہیں

اس طرح مرزا محمود کی ایک دوسری بیوی سارہ بیگم جو اُس کی کرتوتوں سے بے حد نالاں تھی، اس کے بارے میں مرزا محمود نے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔

جس کی حیات اک ورق سوز و ساز تھی
جیتی تھی جو غذائے تمنائے یار پر
تھی ماحصل حیات کا اک سعی ناتمام
کاٹی گئی غریب حوادث کی دھار پر
ڈرتا ہوں وہ مجھے نہ کہے با زبان حال
جاؤں کبھی دعا کو جو اس کے مزار پر
جب مر گئے تو آئے ہمارے مزار پر
پتھر پڑیں صنم تیرے ایسے پیار پر

(کلام محمود ص149)

میاں عبدالمنان نے اپنے اس انٹرویو میں کہا کہ "چوہدری عبدالمجید کے سامنے مولوی صدرالدین امیر جماعت احمدیہ نے کہا تھا کہ خود حکیم نورالدین نے بیان دیا کہ مرزا محمود مجھے زندہ بھی نہیں رہنے دینا چاہتا۔"

مزید انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ "میرا بھتیجا عبدالباسط (عبدالسلام کا بیٹا) فیصل آباد کے ایک زرعی کالج میں پڑھتا تھا۔ وہ ذہنی اور جسمانی لحاظ سے بالکل صحت مند تھا، مالی لحاظ سے اسے کوئی پریشانی نہ تھی۔ اس کا مستقبل نہایت روشن تھا۔ تعلیمی لحاظ سے بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ وہ ہوسٹل میں رہتا تھا۔ ہوسٹل کے ذمہ دار افسران یا طلبا نے اس کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی۔ کبھی اس کا کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں ہوا۔ اپنی اچانک موت کے وقت وہ مسجد احمدیہ میں تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق عبدالباسط کو زہر دیا گیا تھا۔ ہم نے اس کی اچانک موت کی تحقیق شروع کر دی تو مختلف حلقوں سے یہ بات معلوم ہونے لگی کہ مرزا محمود نے عبدالباسط کو زہر دلوا کر مروایا ہے۔ بعد ازاں یہ بات ثابت بھی ہوگئی۔"

میاں عبدالمنان اپنے بارے میں انکشاف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ربوہ کے زمانہ میں جبکہ مرزا محمود احمد صاحب اپنے علاج کے لیے یورپ گئے ہوئے تھے، تو اُن کی واپسی کے سلسلہ میں ان کے استقبال کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ میں بھی اس کا ایک ممبر بنایا گیا۔ ایک دن مجھے اطلاع دی گئی کہ فلاں دن فلاں وقت اس سب کمیٹی کا اجلاس ہوگا۔ آپ بھی اس میں شرکت کریں۔ اجلاس مرزا ناصر احمد صاحب کی کوٹھی پر ان کی زیر صدارت ہوگا۔ جو شخص یہ نوٹس لایا تھا، میں نے اسے کہہ دیا کہ اطلاع کر دیں کہ میں اس اجلاس میں شریک نہیں ہوسکوں گا۔ اجلاس کر لیں۔ جب اجلاس شروع ہوا تو پھر وہی شخص دوبارہ میرے پاس آیا کہ اجلاس شروع ہو رہا ہے اور آپ کو بلا رہے ہیں۔ اس پر میں نے پھر وہی جواب دیا۔ اس کے بعد اس کمیٹی کے ایک اور ممبر ماسٹر محمد عبداللہ صاحب سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ سنٹرل ماڈل ہائی سکول میرے پاس تشریف لائے کہ اجلاس شروع ہو رہا ہے، آپ بھی چلیں۔ میں نے انہیں بھی وہی جواب دیا لیکن ان کے اصرار پر میں نے عرض کیا کہ جماعتی کاموں کے لیے جو اجلاس ہوتے ہیں وہ مساجد یا انجمن کے دفاتر میں ہونے چاہئیں۔ پرائیویٹ گھروں میں یہ اجلاس نہیں ہونے چاہئیں۔ انہوں نے میری گزارش کی تائید کی اور تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد پھر تشریف لائے کہ میاں ناصر صاحب فرماتے ہیں کہ اب تو ممبروں کو اطلاع ہو چکی ہے اور سب جمع ہیں اس لیے اس اجلاس میں تو آپ آ جائیں۔ آئندہ اجلاس گھروں میں نہیں ہوں گے۔ تاہم ان کے اصرار پر میں اجلاس میں چلا گیا۔ تاہم اس وقت اجلاس کا ایجنڈا تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ میں نے عرض کی کہ میری تجویز یہ ہے کہ یہ حضرت صاحب کے استقبال کا مسئلہ ہے، وہ بھی ضروری ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری ان کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔ اگر حفاظتی انتظامات کی تفصیل مجلسوں میں پیش ہو تو یہ بات غلط ہوگی۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ یہ تفصیلات کمیٹی کے صدر کے سپرد کر دی جائیں۔ سب نے اس تجویز کو پسند کیا۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سابق ہیڈ ماسٹر محمد دین صاحب بھی اس سب کمیٹی کے رکن تھے۔ انہوں نے بہت زور سے اس تجویز کی تائید کی، اور یہ منظور ہوگئی۔ اس وقت مرزا ناصر احمد اپنے گھر کے اندرونی حصہ میں گئے ہوئے تھے۔ وہ برف میں لگا ہوا سرخ شربت کا ایک گلاس لے کر تشریف لائے اور کہا شربت تو پئیں۔ میں نے عرض کی کہ ابھی گھر سے پانی پی کر ہی نکلا تھا، اب اجازت دیں۔ دراصل اجلاس تو ختم ہی ہو چکا تھا۔ لیکن ان کے بیحد اصرار پر میں نے ایک گھونٹ پی لیا اور رخصت ہوگیا۔ جیسے ہی میں گھر پہنچا مجھے خون کی قے آئی۔ کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ ڈاکٹر احمد ریاض جو گاہے بگاہے ہمارے ہاں آیا کرتے تھے، اسی وقت ان کے سامنے دوسری خون کی قے آئی جسے دیکھتے ہی وہ چلا اٹھے۔ ہائے میاں صاحب آپ کو کسی نے زہر دے دیا۔ اور جلدی سے اپنے گھر کی طرف تیزی سے جانے لگے کہ میں ٹیوب لا کر آپ کے معدہ کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں نے انہیں روکا کہ ہوسکتا ہے اس طرح چوسنے سے کچھ پانی آپ کے اندر بھی چلا جائے۔ کہنے لگے آپ کے بعد ہم نے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ٹیوب لے کر

واپس پہنچے۔ میرے معدہ کو دھویا اور بروقت طبی امداد پہنچ جانے کی وجہ سے میں بچ گیا۔ بعد میں ان سے باتیں ہونے لگیں کہ آپ کو یہ زہر کس نے دیا؟ صبح سے لے کر اس وقت تک وہ میرے کاموں اور پروگرام کی تفصیل پوچھتے رہے۔ جب آخر میں پہنچے کہ میں سب کمیٹی کے اجلاس سے آرہا ہوں، اور وہاں میں نے چلتے چلتے شربت کا ایک گھونٹ پیا تھا۔ تو فوراً بولے بس اسی شربت میں زہر ملا ہوا تھا۔''

میاں عبدالمنان قادیانی خلیفہ مرزا محمود کی جنسی سرگرمیوں کے بارے میں انکشاف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اس زمانہ کے کسی ایک شخص کی جگ ہنسائی اور بدنامی اس سے بڑھ کر نہیں ہوئی جتنی مرزا محمود احمد صاحب کی بدنامی اس وقت تک ہو چکی ہے، یا ہو رہی ہے۔ زمیندار، چٹان وغیرہ کو تو جانے دیجئے خود مرزا محمود کی بیعت کرنے والوں نے اس کی مٹی پلید کی ہے۔ صرف وہی دیکھ لیجئے۔ شیخ غلام احمد صاحب احمدی واعظ، میاں محمد زاہد مباہلہ والے، شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری، عبدالرب صاحب برہم، محمد صادق شبنم پشاوری، ڈاکٹر عبداللطیف صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ (مرزا محمود صاحب کی سالی۔ ناقل) حقیقت پسند پارٹی اور اب آپ کے بیان کردہ واقعات کو دیکھ لیجئے۔ ان لوگوں کا پھیلایا ہوا مدلل لٹریچر تو کتابوں، رسالوں اور اخبارات کی زینت بن ہی چکا ہے۔ ڈاکٹر عبداللطیف اور ان کی بیگم کے مبنی برحقیقت اشاعتی بیانات کا ذکر کرتا ہوں۔ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے مرزا محمود احمد صاحب کی بیعت کی ہوئی تھی۔ ان کی بیگم صاحبہ امینہ بیگم مرزا محمود کی اپنی سالی اور ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب صحابی حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی صاحب زادی تھیں۔ یہ دونوں میاں بیوی سلسلہ احمدیت کے نہایت مخلص ممبر تھے۔ انہوں نے مرزا محمود کی بیعت کی ہوئی تھی۔ جب مرزا محمود نے مصلح موعود کا دعویٰ اور پروگرام بنایا کہ پورے ہندوستان میں جلسے کر کے اپنے اس دعویٰ کی تشہیر کی جائے، تو ایک جلسہ دہلی میں بھی کیا گیا، جس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ اس جلسہ کا پورا اہتمام اور تقریباً تمام کا تمام خرچہ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے برداشت کیا۔ انہی مخلص ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کو تقسیم ملک کے معاً بعد میں نے دیکھا کہ زمین پر ایک بوری پر بیٹھے ہوئے رتن باغ لاہور کی کوٹھی میں مرزا محمود احمد صاحب کا پہرہ دے رہے ہیں۔ جب میں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو ان سے کہا کہ جناب آپ ایک بلند پایہ میڈیکل ڈاکٹر ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے آپ کی بلند پایہ پریکٹس کا حال دیکھا ہے۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ بے شک خلیفہ صاحب کی جانی حفاظت کا انتظام بھی آپ ضرور کریں لیکن آپ بیسیوں پہرہ دار ملازم رکھ سکتے ہیں۔ خود میڈیکل پریکٹس کیجئے، خدمت خلق بھی ہو جائے گی، اور پہرے کا بندوبست بھی۔ آخر چند دن کے بعد وہ لاہور سے کراچی چلے گئے اور اپنی میڈیکل کی پریکٹس شروع کر دی۔ لیکن اب وہ وہ ڈاکٹر عبداللطیف نہ تھے اور نہ ہی امینہ بیگم ان کی بیگم صاحبہ وہ شروع کی امینہ بیگم تھیں۔ کراچی میں بھی ڈاکٹر عبداللطیف صاحب بڑے پایہ کے ڈاکٹر تھے۔ مملکت

پاکستان کے گورنر جنرل، ان کے وزراء، بڑے بڑے جرنیل، غیر ملکی سفراء، بڑے بڑے بیرسٹر، تاجر، مل اونر اور صاحب رسوخ ان سے علاج کرواتے تھے۔ اور جیسے ہی کوئی مریض آتا اور وہ پہلے مریض کو دیکھ رہے ہوتے تو اپنی بیگم صاحبہ سے کہتے: امینہ جب تک میں پہلے مریض کو دیکھ رہا ہوں تم ان سے باتیں کرو اور انہیں مرزا محمود کی کارستانیوں سے آگاہ کرو۔ اس طرح دن رات کچھ اپنی آپ بیتیاں اور کچھ دوسرے واقعات انہیں سناتے رہتے۔ اور دن رات یہ سلسلہ جاری و ساری تھا۔ انہوں نے مباہلہ قسم کا کوئی اخبار مرزا محمود کے خلاف تو نہ نکالا لیکن زبانی جو کچھ بھی وہ کر سکتے تھے اس میں کوئی کمی انہوں نے نہ رہنے دی۔ اللہ تعالیٰ کسی دشمن کو بھی ایسی گھڑیاں نہ دکھائے۔ کیا مجھے مرزا محمود کے خلاف کچھ کہنے کی ضرورت ہے؟''

حکیم نورالدین کی بیٹی اور مرزا محمود کی بیوی امتہ الحیٔ کے بطن سے دو بیٹیاں امتہ القیوم اور امتہ الرشید اور ایک بیٹا مرزا خلیل احمد پیدا ہوئے۔

امتہ القیوم کی شادی مرزا بشیر احمد ایم اے مؤلف سیرۃ المہدی کے بیٹے ایم ایم احمد سے ہوئی۔ مرزا محمود نے اپنے بھائی کے ساتھ ایسا کمرتوڑ سلوک کیا کہ وہ اس دکھ کی آگ میں پگھل گیا۔ مرزا محمود نے ایک سازش کے تحت ایم ایم احمد کے ہاں اولاد نہ ہونے دی۔ ایم ایم احمد کی چھوٹی بہن مرزا محمود کی بہو تھی، مرزا محمود نے اسے اپنے بیٹے سے طلاق دلوائی۔ اس بات کا قلق مرزا بشیر احمد کو آخر عمر تک رہا۔ مرزا محمود نے مرزا بشیر احمد کے دوسرے بیٹے کے نکاح کا مقاطعہ کیا اور مرزا محمود سے خانگی ناراضگی کی وجہ سے اس کو نکاح خواں نہ ملتا تھا۔

جہاں تک امتہ الرشید کا تعلق ہے، اس کے بارے میں معروف دانشور جناب مرزا محمد حسین کی گواہی نہایت معتبر ہے۔ مرزا محمد حسین پہلے نہ صرف قادیانی تھے، بلکہ قادیانی قیادت کے اتنے قریب کہ مرزا محمود کے خاندان کی تمام مستورات کے اتالیق تھے۔ درونِ خانہ قادیانی قیادت کی اخلاق باختگی کو دیکھا تو تڑپ گئے۔ مذہب کے نام پر اس حرام کاری و حرام خوری کو برداشت نہ کر سکے۔ غیرت و حمیت کے پیش نظر قادیانیت پر تین حرف بھیج کر مسلمان ہو گئے۔ اپنے مسلمان ہونے کی روداد میں لکھتے ہیں:

''میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ قادیانیت، مذہب کے لبادہ میں اتنا خطرناک اور شرمناک مذہب ہوگا۔ یہ سوچتے سوچتے صرف ایک رات میں میرے سر کے تمام بال گر گئے اور میں مستقل گنجا ہو گیا۔''

موصوف خانہ ساز نبوت کے گھر کے بھیدی تھے۔ لہٰذا جو کچھ دیکھا، اسے اپنی معرکتہ الآرا کتاب ''فتنہ انکارِ ختم نبوت'' میں لکھ دیا، اس کتاب میں ایک عینی شاہد نے جو کچھ دیکھا، تاریخ کے روبرو انتہائی خوفناک انکشافات کے روپ میں پیش کر دیا۔

عرصہ ہوا معروف عالم دین جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے مرزا محمد حسین کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ وہاں موجود کئی جید علمائے کرام، صاحبانِ فہم و فراست اور دانشوروں نے جناب مرزا محمد حسین سے

درخواست کی کہ چونکہ آپ ایک عرصہ قادیانیوں کے خاص حلقہ میں رہے ہیں، آپ کو وہاں وی آئی پی کی حیثیت حاصل تھی اور آپ نے قادیانیت کو بہت قریب سے دیکھا ہے، لہٰذا آپ ہمیں اس فتنہ کے متعلق کچھ بتائیں۔ مرزا محمد حسین پہلے تو کچھ ہچکچائے، پھر ٹال مٹول سے کام لینے کی کوشش کی۔ آخرکار حاضرین محفل کے پُرزور اصرار پر یوں گویا ہوئے کہ قادیانیت کے متعلق بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں اپنے مشاہدات کی روشنی میں جو کچھ عرض کروں گا، آپ اس پر ہرگز یقین نہیں کریں گے۔

وہ بات کہہ دوں کہ پتھروں کے جگر کو بھی آب آب کر دے

حاضرین محفل نے حیرت واستعجاب سے پوچھا، مرزا صاحب! ہم آپ کے کہنے پر کیوں یقین نہ کریں گے۔ آپ تو گھر کے بھیدی ہیں، ویسے بھی...... ''قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید''...... مرزا محمد حسین کہنے لگے کہ باتیں ہی ایسی ہیں۔ میں اپنے میں اتنی سکت اور حوصلہ نہیں پا رہا کہ اپنے مشاہدے کو اظہار کی زبان دے سکوں۔ حاضرین کا تجسس مزید بڑھا اور انہوں نے پھر درخواست کی کہ کسی فتنے اور شر کے متعلق حقائق کو محض اس لیے چھپانا کہ وہ شرمناک یا خوفناک ہیں، یہ بھی کتمانِ حق کے زمرے میں آتا ہے۔ آپ ''گھر کے بھیدی'' کی حیثیت سے قادیان کی لنکا کے متعلق جو کچھ جانتے ہیں، اس کا بلاکم وکاست اظہار کر کے تاریخ کی امانت تاریخ کے سپرد کرنے کا فریضہ ادا کریں اور ہمیں اس ''سربستہ فتنہ'' کے خفی وجلی پہلوؤں سے ضرور آگاہ کریں۔ ماضی کی تلخ یادیں تازہ کرتے ہوئے مرزا محمد حسین کے چہرے پر عجیب گھبراہٹ اور اضطراب عیاں تھا۔ کہنے لگے کہ میں قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کی حماقت کی حد تک پوجا کرتا تھا۔ جب اس کی سیاہ کاریوں کا پردہ چاک ہوا تو میرے اوسان وحواس جواب دے گئے، اور مجھے داخلی سطح پر اتنا گہرا صدمہ پہنچا کہ آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ اس صدمہ کی شدت سے ایک ہی رات میں میرے سر کے بال غائب ہو گئے، پھر یہ حالت جسم تک محدود نہ رہی بلکہ دل کے نشیمن سے طائرِ ایمان بھی پرواز کر گیا اور میں چند روز تک دہریت کے اژدہے کا لقمہ بن کر رہ گیا۔ اس ناگہانی انکشاف سے یہ سب کچھ ہونا بعید از قیاس نہ تھا۔ کہاں یہ کہ میں جہالت میں اس کو ''فضل عمر'' سمجھتا تھا اور کہاں یہ کہ اس کی سیاہ کاریوں کے بیان کے لیے اب موزوں الفاظ نہیں مل رہے۔ یہ ''برہنہ سیاہ کاریاں'' اور ''عریاں کالی کرتوتیں'' اس حد تک رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہیں کہ شاید ہی کسی بڑے سے بڑے اہل زبان اور اہل قلم کو ان کے بیان کرنے کا یارا ہو۔ میرے لیے کیسے ممکن ہے کہ الفاظ میں ان معصیتوں کی تصویر کشی کر سکوں۔ اس کے بیان کے لیے تو بندے کے پاس منٹو کا قلم، جوش کی زبان، عصمت چغتائی کا مشاہدہ اور قرۃ العین حیدر کی جزئیات نگاری کی اہلیت کا ہونا اشد ضروری ہے، تب کہیں جا کر ان ''فواحشات'' کی ادنیٰ سی جھلک پیش کی جا سکتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے مرزا محمد حسین بے اختیار رو پڑے اور کہنے لگے کہ میں پس پردہ کہانی پوری طرح سنا نہ سکوں گا کیونکہ جنسی سفاکی کے جو ہولناک مناظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، اگر ان کو بیان کروں تو وہ

ایک عجوبہ روزگار انداز میں سامنے آئیں اور اگر ان کے صحیح بیان پر اصرار کیا جائے تو زبان کے ساتھ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور الفاظ و محاورات دم توڑ جائیں۔

کلیجہ تھام لو پہلے، سنو پھر داستاں میری

مرزا محمد حسین ہچکیوں اور سسکیوں میں کہنے لگے کہ وہ لرزہ خیز واقعہ جسے میں سنانا نہیں چاہتا تھا، وہ یہ ہے کہ میں نے بچشم خود بقید ہوش و حواس مرزا بشیر الدین محمود کو اپنی بیٹی ''امۃ الرشید'' کے ساتھ زنا کرتے دیکھا۔ بیچاری ابھی بلوغت کی عمر کو بھی نہیں پہنچی تھی۔ یہ بچی اپنے والد کی ہوسنا کی کا شکار ہو کر بے ہوش ہو گئی۔ بعد ازاں یہ دیکھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا کہ بچی کے سرہنوں کے نیچے قرآن مجید رکھا ہوا تھا۔ (نعوذ باللہ، نعوذ باللہ) ایسے انسانیت سوز جنسی جرائم کے ارتکاب کے بعد قادیان کا راسپوٹین مرزا بشیر الدین محمود اپنی راسپوٹینی محفل میں بصد فخر و مباہات کہا کرتا تھا کہ ''آدم کی اولاد کی افزائش ہی اس طرح سے ہوئی ہے کہ کوئی مقدس سے مقدس رشتہ مجامعت میں حائل نہیں ہوسکتا۔'' ''حضرت مسیح موعود'' بھی یہی کام کرتے تھے۔''

جناب شفیق مرزا کہتے ہیں: ''کیف و نشاط کے ساتھ ساتھ ان جنسی تعلقات نے مرزا محمود کو جس ذہنی کرب و اذیت میں مبتلا کر دیا تھا، وہ بھی کچھ کم خوف ناک نہ تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ امۃ الرشید اسے جس شہوانی طوفان سے آشنا کرتی تھی، اس کی تیز و تند لہروں میں باپ بیٹی کا مقدس رشتہ خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتا تھا۔ باپ بیٹی کے درمیان جنسی تعلقات مرزا محمود کے لیے شہوانی جذبات کی تسکین کا ذریعہ تھے مگر میں اسے قدرت کا انتقام کہتا ہوں۔''

آخر میں مرزا خلیل احمد کا ذکر۔ جناب منیر الدین احمد اپنے مضمون ''ڈھلتے سائے'' میں مرزا خلیل احمد کے بارے میں اپنی یادداشتیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہوسٹل میں قیام کے دنوں میں ہر رات کو عین دس بجے میری کھڑکی پر دستک ہوتی تھی اور میں کتابیں ٹھپ کر کے گیٹ کی طرف چل دیتا تھا، جہاں پر مرزا خلیل احمد میرے انتظار میں کھڑے ہوتے تھے۔ وہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کے صاحبزادے اور حکیم مولوی نور الدین خلیفہ اوّل کے نواسے تھے۔ ان کا گھر ہوسٹل کے بالمقابل تھا اور وہ اپنے گھر کی کھڑکی میں سے میرے کمرے میں جھانک کر دیکھ سکتے تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ میں سارا دن کتابوں میں غرق رہتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ مجھے ایک دو گھنٹوں کے لیے کتابوں کے چنگل سے نجات دلانے کے لیے آتے ہیں۔ مگر حقیقت اس سے تھوڑی مختلف تھی۔ میں جانتا تھا کہ راتوں کی مٹر گشت مرزا خلیل احمد کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ وہ سارا دن اپنے گھر میں گھسے خدا جانے کیا کرتے رہتے تھے۔ میں نے انہیں کبھی دن کے وقت کہیں پر آتے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ان کو نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں دیکھا ہو، جو اُن کے گھر کے پہلو میں واقع تھی۔ ان کے کمرے

کی کھڑکی کے پردے دن چڑھے تک بند رہتے تھے۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ گیارہ بارہ بجے اٹھ کر ناشتہ کرتے تھے۔ ایک دوبار وہ دوپہر کے وقت سونے کے لباس میں ملبوس مجھ سے چائے کی پتی مانگنے کے لیے آئے تھے، جو اُن کے گھر میں ختم ہوگئی تھی اور نوکر بازار سے لانا بھول گیا تھا۔

ان کے اس طرح گھر میں بند ہو کر رہنے کے پیچھے یہ چیز پوشیدہ تھی کہ ان کی بیوی نے، جو ان کے چچا مرزا بشیر احمد کی بیٹی تھی، خلع لے لی تھی۔ وجہ اس کی یہ بیان کی جاتی تھی کہ ان کا رشتہ لاولد رہا تھا۔ ان کی بیوی ہر قیمت پر بچے جننا چاہتی تھی۔ اس کی دوسری شادی خاندان سے باہر ہوئی تھی اور وہ صاحب اولاد بنی تھی۔ اس چیز نے مرزا خلیل احمد کی خودداری پر ایسا گہرا زخم لگایا تھا کہ وہ اس کے بعد کسی راہب کی طرح گھر میں بند ہو کر رہ گئے تھے۔ صرف رات کے وقت باہر نکلتے تھے اور ربوہ کی سنسان گلیوں میں گھومتے پھرتے تھے۔ اس کہانی کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ مرزا خلیل احمد کی بڑی بہن امۃ القیوم ان کی سابقہ بیوی کے بڑے بھائی مرزا ایم۔ ایم احمد (مرزا مظفر احمد) کے ساتھ بیاہی ہوئی تھی اور ان کا رشتہ بھی لاولد رہا تھا۔ ان کو بھی یقیناً اس بات کا رنج ہوگا، مگر ان کے بارے میں سننے میں نہ آیا کہ وہ اس وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہونے کی بابت سوچ رہے ہیں۔

عبدالمنان عمر، جن کو خلافت سے دور رکھنا مقصود تھا، وہ مرزا خلیل احمد کے، جو اس زمانے میں اپنی دوسری بہن امۃ الرشید زوجہ میاں عبدالرحیم احمد (وکیل التعلیم) کے ساتھ رہتے تھے، ماموں تھے۔ عبدالمنان عمر کی بہن امۃ الحیٔ کے ساتھ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے خلیفہ بنتے ہی اس لیے شادی کی تھی کہ اس طرح ان کا خلافت پر دعویٰ مضبوط ہوتا تھا۔ وہ اگر ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی کے فرزند تھے، تو دوسری طرف نورالدین کے داماد بھی تھے۔

ہماری شبینہ سیر و سیاحت کا آخری اڈہ گول بازار کا ایک چائے خانہ تھا، جو ہمارے انتظار میں آدھی رات تک کھلا رہتا تھا۔ جب ہم چائے پی کر اٹھتے تھے، تو خواجہ عبداللہ دوکان بند کر دیتا تھا۔ مرزا خلیل احمد کے گھر کے آس پاس ہمیں اکثر پُراسرار افراد نظر آیا کرتے تھے، جن کو وہ نظارتِ امور عامہ کے ''لونڈے'' کا نام دیتے تھے۔

یہ لوگ ساری رات ان کے گھر پہ پہرہ دیتے تھے، کیونکہ ''قصر خلافت'' کو شبہ تھا کہ رات کے اندھیرے میں عبدالمنان عمر اپنے بھانجے اور اس کی بہن سے ملنے کے لیے آتے ہوں گے۔ عام طور سے مرزا خلیل احمد بہت محتاط تھے، مگر میرے سامنے کبھی کبھی وہ اپنے رنج و غصے کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ ہماری سیر کے راستے میں نواب محمد احمد (مرزا بشیر الدین محمود احمد کی بہن مبارکہ بیگم کا بیٹا) کا بنگلہ آتا تھا، جہاں پر ''خاندان نبوت'' کے لڑکے لڑکیاں مل کر موسیقی سنتے اور ڈانس کیا کرتے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں یہ بنگلہ بیرونی چاردیواری کے بغیر تھا، اس لیے جو کوئی وہاں سے گزرتا تھا، وہ ان لوگوں کو رنگ رلیاں مناتے اور ہلڑ

بازی کرتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔

ان دنوں ربوہ میں ایک رپورٹ نے بہت ہلچل مچا رکھی تھی، جو کسی نے لندن کے سفر سے واپسی پر لکھی اور مرزا بشیر الدین محمود احمد کو بھیج دی تھی۔ اس میں بیان کیا گیا تھا کہ ان کا صاحبزادہ مرزا طاہر احمد، جو آگے چل کر خلیفۃ المسیح الرابع بنا، اور اس کا ساتھی میر محمود احمد مسجد فضل لندن کے فلیٹ میں راتوں کو پارٹیاں دیتے ہیں، جن میں موسیقی سنی جاتی ہے، شراب چلتی ہے اور لڑکے لڑکیاں مل کر فحش ڈانس کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں تفتیش کی خاطر ایک کمیشن بٹھایا گیا، جس نے تمام الزامات کو غلط قرار دیا اور دونوں صاحبزادگان کو بری کر دیا۔ میں نے مرزا خلیل احمد سے پوچھا کہ وہ اپنے والد ماجد کے ساتھ لندن جانے والے گروپ میں شامل تھے اور وہاں کے حالات سے خوب واقف ہیں۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ یہ رپورٹ بالکل بے بنیاد ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا: تم ہر روز میرے ساتھ نواب محمد احمد کے بنگلے میں منائی جانے والی رنگ رلیاں دیکھتے ہو، کیا تم تصور نہیں کر سکتے کہ طاری (مرزا طاہر احمد کا گھریلو نام) لندن میں عیش نہیں کرتا ہوگا۔ اس بات کی تصدیق چند برس ہوئے مرزا طاہر احمد نے خود کر دی۔ انہوں نے ایک مجلس میں، جو احمدیہ ٹیلی ویژن پر ساری دنیا میں دیکھی گئی، بیان کیا کہ جب وہ طالب علمی کے زمانے میں لندن میں مقیم تھے، تو اپنے انگریز دوستوں کے ساتھ پوری پوری رات جاری رہنے والی مجلسوں میں باتیں کیا کرتے تھے۔ جو کوئی یورپ کے حالات سے واقف ہے، اُس کو پتہ ہے کہ یہ رات بھر جاری رہنے والی مجلسیں شبینہ پارٹیاں ہوتی ہیں، جن میں موسیقی بجائی جاتی ہے، شراب پانی کی طرح بہتی ہے اور ڈانس ہوتا ہے۔ عام طور سے مشہور تھا کہ مرزا طاہر احمد اور میر محمود احمد لندن کے سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مرزا خلیل احمد نے اس بارے میں مجھے اس وقت کہہ دیا تھا: یہ لوگ وہاں پر عیش کر رہے ہیں اور تم دیکھ لو گے کہ وہ بی اے کی ڈگری بھی لے کر نہیں آئیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اوپر والی محفل میں مرزا طاہر احمد نے خود بیان فرمایا تھا کہ وہ درسی تعلیم سے زیادہ معاشرتی مطالعہ میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اس لیے کلاسیں اٹنڈ نہیں کرتے تھے بلکہ یورپ کی سیر و سیاحت کو زیادہ اہم سمجھتے تھے۔''

جناب شفیق مرزا اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''شہر سدوم'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا محمد اسماعیل غزنوی حکیم نور الدین کے نواسے تھے اور مرزا محمود سے ان کی خاصی بے تکلفی تھی۔ انہوں نے متعدد افراد کو بتایا کہ ''مرزا محمود احمد ایک عورت کو شب باشی کا پانچ صد روپیہ ادا کرتا تھا۔'' مجھے علم ہوا تو میں نے کھوج لگانا شروع کیا اور بالآخر اسے ڈھونڈ نکالا اور پوچھا تم کیسے مرزا محمود سے پانچ سو روپیہ فی رات وصول کر لیتی ہو۔ اس عورت نے بے باکانہ جواب دیا:

''مولوی توں راتیں میرے نال سوں، تے صبح توں مینوں پنج سو روپیہ نہ دتا تے میں تینوں ہزار روپیہ دیواں گی۔''

مولوی صاحب یہ جواب سن کر حیران رہ گئے۔ ملک عزیز الرحمٰن صاحب کا کہنا ہے کہ یہ بیگم عثمانی تھیں۔

حکیم نورالدین کے بیٹے میاں عبدالحئی اور بیٹی امۃ الحئی کی پُراسرار موت کے بعد ان کے خاندان کو ذلیل وخوار کرنے کے جو طریقے اختیار کیے گئے، وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ حکیم نورالدین کے دوسرے بیٹے عبدالمنان سے مرزا محمود نے جو کچھ کیا، وہ کسی سے پوشیدہ نہ ہوگا۔ اسے منافق قرار دیا گیا۔ اس کا سوشل بائیکاٹ کروایا۔ ربوہ میں اس کا داخلہ ممنوع قرار پایا۔ اور اُسے اس جماعت تک سے نکال کر باہر پھینک دیا جس کی خاطر اس کے باپ نے ہزار ذلت و رسوائی مول لی تھی اور اس طرح نورالدین کی عبرت انگیز اور ذلت آمیز موت پر بھی اکتفا نہ کیا جبکہ اُس کی رسوائی میں اس کی موت کے بعد بھی اضافے کیے گئے اور اس کا نام ونشان تک مٹانے کی بھرپور کوششیں کیں جو اب تک جاری ہیں۔"

دوسری طرف مرزا محمود قادیانی کا کہنا ہے:

"میاں عبدالسلام، عبدالوہاب اور عبدالمنان قادیانی (پسران حکیم نورالدین) کی والدہ (بیگم حکیم نورالدین) نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی فاخرہ نام کی پالی ہوئی تھی۔ ادھر حضرت نصرت جہاں (مرزا غلام احمد قادیانی کی بیوی) نے اپنے وطن سے دوری کی وجہ سے اپنی خالہ کے ایک بیٹے کبیر احمد کو تعلیم کے لیے قادیان بلایا ہوا تھا، جب حضرت خلیفہ اول مالیر کوٹلہ گئے تو حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) نے فیصلہ کیا کہ اس بچے کو طب کی تعلیم دلوائی جائے اور اس کو بھی ان کے ساتھ ہی تعلیم کے سلسلہ میں مالیر کوٹلہ بھیج دیا گیا۔

کبیر احمد کا بیان ہے کہ حضرت خلیفہ اول کی دوسری بیوی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ فاخرہ کا اس سے بیاہ کر دے گی۔ لیکن بعض ایسے حالات کی وجہ سے کبیر احمد نے جو ہمارے خالہ زاد ماموں تھے، زہر کھا کر خودکشی کر لی، اور سارے کوٹلہ اور دہلی میں یہ مشہور ہوگیا کہ اس خودکشی کی وجہ حضرت خلیفہ اول کی دوسری بیوی تھیں۔ چنانچہ آج تک بھی کچھ لوگ جو نواب لوہارو کے خاندان کے یا ہمارے ننھیال کے زندہ ہیں، یہی الزام لگاتے چلے آرہے ہیں کہ کبیر احمد کو اپنے خاندان کی بدنامی کے ڈر سے حضرت مولوی نورالدین قادیانی نے زہر دے کر مروا دیا تھا۔ (نظام آسمانی ص: 27.26)

ایک دفعہ مرزا محمود قادیانی نے حکیم نورالدین قادیانی کی بیوی سے کہا تھا:

"بڑی خوشی سے جایئے آپ کو یہ خیال ہوگا کہ شاید آپ (حکیم نورالدین قادیانی کی بیوی) کی وجہ سے مجھے خلافت ملی ہے، مجھے پرواہ نہیں، آپ چلے جایئے اور اپنی بھڑاس نکالئے، پھر جا کر آپ کو تھوڑے دنوں میں ہی پتہ لگ جائے گا کہ جو کچھ سلسلہ آپ کی مدد کر رہا ہے، وہ اس کا دسواں حصہ بھی مدد نہیں کریں گے۔"

مرزا محمود کا کہنا ہے:

''چنانچہ وہ پھر نہ گئیں، گو درمیان میں جماعت کی وفاداری کی وجہ سے ان کا یہ خیال دبتا رہا، مگر پھر بھی یہ چنگاری سلگتی رہی۔ چنانچہ 19-1918ء میں دار حضرت خلیفہ اول میں مجھے زہر دینے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ اس کے متعلق برکت علی قادیانی لائق لدھیانوی جو خود ان کے ہم وطن ہیں اور جن کے شاگرد اس وقت پاکستان میں بڑے بڑے عہدوں پر ہیں اور اب بھی مجھے خط لکھتے رہتے ہیں کہ ہمارے استاد بڑے نیک تھے، ان کا پتہ بتائیں، ان کی شہادت ہے کہ 1918ء میں:

''لاہور کے بعض معاندین نے حضرت اقدس (مرزا محمود قادیانی) کو زہر دینے کی سازش کی۔ اس طریق پر کہ اماں جی کے گھر میں حضور کی دعوت کی جائے اور دعوت کا اہتمام لاہوری معاندین کے ہاتھ میں ہو، مگر ایک بچے نے جو ان کی سرگوشیاں سن رہا تھا، ساری اسکیم فاش کر دی۔'' (نظام آسمانی ص:42)



مرزا بشیر الدین محمود

ماں اور بہن کے مقدس رشتوں کی تمیز سے عاری قادیانی جماعت کا دوسرا خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود 12 جنوری 1889ء کو قادیان میں پیدا ہوا۔ وضع حمل کے وقت سب سے پہلے اس کے پیر باہر آئے، یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ یہ ایک فتنہ پرور بچہ ہے۔ اس کا بچپن آوارگی، شرارتوں، ایذا رسانیوں اور بے لگام گھٹیا خواہشات کی تکمیل میں گزرا۔ وہ غلیل لے کر دوستوں کے ساتھ طوطوں کا شکار کرتا اور ان کا گوشت کھاتا۔ شیخ یعقوب علی عرفانی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ مرزا محمود طوطے اور چڑیاں پکڑ کر ان کے گلے مروڑ رہا تھا تو مرزا قادیانی نے دیکھ لیا اور کہا: جس میں رحم نہیں، اس میں ایمان نہیں۔ حالانکہ مرزا بشیر ایم اے کے مطابق مرزا قادیانی خود بڑی بے رحمی سے سرکنڈے کے ساتھ چڑیوں کے گلے کاٹتا (یعنی جس طرح سکھ مذہب کے لوگ جانوروں کا جھٹکا کرتے ہیں) اور پھر ان کا گوشت پکا کر بڑے شوق سے کھاتا۔ مرزا محمود رات دیر تک قادیان کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ پھرتا رہتا اور گھر نہ آتا۔ قادیان کے گندے تالاب میں نہاتا اور برسات کے موسم میں راہ چلتے لوگوں پر پانی پھینکتا اور خوش ہوتا۔ کھیلوں میں اسے میر دڈبہ یا گلی ڈنڈا بے حد پسند تھا۔

مرزا محمود کا اپنا بیان ہے: ''ہماری تائی جو بعد میں آ کر احمدی بھی ہوگئیں، مجھے دیکھ کر کہا کرتی تھیں کہ ''جیہو جیہا کاں اوہو جیہی کوکو'' میں بوجہ اس کے کہ بچپن میں زیادہ علم نہیں ہوتا، اس پنجابی فقرہ کے معنی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ میں نے اپنی والدہ سے اس کے متعلق پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے کوا ہوتا ہے ویسے ہی اس کے بچے ہوتے ہیں۔ کوے سے مراد تمہارے ابا ہیں اور کوکو سے مراد تم ہو۔'' (روزنامہ الفضل 13 اپریل 1938ء ص 9)

مرزا محمود کا کہنا ہے:

''مجھے بچپن میں شوق تھا کہ تماشا گر جو ہتھکنڈے وغیرہ کرتے ہیں انہیں سیکھوں۔ ایک دفعہ ہمارے ایک احمدی دوست یہاں آئے اور انہوں نے بہت سے تماشے دکھائے۔ میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا، حضرت مسیح موعود کے پیچھے پڑ گیا کہ آپ مجھے بھی سکھا دیں۔ آپ پہلے تو انکار کرتے رہے۔ مگر پھر میرے

اصرار پر آپ نے اس احمدی دوست کو رقعہ لکھا کہ اگر آپ کے اوقات میں حرج نہ ہو تو میرے بچے کو یہ کھیلیں سکھا دیں۔ انہوں نے مجھے کئی باتیں سکھا دیں۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح اول ایک دفعہ لاہور گئے تو میرے شوق کو دیکھ کر شعبدوں کی چار پانچ کتابیں میرے لیے لے آئے۔ اس طرح میں سینکڑوں شعبدے جانتا ہوں، مگر میں نے دیکھا ہے کہ جب کوئی شعبدہ دکھایا جائے تو بڑے بڑے سمجھدار آدمی پاگلوں کی طرح حیران ہو کر رہ جاتے ہیں، مگر بچے بات کی تہہ کو باآسانی پہنچ جاتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے گھر میں کوئی ایسا ہی شعبدہ دکھایا تو سب حیران ہو گئے مگر میرا چھوٹا بھتیجا جو ابھی آداب سے ناواقف تھا اور جو میرے پاس ہی بیٹھا تھا کہنے لگا: ''چچا ابا جان بھی دیکھو۔ میں جاندا ہاں تھاڈی چلاکیاں۔'' تو بعض دفعہ سادہ لوح بچ جاتا ہے مگر چالاک پھنس جاتا ہے۔ (ارشاد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان نمبر 90 جلد 22 ص 7-8 مورخہ 27 جنوری 1935ء)

اصحاب احمد جلد چہارم ص 110 طبع اوّل کے مطابق مرزا محمود اکثر آنکھ بچا کر مرزا قادیانی کے کوٹ کی جیب میں ٹوٹے ہوئے گھڑے کی چپنیاں، دو ایک ٹھیکرے اور ٹوٹی ہوئی اینٹوں کے روڑے ڈال دیتا جس کا مرزا قادیانی کو پتہ نہ چلتا۔

مرزا بشیر احمد ایم اے کی ایک روایت کے مطابق:

''آپ کے ایک بچے نے آپ کی واسکٹ کی ایک جیب میں ایک بڑی اینٹ ڈال دی۔ آپ جب لیٹتے تو وہ اینٹ چبھتی۔ کئی دن ایسا ہی ہوتا رہا۔ ایک دن اپنے ایک خادم کو کہنے لگے کہ میری پسلی میں درد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز چبھتی ہے۔ وہ حیران ہوا اور آپ کے جسد مبارک پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس کا ہاتھ اینٹ پر جا لگا۔ جھٹ جیب سے نکال لی۔ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ چند روز ہوئے محمود نے میری جیب میں ڈالی تھی، اور کہا تھا کہ اسے نکالنا نہیں، میں اس سے کھیلوں گا۔''

(حضرت مسیح موعود کے مختصر حالات ملحقہ براہین احمدیہ طبع چہارم ص ق)

مرزا محمود اکثر ماچس لے کر بچوں کے ساتھ کھیلتا۔ ایک دفعہ اس نے مرزا قادیانی کے مسودوں کو آگ لگا دی۔ نصرت جہاں کی مداخلت پر مرزا قادیانی نے اسے معاف کر دیا۔

مرزا محمود اپنے بچپن کا ایک واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے۔

''میری عمر جب 9 یا دس برس کی تھی میں اور ایک اور طالب علم ہمارے گھر میں کھیل رہے تھے وہیں ایک الماری میں ایک کتاب پڑی تھی جس پر نیلا جزدان تھا۔ وہ ہمارے دادا صاحب کے وقت کی تھی نئے نئے ہم پڑھنے لگے تھے اس کتاب کو جو کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ اب جبرئیل نازل نہیں ہوتا۔ میں نے کہا یہ غلط ہے میرے ابا پر تو نازل ہوتا ہے مگر اس لڑکے نے کہا کہ جبرئیل نہیں آتا کیونکہ اس کتاب میں لکھا ہے۔ ہم میں بحث ہو گئی۔ آخر ہم دونوں حضرت صاحب کے پاس گئے اور دونوں نے اپنا اپنا بیان پیش کیا۔

آپ نے فرمایا کہ کتاب میں غلط لکھا ہے جبرائیل اب بھی آتا ہے۔''

(روزنامہ الفضل 10 اپریل 1922ء ص 6)

جب مرزا محمود کی عمر 12 سال تھی اور اسے اپنے اس مستقبل کی کوئی خبر نہ تھی جو اس کی زیرک اور خرانٹ ماں اس کے لیے محفوظ کرنے کی کوششیں کر رہی تھی۔ حکیم نورالدین کی موت (جس کا وہ اور اس کا خاندان شدت سے انتظار کر رہا تھا) کے بعد بے صبری، بے اطمینانی اور افتراق کی جو چنگاری پچھلے چھ سالوں یعنی (1908ء تا 1914ء) سے آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی، بھڑک کر شعلہ بن گئی۔ میر ناصر نواب، میر اسحاق اور انصار اللہ کے گروپ نے طاقت، غنڈہ گردی کے مظاہرے کے بعد مرزا محمود کو قادیان میں بطور خلیفہ تخت نشین کرا دیا۔ ایسی بدنظمی کی مثال پہلے قادیانی تحریک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ وہ 25 سال کی عمر میں ایک سازش کے تحت قادیانیوں کا خلیفہ بنا۔ شروع شروع میں اس نے ذرا محتاط روش اختیار کی لیکن اس کے بعد جلد ہی اس نے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے باپ اور ماں کا ''ہونہار فرزند'' ہے۔ اسے وہ تمام اوصاف اور خصائل ورثے میں ملے جو اخلاق باختہ نصرت جہاں بیگم کا سرمایہ افتخار تھے۔ وہ عیش و عشرت اور بے لگام نفسانی خواہشات کا غلام تھا۔ لجنہ کی خوبصورت اور نوجوان لڑکیاں ایک ایک کر کے اس عیاش و بدکار خلیفہ کی شیطانی ہوس کے گھاٹ اترتی رہیں۔ ان کے قریبی رشتہ دار یہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے مگر وہ آنکھیں اور کان بند کر لیتے۔ شاید وہ اپنی عقیدت کے ہاتھوں مجبور تھے۔ دوسری طرف نصرت جہاں بیگم بھی سب کچھ جانتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اگر میں وعظ و نصیحت پر اتری تو ممکن ہے وہ مجھے بھی طعنے دے اور سب کچھ سنا دے جواب تک پوشیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روک ٹوک کے بجائے اس نے مرزا محمود کی مکمل حوصلہ افزائی کی اور خود بھی اس کی شیطانی سرگرمیوں کی بھرپور معاون اور شریک کار بن گئی۔

؎ رات کی بات الٰہی توبہ
آپ سنئے گا تو شرمائیے گا

معروف سکالر جناب بشیر احمد اپنی کتاب ''تحریک احمدیہ'' میں لکھتے ہیں:

''احمدیہ تحریک کی تاریخ کا یہ ایک سیاہ باب ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا محمود کے تنخواہ دار غنڈے ان تمام سچی اور باخبر آوازوں کو خاموش کرا دیتے تھے جنہوں نے ان کی نجی زندگی پر تنقید کرنے کی جرأت کی۔ پھر بھی ان کے کئی پیروکاروں نے ان پر زناکاری کے الزامات عائد کیے۔ شیخ عبدالرحمان مصری کو جو کہ ان کا اعلیٰ درجے کا مرید اور مدرسہ احمدیہ قادیان کا مہتمم تھا، کو حالات نے مجبور کر دیا کہ اس نے مرزا محمود کو تین خطوط لکھے کہ وہ اپنے کردار کی وضاحت کریں اور اپنے سابقہ کرتوتوں پر معافی مانگیں۔ وگرنہ مصری صاحب کے پاس کوئی چارہ کار نہ ہوگا کہ وہ احمدیہ جماعت کے قائم کردہ کمیشن کے سامنے سارا معاملہ تحقیقات کے لیے رکھیں مگر خلیفہ محمود احمد نے یہ تنبیہ نظر انداز کر دی اور اپنی غلط حرکتوں پر اڑے رہے۔ اس

کے علاوہ انہوں نے شیخ عبدالرحمان اوران کے چند دوستوں پر جو کہ ان کی اعانت کرتے تھے، مظالم کرنے شروع کر دیئے۔ حتیٰ کہ کچھ پر تو قاتلانہ حملے بھی کیے۔ مقاطعوں، حملوں، عورتوں کی بے حرمتی، گھروں کے جلانے کی ہولناک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی کہانیاں قادیانیت کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کرتی ہیں۔

شیخ مصری کو قاتلانہ حملے کے خوف سے قادیان چھوڑنا پڑا۔ بعد میں انہوں نے قادیانی جماعت کو چھوڑنے اور خلیفہ محمود کے ساتھ کیے گئے عہد کو توڑنے کی وجوہات بیان کیں۔ 1937ء میں یہ بیان حلفی مصری صاحب نے ایک عدالت کے سامنے دیا تھا جو پنجاب کی عدالت عالیہ نے اپنے حکم میں درج کیا۔

''موجودہ خلیفہ (محمود احمد) سخت بدچلن ہے۔ یہ تقدس کے پردے میں عورتوں کا شکار کھیلتا ہے۔ اس کام کے لیے اس نے بعض مردوں اور بعض عورتوں کو بطور ایجنٹ رکھا ہوا ہے۔ ان کے ذریعہ سے یہ معصوم لڑکیوں اور لڑکوں کو قابو کرتا ہے۔ اس نے ایک سوسائٹی بنائی ہوئی ہے جس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں اور اس سوسائٹی میں زنا ہوتا ہے۔''

فخر الدین ملتانی جو کہ ایک معزز قادیانی کا بیٹا اور مرزا محمود کا انتہائی وفادار مرید تھا، اس نے ''تقدس مآب'' کے خلاف آواز بلند کی، جسے مرزا عزیز احمد قادیانی نے قتل کر دیا۔ مقدمہ اپیل میں عدالت عالیہ میں چلا گیا۔ قاتل کو تمام براہ راست اور بالواسطہ مدد مہیا کر دی گئی۔ ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر نے مرزا محمود کو مولوی فرزند علی کے ذریعہ پیغام بھجوایا، جس میں نصیحت کی گئی تھی کہ قاتل کو اس قدر کھلے عام مدد مہیا نہ کی جائے، اس طرح سے وہ محمد علی نوشہروی (جو مباہلہ کے عبدالکریم کا دوست اور محمد حسین کا قاتل تھا) کی طرح ایک ہیرو شمار ہونے لگے گا اور دوسروں کو بھی شہہ ملے گی کہ وہ بھی ایسے جرائم کا ارتکاب کریں۔ مرزا محمود نے محتاط رویہ اپنالیا کیونکہ ہر کسی کو یقین تھا کہ یہ سازش انہوں نے تیار کی تھی۔ اپنی وفات سے قبل ملتانی نے ایک بیان دیا تھا کہ اس کی زندگی ختم کرنے کے مرزا محمود اور ولی اللہ شاہ ذمہ دار ہوں گے۔ قاتل عزیز احمد اور اس کے ساتھیوں کو بچانے کی خاطر اسے یہ ترغیب دی گئی کہ وہ یہ اقبال جرم کرلے کہ ملتانی کی اشتعال انگیز تحریروں اور بیانات کی وجہ سے اس اکیلے نے اسے قتل کیا ہے اور یہ اس کا ذاتی فعل تھا۔ اسے عدالت نے سزائے موت کی سزا سنائی۔ اس کی نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں قادیانیوں نے شرکت کی۔ مرزا محمود کے بقول:

''اس قربانی کی رُوح کو جو اس نے کسی دنیاوی مقصد کی بجائے خدا کی رضا کے لیے دی تھی، گلہائے عقیدت نچھاور کرنے اور خراج تحسین پیش کرنے کے لیے لوگ آئے۔''

(تحریک احمدیہ از جناب بشیر احمد صاحب، ترجمہ جناب احمد علی ظفر صاحب)

اس کے علاوہ مرزا محمود نے محفوظ الحق علمی اور اس کے تمام ساتھیوں کو قادیان بدر کیا۔ مولانا عبدالکریم مباہلہ پر قاتلانہ حملہ اور اس کی بلڈنگ کو نذر آتش کروایا۔ حاجی محمد حسین، حکیم عبدالعزیز اور محمد امین

خائف پر بھی عرصہ حیات تنگ کر کے انہیں قادیان سے دھکے دے کر نکال دیا۔ آنجہانی مرزا قادیانی کے دیرینہ ساتھی مسٹر محمد علی لاہوری کی بیوی پر جاسوسی کا الزام لگایا۔ حکیم نورالدین کے بیٹے عبدالمنان عمر کی بیوی کو اسپرین کی جگہ چوہے مار گولیاں سپلائی کی گئیں۔ لاہوری جماعت کو ''دوزخ کی چلتی پھرتی آگ''، ''دنیا کی بدترین قوم'' اور ''سنڈاس میں پڑے ہوئے چھلکے'' کا خطاب دیا۔

جناب بشیر احمد صاحب اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تحریک احمدیہ'' میں لکھتے ہیں:

''احمدیہ جماعت پر مرزا محمود کو پچاس سال تک مکمل کنٹرول حاصل رہا۔ وہ ایک مسلمہ سامراجی آلہ کار، یہودی چاکر اور تاج برطانیہ کے نہایت وفادار خادم تھے۔ تاہم انہوں نے احمدیوں کو ایک مضبوط جماعت کے طور پر منظم کیا اور غیر ملکی قوتوں کے ساتھ تعاون کی حکمت عملی کی وجہ سے انہوں نے دولت کے انبار حاصل کر لیے۔ انہوں نے اپنے کنبے کو پروان چڑھایا۔ زرعی جاگیریں حاصل کیں اور ان میں سرمایہ کاری کی۔ تجارتی اور صنعتی کمپنیوں کے وسیع پیمانے پر حصص خریدے۔ انہوں نے اپنے ذاتی کاروبار کو وسعت دی۔ ان کے ذاتی صنعتی یونٹوں احمدیہ سٹور، گلوب ٹریڈنگ کمپنی، گیٹ فیکٹری، سٹار ہوزری، دارالصنعت، ہمالیہ گلاس فیکٹری، ویدک یونانی دواخانہ، سندھ ویجی ٹیبل آئل اور الائیڈ کمپنی شامل ہیں۔ انہوں نے بے تحاشہ دولت اکٹھی کر لی۔ آپ نے برطانوی نوآبادیات میں قائم تبلیغی و جاسوسی جال کے ذریعے اپنے غیر ملکی آقاؤں کی ہر پکار پر لبیک کہا۔ وہ ایک اوسط درجے کے عیار سیاستدان، ایک بددیانت سودے باز اور اپنے وقتوں کے عظیم موقع پرست انسان تھے۔ وہ اپنے مخالفین کو دبانا اور اپنے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کو کچلنے کا فن بخوبی جانتے تھے۔ ہز ہائی نس مبینہ طور پر ''راسپوٹین'' تھے اور قادیان کے ''منیا محل'' کے ''پیا جان'' تھے۔

انہیں اپنی سادہ لوح جماعت پر اتنا اختیار حاصل تھا کہ ان کی تمام تر کوتاہیوں پر وہ بیک آواز الاپتے کہ ''خلیفہ معصوم عن الخطاء ہے۔'' وہ ایک خطاء سے مبراء اور خدا کے برگزیدہ خلیفہ سمجھے جاتے تھے۔ اسلام کے سیاسی ڈھانچے میں ناقابل مرمت دراڑ ڈالنے اور مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت پر لوگوں کو پکا کرنے کا ''سہرا'' ان کے سر ہے۔

اجرائے ''نبوت'' اور دیگر احمدیہ عقائد کی تائید میں دلائل اخذ کرنے کی غرض سے بہت سے قادیانیوں نے بہائیت سے استفادہ کیا اور پھر اسے قبول کر لیا کیونکہ قادیان بہائی ماخذوں پر بہت زیادہ تکیہ کرتا تھا۔ مولوی عبداللہ وکیل، ماسٹر فقیر اللہ، محفوظ الحق علمی اور چند دیگر قادیانی بہائی مبلغ بن گئے۔ مرزا محمود نے ان کے اعتقادات اور قادیانیوں میں ان کے پرچار پر سخت تنقید کی۔

مرزا محمود گند آلود چالوں کے ماہر تھے۔ انہوں نے اسرائیل میں احمدیہ مشن کے قیام میں اپنی جماعت کا روشن تر مستقبل محسوس کر لیا۔ ان کا نصف صدی کا دور خلافت نوآبادیاتی آقاؤں اور ان کے

صیہونی شراکت کاروں کی خدمت کرتے گزرا۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ برصغیر میں احمدیوں کا ایک مضبوط مرکز اور ایک احمدیہ ریاست قائم کر جائیں جن کے لیے انہوں نے عمر بھر برطانوی سامراجی مقاصد کی تکمیل کی جدوجہد کی۔ وہ ان کے نوآبادیاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر بہت زیادہ جھکے۔ مگر اپنے مکروہ عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہندوستان اور دیگر مسلمان ممالک میں نوآبادیاتی نظام کے خلاف چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے ساتھ انہیں کوئی حقیقی ہمدردی یا تعلق نہیں تھا۔ قادیانیوں نے اپنے آپ کو برطانیہ کے خادموں اور چاپلوسوں کا ایک ایسا جتھہ ثابت کیا جو سامراجی بالادستی کے لیے کام کر رہا تھا۔ جب کبھی ہندوستان میں کوئی سیاسی بحران نمودار ہوا یا انگریز کے خلاف تحریک ابھری، قادیانیوں نے انگریز کی مدح وستائش میں وسیع پیمانے پر خوشامدانہ لٹریچر کی بھرمار کر دی۔ غیر ملکی راج کے جواز اور قیام میں دلائل کے انبار لگا دیئے۔ ہر نئے وائسرائے ہند اور پنجاب کے نئے گورنر کو خطبہ استقبالیہ دینے اور اپنے سیاسی نظریات اور برطانوی راج کے لیے اپنی انتہائی ہمدردی کے اظہار میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اکثر مواقع پر سامراج کے نفسِ ناطقہ سرظفر اللہ نے نئے آقاؤں کی مدح وتوصیف میں قادیانی وفد کی قیادت کی۔

1914ء میں قادیان میں مسند اقتدار سنبھالنے سے قبل مرزا محمود نے 1913ء میں سانحہ کانپور کی احتجاجی تحریک کی مخالفت کی۔ پہلی جنگ عظیم (18-1914ء) کے دوران انہوں نے انگریزوں کی طرف ہر قسم کا دست تعاون دراز کیا۔ 1920ء کی دہائی میں اٹھنے والی آزادی کی تمام قومی تحاریک کو انہوں نے اور ان کی جماعت نے سبوتاژ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ خصوصاً سول نافرمانی کی تحاریک میں انہوں نے کمال سرگرمی دکھائی۔

1934ء میں احرار نے اس خیال کو غلط ثابت کرنے کی غرض سے کہ قادیانی ناقابل تسخیر ہیں، ان کے قلعے قادیان پر دلیرانہ حملہ کیا۔ چاہ کن را چاہ درپیش کے مصداق قادیانی اپنے دام میں خود الجھ گئے کیونکہ پنجاب کے مسلمانوں کے ولولہ انگیز جذبات نے ان کے دلوں میں احرار کی انتہائی شدید ہر دلعزیزی پیدا کر دی تھیں۔ اپنے الو کو سیدھا کرنے کے لیے انہوں نے کشمیر کی سیاست میں ٹانگ اڑائی۔ دراصل وہ ریاست کے اندر ایک مضبوط احمدی مشن قائم کرنے کے خواہاں تھے۔ اس سلسلے میں وہ چند کشمیریوں کو مرتد بنانے میں کامیاب بھی ہوئے لیکن احراریوں نے ان کے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ 1930ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں شدید مخالفت کا سامنا نہ کر سکنے پر انہوں نے 1937ء کے انتخابات میں چالاکی سے اپنا رخ کانگریس کی طرف موڑ لیا۔ 1937ء میں جب کانگریس نے چند صوبوں میں وزارتیں قائم کر لیں تو قادیانیوں نے کانگریس کی تعریف اور مسلم لیگ پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا۔ قادیانی پریس نے مسلم لیگ پر مکروہ حملے کیے اور اس کی دیانت پر انگلیاں اٹھائیں۔ انہوں نے پنجاب کے یونینسٹوں سے ساز باز کر کے لیگ اور اس کی قیادت کے خلاف کام کیا۔ جب پاکستان مسلمانوں کی آرزوؤں کا مرکز بن گیا اس وقت

مرزا محمود نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی کیونکہ ایک مسلم ریاست کا قیام ان کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ متحدہ یا اکھنڈ ہندوستان کے زبردست پرچارک تھے اور ہمیشہ رہے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ مقدر آزمانے کے لیے ایک نیا بہروپ دھار کر قادیان سے لاہور بھاگ آئے۔ انہوں نے نوزائیدہ مسلم ریاست پاکستان کے خلاف سازشیں کیں اور ملکی استحکام کو داؤ پر لگا کر قادیان واپس لینے کی سازشیں کیں۔ ان کی پاپائیت کا نصف صدی کا دور متواتر باہمی افتراق اور ان کے اور ان کے اہل خانہ کے خلاف کشمکش کا دور رہا۔ مسند اقتدار سنبھالنے کے بعد (1914ء میں) ان کی سب سے بڑی کامیابی خواجہ کمال الدین پارٹی کو قادیان سے نکال کر اپنے باپ کی گدی پر قبضہ کرنا تھا۔ قادیان میں نہایت بااثر احمدیوں مثلاً محمد علی، ڈاکٹر بشارت احمد، مرزا یعقوب بیگ وغیرہ کو آزادانہ انداز میں چاروں شانے چت کر دیا گیا۔ انہوں نے آخر کار لاہور میں پناہ لی اور اپنی جماعتی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے علیحدہ انجمن بنالی۔ مرزا محمود نے لاہوری جماعت کے خطرے کا سامنا کیا اور ان کے منصوبوں کا توڑ پیش کیا۔ انہوں نے اپنی چھوٹی سی قادیانی ریاست کو درپیش تمام خطرات کا مقابلہ کیا۔ 1920ء کی دہائی کے آخری سالوں میں انہیں مستریوں کے خطرے کا سامنا کرنا پڑا، جنہوں نے ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے۔ اپنے گماشتوں کی مدد سے انہوں نے بڑی کامیابی سے ان کی مباہلہ مہم کا سامنا کیا۔ 1937ء میں ملتانی اور مصری کی زبردست تحریک اور آخر میں حقیقت پسند پارٹی کے برانگیختہ حملوں نے اگرچہ ان کی رسوائی میں بہت اضافہ کیا لیکن انہوں نے ان کے آگے ہتھیار نہ ڈالے۔ جماعت کی اکثریت ان کے ساتھ رہی۔ مرزا محمود نے اپنی جماعت کو متحد رکھنے کے لیے مکمل طور پر طاقت کا استعمال کیا۔ وہ اپنے خلاف معمولی سے معمولی تنقید بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کوئی بھی ان سے اختلاف صرف اپنی جماعت اور قادیان سے اخراج کی قیمت پر ہی کر سکتا تھا۔ مخالفین سے نمٹنے کے لیے ان کا اندرونی جاسوسی نظام بڑا منظم تھا۔ ان کے متبعین کا اعتماد بحال کرنے میں بھی یہ نظام بڑا فعال کردار ادا کرتا تھا۔ انہوں نے قادیانی مناظرہ بازوں کی ایک خصوصی کھیپ تیار کی جو علماء کو مناظروں کے لیے للکارتے اور احمدی عقائد کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے انہیں بے سود مذہبی مباحثوں میں الجھائے رکھتے۔ انہوں نے برطانوی حکمت عملی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کو مزید پروان چڑھایا اور قادیانیوں کو یہ باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ خلافت کے نام پر قائم یہ نظام احمدیہ جماعت کی ترقی اور فروغ کے لیے ضروری تھا۔ ہر سرگرم قادیانی مرزا محمود کا سوراجا گر کرنے میں اپنا حقیر حصہ ڈالتا۔ اندرونی بحرانوں کے دور میں انہوں نے مرزا محمود کے ہیولے کو سنوارنے کے لیے مرزا قادیانی کی پیش گوئیوں اور اوٹ پٹانگ الہامات کی بڑی دھوم دھام سے اشاعت کی۔ ان کے گماشتے مثلاً اللہ دتہ جالندھری، جلال دین شمس، حافظ روشن علی، قاضی محمد نذیر، غلام رسول راجیکی، فن مناظرہ بازی کے ماہر تھے جبکہ ان کے کردار کے دیگر اوصاف میں خلافت کا پروپیگنڈا، چاپلوسی، خوشامد شامل تھے۔ اگرچہ مرزا محمود

کے حواریوں نے انہیں پسر موعود یا مصلح موعود ثابت کرنے کے لیے شروع ہی سے زور لگایا جس کا تذکرہ مرزا غلام احمد قادیانی نے سبز اشتہار میں کر دیا تھا پھر بھی انہوں نے اپنی مبینہ وحی کا سہارا لے کر اس منصب کو اختیار کیا۔ یعنی جماعت کا سربراہ بننے کے بعد ان کو تیس سال (1944ء تک) انتظار کرنا پڑا۔ اس دعوے کے بعد ان کی تصویر کشی احمدیت کے ناخدا کے طور پر پیش کی گئی۔ اپنے متبعین کے اذہان میں انہوں نے انتہائی غلامانہ ذہنیت بھر دی۔ 1954ء میں جب منیر کمیٹی کے سامنے انہوں نے اصل عقائد کے برعکس انتہائی بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نرم تر موقف اپنایا اور عدالت کو دھوکہ دینے کے لیے لاہوری جماعت کے موقف سے ملتا جلتا موقف اختیار کیا تو ان کی اس منافقت پر بہت ہی کم لوگوں نے آواز اٹھائی۔

یقیناً کچھ ایسے احمدی بھی تھے جو ان کے سیاست میں ملوث ہونے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور ذاتی مقاصد کے لیے حصول زر کے مشکوک ذرائع کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ ان کے ذاتی مفادات، معاشی فوائد اور خاندانی و سماجی روابط انہیں ''معصوم عن الخطاء مصلح موعود'' کے خلاف ایک لفظ بھی بولنے سے روک دیتے تھے۔

مرزا قادیانی نے اپنے خاندان کی پرتعیش زندگی کی خاطر اپنی جھوٹی نبوت کی بنیاد پر اپنی سلطنت قائم کی، جس کا سب سے زیادہ فائدہ مرزا محمود نے اٹھایا۔ وہ تعدد ازدواج کے پُرجوش قائل تھے۔ انہوں نے تمام عمر چار بیویاں رکھیں۔ اپنے نصف صدی کے آمرانہ دور کے اختتام پر انہوں نے کئی ایسے معتقدین چھوڑے جو ان کی اندھی محبت میں ان کی مدح کے گیت الاپتے رہے۔''

جناب مرزا محمد حسین اپنی کتاب ''فتنہ انکار ختم نبوت'' میں مرزا محمود کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مرزا محمود ایسا بے لگام اور گستہ مہار تھا کہ ایک دفعہ خطبۂ جمعہ میں یہ کہا کہ حضرت رسول کریم ﷺ سے بڑا نبی آ سکتا ہے۔ اس کو زمیندار اخبار نے ہوا دی اور ہندوستان کے سارے اسلامی اخبارات اور رسائل اس پر لعن طعن کی بارش کرنے لگے۔ اور قادیانی جماعت میں بھی اس ملک گیر اشتعال سے خوف پیدا ہوا تو پھر ڈھیلے منہ سے کہہ دیا کہ میرا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ ایسا کر سکتا ہے، لیکن وہ کرے گا نہیں۔ منیر ٹریبونل میں بھی پہلی پیشی پر جب اس پر سوال ہوا کہ کیا وہ حضرت رسول کریم ﷺ کو معصوم عن الخطاء تسلیم کرتا ہے تو اس نے مبہم سا جواب دیا۔ لیکن آتشیں احتجاج سے خوف زدہ ہو کر دوسرے دن بیان کی نفی کر دی۔ اس نے انکارِ ختم نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے قادیانی جماعت کے ذہن کو مفلوج کر کے بڑی شدادی کا کاروبار چلایا۔ بفرض محال یہ دل سے اپنے باپ کے ''دعاوی'' کا قائل ہوتا تو اس کے پاس رہتے ہوئے اخلاق سوزی کا ڈرامہ نہ رچاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کسی پولیس افسر کے پڑوس میں رہ کر آدمی محتاط رہتا ہے۔ چونکہ دل ہی دل میں باپ کے الہاموں کو ابہام ہی سمجھتا تھا، اس لیے بڑی سے بڑی بے باکی اور ناپاکی سے نہیں چوکتا تھا۔ مبینہ طور پر اپنی نجی مجلسوں میں تو صریح الحاد کی باتوں سے لذت یاب

ہوتا تھا، کیونکہ اس کو جماعت کی طرف سے اعتراض کا خوف نہ تھا۔ اس نے جماعت کے لوگوں کو بے خبر رکھا اور جو باخبر تھے اوران کو بے بس کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ''کنچنی کے ناچ کو فن قرار دیتے ہوئے کہتا تھا کہ علم کی خاطر کوئی چیز بُری نہیں۔'' (الفضل 3 دسمبر 1955ء)

یہی بات اس نے حکیم نورالدین کی طرف منسوب کر کے کہی کہ انہوں نے بھی کنچنی کے ناچ کو ایک طرح کا علم قرار دیا اور دیکھنے کی ترغیب دی۔ (الفضل 3 دسمبر 1955ء)

معصیت کے ارتکاب سے چند لمحوں کی نشاط تو ہوتی ہے، اس کے محو ہو جانے کے بعد سوزِ غم دل و دماغ پر محیط ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے اشخاص (Schizophrenia) شقاوت ذہنی کے مریض ہوتے ہیں۔ افشائے راز کے سارے جھروکے اور دریچے بند کرنے کی پیہم سعی میں ایک اور ذہنی عارضے کے شکار ہو جاتے ہیں وہ ہے (Paranoia) (خبط فضیلت) وہ زندگی کے سنگین حقائق اور ان کے عواقب سے خیالی طور پر بچنے کے لیے (Grandiose Delusion) جلالِ اوہام، کے مریض ہو جاتے ہیں۔ انہی ذہنی عوارض سے ان کے اندر (Sadism) (ایذا رسانی کی لذت) کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے طفیل وہ اپنے حلقہ بگوشوں کو لذتِ ایذا طلبی (Masochism) کا عادی بنا دیتے ہیں۔ یہی وہ ساری کیفیات تھیں جو مرزا محمود کے وجود میں پیدا ہوئیں۔ انہی کے نتیجہ میں جماعت جمود و خمود میں مبتلا ہو کر ایک متحرک لاش ہو کر رہ گئی اور نادانوں نے اس کو تنظیم کا نام دیا۔ حالانکہ یہ انسانیت کی تجہیز و تکفین تھی۔

میکیاولی نے آمر (وہ آمر کو Prince کہتا ہے) کے متعلق لکھا کہ اس کو اپنے تحفظ کے لیے لومڑی اور شیر کے خواص پیدا کرنے چاہئیں۔ شیر پھندوں سے محفوظ نہیں ہو سکتا اور لومڑی اپنے آپ کو بھیڑیوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ اس لیے آمر کو یہ خواص اس طرح پیدا کرنے چاہئیں کہ وہ محسوس ہوں۔ یعنی جب پھندے کا خوف نہ ہو تو شیر بنا رہے جب پھندا نظر آئے تو لومڑی کی مکاری کو شیوہ بنا لے۔

یہی حال مرزا محمود کا تھا۔ جب بے خوفی کی لہر آتی تو روحانی طور پر افضل اکابر کی تحقیر کرتا جب احتجاج کا پھندا یا قانون کا دام ہمرنگ زمیں اس کو نظر آ جاتی تو گناہ گار بن جاتا۔

مؤلف الفاظ کے محراب میں لب کشائی کی پورے یقین سے جرأت کر رہا ہے۔ چالیس سال کے دوران خوف زدگی اور حزن و ملال کی فضا میں تنہا تنہا جو ارمان دل میں مچل رہے تھے وہ اکثر محفل احباب میں لب شناس ہوئے۔ مگر زبانِ خامہ پر سہارا لینے کا یارانہ ہوا۔ سینے کے داغ نوکِ قلم پر رقص کرنے لگے۔ اس لیے کہ احباب کرام کا مسلسل تقاضا تھا کہ عصمت کے قتل عام کے ہوشربا مناظر زینت قرطاس بنیں تاکہ کسی کے لیے عبرت کا سامان ہو اور کسی کو ہوش کے ناخن لینے کی ترغیب ہو اور جس کے دل میں اسلام بس رہا ہو اس کو علم ہو کہ ختم نبوت کے انکار سے کس طرح حیا اور شرم سلب ہو جاتی ہے۔

حلفاً مؤلف کو کامل اطمینان ہے کہ وہ گناہوں کے خارزار کے مزاج کا رازدار ہے اور

ہوسنا کیوں کے سبک شگوفوں کا محرم ہے۔ اس لیے مؤلف عرض پرداز ہے:

مجھے قسم ہے قلم کی عظمت کی، حرف و معنی کی معرفت کی، کتابِ حکمت ربانی کے گنجہائے گرانمایہ کی کہ مندرجہ ذیل حکایاتِ خوں چکاں مصدقہ معلومات کے برگ و بار ہیں۔ خدا علیم وخبیر ہے، وہ جانتا ہے کہ مؤلف اس کے لکھنے میں حق بجانب ہے کہ منکرین ختم نبوت کی پہلی بستی میں جواب بھارت میں ویرانہ آباد نما ہے جنسی معصیت کو وہ فروغ نصیب ہوا کہ پاکدامنی کا لفظ شرمندۂ معنی ہو کر رہ گیا۔ علم الحیات کے ایک جید عالم نے ایک بات خوب کہی کہ مچھلی کی جسمی ساخت کو انسانی معاشرہ سے ایک خاص مشابہت ہے۔ مچھلی کے سر میں پہلے تعفن پڑتا ہے، اس کے بعد یہ تعفن اس کے سارے جسم میں پھیل جاتا ہے اور سڑانڈ پھیل کر اس کے جسم کو کھا جاتی ہے۔ یہی حال انسانی معاشرہ کا ہے۔ اس میں اخلاقی عفونت اوپر کے طبقے سے شروع ہوتی ہے اور پھر سارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ یہی حال منکرین ختم نبوت کے مریض معاشرہ کا ہوا۔ جب ایک پچیس سالہ پیرزادہ جو معروف تعلیم سے ''عاری'' تھا، گونا گوں حیلوں اور وسیلوں سے ''مسند ارشاد'' پر قابض ہو گیا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہی جنسی معصیت کے جرم میں ماخوذ ہوا تھا اور پھر ماں کے توسط سے بچ نکلا تھا۔ اس کو مقتدرِ اعلیٰ بن کر کھل کھیلنے کا خوب موقع ملا۔ اس نے اپنے اردگرد خانہ ساز ''الہامات'' اور خوابوں کی فصیلیں کھڑی کر لیں تاکہ احتساب کو راہ نہ مل سکے۔ اس نے اپنے کردار سے جنسی مزاج کو ایسا فروغ دیا کہ اس کا پیدا کردہ سارا معاشرہ ملجب دوزخ بن کر رہ گیا۔ اس کا مزاجی مسلک اس کے مریدوں کی نظروں میں ایک ''شاخ نور'' کے طور پر ابھرا۔ اس کو ظلمتوں نے سینچا اور اس پر شراروں کے پھول آئے اور نیک و بد کی تمیز یکسر مٹ گئی۔

مؤلف جب بھی مولانا مہر مرحوم و مغفور سے منکرین کے اس سربراہ کے متعلق بات کرتا تو مولانا مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص ایک چیستان ہے۔ یہ دنیائے اسلام کو کافر قرار دیتا ہے۔ اپنے ''الہاموں'' کی دھڑا دھڑ اشاعت کرتا ہے۔ لیکن یہ میکیاولیانہ سیاست کا ایسا رسیا ہے کہ گھنٹوں اس سے گفتگو سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کو مذہب یا اخلاق سے دور کا بھی کوئی لگاؤ ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس کو ماننے والے ایسے عقل باختہ اور ادنیٰ ہوش سے عاری ہیں کہ وہ عملاً اس کو اولیاء اور انبیاء سے افضل درجہ دیتے ہیں۔ اور یہ شخص اپنے خطبوں میں اپنے مضحکہ خیز ''الہاموں'' اور ''خوابوں'' کے انبار لگا دیتا ہے تاکہ جو موت سامعین کے عقول و قلوب پر وارد ہو چکی ہے وہ قائم رہے۔

مولانا موصوف سے مؤلف کا ایک ہی جواب ہوا کرتا تھا کہ وہ ایسا مادر پدر آزاد دہریہ ہے کہ اس کے رستے میں کوئی روک نہیں۔ نہ وہ محرم و غیر محرم میں کوئی امتیاز کرتا ہے نہ اس کو اپنی جماعت کی طرف سے کوئی خدشہ ہے کیونکہ اس نے اپنے مریدوں کو بھی اسی بے حیائی کے عارضے میں مبتلا کر دیا ہے۔ دہریہ بھی کسی نہ کسی حد تک رک جاتا ہے۔ لیکن جب عصیاں کاری اوڑھنا بچھونا بن جائے تو پھر یہی کچھ ہوگا، جو

یہ شخص شب و روز کرتا ہے۔ اس کی سیاست کاری بھی ایک سنڈاس خانہ ہے۔ یہ سارا وبال حضرت رسول کریم ﷺ کے مرتبہ عالی سے انکار سے نازل ہوا۔ اس فتنہ عظیم سے بے اعتنائی کی سزا ساری قوم پا رہی ہے۔ کیونکہ جو جماعت یا گروہ ختم نبوت کا قائل نہیں وہ کلمہ طیبہ کا بھی قائل نہیں ہوتا۔

چونکہ یہ سودیشی خلیفہ شروع سے ہی حضرت رسول کریم ﷺ کی عظیم رفعت کا منکر تھا، اس لیے وہ عنفوانِ شباب میں جنسی دھاندلیوں میں مبتلا رہا۔ اس پر اس کے باپ نے ایک کمیشن بٹھایا۔ اس کے ارکان چار تھے۔ مولوی نورالدین، خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی اور مولوی شیر علی۔ ان اشخاص کے سامنے اس مجرم کی والدہ نے اپنا دامن پھیلا کر منت سماجت کی اور ارکان سے کہا کہ اگر اس کے معصیت کار بیٹے پر گرفت ہوئی تو اس کا باپ اس کو نکال باہر کرے گا۔ ان لوگوں نے اپنی فقہ کے پردے میں اس مجرم کو بری کر دیا یعنی یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ چار گواہ عینی نہیں ہیں اس لیے یہ مستوجب سزا نہیں ٹھہرتا گویا زنا کاری چار گواہوں کے نہ پیش ہونے سے زنا نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کو اسی مجرم سے سزا دلوائی۔ ان میں سے دو کو 1914ء میں اس کے خلیفہ بننے پر قادیان سے رخصت ہونا پڑا۔ ایک یعنی مولوی محمد علی کے مکان پر پہلے پتھراؤ ہوا۔ یہ بات مؤلف کو ربوائی جماعت کے مفسر قرآن نے بتائی تھی، کیونکہ اس وقت وہ نویں جماعت کا مشہور قابل متعلم تھا۔ اس نے پتھراؤ کا معاملہ سنا اور مولوی محمد علی کی مظلومیت کا حال اس کی زبانی سنا۔ پتھراؤ کے دوسرے دن وہ (مولوی محمد علی) قادیان سے بھاگ نکلا۔ خواجہ کمال الدین ولایت میں تھا، وہ وہیں سے الگ ہوگیا۔ اور قادیان بھی شاید نہ آسکا۔ مولوی نورالدین کے بیٹوں کو ''خلیفہ'' نے 1954ء میں ربوہ سے رسوا کر کے نکال دیا۔ یہی حشر مولوی شیر علی کے پس ماندگان کا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ناپاک حرکت سے اغماض کرنے کی جلدی یا بدیر سزا نازل فرما دی۔

اس مثیل راسپوٹین کو سربراہ اوّل نے داماد بنا کر اس کے فروغ کے راستے کشادہ اور ہموار کر دیئے۔ ضمناً عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ راسپوٹین روسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں **(Women Chaser)** عورتوں کے پیچھے بھاگنے والا۔ یہ ایک روسی پادری کا نام بن کر رہ گیا تھا حالانکہ اس کا نام مانک گریگوری **(Monk gregory)** تھا۔ چونکہ اس نے زارِ روس کی بیوی کا مرشد بن کر زنا کاری کا بازار گرم کر دیا تھا تو وہ راسپوٹین مشہور ہوگیا لیکن وہ محرم اور نامحرم کی تمیز سے عاری نہ تھا۔ لیکن اس راسپوٹین نے تمام ریکارڈ مات کر دیئے۔

انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ **Fierce Light Beats on the Throne** یعنی تخت پر سورج کی روشنی شدت سے پڑتی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی آدمی سربراہ بن کر اپنے اعمال اور افعال کو پردے میں رکھنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اس پر چار دیواروں سے پھلانگ کر سورج کی روشنی میں آجاتے ہیں اور بے خبر عوام بھی باخبر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہی حال اس راسپوٹین کا ہوا۔ اندر ہی اندر چہ

ے گویّاں تو ابتداء سے ہی چل پڑی تھیں۔ اس کی بہیمانہ جولانیوں کے صید زبوں ہی ایک وقت باہر آ گئے۔ وہ تھے قادیان کے لوگ جو ''مستری'' کہلاتے تھے۔ ان کا باپ مستری فضل کریم اور اس کا بڑا بیٹا مولوی عبدالکریم تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی اور بہن خلیفہ کی بزم کے رکن رکین تھے۔ جب ان دونوں کو ایک بہانے کسی رات ''دوچار'' کرا دیا تو وہ صبر نہ کر سکے اور انہوں نے اپنے باپ اور بھائی کو سارا ماجرا سنا دیا۔ ان لوگوں نے بھرپور حملہ کیا۔ اور ایک ہفتہ وار پرچہ ''مباہلہ'' کے ذریعے درونِ خانہ کی غلاظتوں کو طشت از بام کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے مکانات جلا دیئے گئے۔ بڑے بڑے مقدمے چلے لیکن برطانوی قانون ایک مکڑی کا جالا تھا جس میں مکھی تو پھنس کے رہ جاتی تھی لیکن زنبور بچ کر نکل جاتا تھا۔ یہی حال قادیان میں ہوا۔

مستریوں کی یورش کا مقابلہ ''خلیفہ'' کے مقرب خاص شیخ عبدالرحمٰن مصری نے کیا۔ تحریری حملوں کا جواب تحریراً دیا۔ اور اپنی طرف سے بھی وہ نبرد آزما ہوا، جس سے اس کو اور زیادہ قرب حاصل ہوا۔ وہ مکافاتِ عمل کے قانون سے بے خبر ہو کر گنہگار کے لیے چومکھی لڑتا رہا۔ اس کو علم نہ ہوا کہ اس کے قرب نے اس کے گنہگار مرشد کے لیے اس کے گھر میں راہ کھول دی ہے اور اس نے نقب لگانی شروع کر دی ہے۔ لڑکی کا راز تو کچھ پوشیدہ سا رہا لیکن مصری کے بیٹے کے ذریعے سارا معاملہ آناً فاناً مصری پر آشکار ہو گیا۔ اس نے بیٹے کو سرکش پایا۔ اس کی عادات میں مجرمانہ حرکات کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ مصری نے اس کی تفتیش شروع کر دی، اور کپورتھلہ میں جا کر بیٹے کو کالج کے ہوسٹل میں جا گھیرا۔ بیٹے نے گھبرا کر ساری تحریرات باپ کو دے دیں۔ یہ سارا واقعہ مصری کے بیٹے حافظ بشیر احمد نے مؤلف کو لاہوری جماعت کی مسجد کے ایک حجرے میں بیٹھ کر سنایا تھا۔'' (فتنہ انکار ختم نبوت از مرزا محمد حسین)

قادیانی جماعت میں مرزا بشیر الدین محمود کی حیثیت ایک جنسی دیوکی ہے۔ پیدائش کے وقت اگر بچے اپنے ساتھ کچھ لے کر پیدا ہوتے ہیں تو مرزا محمود بلاشبہ جنسی بھوک لے کر پیدا ہوا تھا۔ جنس کی دنیا میں اس کی شہرت ''راسپوٹین'' سے کم نہیں۔ مرزا محمود نے تقریباً 52 سال قادیانیوں پر حکومت کی لیکن یہ پورا دور وحشت، سفاکی، حرام کاری، لذت پرستی، اخلاق باختگی کے باعث انتہائی سیاہ اور شرمناک قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس نے اخلاقی اقدار کو منوں مٹی تلے دفن کر دیا تھا۔ اس کی جنسی زندگی کی تفصیلات اتنی شرمناک ہیں کہ خدا کی پناہ! اندھی طاقت، بے پایاں اختیارات اور جنسی لذتوں کا شائق۔ اس کی مجرمانہ سرگرمیوں پر شیطان بھی آبدیدہ ہو گیا ہوگا۔

بچپن ہی سے قادیان کے ہر فرد کی زبان پر اس کی گمراہی اور شہوانی بھوک کی داستانیں تھیں۔ حکیم نورالدین سمیت کئی دوسرے سرکردہ قادیانی مرزا محمود کی اخلاقی کمزوریوں سے بخوبی واقف تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں، اس نے اپنے باپ کے مخلص ساتھی ظہور الدین اکمل کی بیٹی (جو شوخی و شرارت

میں اپنا کوئی ثانی نہ رکھتی تھی) کے ساتھ مسجد مبارک کی چھت پر منہ کالا کیا اور ایک دن رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ مرزا قادیانی کے کئی پیروکار اپنی نجی محفلوں میں دبے لفظوں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے اور دوسروں سے منہ چھپاتے پھرتے، بعد ازاں قادیان میں ہر جگہ اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا۔ مرزا قادیانی کو بھی اس واقعہ کا علم تھا۔ اپنی وحی کی بناء پر اس مسئلہ کو حل کرنے کے بجائے اس نے زناکاری کے اس واقعہ کی تحقیقات کے لیے قادیانی اکابر پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کر دیا۔ نصرت جہاں بیگم نے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ لگالیا۔ اس نے حکیم نورالدین کی منت سماجت کرتے ہوئے اس معاملہ کو احسن طریقے سے نمٹانے کے لیے کہا۔ حکیم نورالدین نصرت جہاں بیگم کی کوئی بات نہ ٹال سکتا تھا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے ایک گواہ خریدا اور دوسرے گواہوں پر اثر انداز ہو کر انہیں توڑ لیا۔ چنانچہ زنا کی شہادت کے لیے ضروری چار گواہوں کی عدم فراہمی کی وجہ سے معاملہ ٹھپ کر دیا گیا۔

ان حالات میں مرزا قادیانی نے مرزا محمود کی آوارگی کا ایک روایتی حل یہ نکالا کہ اس کی شادی کر دی۔ 13 سال کی عمر میں اس کی پہلی شادی رشید الدین کی بیٹی محمودہ سے اکتوبر 1902ء میں ہوئی۔ رشید الدین مرزا قادیانی کے 313 خاص چیلوں میں سے تھا جبکہ محمودہ نہایت گھٹیا درجے اور شیطانی طبیعت کی عورت تھی جو ہمہ وقت غرور و نخوت سے بھری ہوتی تھی۔ بہت زیادہ کھاتی جس کے نتیجہ میں موٹاپے کا شکار ہو گئی۔ وہ انتہائی موٹی اور فربہ اندام عورت تھی۔ اس کی ٹھوڑی کے نیچے بہت سارا گوشت لٹکتا رہتا تھا۔ آواز میں مردانہ پن آ گیا تھا۔ آخری عمر میں اس کے چہرے پر برص کے نشان نکل آئے تھے۔ مرزا محمود نے سات عورتوں سے باقاعدہ نکاح کیا۔ وہ ہر رات دو یا اکثر و بیشتر عورتوں، جن میں غیر محرم عورتیں بھی شامل ہوتیں، کے ساتھ سوتا۔ ان مشاغل نے اسے 25 سے زائد بیٹوں اور بیٹیوں کا تحفہ دیا، جو ایک ریکارڈ ہے۔

مرزا محمود سب سے بڑھ کر رنگین مزاج شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی داستان کو کسی دلچسپ جنسی ناول کی طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ وہ زنا کرتے وقت اپنی جنسی بھوک کو مزید اشتہا دینے کے لیے جنسی طاقت دینے والی ادویات کھاتا جن میں نشہ آور اشیاء ہوتی تھیں۔ ایستادگی کے وقت کو بڑھانے کے لیے وہ اپنے عضو تناسل پر سونے، چاندی یا ربڑ کا چھلا چڑھاتا جو عضو کے آخری حصے کو مضبوطی سے گرفت کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہ کئی ایک آلات اور طریقے استعمال کرتا۔ اپنے والد کی طرح وہ بھی افیون استعمال کرتا۔ افیون شہوانی قوت میں اضافہ اور جنسی بھوک کو ہوا دیتی ہے۔ بعض اوقات افیون جنسی بھوک کو اتنا بھڑکا دیتی ہے کہ نارمل طریقوں سے اسے آسودہ نہیں کیا جا سکتا۔

مرزا محمود کے زرعی فارم واقع احمد نگر میں دیسی مرغوں کی خاص انداز میں افزائش اور پرورش ہوتی۔ انہیں خاص طور پر بادام، دودھ، فروٹ، خشک میوہ جات اور دیگر مقوی اشیاء کھلائی جاتیں۔ جب مرغا

اپنے جوبن پر ہوتا تو اسے ذبح کر کے اچھی طرح کھال اتار کر، صفائی وغیرہ کر کے اس کے پیٹ میں ایک گولڈن سیب رکھ کر دیسی گھی میں اس کی یخنی تیار کی جاتی۔ مرزا محمود بطور خاص اس یخنی کو استعمال کرتا جو قوت باہ اور مباشرت کے لیے نہایت کارآمد اور مفید ہے۔ اس کے علاوہ بٹیر، مرغابی، تیتر، جنگلی کبوتر، ہرن اور خصوصاً خرگوش کا گوشت کھاتا۔ مزید وہ شہوت افروز دوائیں استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ ننگی تصویروں والی کتابیں دیکھتا اور فرانس کے شاہی خاندان کی جنسی زندگی کے حالات پر مشتمل کتابیں پڑھتا تاکہ اس کے تخیل اور جسم دونوں کو تحریک ملے۔ یہ تدبیر کارگر رہی اور وہ عورتوں کے ایک خاص حلقہ میں اپنی مردانگی کے حوالے سے ''راسپوٹین'' کی طرح خاصا مشہور ہو گیا۔

بدکردار، سیاہ کار اور فسق و فجور کی دلدل میں گردن تک ڈوبا ہوا یہ ابلیسی صفات رکھنے والا خلیفہ جس عورت یا مرد کے ساتھ چاہتا، ہم بستری کرتا کیونکہ اس کی جنسی خواہش، گمراہی کا کوئی ایک خاص پہلو نہیں رکھتی تھی بلکہ ہمہ گیر تھی۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری اس کی عیش پسندی تھی۔ وہ اس حد تک بدنام تھا کہ اس کے دوست، مبلغین جماعت، رشتہ دار اور جاننے والے بھی اس سے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو چھپاتے تھے۔ وہ بچپن میں ہی لہو ولعب کا عادی ہو گیا تھا اور اس کی شکار عورتوں کی تعداد کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ اس نے اتنی عورتوں اور ایسی عورتوں سے تعلقات رکھے کہ لوگ بھی حیران رہ گئے۔ اس فہرست میں نوخیز لڑکیوں سے لے کر ادھیڑ عمر عورتیں تک شامل ہیں۔ وہ اخلاقی قدروں کا سرے سے قائل نہیں تھا۔ عورت اس کے نزدیک عورت تھی۔ اسے قطعی غرض نہ ہوتی تھی کہ وہ کسی کی بیوی، بہن، بیٹی اور ماں ہے۔ دوستوں کی بیویوں سے کھلے بندوں عشق کے پیچ لڑاتا، حتیٰ کہ اس کے اپنے سگے بھائی بشیر احمد ایم اے کی بیوی سرور سلطان سے بھی ناجائز تعلقات تھے۔ اس گھناؤنے کھیل میں اس نے بہت سارے ایسے لوگوں کی بھی دشمنی مول لے لی، جن کی دوستی کی اسے اشد ضرورت تھی۔ جنسی ہوس کے کھیل میں وہ حماقت کی حد تک اندھا ہو جاتا تھا۔

مرزا محمود گرگٹ سے بھی زیادہ ہوشیار تھا۔ وہ شیطانی منصوبہ بناتے وقت برف ہو جاتا اور اس پر عمل درآمد کرتے وقت سراپا آگ بن جاتا۔ اصول اور اخلاق اس کے نزدیک اضافی اشیاء تھیں، جس کے نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہ پڑتا۔ صالح نور راوی ہیں کہ ''مرزا محمود پر جنسی غلبے کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی جنسی آگ بجھانے کے لیے بچہ کی خوبصورت، نوخیز اور کم عمر لڑکیوں سے نہایت وحشیانہ انداز میں مباشرت کرتا۔ وہ ان لڑکیوں کے جسم پر شراب ڈال کر اپنی زبان سے چاٹتا اور پھر ان کی اندام نہانی میں انگور ڈال کر چمچ سے نکال کر کھاتا اور شیطانی قہقہے لگاتا۔''

اس نے اپنے عشرت کدے کی دیواروں پر آئینے لگوا لیے تھے تاکہ اپنی جنسی مہمات (Love Baules) کو ہر طرف سے دیکھ سکے۔ اپنے ''خاص بستر'' پر سمور بچھاتا تھا تاکہ جنسی عمل کے دوران اس

کے گھنٹے بختی کی وجہ سے کوئی دشواری پیدا نہ کریں۔ وہ اکثر اپنے گھر لجنہ کی خوبصورت لڑکیوں کو بلاتا اور انہیں ''اطاعت'' کے نام پر بے لباس ہونے کا حکم دیتا اور پھر خود بھی کپڑے اتار دیتا اور دل کھول کر عیاشی کرتا۔ اس نے جنسی عمل کے کچھ نئے طریقے بھی دریافت کیے تھے۔ اس کی جنس پرستی کا یہ حال تھا کہ جب بھی کوئی شخص کسی مہ جبیں کا ذکر کرتا تو اس کی رال ٹپکنے لگتی۔ ایسے میں اس کی بے صبری و بے قراری بہت غیر معمولی ہوا کرتی اور پھر جب تک وہ لڑکی حاصل نہ ہوتی، اسے چین نہ آتا۔

رام باتوں میں وہ بت پہلے دم مستی ہوا
اور اس کے بعد پھر سب کچھ زبردستی ہوا

مرزا محمود کی فیملی کے سابق اتالیق جناب مرزا محمد حسین، مرزا محمود کے نجی کمرے کا احوال یوں بیان کرتے ہیں۔

''مرزا محمود کا نہایت عالی شان کمرہ تھا جس میں وہ اختلاط کی محفل سجاتا۔ اس کمرے میں ایک طرف پڑا ہوا پردہ اٹھایا جاتا تو اس کے سامنے ایک دروازہ آتا، جس میں ایک گول شیشہ لگا ہوا ہوتا تھا۔ وہ اس شیشے کے ذریعے دوسری طرف واقع ایک چھوٹے لیکن زیبائش و آرائش سے مزین ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی ملاقاتی لڑکیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ لڑکیاں نہایت دیدہ زیب لباس پہنے صوفوں پر بیٹھی رہتیں۔ یہ لڑکیاں بھی خوب بن سنور کے آتیں۔ ان کی قمیضوں کے گلے کافی کھلے ہوتے تھے جس سے ان کی چھاتیاں جھانکتی تھیں۔ ان کے بال بڑے دلکش انداز میں سنوارے ہوتے۔ مرزا محمود کو جو لڑکی پسند آتی، وہ اس کی نشاندہی کر دیتا، وہی خاتون اس کی بارگاہ نیاز میں پیش کی جاتی اور پھر وہ اس سے لطف اندوز ہوتا۔ اس کی محفل میں ایسے ایسے شرمناک مناظر دیکھے جا سکتے تھے کہ بیان سے باہر ہیں۔''

مرزا محمد حسین کا کہنا ہے: ''قادیانی خاندان کا ہر فرد بدی اور شرارت میں ایک سے ایک بڑھا ہوا ہے۔ ایک رات مرزا محمود کے گھر میں بدمستی سے بھرپور ایک تقریب تھی۔ حقیقتاً محفل میں شریک ہر مرد و زن نشے میں بری طرح بدمست تھا۔ وہاں نغموں کی جھنکار، جام و مینا کی کھنک، ہنسنے، کھیلنے، مچلنے اور دل ہلا دینے والے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ مجھ پر تو اس محفل نے لرزہ طاری کر دیا تھا۔ میں نے خود دیکھا کہ صاحبزادی مبارکہ بیگم، مرزا محمود کی گردن کے گرد اپنے بازو حمائل کیے ہوئے، اپنی ابھرتی ہوئی سخت چھاتیوں سے اس کے سینے کو دبائے ہوئے گلے مل رہی تھی۔ میں نے دروازے پر کھڑی مرزا محمود کی صاحبزادی امۃ المتین سے پوچھا کہ یہ ہنگامہ کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ ''حضور کی سالگرہ ہے۔''

این خانہ تمام آفتاب است

مرزا محمد حسین کا مزید کہنا ہے کہ مرزا محمود اپنی تمام بیٹیوں کے ساتھ جنسی تعلقات رکھتا تھا، اور کوئی رشتہ، مجامعت میں حائل نہ ہوتا۔ ایک دفعہ اس نے اپنی بارہ سالہ نوعمر لڑکی ''امۃ الرشید'' کو اپنی جنسی

بدخصلتی کا نشانہ بنایا۔ باپ اور بیٹی کے عظیم اور مقدس رشتے کو ایک شہوانی طوفان کی نذر کر دیا گیا۔ وہ خود بھی جانتا تھا کہ یہ کتنا گھٹیا فعل ہے۔ مگر امۃ الرشید سے جنسی ہوس نے اسے جس کیف و نشاط سے ہمکنار کیا تھا، بعد میں وہ اس کا عادی ہو گیا تھا۔

جنسی بے اعتدالی کے حوالے سے مرزا محمود ایک بھیڑیا بن چکا تھا۔ اس شخص نے طاقت اور مذہب کو اس ڈھنگ سے استعمال کیا کہ اس کے وحشیانہ اقدامات سے ہر شخص شدید خوف و ہراس میں ڈوبا ہوا تھا۔ اگر کوئی شخص قادیانیت سے بغاوت کرتا تو موت کو اپنے سامنے پاتا۔ اس طرح اسے قادیانیت کا بلیک لیجنڈ (Black Legend) بھی کہا جاتا۔ وہ خدا کی دھرتی پر شیطان کے وجود کی زندہ دلیل تھا۔ اس کی جنسی زندگی اس کی مکروہ شخصیت کی بھرپور عکاس ہے۔ لوگ سوچتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے کہ شیطان، مرزا محمود سے زیادہ بُرا تو نہیں ہے۔ وہ شیطان سے بڑھ کر شیطان تھا۔ قادیانیت کی تاریخ میں اس جیسا شریر، بدقماش اور بدذات کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔

مرزا محمود ہر اعتبار سے ایک تند خو اور گرم مزاج انسان تھا۔ وہ کسی کی اطاعت کرنے یا تنقید برداشت کرنے اور کسی کی نصیحت ماننے کا قائل نہ تھا۔ کوئی نہیں تھا جو اسے قابو کرتا یا اسے کسی کا تابع بناتا۔ مرزا قادیانی نے مرزا محمود کے لیے کئی اتالیق مقرر کیے مگر وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا، وہ کسی سے مشورہ نہ کرتا بلکہ تمام فیصلے خود کرتا تھا۔ کسی میں اتنی جرأت نہ ہوتی کہ اسے کچھ نصیحت کرے یا سمجھا سکے۔

اس کی بیوی بشریٰ مہر آپا نے اسے عیاشی سے باز رکھنے کے لیے جادو ٹونے کے ذریعے اسے اپنی محبت کا اسیر رکھنے اور دوسری عورتوں سے متنفر رکھنے کی کوشش کی۔ مرزا محمود کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے بشریٰ پر بے حد تشدد کیا اور بدلہ کے طور پر اس کی اندام نہانی نکلوا دی۔ یہ واقعہ مرزا محمود کی بے رحمی اور سنگدلی کو عیاں کرتا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ وہ کیونکر زندہ رہا۔ اس کے کسی غیرت مند حریف نے دن دیہاڑے یا رات کی تاریکی میں اسے قتل کیوں نہیں کیا؟ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ قادیانی معاشرہ غیرت و حمیت سے محروم ہو چکا ہے۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ جب لڑکیوں کے والدین کو معلوم ہوتا کہ ان کی بیٹی نے مرزا بشیر الدین محمود سے ''جنسی فیض'' حاصل کیا ہے تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے اور اپنی قسمت پر ناز کرتے۔

اس کے لیے اس نے باقاعدہ ایک اکیڈمی قائم کی تھی جہاں خوبرو اور نازک اندام لڑکیوں کو مختلف ''نسوانی علوم وفنون'' کی تربیت دی جاتی۔ یہ اس اکیڈمی کا ظاہری لبادہ تھا۔ درحقیقت مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی شیطانی ہوس کی تسکین کا سامان فراہم کیا تھا۔

مرزا محمود خلیفہ کے روپ میں ایک مقدس حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ قادیانی اس کی بھگوان کی طرح پوجا کرتے ہیں۔ عورتیں اس کی بارگاہ میں برکتیں حاصل کرنے کے لیے جاتیں۔ وہ عورتیں جن کے اولاد نہ

ہوتی تھی، وہ مرزا محمود کے ہاں ''فیض'' حاصل کرنے جاتیں۔ مرزا محمود ان کی مجبوریوں کا پورا فائدہ اٹھاتا۔ وہ اپنا ہاتھ ان کے پستانوں پر رکھتا اور منہ سے کوئی عمل پڑھتا۔ اور کچھ دیر بعد کوئی ردعمل نہ ہونے پر اس کا شیطانی حوصلہ بڑھتا اور پھر وہ اپنا ہاتھ عورت کے جنسی عضو میں داخل کرتا اور آنکھیں بند کر کے منہ سے کچھ پڑھتا جاتا۔ بانجھ مرد بھی اس کے پاس آتے، وہ انہیں برہنہ کر کے کھڑا کر دیتا اور پھر اس کے گرد چکر لگاتا، اس عمل کے پس پردہ ان لوگوں کو نفسیاتی طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلام بنانا ہوتا تھا اور پھر انہیں وہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کرتا۔

اسے عورت بازی کی عادت اس قدر بے قابو اور شدید تھی کہ جو دلکش لڑکی دیکھتا، اسے اپنے بستر عیش کی زینت بناتا۔ وہ ایک جنسی دہشت گرد تھا۔ ربوہ کے کئی خاندانوں نے محض اس کے خوف سے اپنی نوعمر لڑکیوں کی شادیاں وقت سے پہلے کر دی تھیں یا انہیں تعلیم وغیرہ کے بہانے بیرون شہر بھیج دیا تھا تاکہ پوری طرح کھلنے سے پہلے ہی یہ کلیاں مرزا محمود کی جنسی ہوس کے ہاتھوں مسلی نہ جائیں۔

دسمبر 1980ء میں ماہنامہ ''سویرا'' لاہور میں لجنہ کی سابق صدر اور ماہنامہ مصباح کی ایڈیٹر امتہ الرشید شوکت کی دلچسپ اور ہوش رُبا آپ بیتی شائع ہوئی ہے، وہ لکھتی ہیں:

''1952ء میں جب میں قادیانی رسالہ مصباح کی ایڈیٹر تھی تو خلیفہ مرزا محمود احمد کے گھر میرا آنا جانا شروع ہو گیا۔ اس کی بیوی بشریٰ نے میاں صاحب کی غیر موجودگی میں مجھے اپنے گھر مدعو کرنا شروع کر دیا۔ وہ میری گہری سہیلی بن گئی۔ ایک دن اس نے میرے ساتھ ہم جنسی کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں خوف اور احترام کے ملے جلے جذبات کے تحت انکار نہ کر سکی۔ پھر رفتہ رفتہ میرا خوف اترتا رہا اور ہم دونوں بغیر کسی حجاب کے ان سرگرمیوں میں جوش و خروش سے حصہ لینے لگے۔ اس کے بعد ربوہ میں ہونے والے خواتین کے پروگراموں اور سماجی تقریبات میں مجھ سے ترجیحی اور خصوصی سلوک ہونے لگا کیونکہ خلیفہ صاحب کی بیگم مجھ سے بہت خوش تھی۔ اس طرح ہم آپس میں بہت اچھی اور بے تکلف دوست بن گئیں۔ لیکن ایک دفعہ میں بے حد پریشان ہوئی جب میں بشریٰ کو ملنے کے لیے گئی تو گھر میں مرزا محمود کے سوا اور کوئی فرد نظر نہیں آیا۔ میں نے میاں صاحب سے بشریٰ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ آج صبح ہی ایک ضروری کام کے سلسلہ میں لاہور گئی ہیں۔ وہ آپ کے متعلق مجھے سب کچھ بتا گئی ہیں۔ آج ان کی ڈیوٹی میں سرانجام دوں گا۔ میں خوف سے لرز گئی اور سردی کے باوجود پسینے میں شرابور ہو گئی۔ اسی اثناء میں انہوں نے اپنے بازو میری کمر سے حمائل کیے اور اندر تزئین و آرائش سے آراستہ ایک کمرے میں لے گئے۔ میرے لیے خاص شربت لائے اور کہا کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں آپ کی کارکردگی اور سرگرمیوں سے بہت خوش ہوں۔ پھر کہا: ''رات مجھے رؤیا میں دکھایا گیا کہ میں اور آپ ایک ہی پیالہ سے دودھ پی رہے ہیں۔'' پھر انہوں نے میرے پستانوں کو چھوا۔ مجھے سینے سے لگایا اور کلائی پکڑ کر بستر پر لے

جانے لگے تو میرے دل سے نفرت کا لاوا پھوٹنے لگا۔ مجھے خود سے بھی نفرت ہونے لگی۔ اس کے بعد انہوں نے میرا منہ اپنے ہاتھوں میں لے کر میرا بوسہ لیا اور اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ کر اس پر زبان پھیرنے لگے۔ وہ نشے میں دھت تھے۔ انہوں نے تیزی سے میری چھاتی اپنے سینے سے لگائی اور ایک ہاتھ سے میرے کپڑے اتارنے لگے۔ پھر انہوں نے میرے پورے جسم کو دبانا اور مروڑنا شروع کر دیا۔ میں روئی، چیخی اور انہیں بتایا کہ میں ایسی عورت نہیں ہوں، مجھے اذیت نہ دیں، مجھے شدید درد ہو رہا ہے۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی بلکہ کہا کہ ذرا برداشت کرو۔ میں اس کے بدلے میں تمہیں اتنا نوازوں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں سب کچھ لٹا چکی تھی۔ اس کے بعد میرے دل میں ان کے لیے عقیدت واحترام کے تمام بت پاش پاش ہو گئے۔ ان کا مکروہ چہرہ اور بھی زیادہ مکروہ لگنے لگا۔ مگر میں کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ بھوک سے بھی نڈھال ہو رہی تھی، اس لیے مزاحمت کے قابل نہ تھی، چنانچہ میں تقریباً بے ہوش ہو گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو ایک خادمہ (باڈی گارڈ امیر شاہ خاں کی اہلیہ) نے مجھے پانی پلایا۔ میرے صدمے اور مایوسی کی کوئی حد نہ رہی جب مجھے خادمہ نے بتایا کہ خلیفہ صاحب کا حکم ہے کہ آپ آئندہ یہاں نہ آیا کریں۔ مجھے اپنے جسم بالخصوص شرمگاہ پر دانتوں کے کاٹنے کی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ میں ندامت اور شرمندگی کے بے پایاں احساس کے ساتھ گھر واپس آئی تو میرے اہل خانہ میری قسمت پر ناز کرنے لگے کہ مجھے خلیفہ صاحب کے گھر جانے کی عام اجازت ہے اور یہ اعزاز بہت کم خوش نصیبوں کو حاصل ہے۔ میرے لیے ایک اور مصیبت اس وقت سامنے آ کھڑی ہوئی جب چند ہفتوں بعد متلی سے میری طبیعت سخت خراب ہونے پر میں نے لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ مختصر معائنے کے بعد لیڈی ڈاکٹر نے انکشاف کیا کہ میں حاملہ ہوں۔ اس واقعہ سے مجھ پر آج تک ڈپریشن کے دورے پڑتے ہیں۔ میں زندگی میں ایک زبردست خلا محسوس کرتی ہوں اور کبھی کبھی خود کو بے لنگر جہاز سمجھتی ہوں۔"

مرزا محمود کی بدکاریوں کے بارے میں عبدالرحمٰن مصری قادیانی، مستری عبدالکریم قادیانی، حکیم عبدالعزیز قادیانی، محمد علی ایم اے لاہوری جماعت، عمر الدین شملوی، راحت ملک، مسماۃ سلمٰی ابوبکر اور دیگر بے شمار مرزائی لڑکوں، لڑکیوں اور مردوں عورتوں نے جو حلفاً گواہیاں دی ہیں، وہ قادیانی تاریخ کا شرمناک اور بھیانک باب ہے۔

خان احمد دین خان قادیانی کی مرزائی بہو نے مرزا بشیر الدین محمود پر اپنی عصمت دری کا الزام لگاتے ہوئے کہا تھا کہ "وہ انتہائی خبیث، بدتمیز، بدقماش، سیاہ کار اور بدکردار ہے کہ اس کی گھٹیا حرکتوں سے انسانی تاریخ وتمدن کی پوری تاریخ کا سر جھک گیا۔ اس نے میرے ساتھ زبردستی زنا کیا اور کہا کہ خلیفہ ہر عورت کے ساتھ جنسی عمل کرنے کا مکمل حق رکھتا ہے کیونکہ یہ سلسلہ کی ترقی وکامیابی کے لیے ضروری ہے۔"

(بدکار خلیفہ از عزیز احمد ص 11)

مرزا محمود کی جنسی ہوس کا نشانہ بننے والی اکثر خواتین کی کہانیاں اس حقیقت کو عیاں کرتی ہیں کہ وہ مذہب کے مقدس لبادے میں ''راسپوٹین'' تھا۔ وہ نوجوان لڑکیوں سے تعلقات قائم کرنے کے بارے میں اس قدر بدنام ہو چکا تھا کہ ایک مرتبہ یوسف ناز نے کہا تھا کہ ''میں کبھی اپنی بیوی اور بیٹی کا تعارف مرزا محمود سے کرانا پسند نہیں کروں گا۔'' (تاریخ محمودیت از فخر الدین ملتانی)

پروفیسر چوہدری غلام رسول چیمہ نہایت علمی و ادبی شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ ایک عرصہ تک گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر کی حیثیت سے پڑھاتے رہے۔ مختلف موضوعات پر ان کی کئی ایک کتب شائع ہو کر ہر خاص و عام سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی ایک شہرۂ آفاق کتاب ''مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ'' ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہ آج کل اردو بازار لاہور میں ''مکتبہ دانشوراں'' کے نام سے کتابوں کی اشاعت کا کام کرتے ہیں۔ چوہدری غلام رسول صاحب پیدائشی قادیانی تھے۔ انہوں نے اس دلدل میں ایک عمر گذاری جہاں انہوں نے قادیانی قیادت کی رنگینیاں اور سنگینیاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو ششدر رہ گئے۔ وہ بعض اہم اور ناقابل یقین واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ ان کے دل و دماغ میں قادیانی قیادت کے بت جو انہوں نے بڑی عقیدت و احترام سے بنائے اور سجائے تھے، دفعتاً پاش پاش ہو گئے۔ انہوں نے ان مذموم اور مکروہ سرگرمیوں کے خلاف آواز احتجاج بلند کی تو قادیانی جماعت سے ان کا اخراج کر کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا گیا۔

راقم کے ساتھ ایک ملاقات میں چوہدری غلام رسول صاحب نے بتایا کہ قادیانی خلیفہ مرزا محمود نہایت عیاش اور بدکار آدمی تھا۔ اس کے ہاں مقدس رشتوں کے احترام اور پہچان کی سوچ سلب ہو چکی تھی۔ اسے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ایسے نازک اور حساس رشتوں کی کوئی تمیز نہ تھی۔ انہوں نے انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ مرزا محمود کے اپنی سگی بہن مبارکہ بیگم سے ناجائز تعلقات تھے۔ وہ دونوں گھنٹوں ایک دوسرے کو جنسی طور پر سراب کرتے اور وصل حبیب کا لطف اٹھاتے۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ مرزا محمود اکثر مبارکہ کو چھیڑتے ہوئے گنگناتا:

مانگوں گا بار بار میں، تو بار بار دے

بعد ازاں مرزا محمود نے مبارکہ بیگم کی خواہش پر اس مصرعے کو بنیاد بنا کر ایک نظم بھی لکھی جو ایک دفعہ قادیانی سالانہ جلسہ دسمبر 1945ء میں پڑھی گئی جہاں سادہ لوح قادیانی نظم کے ہر مصرعے پر بغیر سمجھے بے تحاشا داد دیتے جبکہ مبارکہ بیگم خواتین کے پنڈال میں بیٹھی قادیانیوں کی بیوقوفی پر قہقہے لگاتی۔

چوہدری غلام رسول چیمہ صاحب نے مرزا محمود کے پرائیویٹ سیکرٹری چوہدری مشتاق احمد باجوہ کے حوالے سے انکشاف کرتے ہوئے کہا ''صاحبزادی مبارکہ بیگم بہت ہی تیز طرار اور عیار عورت تھی۔ وہ اکثر بے ہودہ اور ننگی انگریزی فلمیں اور رسالے Play Boy وغیرہ منگواتی اور بڑے شوق سے دیکھتی۔

ایک دفعہ مبارکہ گھر میں اکیلی نہایت گندے اور عریاں رسالے دیکھ رہی تھی کہ اچانک مرزا محمود آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ مبارکہ پشت کے بل لیٹی گندے رسائل دیکھ رہی ہے۔ ایک تصویر میں مرد عورت کے ساتھ ... کر رہا ہے۔ مبارکہ مسحور کن تصاویر دیکھنے میں اتنی مگن تھی کہ اسے اردگرد کا ہوش ہی نہ رہا کہ کب مرزا محمود کمرے میں آ گیا۔ مرزا محمود آہستہ سے مبارکہ کے پاس بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ اس کی پشت پر پھیرنے لگا۔ مبارکہ گھبرا کر اٹھنے لگی تو مرزا محمود نے مسکراتے ہوئے کہا کہ گھبرا کیوں گئی ہو۔ تم شوق سے دیکھو۔ میں تو خود ایسی تصاویر شوق سے دیکھتا ہوں بلکہ میں ایسے کئی رسائل تمہیں دوں گا۔ مبارکہ کا جسم تو پہلے ہی سلگ رہا تھا۔ مرزا محمود کے ہاتھ اس کے جسم پر سانپ کی طرح پھرنے لگے تو وہ ہوش کا دامن کھو بیٹھی اور جوش میں آ کر مرزا محمود کے ساتھ لپٹ گئی۔ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب شیطان کا نفس نفس پر غلبہ ہوتا ہے اور کسی رشتے کی بھی تمیز نہیں رہتی۔ لمحوں میں ہی بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی اور بہن بھائی نے مستقل آپس میں جنسی تعلقات قائم کر لیے۔

مبارکہ اور محمود اس ''گناہ'' پر پشیمان ہونے کے بجائے اور شیر ہو گئے اور ایک عرصہ تک موقع پا کر ایک دوسرے سے جسمانی طور پر لطف اندوز ہوتے رہے۔ دراصل مبارکہ اور مرزا محمود خود نصرت جہاں بیگم کی ناجائز اولاد تھی۔ بچپن میں انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے نصرت کو حکیم نورالدین، مفتی صادق اور مولوی عبدالکریم ایسے عیاش لوگوں کی آغوش میں جاتے دیکھا۔ کہتے ہیں کہ خون اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے۔ مبارکہ کا حسن قیامت بن کر ٹوٹا اور بہن بھائی کے مقدس رشتے کو خاکستر کر گیا۔ اب مبارکہ، بشیرالدین کی داشتہ تھی اور وہ اس کے حسین جسم سے اپنی آتش نفس کو سرد کر رہا تھا۔ بہن کے ساتھ مرزا محمود کے تعلقات اگرچہ محمود کے لیے شرمناک تھے مگر ان تعلقات نے اُسے کچھ ایسے کیف انگیز لمحات بخشے تھے کہ وہ اس سے اب تک محروم تھا۔

ایک دفعہ مرزا محمود سب گھر والوں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ مبارکہ گیلے کپڑوں میں باتھ روم سے نکل کر ڈائننگ روم میں آ گئی۔ باریک کپڑوں سے اس کے سڈول اور بھرپور بدن کی رعنائیاں جھلک رہی تھیں۔ مرزا محمود نے اسے شرانگیز نگاہوں سے دیکھا بلکہ مبارکہ کو گیلے بدن پشت سے دیکھ کر اس کے اندر کا شیطان جاگ اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر پیچھے سے ہی مبارکہ کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ مبارکہ نے خود بخود اپنا جسم اس کے حوالے کر دیا پھر دونوں کیف و مستی کے عالم میں جسمانی لذتوں سے سرشار ہونے لگے۔

چوہدری صاحب نے کہا کہ ان دونوں کے ناجائز تعلقات کا ان کی والدہ نصرت جہاں بیگم کو بھی بخوبی علم تھا۔ بقول مرزا محمد حسین وہ اکثر دونوں کو بستر سے علیحدہ کرتی اور ڈانٹ کر کہتی کہ اتنی بھی کیا بے صبری ہے۔ کیا کل دن طلوع نہ ہوگا؟''

چوہدری صاحب نے مزید انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ مشہور قادیانی مبلغ مولوی جلال الدین

شمس کی بیٹیوں کے ساتھ مرزا محمود اور اس کے قریبی ساتھیوں نے زبردستی زنا کیا۔ یہ جولائی 1923ء کا واقعہ ہے۔ ان دنوں جلال الدین شمس امریکہ کے معروف شہر شکاگو میں قادیانی مبلغ کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ وہاں اُسے اس المناک واقعہ کی اطلاع ملی تو نہایت پریشانی کے عالم میں ستمبر 1923ء کو واپس قادیان پہنچا۔ جلال الدین شمس اس واقعہ کی شکایت لے کر مرزا محمود کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور بڑی لجاجت مگر امید بھری نظروں سے عرض کرتے ہوئے کہا: ''حضور مجھ پر قیامت بیت گئی ہے، بہرحال جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اگر آپ میری متاثرہ بیٹی کو اپنی زوجیت میں لے لیں تو مجھ پر احسان عظیم کے علاوہ اس حادثہ کا بھی کچھ ازالہ ہو جائے گا۔ مرزا محمود یہ سنتے ہی آپے سے باہر ہو گیا اور شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''جلال الدین شمس! چوہدری اور کمی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تم اپنی حیثیت بھول رہے ہو۔ خبردار آئندہ ایسی بات کی۔ اپنی اوقات میں رہا کرو۔''

خاموشی کے ایک مختصر وقفہ کے بعد جلال الدین شمس نے ڈرتے ڈرتے نہایت بے بسی کے عالم میں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا: ''حضور! کم از کم اپنے آدمیوں کو تو سمجھا دیں تاکہ میرے گھر والوں کے ساتھ آئندہ ایسا وقوعہ دوبارہ پیش نہ آئے۔ مرزا محمود نے بڑے درشت لہجہ میں جواب دیتے ہوئے کہا'' ٹھیک ہے! میں اپنے گھوڑوں سے کہہ دوں گا لیکن تم بھی اپنی کھوتیاں باندھ کر رکھو۔'' جلال الدین شمس کو اپنی ''خدمات'' کا صلہ مل چکا تھا۔ وہ اس واقعہ اور مرزا محمود کے ظالمانہ رویہ سے دلبرداشتہ ہو کر بڑی کسمپرسی اور بے بسی کی موت سے ہمکنار ہوا۔

مرزا محمود کے رویاء اور کشوف بھی بڑے دلچسپ اور جنسی ہوتے۔ ایک دفعہ اس نے اپنے خطبہ میں کہا:

''ایک دفعہ خواب میں ہی مجھ پر ایک رعشہ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے اور میں کہتا ہوں میں وہ ہوں جس کے لیے انیس سو سال سے کنواریاں اس سمندر کے کنارے پر انتظار کر رہی تھیں۔ کچھ نوجوان عورتیں جو سات یا نو ہیں، جن کے لباس صاف ستھرے ہیں۔ دوڑتی ہوئی میری طرف آتی ہیں۔ ان میں سے بعض ''برکت'' حاصل کرنے کے لیے میرے جسم پر ہاتھ پھیرتی ہیں۔''

(روزنامہ الفضل 15 جنوری 1944ء)

مرزا محمود نے غیر محرمات سے بے پناہ عیاشیوں اور اوباشیوں کے باوجود سات عورتوں سے نکاح کیے اور بیک وقت چار بیویاں ہمراہ رکھیں۔ اس کی بیویوں کی باہمی رقابت عروج پر تھی۔ وہ ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتی اور حسد کرتیں۔ اس لیے مرزا محمود نے ان سب کو علیحدہ علیحدہ کوٹھیاں لے کر دیں۔

سابق قادیانی سیف الحق نے بہت خوب کہا تھا:

''بشیر الدین! تمہارے محلات قیصر و روم کے محلات کے مانند ہیں۔ تمہارے گھر نوشیرواں کسریٰ

کے مانند ہیں۔تمہارا خزانہ قارون کی طرح کا ہے۔تمہارے برتن فرعونی ہیں اور اخلاق نمرودی۔تمہارے دستر خوان زمانہ جاہلیت کے سے ہیں اور تمہارا مذہب شیطانی ہے، اسلام تو تمہاری کسی بات میں نہیں ہے۔''

مرزا محمود کا اپنا شعر ہے۔

کیا بتاؤں ۔کس قدر کمزوریوں میں ہوں پھنسا
سب جہاں بیزار ہو جائے جو ہوں میں بے نقاب

ناز و انداز، لگاوٹ، دلبری، شوخی، بے شرمی اور بے حیائی میں اٹلی کی رقاصہ مس روفو اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی تھی۔اس نے ایک دفعہ پیرس کے **Folles Bergore** میں نیم برہنہ ڈانس کیا، جہاں اس نے کیلے کے پتوں کا لباس پہن کر ڈانس کیا اور اپنے محشر خرام رقص اور فتنہ خیز اداؤں سے پیرس کے لوگوں کے سینوں میں ہیجان پیدا کر دیا اور راتوں رات ایک ذرے سے آفتاب بن گئی۔انہی دنوں مرزا بشیر الدین محمود پیرس میں تھا جہاں وہ اس کے حسن و جمال کا اسیر ہوا۔

مرزا محمود کا اپنا بیان ہے:

''جب میں ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب والا حصہ بھی دیکھوں۔مگر قیام انگلستان کے دوران میں مجھے اس کا موقع نہ ملا۔واپسی پر جب ہم فرانس آئے تو میں نے چودھری ظفر اللہ خان صاحب سے جو میرے ساتھ تھے، کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں، جہاں یورپین سوسائٹی عریانی سے نظر آ سکے۔وہ بھی فرانس سے واقف تو نہ تھے مگر مجھے ایک اوپیرا میں لے گئے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔اوپیرا سینما کو کہتے ہیں۔چودھری صاحب نے بتایا کہ یہ اعلیٰ سوسائٹی کی جگہ ہے جسے دیکھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کی کیا حالت ہے۔میری نظر چونکہ کمزور ہے۔اس لیے دور کی چیز اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا۔تھوڑی دیر کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔میں نے چودھری صاحب سے کہا، کیا یہ ننگی ہیں۔انہوں نے بتایا یہ ننگی نہیں بلکہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔مگر باوجود اس کے، وہ ننگی معلوم ہوتی تھیں۔تو یہ بھی ایک لباس ہے۔اسی طرح ان لوگوں کے شام کی دعوتوں کے گاؤن ہوتے ہیں۔نام تو اس کا بھی لباس ہے۔مگر اس میں سے جسم کا ہر حصہ بالکل ننگا نظر آتا ہے۔''

(روزنامہ اخبار الفضل قادیان دارالامان مورخہ 24 جنوری 1934ء)

پیرس میں ان دنوں جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے والی خبر ایک ہی ہوتی تھی اور وہ یہ کہ مس روفو آج فلاں ہوٹل میں اپنے رقص کا مظاہرہ کر رہی ہے۔بقول شخصے ''لوگوں نے اس سے قبل ایسا ہیجان خیز رقص کبھی نہیں دیکھا تھا۔کبھی وہ صرف پھول پہن کر جلوہ گر ہوتی اور جیسے جیسے رقص میں تیزی آتی جاتی، پھول ٹوٹ کر گرتے رہتے۔وہ اپنے پاؤں سے انہیں مسلتی رہتی اور انتہائی شہوت انگیز انداز میں لہروں کی طرح مچلتی، ہلکورے لیتی، ڈولتی، لہراتی، بل کھاتی، انگڑائیاں لیتی اور ہر زاویے سے اپنے بدن کے خم اور

ابھار نمایاں کرتی۔ رقص ختم ہوتا تو تالیوں کے بے پناہ شور کی آواز کافی دیر بعد اٹھتی اور کافی دیر بعد تھمتی۔ پھولوں کا لباس مس رفو کے بدن کی بغاوت کے آگے ہار جاتا، وہ برہنہ ہو جاتی اور لوگ سانس لینا بھول جاتے۔ کبھی وہ محض جسم کے ایک دو حصوں کو پتوں اور پھولوں سے ڈھانپ کر رقص کرتی اور کبھی سات رنگ کے انتہائی باریک دوپٹے اوڑھ کر ناچنے آتی۔ یہ دوپٹوں والا رقص لوگوں کو پاگل کر دیتا تھا۔ ناچتے ناچتے وہ ایک بھرپور انگڑائی لیتی اور ایک ڈوپٹہ جسم سے الگ ہو کر گر جاتا...... لوگ آخری دوپٹہ گرتا دیکھنے کے لیے مہنگی سے مہنگی ٹکٹ خرید کر گھنٹوں اس آفت زادی کی جلوہ گری کے منتظر رہا کرتے تھے۔ ان دنوں مس رفو نے خوب رقم سمیٹی، بیسیوں بااثر افراد کی راتیں رنگین کیں اور خود کو ایک رسوا ترین طوائف بنالیا۔ اس حرافہ نے کتنے لوگوں کا بستر گرمایا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ نسوانی بے باکی تو گویا مس رفو میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جو بھی اس رقاصہ کی اداؤں میں گرفتار ہو جاتا تب تک رہائی نہ پاتا جب تک بد خصلت رقاصہ خود اسے ''آزاد'' نہ کر دیتی۔''

ایک دفعہ مس رفو ایک پروگرام کے سلسلہ میں لاہور سسل ہوٹل آئی۔ مرزا محمود کو پتہ چلا تو فوراً لاہور سسل ہوٹل جا پہنچا اور اسے بہلا پھسلا کر قادیان لے گیا۔ مس رفو کے رقص کے شائقین سمیت ہوٹل کی انتظامیہ اس کے اچانک غائب ہو جانے پر بے حد پریشان ہوئے۔ بات نکلی تو پتہ چلا کہ قادیانی خلیفہ مرزا محمود اسے اپنے ساتھ قادیان لے گیا ہے۔ اگلے روز اخبارات نے ان شہ سرخیوں کے ساتھ مرزا محمود کی اس گھٹیا حرکت پر سخت تنقید کی۔ ''مرزا بشیر الدین کی آمد اور سسل ہوٹل کی منتظمہ کی گمشدگی تلاش کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہیں مل سکا۔'' (اخبار کی سرخی) ''یکم مارچ۔ سسل ہوٹل کی طرف سے مشتہر ہوا تھا کہ جمعرات یکم مارچ پانچ سے ساڑھے نو بجے رات تک ناچ اور رسٹ ڈرائیو ہوگا۔ بڑے بڑے انعامات بدستور سابق تقسیم کیے جائیں گے، تماشائی شام چار بجے سے جمع ہونے شروع ہو گئے، اور پانچ بجے اچھا خاصا مجمع ہو گیا، ہر ایک شخص کھیل شروع ہونے کا منتظر تھا، مگر خلاف توقع رسٹ ڈرائیو شروع نہ ہوا، ناچ کا بینڈ بجنا شروع ہوا، آخر پر سسل ہوٹل کے ایک بیرے سے معلوم ہوا کہ رسٹ ڈرائیو کا تمام سامان منتظمہ کے کمرے میں ہے، اور منتظمہ کو مرزا بشیر الدین محمود موٹر میں بٹھا کر لے گئے ہیں۔''

(روزنامہ آزاد 13 مارچ 1934ء)

اس کے جواب میں مرزا محمود نے خطبہ میں کہا کہ میں تو مس رفو کو اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو انگریزی پڑھانے کے لیے لایا تھا۔ (روزنامہ الفضل 18 مارچ 1934ء) اس پر اخبارات نے لکھا کہ وہ تو اطالوی ہے۔ اسے تو خود صحیح تلفظ کے ساتھ انگریزی نہیں آتی، آپ کے خاندان کو کیا انگریزی سکھاتی۔ اور پھر ایک رقاصہ اور طوائف کو گورنس کے طور پر رکھنا کون سی دانشمندی کی علامت ہے؟ اس پر مرزا محمود نے مس رفو کو اپنے ڈرائیور نذیر کے ہمراہ لاہور ہوٹل بھجوا دیا۔ قادیان میں مس رفو جن تجربات سے گزری، وہ ایک

المناک داستان ہے۔ لاہور پہنچ کر وہ رقاصہ ایک ایڈووکیٹ کے پاس گئی اور کہا مرزا محمود احمد نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے وہ مجھ سے زنا بھی کرتے رہے اور ایک دفعہ زنا کے وقت ان کی بیٹی بھی کمرہ میں موجود تھی۔ اس ایڈووکیٹ نے کہا۔ کہ مس صاحبہ اس بیان کو کون مانے گا، میں آپ کا مقدمہ نہیں لے سکتا۔

(ربوہ کا راسپوٹین یا مذہبی آمر از فرزند توحید)

بعض باخبر ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ ایڈووکیٹ سابق چیف جسٹس منیر تھے جو اس وقت وکالت کی پریکٹس کیا کرتے تھے اور قادیانیوں کے زیر اثر تھے۔

مولانا ظفر علی خاں نے اس واقعہ پر اپنے اخبار زمیندار میں بہت خوبصورت نظمیں لکھیں۔

ملاحظہ فرمائیں:

ہوٹل سسل کی رونق عریاں

عشاق شہر کا ہے ''زمیندار'' سے سوال
ہوٹل سسل کی رونق عریاں کہاں گئی
اس کے جلو میں جاں گئی ایمان کے ساتھ ساتھ
کیا کیا نہ تھا جو لے کے وہ جان جہاں گئی
خوف خدائے پاک دلوں سے نکل گیا
آنکھوں سے شرم سرور کون و مکاں گئی
بن کے تروش حلقہ رندان لم یزل
لے کر گئی وہ حشر کا ساماں، جہاں گئی
رومہ سے ڈھل کے برق کے سانچے میں آئی تھی
اب کس حریم ناز میں وہ جانِ جاں گئی
یہ چیستان سنی تو ''زمیندار'' نے کہا
اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیاں گئی

اطالوی حسینہ مس روفو

تمہیں مشی فی النوم کی بھی خبر ہے؟
زمانے کے اے بے خبر فیل سوفو!
ملے گا تمہیں یہ سبق قادیاں سے
جہاں چل کے سوتے میں آئی ہے روفو

دبستان میں جانا نہیں چاہتے ہو
تو پہنچو شبستان میں اے بے وقوفو
بہار آ رہی ہے خزاں جا رہی ہے
ہنسو کھل کھلا کر دمشقی شگوفو!
کرشن اور خورسند کیا اس کو سمجھیں
تمہیں داد دو اس کی عبد الرؤفو!
جب اوقات موجود ہے قادیاں کی
کہاں مر رہی ہو تفو اور زوفو!

فتنہ آخر زماں

اے قادیاں، اے قادیاں تیرے بڑے لنگور کو
لپٹا لیا کرتا ہے جو ہر شب نئی اک حور کو
جس نے ہنسایا ناچ کر کشمیر اور میسور کو
جس کی ترش روئی ملی نیبو کو اور اچور کو
لکھوں دمشقی گورخر یا اندلس کی مادیاں
اے قادیاں اے قادیاں اے فتنہ آخر زماں
پیسہ ترا ایمان ہے، گالی تری پہچان ہے
جنس نفاق و کفر سے چمکی تری دکان ہے
بہتاں خدا پر باندھنا تیرے نبی کی شان ہے
الہام جو بھی ہے ترا آوردۂ شیطان ہے
یہ بھی خدا کا آخری اسلام پر احسان ہے
نقاش کی مٹھی میں گر پوشیدہ تیری جان ہے
اے قادیاں اے قادیاں اے دشمن اسلامیاں
اے فتنہ آخر زماں

مرزا محمود کی بیماریاں اور عبرتناک انجام

خاندان کے دستور کے مطابق ابتداء ہی سے مرزا محمود کے لیے ایک کھلائی یعنی دایہ مقرر ہوئی۔ یہ دایہ دراصل بیمار تھی۔ اس کی موذی بیماری کے اثرات کس طرح مرزا محمود کے جسم میں ظاہر ہوئے، اس کا

تذکرہ خود مرزا قادیانی نے اپنے قلم سے کیا ہے۔ (دیکھئے روزنامہ الفضل ربوہ 19 فروری 1956ء ص 7)

بقول مرزا قادیانی: ''مرزا محمود کے لیے جو دایہ مقرر کی گئی تھی وہ شدید امراض میں مبتلا تھی۔ ایسے شدید امراض میں کہ اس کے سات آٹھ بلکہ 9 بچے کچھ بچپن میں اور کچھ بڑے ہو کر سل اور دق سے مر گئے۔ اس عورت نے مرزا محمود کو اپنا دودھ پلا دیا اور اس طرح دق اور سل اور خنازیر کے موذی جراثیم اس کے اندر چلے گئے۔ چنانچہ جب وہ دو سال کا ہوا تو پہلے اسے کھانسی کا دورہ پڑا اور پھر وہ شدید خنازیر میں مبتلا ہو گیا۔ اور کئی سال تک مدقوق و مسلول رہا۔ لیکن خنازیر کا مرض برابر ساتھ رہا بلکہ بعض دفعہ خنازیر کی گلٹیاں پھول کر گیند کے برابر ہو جاتیں۔ اور مسلسل بارہ تیرہ سال تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ ڈاکٹر اور طبیب مختلف ادویہ کی اسے مالش کراتے اور کھانے کے لیے بھی کئی قسم کی دوائیں دیتے۔ جب مرزا محمود جوان ہوا تو اس بیماری نے دوسری شکل اختیار کر لی اور اسے سات آٹھ مہینے متواتر بخار آتا رہا۔ اطباء کہتے تھے کہ اس کا بچنا مخدوش ہے اور اب شاید ہی یہ جانبر ہو سکے۔''

اس کی صحت شروع ہی سے بہت کمزور تھی اور بچپن ہی سے بیمار چلا آ رہا تھا۔ اس لیے بے شمار قابل اور فاضل اساتذہ کی توجہ اور محنت کے باوجود وہ کوئی تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ اس سلسلہ میں مرزا محمود کا خود اپنا بیان ہے:

''بچپن میں میری آنکھوں میں سخت ککرے پڑ گئے تھے اور متواتر تین چار سال تک میری آنکھیں دکھتی رہیں۔ اور ایسی شدید تکلیف ککروں کی وجہ سے پیدا ہو گئی کہ ڈاکٹروں نے کہا اس کی بینائی ضائع ہو جائے گی۔ اس بیماری کی شدت اور اس کے متواتر حملوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری آنکھ کی بینائی ماری گئی۔ چنانچہ میری بائیں آنکھ میں بینائی نہیں ہے۔ میں رستے تو دیکھ سکتا ہوں مگر کتاب نہیں پڑھ سکتا۔ دو چار فٹ پر اگر کوئی ایسا آدمی بیٹھا ہو جو میرا پہچانا ہوا ہو تو میں اس کو دیکھ کر پہچان سکتا ہوں۔ لیکن اگر کوئی بے پہچانا بیٹھا ہو تو مجھے اس کی شکل نظر نہیں آ سکتی۔ صرف دائیں آنکھ کام کرتی ہے مگر اس میں بھی ککرے پڑ گئے اور ایسے شدید ہو گئے کہ کئی کئی راتیں میں جاگ کر کاٹا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود نے میرے استادوں سے کہہ دیا تھا کہ اس کی پڑھائی اس کی مرضی پر ہو گی۔ یہ جتنا پڑھنا چاہے، پڑھے اور اگر نہ پڑھے تو اس پر زور نہ دیا جائے۔ کیونکہ اس کی صحت اس قابل نہیں کہ یہ پڑھائی کا بوجھ برداشت کر سکے۔ ہمارے حساب کے استاد سمجھانے کے لیے بورڈ پر سوالات حل کیا کرتے تھے لیکن مجھے اپنی نظر کی کمزوری کی وجہ سے وہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اس وجہ سے میں کلاس میں بیٹھنا فضول سمجھا کرتا تھا۔ کبھی مدرسہ چلا جاتا تھا اور کبھی نہ۔ پھر میں نے مدرسہ جانا ہی چھوڑ دیا۔ کبھی مہینہ میں ایک آدھ دفعہ چلا جاتا تو اور بات تھی۔ بچپن میں علاوہ آنکھوں کی تکلیف کے مجھے جگر کی خرابی کا بھی مرض تھا۔ چھ چھ مہینے مونگ کی دال کا پانی یا ساگ کا پانی مجھے دیا جاتا رہا۔ پھر اس کے ساتھ تلی بھی بڑھ گئی۔ ریڈ آئیوڈ آف مرکری کی تلی کے مقام پر مالش کی جاتی تھی۔

اسی طرح گلے پر بھی اس کی مالش کی جاتی کیونکہ مجھے خنازیر کی بھی شکایت تھی۔ غرض آنکھوں میں ککرے، جگر کی خرابی، عظم طحال کی شکایت اور پھر اس کے ساتھ بخار کا شروع ہو جانا جو چھ چھ مہینے تک نہ اترتا اور میری پڑھائی کے متعلق یہ فیصلہ کر دیتا کہ یہ جتنا چاہے پڑھ لے، اس پر زیادہ زور نہ دیا جائے، ان حالات سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ میری تعلیمی قابلیت کا کیا حال ہوگا؟

(تقریر مرزا محمود جلسہ سالانہ 28 دسمبر 1944ء بمقام قادیان ص 77 تا 82)

مرزا محمود مزید لکھتا ہے:

''میں پرائمری فیل ہوں مگر چونکہ گھر کا مدرسہ تھا، اس لیے اوپر کی کلاسوں میں مجھے ترقی دے دی جاتی تھی۔ پھر مڈل میں فیل ہوا۔ مگر گھر کا مدرسہ ہونے کی وجہ سے پھر مجھے ترقی دے دی گئی۔ آخر میٹرک کے امتحان کا وقت آیا تو میری ساری پڑھائی کی حقیقت کھل گئی اور میں صرف عربی اور اردو میں پاس ہوا۔ اور اس کے بعد پڑھائی چھوڑ دی۔ گویا میری تعلیم کچھ بھی نہیں۔'' (تاریخ احمدیت ج 5 ص 47 از دوست محمد شاہد) مفتی صادق کا بیان ہے: مرزا محمود احمد صاحب سکول میں پڑھتے تھے مگر ہر جماعت میں فیل ہوتے تھے لیکن ہم پھر بھی اگلی جماعت میں چڑھا دیتے تھے، اس لیے کہ آپ حضرت مسیح موعود کے فرزند ہیں۔''

(الفضل 12 اکتوبر 1935ء ص 2)

''22 اپریل 1941ء کو مولوی عبدالرحیم درد ایم اے پرائیویٹ سیکرٹری نے بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ مرزا محمود کو بواسیر کی شکایت ہے اور انتڑیوں میں سوزش کی تکلیف ہے۔ احباب حضور کے لیے دعا فرمائیں۔'' (اطلاع مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 29 نمبر 92 مورخہ 25 اپریل 1941ء)

1946ء میں اسے نقرس کے دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ اس کے علاوہ گھٹنوں کی درد بھی لاحق ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے چلنے پھرنے سے منع کر دیا تھا اور خبردار کیا تھا کہ اگر اس نے احتیاط نہ کی تو اسے دل کا دورہ بھی پڑ سکتا ہے۔ (اخبار الفضل قادیان شمارہ نمبر 129 جلد 34 مورخہ 3 جون 1946ء ص 1)

مرزا محمود نے دودھ کے بارے میں لکھا:

''اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر انسان کے لیے بہت فوائد رکھے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ سب سے زیادہ ہضم ہونے والی اور نہایت عمدگی سے جذب ہونے والی غذا ہے لیکن یہی دودھ کسی بیماری اور جسمانی نقص کی وجہ سے مضر ہو جاتا ہے۔ میرا یہی ذاتی تجربہ ہے، مجھے دودھ کسی صورت میں نہیں پچ سکتا۔ چند دن اگر طبیعت کو مجبور کر کے استعمال کروں تو بخار ہو جاتا ہے اور حضرت مسیح موعود کی وفات سے ایک سال پہلے سے میری یہی حالت چلی آتی ہے۔ (خطبہ مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد نمبر 13 شمارہ نمبر 115 مورخہ 27 اپریل 1925ء)

بالک کے بارے میں کہا:

حضرت خلیفۃ المسیح (میاں محمود احمد صاحب) نے فرمایا۔ دو باتیں تو مجھ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ پالک کا نام سن کر میرے پٹھوں میں تشنج شروع ہو جاتا ہے اور جسم پر کپکپی سی ہونے لگتی ہے۔ آج ہی کھانے میں ساگ تھا۔ جب میں نے اس کے متعلق پوچھا اور بتایا گیا کہ پالک کا ساگ ہے تو یہی حالت ہوئی۔ میں نے اس کے اٹھا لینے کے لیے کہا اور پھر پندرہ بیس منٹ کے بعد میری حالت برقرار ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب میں کسی بیمار کے پاس جاؤں۔ خود بیمار ہو جاتا ہوں اور بخار ہو جاتا ہے۔"

(ڈائری میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان مورخہ 27 اکتوبر 1921ء جلد 9 نمبر 33 ص 5)

1918ء میں اس پر انفلوانزا کا اتنا شدید حملہ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی شدت سے مر جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی اسے ضعف قلب کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا۔ اس کی طبیعت اس قدر خراب ہوئی کہ ڈاکٹر حشمت اللہ اور ڈاکٹر میر اسماعیل کو تار دے کر بلایا گیا۔ ڈاکٹروں نے اس کے بول و براز کا ٹیسٹ کرانے کے لیے لاہور کے پتھالوجیکل ڈیپارٹمنٹ میں بھجوایا۔ تشخیص کا نتیجہ سامنے آنے پر ڈاکٹر اسماعیل نے ایک نئی ایجاد شدہ دوا کے چھ ٹیکے منگوائے۔ بعض لوگ تامل میں تھے کہ نئی قسم کا ٹیکہ لگانے سے کوئی بُری علامت نہ پیدا ہو جائے۔ اس علاج سے اسے کچھ افاقہ ہوا۔ (اصحاب احمد جلد ہشتم ص 117,116)

10 مارچ 1954ء بروز بدھ تقریباً پونے چار بجے کے قریب مرزا محمود پر عبدالحمید نامی ایک شخص نے چاقو سے وار کیا۔ چاقو کا یہ وار مرزا محمود کی گردن پر شہ رگ کے قریب دائیں جانب پڑا جس سے گہرا گھاؤ پڑ گیا۔ حملہ آور عبدالحمید نے دوسرا وار کیا تو مرزا محمود کے محافظ اقبال کے درمیان میں آ جانے کے باعث چاقو مرزا محمود کے بجائے اسے جا لگا اور وہ زخمی ہو گیا۔ موقع پر موجود قادیانیوں نے عبدالحمید کو پکڑنے کی کوشش کی اور کافی جدوجہد کے بعد اسے قابو میں لایا گیا اور اس کوشش میں کئی قادیانی بھی زخمی ہوئے۔ مرزا محمود زخم لگنے کے بعد بہتے خون کے ساتھ چیخیں مارتا ہوا اپنے مکان میں چلا گیا۔ خون کو ہاتھ سے روکنے کی پوری کوشش کے باوجود تمام راستہ میں اور سیڑھیوں پر خون بہتا گیا جس سے اس کے تمام کپڑے خون سے تربتر ہو گئے۔ مکان پر پہنچ کر ابتدائی مرہم پٹی ڈاکٹر مرزا منور احمد اور ڈاکٹر حشمت اللہ نے کی، زخم کو صاف کر کے اور ٹانکے لگا کر سی دیا گیا۔

رات کو لاہور سے مشہور سرجن ڈاکٹر ریاض قدیر آیا تو اس نے زخم کی حالت دیکھ کر ضروری سمجھا کہ ٹانکے کھول کر پوری طرح معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوا کہ زخم بہت زیادہ خطرناک اور سوا دو انچ گہرا اور شاہ رگ کے بالکل قریب پہنچا ہوا ہے اور خون کی دو رگیں کٹ گئی ہیں۔ ڈاکٹر ریاض نے خواب آور ٹیکہ لگا کر تقریباً سوا گھنٹہ زخم کا آپریشن کیا اور اندر کی شریانوں کا منہ بند کر کے باہر ٹانکے لگا دیئے۔

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مرزا محمود نے اپنے اس زخم کے بارے میں کہا:

انہی دنوں اس حملہ کے اثر کے نیچے یہ بھی ہوا کہ مجھے عارضی طور پر ذیابیطس کی شکایت ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے مجھے کہا کہ اس زخم کی تکلیف آپ کو چھ ماہ تک چلے گی۔ پہلے تین مہینوں میں تو آپ کو زخم کا آرام معلوم ہونا شروع ہوگا۔ لیکن تین مہینے کے بعد یہ تکلیف بڑھنی شروع ہو جائے گی۔ اور وہ نرو (Nerve) جو کٹ گیا ہے وہ اندر کسی جگہ پر اپنی جگہ بنائے گا۔ اور کسی دوسرے نرو سے جڑنے کی کوشش کرے گا۔ جب وہ اس طرف کو چلے گا۔ تو اس سے آپ کو گھبراہٹ ہوگی اور یوں معلوم ہوگا کہ اندر کوئی چیز حرکت کرتی ہے۔ چھٹے ماہ کے آخر میں اس قدر شدید تکلیف ہوئی کہ بعض دفعہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مینڈک اندر کود رہا ہے اور چھلانگیں مارتا ہوا آگے جا رہا ہے۔ اور باوجود جاننے کے گھبراہٹ پیدا ہو جاتی۔ اب مجھے سر کے اس حصہ میں شدید درد محسوس ہوتا ہے اور گردن کو ٹیڑھا کرنے سے جو پہلے یکدم جھٹکا سا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے سر میں ہتھوڑا مارا ہے۔"

(روزنامہ الفضل 27 اکتوبر 1955ء ص 3 تا 5)

مرزا محمود کے ماموں ڈاکٹر میر محمد اسماعیل نے اپنے ایک مضمون میں لکھا:

"بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ خلیفہ (مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان) عیاش ہے، اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ میں ڈاکٹر ہوں اور میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ جو چند دن بھی عیاشی میں پڑ جائیں وہ وہ ہو جاتے ہیں جنہیں انگریزی میں Wreck کہتے ہیں۔ ایسے انسان کا نہ دماغ کام کا رہتا ہے نہ عقل درست رہتی ہے نہ حرکات صحیح طور پر کرتا ہے غرض سب قویٰ اس کے برباد ہو جاتے ہیں اور سر سے لے کر پیر تک اس پر نظر ڈالنے سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ عیاشی میں پڑ کر اپنے آپ کو برباد کر چکا ہے اس لیے کہتے ہیں "الزنا یخرب البنا" کہ زنا انسان کو بنیاد سے نکال دیتا ہے۔"

(ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب کا مضمون مندرجہ الفضل 10 جولائی 37ء)

مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں مرزا محمود خود اعتراف کرتا ہے:

"ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ چند ہفتوں میں دماغی حالت اپنے معمول پر آ جائے گی، لیکن اب تک جو ترقی ہوئی ہے اس کی رفتار اتنی تیز نہیں...... آدمیوں کے سہارے سے دو ایک قدم چل سکتا ہوں مگر وہ بھی مشکل سے۔ دماغ اور زبان کی کیفیت ایسی ہے کہ میں تھوڑی دیر کے لیے بھی خطبہ نہیں دے سکتا اور ڈاکٹروں نے دماغی کام سے قطعی طور پر منع کر دیا ہے۔"

"مجھ پر فالج کا حملہ ہوا اور اب میں پاخانہ پیشاب کے لیے امداد کا محتاج ہوتا ہوں۔"

(میاں محمود احمد صاحب کا ارشاد مندرجہ الفضل 12 اپریل 1955ء)

"26 فروری کو مغرب کے قریب مجھ پر بائیں طرف فالج کا حملہ ہوا اور تھوڑے سے وقت کے

لیے میں ہاتھ پاؤں چلانے سے معذور ہوگیا...... دماغ کا عمل معطل ہوگیا اور دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا...... میں اس وقت بالکل بیکار ہوں اور ایک منٹ نہیں سوچ سکتا۔" (الفضل 26 اپریل 1955ء ص 3-5)

26 فروری 1955ء کو شام سات بجے کے قریب مرزا محمود سیڑھیوں سے چکرا کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ بلڈ پریشر ایک سوستر (170) تک پہنچ گیا۔ یہ فالج کا خفیف سا اٹیک تھا جس سے اس کی زبان پر اثر ہوا وہ بولتا لیکن آواز صاف نہ ہوتی۔ ابتدائی علاج کے لیے ڈاکٹر مرزا منور احمد انچارج فضل عمر ہسپتال اور کیپٹن ڈاکٹر محمد رمضان آئے اور ضروری ادویات دیں۔ بعد ازاں لاہور کے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش، ڈاکٹر پیرزادہ، ڈاکٹر محمد یوسف اور ڈاکٹر غلام محمد نے خون اور پیشاب کے مختلف ٹیسٹوں کی رپورٹیں دیکھنے کے بعد کہا کہ اس پر فالج کا حملہ ہوگیا ہے جو مستقبل میں شدت اختیار کرلے گا۔ ڈاکٹروں نے اسے علاج کے لیے یورپ یا امریکہ جانے کا مشورہ دیا۔ یورپ کی اس علاج نما سیر میں مرزا محمود کے ہمراہ اس کی چار بیویاں ام ناصر، ام وسیم، مریم اور بشریٰ شامل تھیں۔ اس کے علاوہ اس کی بیٹیاں بیگم مرزا مبارک احمد، صاحبزادی امۃ الباسط اور داؤد احمد بھی ہمراہ تھے۔ داؤد احمد اور اس کی اہلیہ امۃ الباسط تقریباً ڈیڑھ سال تک لندن رہے۔

مرزا محمود کا فیملیوں سمیت یہ قافلہ 23 مارچ 1955ء کو لاہور سے کراچی، کراچی سے دمشق، دمشق سے بیروت، بیروت سے زیورک، زیورک سے جرمنی، جرمنی سے ہالینڈ، ہالینڈ سے لندن اور لندن سے کراچی غریب قادیانیوں کے چندوں سے سیر و سیاحت کرتا ہوا تقریباً 6 ماہ بعد 5 ستمبر 1955ء کو واپس پاکستان پہنچا۔

جرمن کہاوت ہے "خدا کی چکی آہستہ چلتی ہے مگر خوب پیستی ہے۔" یعنی خدا ظالم کو موقع دیتا ہے کہ وہ سنبھل جائے، بالآخر اس کے اعمال بد کی اس کو بھرپور سزا دیتا ہے۔

25 فروری 1959ء کو وہ اپنی زمینوں کے معاملات کے سلسلہ میں سندھ کے سفر پر تھا کہ بشیر آباد سے واپسی پر اس کی کار کا پہیہ پھسل کر ایک گڑھے میں چلا گیا۔ اس کے دھچکے سے اس کی ریڑھ کی ہڈی کا ایک مہرہ ٹوٹ گیا۔

اعصابی کمزوری اور دوسرے عوارض کی وجہ سے اس کی طبیعت پہلے ہی خراب تھی، اس لیے اس دھچکہ کے بعد مختلف عوارض عود کر آئے حتیٰ کہ 27 مئی 1959ء کو بے ہوشی طاری ہوگئی اور نبض ڈوبنے لگی۔ فضل عمر ہسپتال کے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم فوری طور پر اس کے مکان پر پہنچی اور معائنہ کیا۔ چند گھنٹوں بعد وہ ہوش میں آ گیا۔ مگر ضعف اور نقاہت کا غلبہ رہا۔ ایک ہفتہ بعد وہ نقرس کے عارضہ میں مبتلا ہوگیا۔ پھر ساتھ ہی ایگزیما اور کھانسی کے عوارض بھی لاحق ہوگئے جس سے اس کے قویٰ مضمحل ہوگئے۔ 23 جون کو اسے گردوں کی شدید تکلیف لاحق ہوگئی۔ جس سے اس کی تکلیف اور اذیت میں بے حد اضافہ ہوگیا۔ ان عوارض نے اس کے حواس میں قدرے اختلال پیدا کر دیا تھا۔ وہ اپنے ڈاکٹروں اور معالجوں کے قتل کے بارے

میں سوچتا، شاید وہ ان پر اعتماد نہ کرتا تھا۔ 15 جولائی کو وہ ایک خطرناک دماغی بیماری "شیزوفرینیا" کا شکار ہوگیا۔ یہ ایک نہایت تکلیف دہ ذہنی بیماری اور دماغ کو ناکارہ کردینے والا مرض ہے۔ اس موذی مرض میں مبتلا ہونے کے بعد وہ عجیب وغریب باتیں سوچتا اور حالات و واقعات کو یکجائی نظروں سے دیکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا۔ وہ اپنے دماغ میں اندرونی آوازیں سنتا تو سمجھتا کہ لوگ میری جاسوسی کر رہے ہیں اور مجھ پر تسلط کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ بے تحاشا گندی اور فحش گالیاں بکتا اور چیخ چیخ کر کہتا کہ میں بادشاہ ہوں۔ کبھی کہتا کہ کوئی مجھے زہر دے کر مار دے گا۔ وہ اس سلسلہ میں اپنے بیٹے مرزا رفیع کو مورد الزام ٹھہراتا۔ یوں محسوس ہوتا کہ وہ بالکل مخبوط الحواس ہو چکا ہے۔ وہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ان کی گولیاں بناتا، پھر انہیں دو ڈھیریوں کی شکل میں رکھتا جاتا۔ پھر ایک ایک گولی اٹھا کر اپنے منہ میں ڈالتا اور اچھی طرح چبا کر نگل جاتا۔ اس کی قوت گویائی ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی تھی۔ وہ دنیا و مافیہا سے قطعاً بے خبر اور بیگانہ ہو چکا تھا۔ دماغی امراض کے ماہرین نے اس کا معائنہ کیا۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ مرض بہت بڑھ چکا ہے اور اب لاعلاج ہے۔ 3 ستمبر 1959ء کو اس پر فالج کا زبردست حملہ ہوا، جس سے وہ مزید عبرت کا نشان بن گیا۔ وہ بستر مرگ پر فحش کلمات اور غلیظ مغلظات کا بے دریغ استعمال کرتا۔ اسی دوران صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور، مرزا محمود کے عوارض کی تمام رپورٹس لے کر خود جرمنی گیا اور وہاں کے مشہور ڈاکٹر پروفیسر پیٹے سے مشورہ کیا گیا۔ اس نے جو علاج اور ادویات تجویز کیں، اس سے بھی کوئی فرق محسوس نہ ہوا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ناپسندیدہ افراد کے وحشیانہ قتل، جھوٹے مقدمے، بائیکاٹ، حد سے بڑھی ہوئی ہوسناکی اور اوباشی اور اسلام دشمنی کی وجہ سے خدائی گرفت میں آچکا ہے۔ یہ بیماری نہیں بلکہ خدائی قہر اور غضب تھا جس کی لپیٹ میں وہ مکمل طور پر آچکا تھا۔ قادیانی تاریخ میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ظلم وستم، شقاوت، سنگدلی، سفاکی و بے رحمی کے علاوہ گھناؤنی عیاشی و اوباشی اور جنسی ہوس رانیوں میں مرزا محمود کا پاسنگ بھی ہو۔ مرزا محمود فالج کا شکار ہو کر بستر مرگ پر زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

مرزا محمود کی وفات کی اذیت ناک کیفیات کا نقشہ ممتاز احمد فاروقی نے یوں کھینچا ہے:

"ابھی مرزا محمود کے (مامور من اللہ اور مصلح موعود) کے دعوے کو یعنی موکد بعذاب حلف پر گیارہ برس بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان و ربوہ کو عذاب الٰہی نے آن پکڑا۔ اس کا آغاز فالج کے حملے سے ہوا۔ جیسا کہ متعدد ڈاکٹروں کی رائے تھی اور اس امر کی طرف اشارہ مرزا محمود احمد نے خود اپنی بعض تحریروں میں کیا جو انہوں نے 1955ء اور 1956ء میں کیں اور فالج کے مرض کو مرزا قادیانی نے دکھ کی مار (کتاب انجام آتھم۔ ص 66) کہا ہے اور اپنے دشمنوں کے لیے مجنون اور مفلوج ہونے کی بددعا بھی کی ہے۔ اب مرزا محمود احمد کئی سال سے ہوش وحواس کھو بیٹھے ہیں۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں اور تکلیف اور کرب سے چلاتے ہیں۔ تختے کی مانند کبھی کبھی سٹیج پر لائے جاتے ہیں۔ یعنی خاص خاص

جلسوں کے موقع پر۔ کبھی الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں اور اکثر رونے لگ جاتے ہیں۔ خود مرزا محمود کے بیٹے ڈاکٹر منور احمد نے اپنے باپ کی صحت کے متعلق جو رپورٹ اخبار الفضل مورخہ انیس اگست 1961ء کے دوسرے صفحہ پر دی ہے۔ اس سے ان تمام علامات کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''اعصابی بے چینی بصورت نسیاں اور جذبات کی شدت یعنی رقت جو مقدس ہستیوں یا مقدس مقامات کے ذکر پر عموماً بیدار ہو جاتی ہے کم وبیش جاری ہے۔ چند دن ان علامتوں میں قدرے فرق محسوس ہوتا ہے تو پھر چند دن زیادتی محسوس ہوتی ہے اور اس طرح یہ سلسلہ چلا جاتا ہے۔ لیٹے رہنے کے باعث ٹانگوں میں کھنچاوٹ اور اکڑاؤ بھی بدستور ہے۔ کوئی ممکن کوشش حضور کو چلانے کی کامیاب نہیں ہو رہی۔''

چونکہ قادیانی یا ربوی جماعت کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا اس لیے وہ اب ایک مریض اور از کار رفتہ انسان کو خلیفہ بنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ خدا نے اپنے ہاتھوں سے اسے معزول کر دیا ہے۔ کچھ سال ہوئے کسی شخص نے میاں محمود احمد صاحب پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور گردن میں گہرا زخم آیا تھا۔ یہ بھی خدائی عذاب کا ایک نشان تھا۔ ویسے بھی جماعت ربوہ ایک کونسل کے سپرد ہے جس کے پریذیڈنٹ مرزا ناصر احمد (خلف مرزا محمود احمد) ہیں اس لیے مقام عبرت ہے کیونکہ خدا کے فرستادہ لیڈر کبھی مجنون اور مفلوج ہو کر نکمے نہیں ہو جاتے۔'' (فتح حق از ممتاز احمد فاروقی ص 39)

مرزا محمود کے فالج میں مبتلا ہونے اور عبرتناک موت کا نقشہ معروف سکالر اور مجاہد ختم نبوت جناب محمد طاہر عبدالرزاق نے اس طرح کھینچا:

''جب نام نہاد نماز کا وقت ہوتا تو مرزا بشیر الدین کو لا کر مصلئ امامت پہ کھڑا کر دیا جاتا۔ بشیر الدین کبھی ہاتھ باندھ لیتا کبھی چھوڑ دیتا۔ کبھی سجدے کھا جاتا اور کبھی سجدوں پہ سجدے کیے جاتا۔ کبھی رکوع غائب ہو جاتے، کبھی چار کی بجائے دو رکعتیں اور کبھی دو کی بجائے چار رکعتیں پڑھ جاتا۔ وہ منہ میں اول فول بکتا رہتا۔ کوڑھ دماغ قادیانی اس کے پیچھے کھڑے اس کی حرکات دہراتے رہتے۔ لیکن کیا مجال کہ کوئی اس کے سامنے زبان کھول سکے۔

مرزا بشیر الدین ایک قادیانی جلسہ سے خطاب کر رہا تھا۔ ایک موقع پر وہ کہنے لگا: ''جب پاکستان بنا تھا اس وقت میری عمر 49 سال تھی اور آج میری عمر 105 سال ہے۔'' باقی سامعین کو تو بولنے کی ہمت نہ ہوئی، صرف ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا ''مرزا بشیر الدین تیرا معاملہ ختم ہو گیا۔'' یہ کہا اور جلسہ سے چل دیا۔

جب مرزا بشیر الدین کی حالت زیادہ بگڑ گئی تو اسے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرے میں پاخانہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ پاخانہ کا کچھ حصہ کھا جاتا اور کچھ حصہ منہ پہ مل لیتا۔ کمرے میں چیختا چلاتا اور ڈراؤنی آوازیں نکالتا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کر دیا کہ مجھے میرے باپ کے

پاس قادیان لے کر چلو۔ بڑے قادیانیوں نے اس کے شور سے تنگ آ کر ایک رات جب وہ سو رہا تھا، اس کے کمرے میں مٹی کی ایک ڈھیری بنا دی اور اسے کہا کہ یہ تیرے باپ کی قبر ہے۔ وہ قبر پہ بچھ بچھ جاتا۔ کبھی قبر کی مٹی اپنے سر میں ڈالتا اور کبھی منہ میں ڈالتا۔ آخر ایک دن سر ظفر اللہ کے کہنے پر یہ قبر ہٹا دی گئی۔

اب بشیر الدین چلنے پھرنے سے قاصر ہو چکا تھا۔ اٹھنے بیٹھنے کی بھی ہمت نہ تھی۔ وہ نیم جاں لاشے کی طرح چارپائی پر پڑا رہتا لیکن کبھی کبھی وہ اچانک کروٹیں لینا شروع کر دیتا اور دھڑام سے بستر سے نیچے گر جاتا، جس سے اس کو چوٹیں بھی آتیں۔ اسے گرنے سے بچانے کے لیے اس کی چارپائی کے گرد لکڑی کی دیواریں لگا کر اسے جنازے والی چارپائی جیسا بنا دیا گیا۔

باغی ختم نبوت مرزا محمود کے لاعلاج امراض پر قادیانیوں نے کروڑوں روپے خرچ کیے۔ ہوائی جہاز کے ذریعے بیرون ممالک سے بہترین سے بہترین دوائیں منگوائیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ڈاکٹروں کو علاج کے لیے بلایا۔ ایک ماہر نفسیات کو جب علاج کے لیے بلایا گیا تو اس نے کہا کہ مریض کے جسم کے علاوہ اس کے خیال میں بھی فالج نفوذ کر چکا ہے، اسی لیے وہ قادیان کو یاد کر کر کے روتا ہے۔ اس کے خیالات کو ہٹانے کے لیے ڈاکٹر نے اس کے لیے نسخہ تجویز کیا کہ مریض ایک گیند لے کر اسے دیوار پر مارے، پھر پکڑے، پھر مارے اور دن میں کئی مرتبہ یہ مشق کرے۔ اس سے اس کے خیالات کا رخ بدل جائے گا لیکن جب ڈاکٹر کو یہ بتایا گیا کہ مریض چلنے پھرنے کے قابل نہیں تو پھر ڈاکٹر نے اس کے متبادل یہ علاج بتایا کہ مریض ربڑ کا گیند اپنے پاؤں کی محراب کے نیچے رکھ کر اسے دن میں کئی مرتبہ گھمائے۔ لیکن مریض یہ مشق کرنے کے بھی قابل نہیں تھا، لہٰذا ڈاکٹر مذکورہ کا علاج چھوڑ دیا گیا۔

گستاخ رسول مرزا محمود کے علاج کے لیے بیرون ملک سے ایک بہت بڑے ہومیو پیتھک ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر نے مرزا بشیر الدین کا تفصیلی معائنہ کیا اور یہ کہہ کر چلا گیا:

''میں بیماری کا علاج تو کر سکتا ہوں لیکن خدائی پکڑ کا علاج نہیں کر سکتا۔''

انہی لاعلاج اور مہلک بیماریوں کے ہاتھوں سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بشیر الدین جہنم واصل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ آخری وقت میں کتے کی طرح بھونکنے لگا تھا۔ وہ شام کے سات بجے مردار ہوا لیکن اس کی موت کا اعلان رات کے دو بجے کیا گیا۔ موت کا اعلان سات گھنٹے بعد کیوں کیا گیا؟ سات گھنٹے تک یہ خبر قصر خلافت سے باہر کیوں نہ آئی۔ وجہ یہ تھی کہ بشیر الدین کئی مہینوں سے نہایا نہیں تھا۔ ناخن، داڑھی اور سر کے بال کٹوائے نہیں تھے۔ جسم پر غلاظت کی پیپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ قادیانی جب اسے ان امور کے بارے میں کہتے تو وہ انہیں ننگی گالیاں دیتا۔ مرنے کے بعد رگڑ رگڑ کر بشیر الدین کے جسم کو دھویا گیا۔ ناخن کاٹے گئے، سر اور داڑھی کے بالوں کو کاٹ کر آراستہ کیا گیا۔ جسم کی بدبو ختم کرنے کے لیے بہترین خوشبوئیات چھڑکی گئیں۔ چہرے پر پوڈر لگایا گیا۔ ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سرخی سجائی گئی۔ اس کے علاوہ

منہ پر چمک پیدا کرنے والے کیمیکلز لگائے گئے اور اس کی چارپائی باہر دالان میں رکھ دی گئی۔ مرکری کا ایک بلب اس کے سر کی طرف اور دوسرا پاؤں کی طرف روشن کر دیا گیا۔ جب مرکری کے بلب کی چمکیلی شعائیں اس کے چمکیلے کیمیکلز لگے منہ پر پڑتیں تو اس کا بدبودار منہ چمکتا اور قادیانی شکاری سادہ لوح قادیانیوں سے کہتے کہ دیکھو جی! حضرت صاحب کو کیسا روپ چڑھا ہے۔“

(قادیانیوں کے عبرتناک انجام از محمد طاہر عبدالرزاق)

آخر کار اس ”تقدس مآب“ کی یہ کیفیت ہوگئی کہ سوکھ کر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔ بالآخر 8 نومبر 1965ء کو طویل عذابی علالت کے بعد سسک سسک کر اس کا دم نکلا اور آنجہانی ہوگیا۔ مرتے وقت اس کی آنکھیں کچھ اس طرح پتھرا گئی تھیں کہ دیکھنے والے کانپ کر رہ گئے۔ آخری وقت آنکھوں میں اس کی روح کی ساری ابلیسی خباثت کھنچ آئی تھی۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دنیا میں اسے اس کے شیطانی اعمال کی سزا دینا ممکن ہی نہ تھا۔ بہر حال اس کے لاتعداد ظلموں اور بے شمار شیطانی کرتوتوں کی سزا کچھ تو اس جہاں میں مل گئی جو دیکھنے والوں کے لیے عبرت کا نشان ہے۔

میرے خیال میں مرزا محمود کا نہایت اذیت ناک اور بھیانک انجام اس لیے ہوا کہ ایک تو وہ خود گستاخِ رسول تھا۔ اور دوسرا وہ اپنے باپ کے تمام کفریہ عقائد کی تبلیغ و تشہیر کرتا تھا۔ اس نے ختم نبوت کا انکار کرتے ہوئے اپنی کتاب میں لکھا:

- ”اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تو میں اسے کہوں گا۔ تُو جھوٹا ہے، کذاب ہے، آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں۔“ (انوار خلافت ص 65 از مرزا بشیر الدین محمود ابن مرزا قادیانی)

مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی توہین کرتے ہوئے اس نے لکھا:

- ”حضرت مسیح موعود نے اس کے متعلق بڑا زور دیا ہے۔ اور فرمایا کہ جو بار بار یہاں نہیں آتے۔ مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہے۔ پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا۔ وہ کاٹا جائے گا۔ تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے۔ پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا۔ آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے۔ کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔“

(حقیقۃ الرؤیا ص 46، از مرزا بشیر الدین محمود ابن مرزا قادیانی)

شہید ناموس رسالتؐ غازی علم الدین شہیدؒ نے جب گستاخ رسول راجپال کو قتل کیا تو مرزا بشیر الدین محمود نے اس پر اپنی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

- ”اسی طرح اس قوم کا جس کے جوشیلے آدمی قتل کرتے ہیں، خواہ انبیاء کی توہین کی وجہ سے ہی وہ

ایسا کریں، فرض ہے کہ پورے زور کے ساتھ ایسے لوگوں کو دبائے اور ان سے اظہار برات کرے۔ انبیاء کی عزت کی حفاظت قانون شکنی کے ذریعہ نہیں ہوسکتی، وہ نبی بھی کیسا نبی ہے جس کی عزت کو بچانے کے لیے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں۔ جس کے بچانے کے لیے اپنا دین تباہ کرنا پڑے۔ یہ سمجھنا کہ محمد رسول اللہ کی عزت کے لیے قتل کرنا جائز ہے، سخت نادانی ہے۔.....

وہ لوگ (غازی علم الدین شہید، ناقل) جو قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں، وہ بھی مجرم ہیں اور اپنی قوم کے دشمن ہیں اور جو ان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے، وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔ میرے نزدیک تو اگر یہی شخص (راجپال کا) قاتل ہے جو گرفتار ہوا ہے تو اس کا سب سے بڑا خیر خواہ وہی ہوسکتا ہے جو اس کے پاس جاوے اور اسے سمجھائے کہ دنیاوی سزا تو تمہیں اب ملے گی ہی، لیکن قبل اس کے کہ وہ ملے، تمہیں چاہیے، خدا سے صلح کرلو۔ اس کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ اسے بتایا جائے کہ تم سے غلطی ہوئی ہے۔'' (خطبہ جمعہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 16 نمبر 82 ص 7-8 مورخہ 19 اپریل 1929ء)

ایک دفعہ ایک شخص نے مرزا محمود سے مطالبہ کیا کہ اپنے عقائد پر حلفیہ بیان دے جس پر مرزا محمود نے حلفیہ اور مؤکد بعذاب بیان لکھا، جو روزنامہ الفضل قادیان کی اشاعت 4 ستمبر 1934ء کے ص 5 پر شائع ہوا۔ یہ بیان مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع ہوتا تھا۔

''میں مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ ساکن قادیان ولد مرزا غلام احمد صاحب مدعی ماموریت اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور جس کی جھوٹی قسم کھانا انسان کو روحانی اور جسمانی ہلاکت میں ڈال دیتا ہے اور ناقابل برداشت عذابوں میں مبتلا کرتا ہے کہتا ہوں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب میرے یقین اور ایمان کے مطابق بلاشک وشبہ مسیح موعود اور مہدی مسعود تھے اور مقام نبوت پر فائز ہوئے تھے۔ اگر میں اس دعویٰ میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ کا وہ وعید جو جھوٹوں کے لیے مقرر ہے مجھ پر نازل ہو۔''

مرزا قادیانی نے سچے لوگوں کا معیار صداقت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

''صادقوں کی یہی نشانی ہے کہ نیک انجام انہیں کا ہوتا ہے۔''

جبکہ مرزا محمود کا عبرتناک انجام آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ وہ کیسی کیسی موذی اور خطرناک بیماریوں کا شکار رہا۔ مرزا قادیانی کا کہنا ہے کہ ان خبیث اور موذی امراض کا شکار خدا تعالیٰ کے محبوب نہیں ہوسکتے۔ چہ جائیکہ کوئی ''سچا مصلح موعود'' ان کا شکار ہو۔

☐ ''بسا اوقات انسان اپنی غلط کاریوں سے ایسی چیزوں میں اپنی خوشحالی کو طلب کرتا ہے کہ جن سے آخر کار تکلیف اور ناخوشی اور بھی بڑھتی ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ دنیا کی نفسانی عیاشیوں میں اس خوشحالی کو طلب کرتے ہیں اور دن رات مے خواری اور شہوات نفسانیہ کا شغل رکھ کر انجام کار

طرح طرح کی مہلک امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور آخر کار سکتہ، فالج رعشہ اور کزاز اور ریاح، انتڑیوں یا جگر کے پھوڑوں میں مبتلا ہو کر اور آتشک، سوزاک کی قابل شرم مرض سے اس جہان سے رخصت ہوتے ہیں۔ (چشمہ مسیحی ص 36)

معیار صداقت کے سلسلہ میں ایک ثبوت کہ کیا فالج اور جذام وغیرہ واقعی خبیث اور موذی امراض ہیں اور یہ کہ خدا تعالیٰ کے پیاروں کو یہ لاحق نہیں ہوتیں۔ چنانچہ مرزا قادیانی کہتا ہے:

''اے عبدالحکیم! (مرزا قادیانی کا الہامی نام ہے) خدا تعالیٰ تجھے ہر ایک ضرر سے بچائے۔ اندھا ہونے، مفلوج ہونے اور مجذوم ہونے سے!..... خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت یہ نہیں چاہتی کہ ایسی بیماریاں میرے لاحق حال ہوں، کیونکہ اس میں شماتت اعدا ہے۔ (تذکرہ ص 671)

ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر کوئی خبیث مرض دامن گیر ہو جائے جیسا کہ جذام اور جنون اور اندھا ہونا اور مرگی تو اس سے یہ لوگ نتیجہ نکالیں گے کہ اس پر غضب الٰہی ہو۔ اس لیے پہلے سے اس نے مجھے براہین احمدیہ میں بشارت دی کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا اور اپنی نعمت تجھ پر پوری کروں گا۔ (اربعین 3 ص 37)

اس کے بعد مرزا محمود کا مندرجہ ذیل بیان پڑھیے۔ ''گذشتہ 26 فروری کو جابہ سے واپسی پر مجھ پر فالج کا حملہ ہوا۔'' (اشتہار 55-3-11)

ڈاکٹر ڈوئی نے امریکہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ مرزا محمود نے یہاں مصلح موعود ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر ڈوئی اپنے شہر صیحون سے نکالا گیا۔ مرزا محمود احمد اپنے شہر قادیان سے نکالا گیا۔ ڈاکٹر ڈوئی لاکھوں کی جائیداد سے بے دخل ہوا۔ ایسا ہی مرزا محمود بھی۔ جس طرح ڈاکٹر ڈوئی آف امریکہ دعویٰ نبوت کے بعد فالج کا شکار ہوا، اسی طرح مرزا محمود بھی اپنے جھوٹے دعویٰ مصلح موعود کی وجہ سے 26 فروری 1955ء کو فالج کا شکار ہوا۔ میاں صاحب اور ڈاکٹر ڈوئی کے نوکر ان کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھتے اور لیے پھرتے تھے۔ جس طرح ڈاکٹر ڈوئی کو ان کے ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا تھا، اسی طرح ڈاکٹروں نے خلیفہ ربوہ کو لاعلاج قرار دے دیا تھا۔ جس طرح اس کے ہوش و حواس قائم نہ رہنے کے سبب اس نے اپنا کام نائبوں کے سپرد کر دیا تھا، اسی طرح مرزا محمود نے بھی اپنا کام اپنی زندگی میں ہی ایک نگران بورڈ کے سپرد کر دیا تھا۔ جس طرح ڈاکٹر ڈوئی زمین پر ایک قدم نہیں رکھ سکتا تھا اسی طرح مرزا محمود بھی اپنا قدم زمین پر رکھنے کے قابل نہ رہا تھا۔

اب غور کا مقام ہے کہ اتنی واضح مماثلت قائم ہو جانے اور سچے مدعی کے لیے 22 سالہ مقررہ مدت کو پورا کرنے سے قبل ہی وفات پا جانے کے بعد بھی مرزا محمود کے مفتری ہونے میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟

اگر مرزا محمود کی مذکورہ عبرتناک بیماری جس نے اسے سالہا سال تک عضو معطل بنا کر رکھ دیا تھا اس کے مفتری ہونے کا ثبوت نہیں تو پھر مرزا قادیانی کی کتاب حقیقۃ الوحی ص 76 اور مرزا محمود کی اپنی کتاب ''دعوۃ الامیر'' میں قائم کردہ معیار کے مطابق ڈاکٹر ڈوئی کا فالج اور دیگر علامات اس کے مفتری ہونے کی دلیل کیونکر بن سکتی ہیں؟ مقام حیرت ہے کہ جماعت ربوہ ایک طرف تو دعویٰ کے بعد عذاب کا شکار ہونے والے ایک شخص کے مفتری ہونے کا اس بیماری سے استدلال پیش کرتی ہے لیکن دوسری طرف اس قسم کی بیماری سے مفتری کو جس کے متعلق ان کے اپنے لڑکے اور خاندانی ڈاکٹر کی یہ رائے ہے کہ:

ابا حضور زمین پر قدم نہیں رکھ سکتے۔ اور یہ کہ اب دوائیوں سے آرام کی توقع فضول ہے۔''

قادیانی جماعت کا کہنا ہے کہ مرزا قادیانی کا مندرجہ ذیل الہام جو اسے 9 جنوری 1903ء کو ہوا، بھی مرزا محمود پر پورا اترتا ہے:

انَّ وَعْدَاللّٰہِ آتٰی وَ کَلَ وَوَ کٰی فَطُوْبٰی لِمَنْ وَجَدَ وَ دَایٰ قُتِلَ خَیْبَۃً وَزِیْدَ ھَیْبَۃً

ترجمہ خدا کا وعدہ آیا۔ اور زمین پر ایک پاؤں مارا۔ اور خلق کی اصلاح کی۔ پس مبارک وہ جس نے پایا اور دیکھا۔ ایسی حالت میں مارا گیا کہ اس کی بات کو کسی نے نہ سنا۔ اور اس کا مارا جانا ایک ہیبتناک امر تھا۔ یعنی لوگوں کو بہت ہیبتناک معلوم ہوا اور اس کا بڑا اثر لوگوں کے دلوں پر پڑا۔'' (تذکرہ ص 466)

قادیانیوں کے قادیان سے اخراج کے بارے میں مرزا غلام احمد کی وحیوں کی بناء پر ایک لاہوری قادیانی مندرجہ ذیل نتائج اخذ کرتا ہے:

''حضرت مرزا صاحب کو قادیان کے متعلق الہام ہوا۔ اخرج منه الیزیدیون (تذکرہ 181) یعنی یزیدی صفت لوگ اس بستی میں پیدا ہوں گے۔ اب یزیدی خاص قوم یا قبیلہ کا نام نہیں بلکہ یزید پلید کی رعایت سے اس کے پیروکاروں کو یزیدی کہا جاتا ہے۔ کوئی ایسا خلیفہ ہوگا جو یزید کی طرح خلافت حقہ اسلامیہ کا دعویدار ہوگا۔ پھر خدا تعالیٰ ایسے سامان کرے گا کہ یہ خلیفہ مع اپنے پیرووں کے قادیان سے نکال دیا جائے گا۔ جیسا کہ اخراج کے لفظ سے ظاہر ہے اور اس کی تخصیص کرنے کے لیے حضرت مرزا صاحب کو بلائے دمشق (تذکرہ ص 710) کا بھی الہام ہوا تھا۔ واضح ہو کہ یزید کا پایہ تخت دمشق تھا۔ اس قسم کی ایک بلا قادیاں میں بھی پیدا ہو جائے گی۔'' (فتح حق از ممتاز فاروق ص 48)

بعض لاہوری قادیانیوں کا خیال ہے کہ مرزا قادیانی کی کئی ایک پیش گوئیاں جو قادیانی خلیفہ مرزا محمود کے متعلق تھیں، پوری طرح سچی ثابت ہوئیں۔ مثلاً ایک دفعہ مرزا قادیانی نے کہا:

''ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعداد تہجی میں مجھے خبر دی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ کَلْبٌ یَمُوْتُ عَلٰی کَلْبٍ یعنی وہ کتا ہے۔ اور کتے کے عدد پر مرے گا۔ جو باون سال پر دلالت کر رہے ہیں۔ یعنی اس کی عمر باون سال سے تجاوز نہیں کرے گی۔ جب باون سال کے اندر قدم دھرے گا۔

تب اسی کے اندر اندر راہی ملک بقا ہوگا۔" (ازالہ اوہام ص 187، تذکرہ ص 186 از مرزا قادیانی)

گو مرزا محمود کی پیدائش 12 جنوری 1889ء کو ہوئی۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان کی پبلک اور جماعتی زندگی کا آغاز 14 مارچ 1914ء کو ہوا جب وہ نام نہاد خلافت کی گدی پر بیٹھا اور کھلے بندوں عامۃ المسلمین کو عموماً اور اپنی جماعت کو خصوصاً گمراہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مذکورہ بالا وحی میں اسی عمر کی طرف اشارہ کر کے یہ پیش کی گئی کہ ایک خاص شہرت کا آدمی جو اپنے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کا مصداق ہے (کوئی معمولی آدمی ہرگز ہرگز مراد نہیں لیا جاسکتا) وہ باون سال کے اندر قدم دھرنے کے بعد یعنی اس معینہ سال کے اندر اندر ہی راہی ملک بقا ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لو کہ مارچ 1914ء کے بعد مارچ 65ء میں اکاون سال ہوئے اور سال باون ختم ہونے میں ابھی چار ماہ اور چھ دن باقی تھے کہ مرزا محمود عبرتناک موت سے دوچار ہوا۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

لاہوری قادیانیوں کا کہنا ہے کہ مرزا محمود میں ظاہری کتے کی مماثلت تو شاید پوری نہ ہو، لیکن مال دنیا کی حرص میں اس کی روحانی حالت کتے کی ضرب المثل ہے۔ قادیانی خلیفہ مال دنیا کی بے انتہا حرص اور نفسانی خواہشات کی تکمیل میں مصلح موعود بن کر قادیانی جماعت کی چوکھٹ پر بیٹھا ہر وقت دوسروں کو غرارتا رہتا تھا۔

مرزا قادیانی کا ایک کشف جو اس نے 16 اپریل 1902ء کو دیکھا، تذکرہ میں درج ہے۔

"رات میں نے کشف دیکھا کہ کوئی بیمار کتا ہے۔ میں اسے دوائی دینے لگا ہوں۔ تو میری زبان پر جاری ہوا۔ "اس کتے کا آخری دم ہے۔" (تذکرہ طبع دوم ص 431)

لاہوری قادیانیوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے مرزا محمود کی بیماری کے دوران مختلف رجسٹری خطوط، پمفلٹوں، اشتہارات اور کتابچوں کے ذریعے خبردار کیا تھا کہ وہ اس بیماری سے عبرت حاصل کرے لیکن اس نے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ ہماری یہ تمام کوششیں دوائی کے طور پر تھیں۔

سچ ہے کہ گستاخِ رسول کا مقدر ہی رسوائی ہے۔ زندگی، موت، قبر وحشر، رسوائی ہی رسوائی۔

چین مر کر نہ زمین بھی نہیں
اب ٹھکانہ ان کا کہیں بھی نہیں



نصرت جہاں بیگم

ننگ و ناموس کی برہنہ لاش نصرت جہاں بیگم دہلی کے ایک آزاد خیال گھرانے میں 1868ء میں پیدا ہوئی۔ اس کا باپ ناصر نواب پنجاب کے محکمہ نہر میں ملازم تھا۔ ناصر نواب ملازمت کے سلسلہ میں کئی سال تک مرزا قادیانی کے مکان پر رہ چکا تھا۔ یہاں پر مرزا قادیانی اور ناصر نواب کی بیوی کا ایک عرصہ تک معاشقہ چلتا رہا۔ بعد ازاں تکلفات بڑھتے چلے گئے، اور پھر مرزا قادیانی نصرت جہاں بیگم پر لٹو ہو گیا۔

مولانا رفیق دلاوری اپنی کتاب میں مرزا قادیانی کے سسرال کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میر ناصر نواب دہلوی پنجاب کے محکمہ نہر میں نقشہ نویس یا سب اوورسیئر تھے۔ غالباً 1877ء کا واقعہ ہے جب کہ میر صاحب اُس نہر کی کسی خدمت پر مامور تھے جو قادیاں سے مغرب کی جانب دو ڈھائی میل کے فاصلہ سے گزرتی ہے اور موضع تتلہ میں، جو قادیاں سے چند میل کی مسافت پر ہے، اقامت گزین تھے۔ ان دنوں اتفاق سے مرزا صاحب کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر سے میر صاحب کا تعارف ہو گیا اور انہی دنوں ان کی اہلیہ کی طبیعت علیل ہو گئی۔ مرزا غلام قادر نے میر صاحب سے کہا کہ میرے والد (مرزا غلام مرتضیٰ) بڑے حاذق طبیب ہیں، آپ ان سے علاج کرائیں۔ میر صاحب اپنی بیوی کو ڈولی میں بٹھا کر قادیاں لے آئے۔ حکیم غلام مرتضیٰ نے نبض دیکھ کر نسخہ لکھ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزا غلام قادر نے میر صاحب سے کہا کہ آپ لوگ تتلہ میں رہتے ہیں، یہ گاؤں بڑے بڑے بدمعاشوں کا مسکن ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ قادیاں چلے آئیں اور ہمارے مکان پر فروکش ہوں۔ میں آج کل گورداسپور رہتا ہوں اور غلام احمد بھی گھر میں بہت کم آتا جاتا ہے، اس لیے آپ کو پردہ وغیرہ کی تکلیف نہ ہوگی۔ چنانچہ میر صاحب اہل وعیال کو لے کر تتلہ سے قادیاں چلے آئے۔ اس وقت حکیم غلام مرتضیٰ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان ایام میں جس روز بھی مرزا غلام قادر گورداسپور سے قادیاں آتے، میر صاحب کے لیے پان لایا کرتے تھے۔ اور میر صاحب کی بیوی مرزا غلام قادر کے لیے کوئی اچھا سا کھانا تیار کر کے اکثر بھجوا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے لیے شامی کباب تیار کیے۔ جب بھیجنے لگیں تو معلوم ہوا کہ وہ گورداسپور چلے گئے ہیں۔ اس لیے میر صاحب کی بیوی نے نائن سے کہا کہ یہ کباب ان کے چھوٹے بھائی (مرزا غلام احمد) کو دے آؤ۔ مرزا غلام احمد

کباب کھا کر ان کے ممنون ہوئے۔ اس کے بعد میر صاحب کی بیوی دوسرے تیسرے دن مرزا غلام احمد کے پاس بھی کھانے کی کوئی چیز بھجوا دیا کرتی تھیں لیکن جب اس کی اطلاع ان کی بھاوج یعنی مرزا غلام قادر کی بیوی کو ہوئی تو انہوں نے بہت برا منایا کیونکہ وہ اپنے دیور کی سخت مخالف تھیں۔ (سیرۃ المہدی، جلد 2، ص 109-110)۔ میر صاحب کو قادیاں آئے چھ سات مہینے ہوئے تھے کہ ان کی تبدیلی کسی دوسری جگہ ہوگئی۔ میر صاحب مرزا غلام قادر سے بات کر کے اپنے اہل وعیال کو یہیں قادیاں میں چھوڑ گئے اور پھر ایک مہینہ کے بعد آ کر لے گئے۔ یہ 1877ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت میر صاحب کی صاحبزادی نصرت جہاں بیگم کی عمر نو دس سال کی ہوگی۔" (سیرۃ المہدی جلد اوّل، ص 43-44)

(رئیس قادیان از مولانا محمد رفیق دلاوریؒ ص 151)

ناصر نواب کی بیوی کی شدید خواہش تھی کہ اس کی بیٹی کا رشتہ مرزا قادیانی سے ہو جائے مگر ناصر نواب کو یہ رشتہ پسند نہ تھا۔ مرزا قادیانی نہایت چالاک اور عیار آدمی تھا۔ اس نے اس رشتہ کے لیے مولانا بٹالوی سے بھی سفارش کروائی۔ ان دنوں ناصر نواب مولانا بٹالوی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ بعد ازاں مرزا قادیانی کی ساس کی ذاتی دلچسپی اور مداخلت سے 17 نومبر 1884ء کو اس کا نکاح نصرت سے ہوگیا۔

جناب حافظ محمد ابراہیم کیرپوریؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''فسانہ قادیان'' میں لکھتے ہیں:

''مرزا قادیانی کے خسر کا نام ناصر نواب تھا۔ انہوں نے مشہور کر دیا تھا کہ میری بارات نواب ناصر کے ہاں جائے گی جس سے ان کے دوست اور براتی بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید مرزا جی کی شادی کسی بڑے ریاستی نواب کے ہاں ہو رہی ہے، اور ہم نوابوں کے گھر برات لے جا رہے ہیں۔ مگر انہیں وہاں جانے پر معلوم ہوا کہ نہ کوئی ریاست ہے نہ ملک اور نہ فوج نہ پولیس اور ناصر صاحب نواب نہیں بلکہ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل کی طرح صرف نام کے نواب ہیں۔

مرزا قادیانی کی برات میں مسلمانوں کے علاوہ کچھ ہندو براتی بھی تھے۔

(سیرۃ المہدی جلد 2 ص 111)

مرزا قادیانی نے اپنی بیوی نصرت جہاں بیگم کو جو زیورات پہنائے تھے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

کڑے کلاں طلائی قیمتی 750 روپے۔ نوٹ یہ کڑے اندازاً چھ سات چھٹانک سے زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ سونا اس زمانہ میں 20,22 روپے تولہ تھا۔

کڑے خورد طلائی قیمتی	250 روپے
بندے طلائی قیمتی	500 روپے
کنٹھا طلائی	225 روپے

کنگن طلائی	220روپے
ڈنڈیاں طلائی	300روپے
بالے گھنگرو والے طلائی	300روپے
حسیاں خورد طلائی	300روپے
پونچیاں طلائی	150روپے
مونگے وغیرہ طلائی	200روپے
چاند طلائی	50روپے
بالیاں جڑاؤ طلائی	150روپے
نتھ طلائی	40روپے
ٹیب جڑاؤ طلائی	70روپے
کل	3505روپے

مزید سنئے کہ مرزا قادیانی نے 25 جون 1898ء کو فرضی کارروائی کرتے ہوئے اپنی جائداد غیر منقولہ سے ایک باغ اور کچھ زمین انہیں زیورات کے عوض اپنی بیوی کے پاس اس شرط پر رہن (گروی) رکھی کہ 30 سال تک فک نہ کراؤں گا۔ اس کے بعد اگر ایک سال میں روپیہ ادا نہ کروں تو بیع تصور ہوگی۔ مقصد اس ساری کارروائی سے پہلے بیوی کی اولاد کو محروم کرنا تھا۔

ناظرین! غور کیجئے کہ زیورات کے عوض کبھی کسی عورت نے خاوند کی جائداد رہن رکھی ہو؟ پھر مرزا قادیانی کی بیوی کی بے اعتباری ملاحظہ ہو کہ گروی کو رجسٹری کرایا۔

اور لطف یہ کہ زیورات بھی بیوی صاحبہ کے پاس ہی رہے۔ ثبوت ملاحظہ فرمائیے:

قادیان کے سالانہ جلسہ منعقدہ دسمبر 1945ء میں مفتی محمد صادق نے مرزا صاحب کی ''گھریلو زندگی'' کے موضوع پر تقریر فرمائی جو الفضل 3 اپریل 1946ء میں شائع ہوئی تھی۔ مفتی صاحب مرزا قادیانی کی خانگی زندگی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ کسی نے خیر خواہی سے کہا کہ بیوی صاحبہ اپنے زیورات کو بار بار تڑواتی ہے۔ اور نئی نئی شکل میں بنواتی رہتی ہیں۔ اس طرح تو بہت سا نقصان ہوتا ہے۔ اور بہت سا حصہ زرگر ہی کھا جاتے ہیں۔ بیوی صاحبہ کو روکنا چاہیے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ان کا مال ہے جس طرح چاہیں کریں۔''

اور یہ کارروائی یعنی زیورات کا جوڑ توڑ خود بعض چوٹی کے مرزائیوں کی نظروں میں بھی کھٹکتا رہا۔

(کشف الاختلاف ص 14)

حقیقت یہ ہے کہ دہلوی بیوی صاحبہ نے بعض مخصوص حالات کی بنا پر مرزا قادیانی پر کچھ ایسا رعب ڈال لیا تھا کہ مرزا قادیانی اپنے گھریلو معاملات میں بالکل عضو معطل ہو گئے۔ اور ''کس نمے پرسد بھیا کون ہو'' والا معاملہ تھا۔ حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے۔

امام مرزا بلکہ فرشتہ مرزا اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

1- حضرت کا گھر والوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک ہے کہ خدمت گزار عورتیں بھی تعجباً کہتی ہیں کہ ''مرجا بیوی دی گل بڑی مندا اے۔'' (سیرۃ المسیح الموعود ص7)

2- منشی عبدالحق صاحب لاہوری نے کمال محبت اور دوستی کی بنا پر بیماری کی نسبت پوچھا اور عرض کیا کہ آپ کا کام بہت نازک ہے۔ اور آپ کے سر فرائض کا بھاری بوجھ ہے۔ آپ کو چاہیے کہ جسم کی صحت کی رعائت کا خیال رکھا کریں۔ اور ایک خاص مقوی غذا لازماً اپنے لیے ہر روز تیار کرایا کریں۔ حضرت نے فرمایا ہاں بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے۔ مگر عورتیں کچھ اپنے ہی دھندوں میں مصروف رہتی ہیں اور ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتیں۔
(کتاب مذکور ص ۹)

مرزائیو! بیوی صاحبہ تو مرزا جی کی پرواہ نہیں کرتیں اور آپ انہیں ام المومنین کہتے ہیں۔ آخر کس قربانی کی بنا پر؟

مرزا قادیانی کی یہ زن پرستی مریدوں میں مشہور ہو چکی تھی۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیے مفتی محمد صادق نے ذکر حبیب کے نام سے مرزا جی کی سوانح عمری لکھی ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل واقعہ درج کرتے ہیں:

''ایک دفعہ میں (یعنی مفتی محمد صادق) کسی وجہ سے اپنی بیوی پر ناراض ہوا۔ میری بیوی نے مولوی عبدالکریم صاحب کی بیوی سے ذکر کیا اور حضرت مولوی صاحب کی بیوی نے مولوی صاحب سے ذکر کر دیا۔ اس پر مولوی عبدالکریم نے مجھے فرمایا کہ مفتی صاحب آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں ملکہ کا راج ہے۔ بس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا...... مولوی صاحب کا اشارہ اس طرف تھا کہ حضرت مسیح موعود ام المومنین کی بات بہت مانتے ہیں۔ گویا گھر میں ان کی حکومت ہے۔ (اسی وجہ سے ہماری عورتیں بھی ہمارے سر چڑھ رہی ہیں۔) آپ کو محتاط رہنا چاہیے۔'' (ص 320)

کوئی شک نہیں کہ مرزا قادیانی کے نام جو باہر سے منی آرڈر آتے تھے وہ اشاعت سلسلہ اور تصنیفاتِ کتب و اخبار اور لنگر خانہ وغیرہ کے متعلق ہی ہوتے تھے۔ اصولی لحاظ سے وہ مرزا قادیانی یا کسی اور کی ذاتی ملکیت نہ ہوتے تھے۔ آپ اس بات کو ذہن نشین رکھئے اور حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

''ایک دفعہ چٹھی رساں منی آرڈر لے کر آیا اور دروازہ پر آواز دی تو حضرت ام المومنین نے ایک خادمہ کو بھیج کر سارے فارم منگوا لیے۔ چٹھی رساں اس انتظار میں کھڑا رہا کہ حضرت صاحب دستخط

کر کے فارم بھیج دیں گے، تو میں اندر روپیہ بھیج دوں گا۔ جب دیر ہوئی اور فارم نہ آئے، تو حضرت صاحب خود باہر تشریف لائے۔ جب حضرت صاحب کو معلوم ہوا کہ فارم بیوی صاحبہ کے پاس ہیں تو آپ نے بیوی صاحبہ سے کہا کہ فارم ہمیں دے دو، چٹھی رساں انتظار کر رہا ہے۔ بیوی صاحبہ نے کہا ہم نہیں دیتے۔ تب آپ تھوڑی دیر خاموش رہے۔ اور پھر فرمایا کہ آپ ان فارموں کو کیا کریں گے؟ بیوی صاحبہ نے کہا کہ آپ ہر روز روپیہ منگواتے ہیں آج روپیہ ہم منگوائیں گے۔ حضرت صاحب اس پر کچھ ناراض نہ ہوئے۔ نہ غصہ کا اظہار کیا۔ بلکہ خندہ پیشانی سے فرمایا کہ وہ تو روپیہ ہمارے دستخطوں کے بغیر نہیں دے گا۔ لاؤ ہم دستخط کر دیتے ہیں۔ پھر آپ ہی روپیہ منگوالیں۔ اس پر بیوی صاحبہ نے فارم دے دیئے اور حضرت صاحب نے دستخط کر کے پھر فارم ان کو دے دیئے۔" (پھر روپیہ بیوی نے منگوالیا۔ خیر بھی اسی میں تھی۔)

(الفضل 13 اپریل 1946ء)

مرزائیو! بتا سکتے ہو کہ یہ منی آرڈر کہاں سے آئے تھے، اور کس مقصد کے لیے تھے اور رقم کی تعداد کس قدر تھی۔ اور تمہاری ام المؤمنین کو روپیہ وصول کرنے کا کیا حق تھا؟ نیز بتایئے کہ تمہاری روحانی والدہ نے چٹھی رساں کو کیوں اتنی انتظار میں رکھا؟ اور اس بیچارے پر اس واقعہ کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ مزید بتایئے کہ نصرت جہاں نے مرزا صاحب کو منی آرڈر کیوں نہ دیئے۔ اور کیوں نہ بتایا؟ اور مرزا قادیانی نے دستخط کیوں کر دیئے؟ کیا انبیاء کی بیویوں کا یہی حال ہوتا ہے؟ اور مرزا جی کی زن پرستی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوسکتا ہے؟ ناظرین روایت کو دوبارہ پڑھیے اور ہمارے سوالات پر غور فرمایئے۔

یہی وجہ تھی کہ خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی ایم اے جیسوں کو بھی لنگر خانہ اور باہر سے آنے والے روپیہ کی بابت ہمیشہ یہ بدگمانی رہی کہ روپیہ صحیح مصرف پر خرچ ہونے کی بجائے بیوی صاحبہ کے کپڑوں اور خواہشات پر ہی خرچ ہو جاتا ہے۔" (کشف الاختلاف ص 14)

بیوی صاحبہ مرزا قادیانی کے مریدوں کو ساتھ لے کر لاہور وغیرہ سے کپڑے بھی خود ہی خرید لایا کرتی تھیں۔ (کشف الظنون مرتبہ ڈاکٹر بشارت احمد لاہور ص 88)

ہم اس جگہ مرزا قادیانی کی اس شادی کا ایک ابتدائی واقعہ بھی درج کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے اپنی نانی اماں کی زبانی سیرۃ المہدی جلد نمبر 2 میں روایت کرتے ہیں کہ

"جب تمہاری والدہ کا حضرت صاحب سے رشتہ کرنے کا ذکر ہو رہا تھا تو ہماری برادری کے آدمی سخت ناراض ہوئے کہ اٹھارہ سال کی لڑکی کا رشتہ (50 سالہ) بوڑھے پنجابی سے کیوں کر رہے ہو؟

لیکن ہم نے برادری کی مخالفت کے باوجود رشتہ کر دیا لیکن اتفاق یہ ہوا کہ جب تمہاری اماں (پہلی دفعہ) قادیاں آئیں تو یہاں سے ان کے خط گئے کہ میں سخت گھبرا گئی ہوں اور شاید میں اس غم اور گھبراہٹ سے مر جاؤں گی۔ چنانچہ ان خطوط کی وجہ سے ہمارے خاندان کے لوگوں کو اور بھی اعتراض کا موقع مل گیا۔ پھر جب ایک ماہ بعد تمہاری والدہ قادیان سے دہلی گئیں تو ہم نے اس عورت کو پوچھا جسے دہلی سے ساتھ بھیجا گیا تھا کہ لڑکی کیسی رہی؟ اس عورت نے تمہارے ابا کی بہت تعریف کی اور کہا لڑکی یونہی گھبرا گئی تھی۔ ورنہ مرزا صاحب تو بہت اچھے آدمی ہیں۔ اور انہوں نے لڑکی کو بہت ہی اچھی طرح رکھا ہے۔ اور تمہاری اماں نے بھی کہا کہ انہوں نے تو مجھے بڑے آرام سے رکھا مگر میں یونہی گھبرا گئی تھی۔

(سیرۃ المہدی ص 112-111)

ناظرین! ہم بیوی صاحبہ کی (اس وقت کی) شرم و حیا کی داد دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنی اس گھبراہٹ کا جس سے انہیں مر جانے کا خطرہ تھا، والدین کے سامنے ذکر تک نہیں کیا۔ اور اس کے بعد بھی کسی سے اظہار نہ کیا۔ ہم نے جب اس واقعہ کو پڑھا تو حیران ہوئے کہ آخر اتنی گھبراہٹ کیوں۔ بالآخر یہ راز ہمیں مرزا جی کی زبانی معلوم ہو گیا۔ مرزا جی اپنی کتاب تریاق القلوب میں اپنے نشاناتِ صداقت اور نکاح مذکورہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اس شادی کے وقت مجھے یہ ابتلا پیش آیا کہ باعث اس کے کہ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا، اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا، اور دو مرضیں یعنی ذیابیطس اور دردسر مع دوران سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں جن کے ساتھ بعض اوقات مجھے تشنج قلب بھی ہوتا تھا۔ اس لیے میری حالت مردمی کالعدم تھی۔ اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی۔ غرض اس ابتلا کے وقت میں نے جناب الٰہی سے دعا کی اور مجھے اس نے دفع مرض کے لیے الہام سے دوائیں بتائیں۔ اور میں نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک فرشتہ وہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا ہے۔ چنانچہ وہ دوا میں نے تیار کی اور اس میں خدا تعالیٰ نے اتنی برکت ڈال دی کہ میں نے دلی یقین سے معلوم کیا کہ وہ پر صحت طاقت جو ایک پورے تندرست انسان کو دنیا میں مل سکتی ہے، وہ مجھے دی گئی اور چار لڑکے مجھے عطا کیے گئے۔ اگر دنیا اس بات کو مبالغہ نہ سمجھتی تو میں اس جگہ اس واقعہ حقہ کو جو اعجازی رنگ میں ہمیشہ کے لیے مجھے عطا کیا گیا بہ تفصیل بیان کرتا تا معلوم ہوتا کہ ہمارے قادر و قیوم کے نشان ہر رنگ میں آتے ہیں اور ہر رنگ میں وہ اپنے بندوں کو خصوصیت عطا کرتا ہے جس میں دنیا کے لوگ شریک نہیں ہو سکتے۔ میں اس زمانہ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک بچہ کی طرح تھا۔ اور پھر اپنے آپ کو خداداد طاقت میں پچاس مردوں کے قائم مقام پایا اس لیے میرا یقین ہے کہ ہمارا خدا ہر چیز پر قادر ہے۔'' (سیرۃ المہدی ص 67-68)

ہمیں افسوس ہے کہ جو راز بیوی صاحبہ نے اپنی والدہ کو بھی نہ بتلایا تھا وہ مرزا جی نے اپنی مسیحیت

کو چمکانے کے لیے تمام دنیا میں نشر کر دیا۔ بیوی صاحبہ اس عبارت کو پڑھ کر ضرور کہہ اٹھی ہوں گی کہ خدا نادان کی دوستی سے بچائے۔ بہر حال ہم بیوی صاحبہ کی ''شرافت، شرم وحیا'' اور راز داری کی داد دیتے ہیں۔

صاحبزادہ بشیر احمد صاحب ایم اے مرزا جی کی ترقی پسندی کی مثال ان الفاظ میں سناتے ہیں کہ

''بیان کیا مجھ سے مولوی نورالدین صاحب نے کہ ایک دفعہ حضور کسی سفر میں تھے۔ جب سٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی۔ آپ بیوی صاحبہ کو ساتھ لے کر سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگ گئے۔ یہ دیکھ کر مولوی عبدالکریم نے مجھے (یعنی مولوی نورالدین کو) کہا کہ پلیٹ فارم پر بہت لوگ ہیں۔ وہ حضرت صاحب اور بیوی صاحبہ کو اکٹھا پھرتے دیکھ کر کیا کہیں گے۔ آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو الگ بٹھا دیں۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں تو نہیں کہتا۔ آپ کہہ کر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبدالکریم خود حضرت صاحب کے پاس گئے۔ اور کہا کہ لوگ بہت ہیں۔ بیوی صاحبہ کو ایک طرف بٹھا دیجئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ''جاؤ جی میں ایسے پردہ کا قائل نہیں۔'' (سیرۃ المہدی جلد 1 ص 63)

ناظرین! صاحبزادہ صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ یہ واقعہ کہاں کا ہے۔ لیکن مرزا صاحب کے صحابی میاں معراج دین صاحب عمر احمدی بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ لاہور ریلوے سٹیشن پلیٹ فارم نمبر 1 کا ہے (جہاں رش بھی کافی ہوتا ہے)۔

نیز معراج دین مذکور بیان کرتا ہے کہ حضرت صاحب نے مولوی عبدالکریم کو یہ بھی کہا تھا کہ:

''جاؤ لوگ یہی کہیں گے نا کہ مرزا اپنی بیوی کے ساتھ پھر (یا ٹہل؟) رہا ہے۔''

(الفضل 11 فروری 1943ء)

ناظرین! مرزا صاحب کی ترقی پسندی اور مریدوں کی حوصلہ افزائی ملاحظہ فرمائیے۔

ہم نے مرزا قادیانی کی دونوں بیویوں کے حالات لکھ دیئے ہیں۔ اب مرزائی دوست بتلائیں کہ پہلی بیوی سے قطع تعلقی اور دوسری بیوی سے زن پرستی کیا معنی؟ نیز دونوں بیویوں کے حالات ملاحظہ کرنے کے بعد کوئی مرزائی مرزا صاحب کو کامیاب شوہر کہہ سکتا ہے۔ اور کیا ازدواجی زندگی کا یہ نمونہ امت کے لیے قابل تقلید ہو سکتا ہے؟

مرزا جی کی ازدواجی زندگی کے ساتھ یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اس نے اپنی اولاد کی شادیوں میں کیا نمونہ پیش فرمایا۔ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے سیرۃ المہدی جلد 2 ص 53 میں روایت کرتے ہیں کہ:

''جب ہماری ہمشیرہ مبارکہ بیگم کا نکاح حضرت صاحب نے نواب محمد علی خاں کے ساتھ کیا تو مہر چھپن ہزار روپیہ مقرر کیا گیا تھا۔ اور حضرت صاحب نے مہر نامہ کو باقاعدہ رجسٹری کروا کے اس پر بہت سے

لوگوں کی شہادتیں ثبت کروائی تھیں۔ اور جب حضرت صاحب کی وفات کے بعد ہماری چھوٹی ہمشیرہ "امتہ الحفیظ" کا نکاح خاں محمد عبداللہ صاحب کے ساتھ ہوا، تو مہر پندرہ ہزار تھا۔ اور یہ مہر نامہ بھی باقاعدہ رجسٹری کرایا گیا۔ لیکن ہم تینوں بھائیوں میں سے جن کی شادیاں حضرت صاحب کی زندگی میں ہوگئی تھیں، کسی کا مہر نامہ رجسٹری نہیں ہوا اور مہر صرف ایک ایک ہزار تھا۔" (اس لیے کہ آپ کی بیویاں پیغمبر زادیاں نہ تھیں ناقل)۔

مرزائیو! لڑکی اور لڑکوں کے مہر میں اتنا تفاوت کیوں؟ اور کیا انبیاء کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ اتنا گراں مہر مقرر کریں، اور رجسٹری کرا دیں۔ ظلی اور بروزی نبوت کا رنگ بھرنے والو حضرت زہرا سیدۃ النساء اہل الجنۃ کے نکاح کی سادگی دیکھو اور خانہ ساز نبوت کو ظلی اور عین محمدؐ کی نبوت کہتے ہوئے شرم کرو!"

نصرت جہاں بیگم حسین تھی بلکہ ضرورت سے زیادہ حسین تھی۔ اُسے اپنے حسن پر ناز تھا۔ وہ اپنے حسن پر مغرور تھی۔ اس کا بدن اشتعال انگیز تھا لیکن مرزا قادیانی جنسی طور پر بیمار تھا، بے ڈول تھا۔ پیسہ ضرور پلے تھا مگر بھدے اور بھونڈے جسم کے باعث وہ کسی عورت کے لیے قابل قبول نہ تھا۔ شراب نوشی اور افیون کے استعمال نے اُسے پوری طرح بدبودار بنا دیا تھا۔ منہ سے بدبو کے فوارے چھوٹتے تھے۔ صحت ضرورت سے زیادہ خراب تھی۔ وہ عیش و عشرت کی محفل تو سجاتا مگر اس میں رنگ نہ بھر سکتا تھا۔ اکیلا چنا کیا بھاڑ جھونکتا۔ تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔ آگ ہوتی تو گھی پگھلتا۔ بارود ہی گیلا ہو چکا ہو تو چنگاری کیا کر سکتی ہے؟ اس کے باوجود وہ چاہتا تھا کہ نصرت اس سے پیار کرے لیکن کیسے؟ نصرت کو اپنے حسن و ناز اور رعنائی کا کرشمہ دکھانے کے لیے ماحول بالکل سازگار نہ تھا۔ ایک ناکارہ مرد کو وہ کیسے بہلاتی؟ اس نیم جان مردہ میں کیسے جان ڈالتی؟ اس کی مردانیت کیسے جگاتی؟ نصرت جہاں بیگم کے جنسی جذبات کی منہ زوری کا تقاضا تھا کہ کوئی ایسا ہو جو ہر روز اس کی راتوں کی تنہائی کو اپنی گرم رفاقت سے پُررونق بنا دے۔ اس حوالے سے مرزا قادیانی کا رویہ سرد پڑتا دیکھ کر اس نے مجبوراً اِدھر اُدھر یارانے گانٹھے۔ ایک تیر سے کئی شکار کرنا اس کی عادت تھی۔ اس کے حسن کی فتنہ پروری کا سب سے پہلا شکار مولوی عبدالکریم تھا جو اس کی رہائش کے اوپر رہتا تھا۔ پھر اس نے بیک وقت کئی مردوں سے ناجائز تعلقات استوار کیے جن میں حکیم نورالدین اور مفتی محمد صادق قابل ذکر ہیں۔

جنوری 1889ء میں مرزا محمود کے پیدا ہونے پر مرزا قادیانی نے دبے لفظوں میں نصرت جہاں بیگم سے چند وضاحتیں طلب کرنے کی کوشش کی تو وہ آگ بگولہ ہوگئی۔ اس نے تمام آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ اس پر مرزا قادیانی ایسا چپ ہوا کہ زندگی بھر اس کے سامنے اونچی آواز میں بات نہ کی۔ پس پردہ اسے کئی کہانیوں کا علم تھا مگر وہ اپنی مردانہ کمزوری کے باعث اس کے خلاف انگلی تک نہ اٹھا سکا۔ نصرت چوکڑیاں بھرنے والی تیز رفتار ہرنی کی طرح کھوا وقت خاوند مرزا قادیانی پر ہر طرح سے حاوی تھی۔ مرزا قادیانی نفسیاتی طور پر اس سے خوفزدہ تھا۔ اس کے بھرپور شباب اور حسن و جمال جہاں

سوز نے مرزا قادیانی کو ایک بے بس پنچھی کی طرح اپنے بس میں کر لیا تھا۔ وہ نصرت کے کسی حکم یا فرمائش کو ٹالنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ نصرت جہاں بیگم کو یہ بھی معلوم تھا کہ مرزا قادیانی چند روز کا مہمان ہے اور پھر اس کی ساری دولت، وسائل اور مریدوں پر اس کا قبضہ ہوگا۔ چنانچہ 1908ء میں جب مرزا قادیانی جہنم واصل ہوا تو حکیم نورالدین خلیفہ بنا۔ قادیانی ریکارڈ بتاتا ہے کہ حکیم نورالدین کو خلیفہ بنانے میں نصرت نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اس کے بعد نصرت کو پوری طرح گل کھلانے کا موقع مل گیا۔ گو وہ حکیم نورالدین کی داشتہ ہی تھی لیکن عملی طور پر اس کی بیوی بن چکی تھی۔ اور اس کی یہ خواہش بھی پوری ہو چکی تھی کہ:

مجھے جس شخص کی تلاش تھی وہ یہی ہے

نورالدین کی بیگم نے کئی دفعہ نصرت کو لعن طعن کی مگر عفریتوں کے گروہ کی سردار نے نورالدین کو اپنے حسن کی گرمی سے مبہوت کر رکھا تھا۔ نصرت کی جوانی کا منہ زور دریا اور اس کی طغیانی اگرچہ ماضی کا قصہ تھی لیکن اب بھی اس کی جسمانی کشش اور دلکش خدوخال کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ انہوں نے دل کھول کر اپنے ارمان پورے کیے۔ ان دونوں کی بے حجاب بدکاریاں اور خرمستیاں زبان زدِ خاص و عام ہو چکی تھیں۔ حکیم نورالدین کی رفاقت نے اسے ایک طاقتور ترین عورت بنا دیا تھا۔ دنیا کی ہر نعمت اور ہر آسائش اس کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ وہ دونوں بے شمار اندرونی باتوں کے ہم راز تھے۔ 1913ء میں وہ اس کی بیماری اور گھوڑے سے گر کر زخمی ہونے پر بے حد رنجیدہ ہوگئی۔ 1914ء میں حکیم نورالدین جہنم واصل ہوا تو وہ بے حد غمناک ہوگئی۔ اس نے کئی دن کچھ نہ کھایا پیا۔ اس کی حالت دیدنی تھی۔ مگر جلد ہی اس نے خود کو سنبھالا اور اپنے ریشمی بدن کی ہوش رُبا سیج مرزا قادیانی کے دیرینہ دوست خوبصورت، طاقتور اور مضبوط ڈیل ڈول کے مالک مفتی صادق کو پیش کی۔ مفتی اس کے حسن کے کرشمہ سے خیرہ ہوگیا۔ پھر دونوں دنیا و مافیہا سے بے نیاز کئی سالوں تک ایک دوسرے کو مجنونانہ انداز میں سیراب کرتے رہے۔ یہ جنسی ملاپ اتنا پُرجوش ہوتا کہ مفتی صادق کئی کئی دن نماز پڑھانے نہ جاتا۔

مرزا قادیانی کی صاحبزادی مبارکہ بیگم کی یادداشتوں پر مبنی ایک خط 30 اگست 1965ء کی اشاعت میں روزنامہ الفضل میں شائع ہوا جس میں اس نے لکھا کہ حکیم نورالدین کی موت پر نصرت جہاں بیگم نے اپنی قلبی کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا: ''حکیم صاحب کی وفات کے بعد اب دل کو چین نہیں آتا اور اب زندگی کا وہ مزہ نہیں رہا۔''

نصرت جہاں بیگم نے اپنے خوبصورت جسم اور حسن و جوانی کو جس طرح اپنے خاندان کی ترقی کا زینہ بنایا، اس سے اس کی خباثتیں پوری طرح آشکار ہوتی ہیں۔ اس نے اپنی سازشوں، جوڑ توڑ اور بے لگام جنسی تعلقات کے ذریعے مرزا محمود کو قادیانیت کے تخت تک پہنچایا۔ حیرانگی کی بات ہے کہ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی قادیانیوں کے نزدیک اس کی حیثیت ایک ''سینٹ'' کی سی منزلت رکھتی ہے۔

نصرت جہاں بیگم اپنی عمر کے آخری 5 سالوں میں بیماریوں کے جہنم میں جلتی رہی۔ جون 1947ء میں اس کے گردوں میں نقص پیدا ہو جانے سے بیماری کا آغاز ہوا۔ بندش پیشاب کی وجہ سے اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ گردوں کی درد کا شدید دورہ پڑتا تو وہ شدت درد سے چیخیں مارتی جیسے بکرا ذبح کیا جا رہا ہو۔ کینسر تو ایک عرصہ سے اندر ہی اندر دیمک کی طرح اس کے جسم کو چاٹ رہا تھا۔ اس کے پیٹ میں جو شدید درد اٹھتا، اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی گئی۔ مختلف ٹیسٹوں کے بعد ماہر ڈاکٹروں نے جن میں لاہور سے ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ، ڈاکٹر غلام محمد بلوچ اور ڈاکٹر محمد یوسف شامل تھے، رائے دی کہ اسے کینسر ہے اور کینسر بھی مایوس کن حد تک پہنچا ہوا ہے۔ ضعف اور نقاہت نے نصرت کے جسم کا یہ عالم بنا دیا تھا کہ اس کی طرف دیکھ کر کوئی کمزور دل آدمی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ سرطان کے ساتھ ہی خون کی کمی کے باعث اسے یرقان بھی تھا۔ آنکھیں زرد، چہرہ زرد، جسم پیلا، وہ بظاہر زندہ ہوتے ہوئے مردہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے گلے کی رگیں پھولنے لگی تھیں۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اس کا آپریشن کیا جائے مگر ڈاکٹر محمد یعقوب خاں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ سرطان کا زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا ہے، اس لیے کوئی آپریشن کامیاب نہ ہوگا۔ بعد ازاں حکیم محمد حسن قرشی نے علاج شروع کیا جن کے ساتھ حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ بھی تھے۔ انہوں نے کئی ماہ علاج کیا مگر ان کے علاج سے بھی تخفیف کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ سر درد کے شدید دوروں کی وجہ سے دماغی عارضہ میں مبتلا ہوگئی۔ گھٹنوں پر ورم کی وجہ سے وہ سکون سے سو نہ سکتی، سر میں چکر کی وجہ سے کئی دفعہ چلتے چلتے گر جاتی اور چوٹیں بھی لگتیں۔ ایک دفعہ سیڑھیوں سے گری تو کمر کے مہروں میں سخت چوٹ آئی جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہوگئی۔ بعد میں وہ بستر پر بھی لیٹی دونوں ٹانگیں پھیلائے رکھتی، ٹانگوں کو اکٹھا کرنے پر وہ زور زور سے رونے لگتی۔ قدرت کا انتقام دیکھئے کہ اس فاحشہ عورت کی ٹانگیں مرنے کے بعد بھی دعوتِ گناہ دیتی ہوئی کھلی ہی رہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد اور ڈاکٹر حشمت اللہ خاں نے علاج کرنا شروع کیا۔ بے تحاشا دوائیوں کے استعمال سے اس کے جسم میں قوت مدافعت ختم ہوگئی۔ مرنے سے ایک ماہ پہلے مارچ 1952ء میں اسے سرگنگا رام ہسپتال میں داخل کروایا گیا۔ اسے Papilloma کی وجہ سے پیشاب میں بہت زیادہ خون آتا۔ ہر روز عذاب کا نیا دن طلوع ہوتا۔ پھر اس پر تھرمباسس کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے اس کی حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ اس کا منہ بےحد متورم ہوگیا اور بیہوشی طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد دو دفعہ قے آئی جس میں خون بھی تھا۔ ہوش آیا تو سخت سر درد اور سردی کی شکایت کی۔ پھر قے آئی جس کے معاً بعد بے ہوش ہوگئی اور ساتھ ہی سانس میں رکاوٹ کی تکلیف ہونے لگی۔ علاج کے لیے ڈاکٹر میر اسماعیل، ڈاکٹر حشمت اللہ خاں، ڈاکٹر ثناء اللہ، ڈاکٹر محمد احمد، اور نرس ظفر نور کو بلایا گیا۔ کئی ادویہ کے ٹیکے لگائے گئے مگر سانس اور بے ہوشی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ڈاکٹر میر اسماعیل نے آخری دن دیکھتے ہی مایوس کن حالت میں کہا کہ اس ''بیماری کا کوئی علاج نہیں۔'' اس

موقع پر مرزا محمود اور اس کے خاندان کے کئی لوگ جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر میر اسماعیل نے لمبر پنکچر کیا یعنی ریڑھ کی ہڈی سے پانی نکالنا چاہتا تو پانی کی بجائے خون نکلا جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دماغ کی رگ پھٹ گئی ہے۔ ڈاکٹر بشارت کا بیان ہے کہ میر اسماعیل نے جب دیکھا کہ خون نکل رہا ہے تو فوراً سوئی (Needle) کو ہڈی سے باہر نکال دیا اور کمرے سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ یہ ''عجیب وغریب بیماری ہے جس سے بچنے کی کوئی امید نہیں۔'' تقریباً 5 سال زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد نصرت جہاں بیگم 21 اپریل 1952ء کو رات گیارہ بجے بڑے عبرتناک انجام کے بعد جہنم واصل ہوئی۔ وہ جب تک زندہ تھی، اسے اپنے دور کی خبیث ترین عورت سمجھا جاتا تھا اور آج بھی اس کے نام کو خباثت کا مترادف قرار دیا جاتا ہے۔ کسی نے سچ کہا تھا:

''یوں زندہ نہ رہو کہ مرنے کے بعد عوام شکرانہ پڑھیں اور تاریخ پھٹکار بھیجے۔''



مرزا ناصر احمد

قادیانی جماعت کا تیسرا خلیفہ مرزا ناصر احمد 16 نومبر 1909ء کو مرزا محمود کی پہلی بیوی محمودہ بیگم کے بطن سے پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔ 1934ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اسے گھڑ سواری کا بھی شوق تھا۔ ایک بار گھوڑے پر سوار ہوا گھوڑے کے بدکنے پر نیچے گرا اور کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کا اثر آخری عمر تک رہا۔

مرزا ناصر کی شادی 2 جولائی 1934ء کو مبارکہ بیگم کی بیٹی منصورہ بیگم کے ساتھ ملیر کوٹلہ میں ہوئی۔ منصورہ کی شخصیت میں بلا کی مقناطیسی جاذبیت تھی۔ نگاہوں کی طرح اس کی گفتار میں بھی پگھلی ہوئی آگ کی آمیزش معلوم ہوتی تھی۔ اس کی گہری نیلی آنکھیں، کمر تک پہنچتے ہوئے مارسیاہ، بل کھاتی ہوئی سرخی مائل زلفیں اور یاقوتی ہونٹ مل جل کر ایک ایسے جام شراب کا تاثر دیتے تھے جو چھلکنے کے لیے بے تاب ہو۔ اس کے مزاج کی گرمی بلا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس کے آشناؤں اور وابستگان عیش میں کئی نامور لوگ شامل تھے۔ مرزا محمد حسین (سابق قادیانی) اس کی جنسی مقاربت کے ایسے ایسے کرشمے بیان کرتے ہیں کہ انہیں باور کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ منصورہ نے خدام الاحمدیہ کے دس نوجوانوں کے ساتھ رات گزاری۔ وہ ان سے باری باری لذت کیش ہوتی رہی حتیٰ کہ وہ دس کے دس ہمت ہار گئے۔ یہ سلسلہ رات بھر جاری رہا۔ صبح ہوئی تو منصورہ کے جسم پر تھکاوٹ کا کوئی اثر نظر نہ آتا تھا۔ شادی کے تھوڑا عرصہ بعد ہی منصورہ کی بے باکانہ حرکات و عادات کی وجہ سے مرزا ناصر کا اس سے دل بھر گیا اور وہ پڑھائی کے بہانے 6 ستمبر 1934ء کو انگلستان چلا گیا۔ مرزا محمود نے اسے منانے اور واپس لانے کی بے حد کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس یقین اور وعدہ کے ساتھ کہ وہ مستقبل میں قادیانی جماعت کا خلیفہ ہوگا، مرزا ناصر کے رویہ میں کچھ فرق آیا۔ وہ یورپ میں عیاشی و اوباشی سے بھرپور 4 سال گزارنے کے بعد 9 نومبر 1938ء میں واپس قادیان آ گیا۔

جناب م ب اپنے مضمون ''مرزا ناصر کی حسرتناک موت'' میں لکھتے ہیں:

''مرزا ناصر، مرزا غلام قادیانی کے پوتے اور اس کے تیسرے گدی نشین تھے۔ مرزا ناصر نے

اپنے والد مرزا محمود (جو دوسرے گدی نشین تھے اور اپنی عمر کے آخری آٹھ نو سال مفلوج اور جنون کی حالت میں ایک پھٹے پر پڑے رہتے تھے، بڑی عبرتناک اور اذیت دہ حالت میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر 1965ء میں چل بسے) کی 1965ء میں موت کے بعد قادیانی گروہ کی قیادت سنبھالی۔ ان کے والد مرزا محمود بہت سازشی، جوڑ توڑ کے ماہر، جاہ طلب اور ان کو ہر طرح کے گل کھلانے کی کھلی عادت تھی۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ کسی شخص نے مرزا محمود کو کسی لڑکی کے ساتھ نازیبا حالت میں دیکھا۔ اس نے بات پھیلا دی۔ مرزا قادیانی نے جب دیکھا کہ بات دب نہیں سکتی تو مولوی محمد علی لاہوری کی قیادت میں ایک کمیٹی قائم کر دی کہ اس واقعہ کی تحقیق کرے۔ انہوں نے نصرت جہاں بیگم کی پرزور سفارش پر معاملہ دبا دیا۔ جب مرزا قادیانی کی موت ہوئی تو اس وقت کے قادیانی لیڈروں نے مرزا محمود کی بجائے یا مرزا کے خاندان کے کسی اور فرد کو سربراہ بنانے کی بجائے حکیم نور الدین کو پہلا گدی نشین (بقول قادیانیوں کے خلیفہ اول) چن لیا۔ اس سے مرزا محمود کو بہت دھچکا لگا اور اس نے منصوبہ بندی شروع کر دی کہ آئندہ کبھی ''خلیفہ'' مرزا کے خاندان سے باہر کا بندہ نہ بن سکے گا۔ مرزا محمود چونکہ دیکھ چکے تھے کہ حکیم نور الدین کے دور میں ان کے خاندان کے وہ ٹھاٹھ باٹھ اور آمرانہ اختیارات نہ رہے تھے۔ اس لیے اپنے دور اقتدار میں انہوں نے اپنے بڑے بیٹے مرزا ناصر احمد کو اپنا جانشین اور قادیانی مذہب کا تیسرا خلیفہ بنانے کے لیے ہر طرح کی جائز، ناجائز کوششیں اور ہیرا پھیری اور سازشیں شروع کر دیں اور جس کو بھی اپنے بیٹے کی جانشینی کے راستے میں خطرہ یا رکاوٹ سمجھا، اس کو ہٹانے کے لیے ہر طرح کی اوچھی حرکت کر گزرتے۔ شروع میں تو اپنے والد کے پرانے ساتھیوں مولانا محمد علی لاہوری، خواجہ کمال الدین، ڈاکٹر محمد حسین شاہ اور دیگر بارسوخ اور بااثر قادیانی لیڈروں سے ایسی بدسلوکی کی کہ وہ قادیان چھوڑ کر واپس لاہور آ گئے اور وہاں لاہوری گروپ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد شیخ عبدالرحمٰن مصری جو بہت بڑے فاضل تھے، کو غنڈہ گردی سے قادیان سے بھگا دیا اور ان کے ایک ساتھی فخر الدین ملتانی کو قتل کروا دیا۔ اس طرح کے تمام واقعات ان مشہور قادیانیوں سے پیش آئے ہیں جو قادیانی مذہب کی خلافت اور ان کی عیاشیوں میں رکاوٹ کا باعث ہو سکتے تھے۔

پھر 1931ء سے 1941ء تک مرزا ناصر کا مقابلہ حکیم نور الدین کے بیٹے عبدالمنان سے رہا۔ یہ مقابلہ بازی قادیانیوں کی ذیلی تنظیم خدام الاحمدیہ کی صدارت کے لیے ہر سال ہوتی تھی۔ انتخاب کے موقع پر ووٹ زیادہ عبدالمنان (حکیم نور الدین کا بیٹا) کو ملتے تھے مگر دھاندلی کر کے مرزا ناصر کے صدر ہونے کا اعلان کر دیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ 1949ء میں مرزا ناصر چالیس سال کے ہو گئے۔ قواعد کی رو سے مرزا ناصر اس عمر کے بعد صدر نہیں رہ سکتے تھے۔ عبدالمنان کی عمر ابھی چالیس سال سے کم تھی۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے مرزا محمود نے خود مجلس خدام الاحمدیہ کا صدر بننے کا اعلان کر دیا اور کچھ عرصہ بعد مرزا ناصر احمد کو نائب صدر نامزد کر دیا۔ اس کے علاوہ، انہوں نے مرزا ناصر کو جامعہ احمدیہ اور کالج کا پرنسپل بنائے رکھا۔ کئی ذیلی

قادیانی اداروں کے سربراہ بھی بنے رہے۔ مثلاً انجمن کے صدر، افسر سالانہ جلسہ (قادیانیوں کا ظلی حج) ادارہ تحریک جدید کے ڈائریکٹر اور نیم عسکری تنظیم فرقان نوری کے سربراہ، جہاں ان کا خطاب ''فاتح الدین'' تھا۔ ان سب پیش بندیوں کا مقصد مرزا ناصر کی گدی نشینی سے ہر ممکن رکاوٹ کو ہٹانا تھا۔ آخری حربہ کے طور پر عبدالمنان عمر پر کئی من گھڑت الزام لگا کر قادیانی تنظیم سے خارج کر دیا گیا۔ بعد میں مرزا محمود کی بیماری کے دوران ایک اور رکاوٹ سامنے آ گئی۔ وہ ان کے سوتیلے بھائی مرزا رفیع احمد تھے۔ جو اپنی جوشیلی تقریروں سے نوجوانوں میں بہت مقبول ہو گئے تھے۔ لیکن مرزا محمود کے پرانے عمر رسیدہ ساتھیوں نے اس جوان کی قیادت کو اپنے لیے خطرہ جانا اور انتخابات کے وقت ایسا چکر چلایا کہ مرزا رفیع کا پانسہ الٹ گیا اور مرزا ناصر قادیانی ذریت کے تیسرے سربراہ بن گئے۔ مرزا ناصر کو بڑا یقین تھا کہ اس کے زمانہ میں قادیانی مملکت قائم ہو جائے گی۔

وہ اکثر اپنی تقریروں میں کہا کرتے تھے کہ ان کے بارے میں بشارت ہے کہ ''اس کے زمانے میں فتوحات ہوں گی۔'' قادیانیوں کی طرف سے انہیں ''ناصر دین'' اور ''فاتح الدین'' کے خطابات سے نوازا جاتا تھا۔ (ماہنامہ خالد بابت نومبر 86، ص 16,15) یہ خطابات بھی ان کے ہاتھوں قادیانی مملکت کے قیام کے لیے فاتح ہونے کی امید پر دیئے جاتے تھے۔ مرزا ناصر بھی اپنے والد کی طرح بہت اقتدار پسند تھے بلکہ انہوں نے اس سلسلے میں باپ سے زیادہ پیش قدمی کی مثلاً انہوں نے پیپلز پارٹی کے لیے باقاعدہ کھلم کھلا سیاست میں حصہ لیا۔ پیپلز پارٹی کی کامیابی کے بعد مرزا ناصر کو قادیانی حکومت کا خواب زیادہ ہی شرمندہ تعبیر ہوتا نظر آنے لگا اور اسی ترنگ میں انہوں نے دسمبر 1973ء میں صد سالہ جوبلی منصوبہ اور جشن کا اعلان کیا۔ یعنی 1989ء میں جب قادیانی مذہب کو شروع ہوئے سو سال گزر چکے ہوں گے اور فتوحات بھی ہو چکی ہوں گی اور قادیانی مملکت بھی قائم ہو چکی ہو گی تو اس موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار قادیانی مرزا ناصر کی سربراہی میں صد سالہ جوبلی کے نام سے پوری دنیا میں جشن منائیں گے۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شد۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ جس پیپلز پارٹی کی کامیابی کو وہ اپنی فتح سمجھ رہے ہیں، اسی کے سربراہ کے ہاتھوں قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھکنے والی ہے۔ اسے کہتے ہیں۔ تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ۔ چنانچہ مرزا ناصر کی متوقع قادیانیت کی فتوحات کی خوشی میں صد سالہ جوبلی جشن کے اعلان کے بعد اللہ تعالیٰ کی غیرت کس طرح جوش میں آئی اور مرزا ناصر اور اس کی فتوحات کے خوابوں کا کیسا عبرتناک حشر ہوا۔ اس کی مختصر جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے۔

29 مئی 1974ء: ربوہ ریلوے سٹیشن پر نشتر کالج ملتان کے طلباء سے تصادم۔ شام سے ملک بھر میں قادیانیوں کے خلاف احتجاج اور ہنگامے۔

18 جولائی 1974ء: ربوہ ریلوے سٹیشن کے واقعہ کے متعلق تحقیقاتی ٹربونل میں مرزا ناصر احمد

کی پیشی۔

جولائی، اگست 1974ء: قومی اسمبلی میں مرزا ناصر کا بیان اور سوال و جواب۔
7 ستمبر 1974ء: پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔
15 اکتوبر 1974ء: سرگودھا میں قادیانیوں کے خلاف مظاہرہ، قادیانی معبد جلا دیا گیا۔ حکومت سے اجازت نہ ملنے کی وجہ سے تمام قادیانی ذیلی تنظیموں کے سالانہ اجتماعات نہ ہو سکے۔
30 مئی 1975ء محکمہ بحالیات نے قادیانی معبد النور راولپنڈی کو نیلام کر کے فروخت کر دیا۔
یکم جنوری 1976ء: ربوہ ریلوے سٹیشن پر سرگودھا ایکسپریس کا شاپ ختم کر دیا گیا۔
1977ء: مشہور قادیانی مرزا طاہر کے پھوپھا پیر صلاح الدین آف پیر ہوٹل عورتیں سپلائی کرنے کے فحش کاروبار میں ملوث اور رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔ پیر صلاح الدین کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھرایا گیا۔ ان کے بیٹوں کو ہجوم کے سامنے کوڑے مارے گئے۔
3 دسمبر 1981ء: مرزا ناصر کی بیوی منصورہ بیگم کی وفات۔
11 اپریل 1982ء: نوعمر طاہرہ سے مرزا ناصر کا 73 سال کی عمر میں عقد ثانی "قادیانی بزرگوں" کی اخبار الفضل میں شادی کے پائیدار، خوشگوار اور بابرکت ہونے کے بارے میں بشارات۔ 23 مئی کو ہنی مون منانے اسلام آباد پہنچ گئے۔
26 مئی 1982ء: اسلام آباد میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے مرزا ناصر کی رہائش گاہ کے سامنے جلسہ۔ مولانا اللہ وسایا کا ایمان افروز خطاب اور مرزا ناصر پر دل کا دورہ۔
31 مئی 1982ء میں دل پر دوبارہ حملہ اور شدید کمزوری۔
8 جون 1982ء میں دل کا شدید حملہ۔ 8 اور 9 جون کی درمیانی شب پونے ایک بجے مرزا ناصر جہنم واصل ہو گیا۔"

معروف سابق قادیانی جناب سلیم اختر اپنے قبول اسلام کے واقعے میں لکھتے ہیں:

"مرزا ناصر احمد کے ہاں ایک عورت بطور ملازمہ کام کرتی تھی۔ ایک دفعہ ماہ رمضان میں منصورہ بیگم نے ملازمہ سے کہا کہ آج میں بھی روزہ رکھوں گی، سحری کے وقت مجھے جگا دینا۔ سحری کے وقت جب اس خادمہ نے بیگم صاحبہ کو جگانے کی کوشش کی تو بیگم صاحبہ نے اس غریب عورت کو وہ مغلظات سنائیں کہ الامان اور کہا کہ تو نے میری نیند کیوں خراب کی ہے۔ نو دس بجے کے قریب بیگم صاحبہ بیدار ہوئیں تو ملازمہ سے کہنے لگیں کہ آج تم نے مجھے جگایا نہیں، میں نے تو آج روزہ رکھنا تھا۔ وہ بیچاری خاموش ہو رہی۔ اس ملازمہ کا بیان ہے کہ بالکل اسی طرح میاں ناصر احمد بھی رمضان شریف کا "احترام" کرتے تھے۔
جب لاہور سے تعلیم الاسلام کالج، ربوہ منتقل ہوا تو خوبصورتی کے لیے بعض پھول دار پودے بھی

کالج میں لگوائے گئے۔ مرزا ناصر احمد کالج کے پرنسپل تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ربوہ کے دھوبی فیروز نامی کا بکرا وہاں آنکلا اور اس نے ایک آدھ پودا خراب کر دیا، یا کھالیا۔ مرزا ناصر احمد نے اسے وہیں ذبح کروا کر اس کا گوشت اپنے خاندان میں تقسیم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد دھوبی بھی بکرے کی تلاش میں ادھر آنکلا اور دیکھا کہ بکرے کی روح اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کا گوشت مرزا ناصر احمد اور ان کے خاندان کا توشہ بن چکا ہے۔ وہ گم سم کھڑا تھا کہ مرزا ناصر احمد نے اسے بلا کر پوچھا کہ یہ بکرا تمہارا ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اثبات میں جواب دیا تو میاں صاحب ''جلال الٰہی کا مظہر'' بن کر اس پر برس پڑے اور اسے ایک قرعہ دے کر کہا کہ اسے دفتر امور عامہ میں لے جاؤ۔ جب وہ غریب دفتر امور عامہ میں پہنچا تو دفتر والوں نے اسے مزید ستر روپے جرمانہ کر دیا۔ زمین کا کونہ کونہ چھان ماریئے، چراغ ہاتھ میں لے کر اکناف عالم میں گھوم جائیے، اس قسم کے اولیاء اللہ آپ کو ربوہ کے سوا کہیں نہیں مل سکیں گے۔

ربوہ کے ''خلفاء اور محبوبانِ الٰہی کی ایک خاص علامت یہ بھی ہے کہ قرض لے کر واپس کرنا، گناہ عظیم خیال کرتے ہیں، مجھے ربوہ جماعت کے ایک دوست ملے۔ ان کے پاس ربوہ کے محکمہ قضا کی 29 ڈگریاں تھیں۔ جن میں سے اکثر خاندان خلافت سے متعلق تھیں اور ایک ڈگری ''خالد احمدیت'' کے خلاف بھی تھی۔ یہ صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ ان کی اولاد کے پاس آج بھی یہ ڈگریاں محفوظ ہیں۔ وہ آدمی سالہا سال میاں ناصر احمد سے تقاضا کرتا رہا کہ قضاء نے مجھے ڈگری دے دی ہے، اب تو مجھے میری رقم دے دیں۔

یاد رہے ربوہ کا محکمہ قضا خاندان خلافت کے خلاف ڈگری کا اجراء نہیں کروا سکتا کیونکہ وہ خود ان کے ماتحت ہے۔ اس نے تنگ آکر مجھے کہا کہ آپ ان ڈگریوں کو کسی اخبار میں شائع کروا دیں۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ ان سے ایک بار مزید دریافت کر لیں، اس کے بعد کچھ کریں گے۔ اس نے خلیفہ صاحب کو خط لکھا، اس کا جو جواب خلیفہ صاحب نے دیا، وہ میں نے خود دیکھا اور پڑھا ہے۔ اس میں لکھا تھا، خدا کے رجسٹر سے آپ کا نام کاٹ دیا گیا ہے۔ اب بتایئے اس سے زیادہ بھی کوئی فریب کاری ہو سکتی ہے کہ ایک آدمی اپنی رقم کا مطالبہ کرتا ہے، ربوہ کا محکمہ قضا اس کے حق میں ڈگری دیتا ہے اور ''حضور پرنور'' اس کا نام خدا کے رجسٹر سے کاٹتے پھرتے ہیں۔

وہ آدمی بھی بڑا دلچسپ تھا۔ اس نے خلیفہ صاحب کو لکھا کہ ''کیا اس رجسٹر سے میرا نام کاٹا گیا ہے جو آپ کے دفتر میں پڑا ہے یا اس رجسٹر سے میرا نام کاٹ آئے ہیں جو خدا کے پاس محفوظ ہے۔''

یہ صرف میاں ناصر کی بات نہیں، اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔

قادیان سے میاں محمود جب پاکستان آ گئے تو انہوں نے کہا کہ قادیان کا کوئی آدمی اپنا کلیم داخل نہ کرے کیونکہ ہم نے بلد قادیان واپس جانا ہے۔ اس اعلان کو سنتے ہی بے شمار لوگ کلیم دینے سے دست

کش ہو گئے۔ ان میں سے بعض کو خاکسار نے دیکھا ہے جو آج بھی خلیفہ صاحب کے اس اعلان کی برکت سے دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ قادیان کس نے جانا تھا اور کس نے جانے دینا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ قادیان کی زمین خلیفہ صاحب نے اپنے مریدوں کے ہاتھ فروخت کی ہوئی تھی، لیکن ان کے نام رجسٹرڈ نہیں کروائی تھی۔ جیسے آج تک ربوہ میں ہوتا رہا ہے۔ اس طرح ان ظالموں نے پاکستان گورنمنٹ کو ٹیکس ادا نہ کر کے لاکھوں روپے کا نقصان پہنچایا ہے۔ جب ملک تقسیم ہو گیا تو جن لوگوں نے قادیان میں زمین خرید کی ہوئی تھی، انہوں نے اس کے کلیم دینے تھے اور خلیفہ صاحب کا فراڈ منظر عام پر آ جانا تھا۔ انہوں نے اس فریب کاری پر پردہ ڈالنے کے لیے مرزا صاحب کے بعض الہامات کا سہارا لیا اور اعلان کر دیا کہ ہم قادیان واپس جائیں گے، اس لیے قادیان کے احمدی کلیم داخل نہ کروائیں۔

ادھر لوگوں کو کلیم داخل کروانے سے منع کر دیا گیا اور دوسری طرف خود اپنی زمین کا کلیم داخل کروا کر سب کچھ الاٹ کروا لیا، کیونکہ گورنمنٹ کے کاغذات میں تو قادیان کی زمین انہی کے نام تھی۔ اس طرح جماعت کو دوبارہ احمق بنا کر لوٹا۔ قادیان میں ان سے زمین کی قیمت لے لی اور زمین ان کے نام نہ کروائی اور تقسیم ملک پر ان کو کلیم دینے سے منع کر دیا اور خود ساری جائیداد اپنے نام منتقل کروالی۔

لطف تو تب تھا کہ جب گورنمنٹ نے ان کو زمین الاٹ کر دی تھی تو ان تمام لوگوں سے کہتے کہ جتنی زمین کے تم قادیان میں مالک تھے، اسی قدر اس زمین میں سے لے لو، جو ہمیں الاٹ ہوئی ہے۔ ایک صاحبزادے نے تو ایک سینما بھی الاٹ کروایا تھا۔ کیا آپ نے دنیا کے پردہ پر اس قدر عقل و خرد سے عاری کوئی جماعت دیکھی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ بوگس کلیم بھی داخل کروائے گئے اور بعض ان لوگوں نے بھی یہاں جائیدادیں حاصل کیں جو یہیں کے رہنے والے تھے۔''

(قادیانیت سے اسلام تک از محمد متین خالد ص 67,66)

قادیانیوں کے نام نہاد خلفاء جب امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک میں دوروں پر جاتے ہیں تو یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ ''حضرت نے اسلام کا پیغام یورپ کے بچے بچے تک پہنچا دیا ہے اور حضرت کا دورہ بہت ہی کامیاب ہوا۔ یورپ کے لوگ خلیفہ صاحب سے بے حد متاثر ہوئے اور بس احمدیت قبول کرنے کے بالکل قریب ہیں وغیرہ وغیرہ۔'' لیکن حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ قادیانیوں کے خلیفوں کے دوروں کا اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ ان کا، ان کے اہل خانہ کا اور ان کے ساتھیوں کا سیر و سیاحت کا پروگرام ہوتا ہے جو احمق قادیانیوں کی جیبوں سے بٹورے ہوئے چندوں کے ساتھ پورا کیا جاتا ہے۔ جون 1980ء میں قادیانی جماعت کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر نے یورپ کا دورہ کیا۔ وہاں انہوں نے کیسی تبلیغ کی؟ کون کون سے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اس کا اندازہ آپ جناب سیف الرحمٰن صاحب

''خلیفہ ربوہ مرزا ناصر احمد جب فرینکفرٹ (جرمنی) آئے تو مجھے بھی ایک احمدی ساتھی کے ساتھ ایئرپورٹ جانا پڑا۔ وہاں پر (1) امام مسجد فرینکفرٹ (2) ایک ساتھی ہیمبرگ کا (3) ایک احمدی اور (4) راقم الحروف نے ان کا استقبال کیا۔ مرزا صاحب کے ساتھ عورتیں اور مرد تھے، ان سب مہمانوں کو فرینکفرٹ کی مسجد میں ٹھہرایا گیا۔ یہ مسجد پاکستانی مسجدوں کی طرح نہیں، جہاں جوتے اتار کر اندر جایا جاتا ہے بلکہ مذکورہ مسجد میں جوتے پہنے عام آدمی موجود تھے اور اسی مسجد میں ٹیلی ویژن بھی لگا ہوا ہے، ننگے فوٹو دیکھے جاتے اور اسی مسجد میں قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ ''پلے بوائے'' رسالہ جسے ایک شریف آدمی اپنے ہاتھ میں بھی نہیں پکڑ سکتا وہاں پڑھا جاتا ہے اور میں نے اپنی آنکھوں سے یہ رسالہ وہاں کے امام مسجد کے پاس دیکھا ہے۔ اسی مسجد میں جرمن لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے اٹھتے بیٹھتے اور راز و نیاز کی باتیں بھی کرتے ہیں اور وہاں گفتنی اور ناگفتنی سب کچھ ہوتا ہے۔ مرزا صاحب اور ان کی پارٹی نے دل کھول کر وہاں خریداری کی اور فرینکفرٹ کی مسجد میں ہی ایک دن جلسہ کے نام پر ایک جرمن نے ایسی فلم دکھائی جس میں درہ خیبر میں غریب پاکستانیوں کو پکوڑے بناتے اور سائیکلوں کو پنکچر لگاتے ہوئے دکھایا گیا تھا اور کراچی کے ایک بازار میں امریکن پرانے کپڑے فروخت کرتے ہوئے دکھائے جس پر ایک محبِ وطن پاکستانی مسلمان نے احتجاج کیا تھا کہ جلسہ کے نام پر اگر آپ نے تقریریں کرنے کی بجائے فلمیں ہی دکھانا تھیں تو آپ درہ خیبر میں پکوڑے بناتے اور پنکچر لگاتے پاکستانی دکھانے کی بجائے لاہور، راولپنڈی اور کراچی کی بڑی بڑی عمارتیں بھی دکھائی جاسکتی تھیں۔ منگلا ڈیم، تریموں ہیڈ، غلام محمد بیراج اور اسلام آباد سے بھی جرمن عوام کو روشناس کروایا جاسکتا تھا۔ آپ نے ذلیل فلمیں دکھا کر پاکستانی عوام اور حکومت پاکستان کی سخت توہین کی ہے۔ چنانچہ احتجاج موثر ثابت ہوا اور فلم بند کر دی گئی۔

آج کل یہاں کے احمدیوں میں چندہ اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں زبردست اختلافات پیدا ہو چکے ہیں اور وہ دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک گروہ جن کا لیڈر فرینکفرٹ کی مسجد کا امام اور دوسرے گروہ کا رہنما احمد نگر ربوہ کا ایک پاکستانی احمدی ہے۔ امام مسجد کی ماہوار تنخواہ ساٹھ مارک ہیں اور اس کے بیوی بچے ربوہ میں ہیں جہاں اس نے اپنا مکان بنانے کے علاوہ ایک بھینس بھی رکھی ہوئی ہے۔ بیوی بچوں اور بھینس کا خرچ اسے ساٹھ مارک میں سے ہی پورا کرنا ہوتا ہے مگر میاں مولوی صاحب کا یہ حال ہے کہ فرینکفرٹ کی بین الاقوامی نمائش کے ایک سٹال پر انہوں نے سات ہزار ڈی مارک خرچ کیا ہے اور یہی خرچ جرمن احمدیوں کو دو گروہوں میں بانٹنے کا سبب بنا ہے۔ احمد نگری گروہ کا کہنا ہے کہ جب تک مولوی صاحب اپنے حساب کتاب نہیں دکھائیں گے ہم چندہ نہیں دیں گے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میں چندہ وصول کر سکتا ہوں مگر حساب کتاب نہیں دکھا سکتا۔ میرا حساب تو صرف خلیفہ ربوہ ہی چیک کر سکتے ہیں۔

الغرض یہ اختلافات سنگین نوعیت اختیار کر رہے ہیں اور مخالف گروپ اندر ہی اندر خلیفہ ربوہ کے

خلاف زبردست محاذ قائم کر چکا ہے۔ مخالف گروپ یہ کہتا ہے کہ اسلامی تبلیغ کے مقدس نام پر ذاتی سامان کی خریداری اور عیش وعشرت کی خاطر سفر کو مقدس عنوان دے کر پروپیگنڈہ کرنا اسلام سے مذاق ہے اور پاکستانی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے جن کے خون پسینہ کی کمائی زرمبادلہ کی صورت میں اس طرح چند عیش پرست مذہبی شاہ خرچوں کے حوالے کر دی جائے۔ فرینکفرٹ مغربی جرمنی میں خلیفہ ربوہ کی تبلیغ اسلام کا جو حال میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ''قیاس کن زگلستان من بہار مرا'' کے مصداق یورپ کے سارے دورے کا آپ اسی سے اندازہ کر لیں۔ خاندان خلافت کی عورتوں اور مردوں نے جس طرح یہاں بے دریغ شاپنگ کی ہے، اگر اس کا پتہ پاکستان کے مختلف اور سادہ لوح قادیانیوں کو چل جائے تو اس خلافت سے توبہ ہی کر لیں۔'' (ہفت روزہ لولاک 22 دسمبر 1967ء)

دوران تعلیم بیرون ممالک شبانہ کلبوں کی رنگین زندگی اور کثرت شراب نوشی نے مرزا ناصر کا جسم مضمحل کر دیا تھا۔ وہ بنیادی طور پر حسن کا پرستار تھا۔ ہر وقت خوبصورت لڑکیوں کے جھرمٹ میں رہنا اس کا مشغلہ تھا۔ وہ اکثر اپنی نجی محافل میں کہتا کہ ''جب تازہ دودھ دستیاب ہے تو بھینس پالنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اپنے باپ کی طرح خوبصورت لڑکی اس کی کمزوری تھی۔ کسی مہ جبیں کو دیکھتے ہی اسے حاصل کر لینے کی دھن اس کے دماغ میں سما جاتی، اور جب تک وہ حاصل نہ کر لیتا، اسے چین نہ آتا۔ لجنہ کی ہر خوبصورت لڑکی آفت جان اور دعوت صد گناہ ہوتی ہے۔ خلیفہ بننے کے بعد مرزا ناصر مذہب کے نام پر اپنے روایتی طریقے سے انہیں اپنے جال میں پھانستا اور پھر اپنی خبیث ذہانت کے بل بوتے پر انہیں شکار کرتا۔ ان لڑکیوں کا نوع بہ نوع حسن ایسی سمندری چٹان کی طرح ہوتا جن سے مرزا ناصر کی ''پاکبازی'' کا جہاز ہر روز ٹکرا کر پاش پاش ہوتا۔ ان میں سے کئی ایک لڑکیوں نے اپنے حسن کی قیمت بھی وصول کی اور وہ آج کل اپنے پورے خاندان کے ساتھ یورپ میں مقیم ہیں اور ''سلسلہ احمدیہ'' کی خدمت بجالا رہی ہیں۔ ایسی ہی ''خوش نصیبوں'' میں امۃ الحفیظ جمن سابق صدر لجنہ ہالینڈ، نویدہ بشریٰ، نصیرہ نزہت، امۃ الحفیظ سلام صدر لجنہ یوکے، عطیہ عیسیٰ جان سابق صدر لجنہ کینیڈا، قانتہ مبشر سابق صدر لجنہ ناروے، سسٹر مریم سابق صدر لجنہ ڈنمارک عالیہ رشید شکاگو امریکہ، ثمیرا شاہد جرمنی اور نصرت بیگم سپین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مرزا ناصر کی پہلی بیوی منصورہ بیگم ایک عرصہ سے گردوں کی تکلیف میں مبتلا تھی۔ 23 نومبر 1981ء کو اس پر درد گردہ کا شدید حملہ ہوا۔ جس کے بعد گردہ کی تکلیف اور انفیکشن بڑھتی چلی گئی۔ ربوہ کے علاوہ لاہور، کراچی اور راولپنڈی کے ڈاکٹروں نے بھی آ کر دیکھا اور ہر ممکن طبی امداد بہم پہنچائی۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ منصورہ بیگم کے گردے فیل ہو چکے ہیں۔ اگر آپ اس کی زندگی چاہتے ہیں تو فوری طور پر اسے لندن لے جائیں۔ مرزا ناصر کا دل منصورہ بیگم سے بھر چکا تھا، بے تحاشا وسائل اور دولت ہونے کے باوجود مرزا ناصر بیرون ملک علاج کے لیے نہ مانے، اس طرح منصورہ بیگم سسک سسک کر 3 اور 4 دسمبر کی درمیانی

رات کو جہنم واصل ہوئی۔منصورہ کی موت سے تین ماہ بعد مرزا ناصر نے انتہائی خوبصورت دوشیزہ طاہرہ سے شادی رچالی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ناصر کی دوسری شادی کے سلسلہ میں ہم بعض خاص باتوں کا ذکر بھی کرتے چلیں۔

تعلیم الاسلام کالج میں فزکس کے معروف قادیانی پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد کی ایک چھوٹی بہن ڈاکٹر طاہرہ، لجنہ اماء اللہ (قادیانی عورتوں کی تنظیم) کی اہم عہدیدار تھی۔ پروفیسر صاحب اس کی شادی کے لیے کوشاں تھے۔ڈاکٹر طاہرہ اپنے حسن و جمال کے حوالہ سے قادیانی حلقہ میں بے حد معروف تھی۔

علامہ سلطان اپنی تصنیف ''قادیانیوں کی عریاں تصویریں'' میں لکھتے ہیں ''یہ دوشیزہ اپنے قاتلانہ نخروں کے ساتھ جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد کے بڑے صاحبزادے مرزا لقمان (جو قادیانی جماعت کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر احمد کا داماد ہے) کو کئی بار ''درشن'' دے چکی تھی۔اس کی چشم نیم باز اور شوخ قہقہے اس کھلنڈرے نوجوان کے کلیجہ پر چھری چلا جاتے۔''

اِک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے

مرزا لقمان اور ڈاکٹر طاہرہ کا عشق پروان چڑھتا رہا۔آخر مرزا لقمان نے اپنی والدہ سے اپنے دل کی بات کہہ دی اور ڈاکٹر طاہرہ سے دوسری شادی کرنے کی اجازت چاہی۔ ماں نے اجازت دے دی لیکن اس بات کی بھنک مرزا طاہر احمد کے کانوں میں پڑی تو اس نے مرزا ناصر احمد سے بات کی اور کہا کہ اگر اس کی بیٹی کے مقابلہ میں کوئی دوسری سوکن لائی گئی تو وہ اس سلسلہ میں سخت قدم اٹھائیں گے۔مرزا ناصر احمد نے جماعت احمدیہ میں انتشار روکنے کی خاطر مرزا لقمان کو دوسری شادی کرنے سے سختی سے منع کر دیا۔

ادھر نیرنگی دوراں دیکھئے کہ ڈاکٹر طاہرہ کے سلسلہ میں جو رشتے آئے،ان کے ناموں کی لسٹ بنا کر انہوں نے اپنے پیر و مرشد مرزا ناصر احمد کے پاس دعا کے لیے بھیجی کہ اس کے لیے وہ مناسب نام اس لسٹ میں سے بتا دیں۔کسی شرم، ندامت یا پشیمانی کا اظہار کئے بغیر مرزا ناصر نے لسٹ میں درج شدہ سارے نام کاٹ کر اوپر اپنا نام لکھ دیا اور لسٹ پروفیسر صاحب کو واپس کر دی۔ طاہرہ سے شادی کے لیے خلیفہ کا یہ پیغام بالکل خلاف توقع اور عجیب تھا۔مگر خلیفہ نے سب کی مخالفت کو نظر انداز کرتے ہوئے بیوی کی اہمیت پر خطبے دینے شروع کر دیئے کہ ''میں نے استخارہ کر کے معلوم کیا ہے کہ یہ رشتہ ہمارے لیے انتہائی بابرکت اور سلسلہ احمدیہ کی ترقی کا باعث ہوگا۔'' اور مجھے رویاء میں دکھایا گیا ہے کہ ''تمہاری شادی ایک ڈاکٹر سے ہوگی۔'' نیز چند کاسہ لیس قسم کے مشہور قادیانی بزرگ استخارہ کرنے بیٹھ گئے۔ان بزرگوں میں مولوی عبدالمالک، صوفی غلام محمد اور دوست محمد شاہد پیش پیش تھے اور قادیانی اخبار ''الفضل'' میں ان کی

طرف سے بیانات آنے لگ گئے کہ استخارہ میں اس کے رشتہ کے بارہ میں بشارت ہوئی ہے کہ بہت پائیدار، خوشگوار اور طرفین کے لیے باعث برکت اور خوشگوار ازدواجی زندگی دونوں کو ہوگی اور طرفین کے لیے باعث راحت ہوگی۔ ان بزرگوں اور سب چمچوں، لوٹوں کی مبارک سلامت کے شور میں ''بڈھا گھوڑا لال لگام'' کے مصداق 11 اپریل 1982ء کو یہ شادی ہوگئی۔ اس پر جماعت احمدیہ کے مخالف لاہوری گروپ نے طنزاً یہ کہنا شروع کر دیا کہ ''پچ بیٹے نے تیار کروائی تھی لیکن بیٹنگ باپ نے شروع کر دی۔''

دوسری شادی کے وقت مرزا ناصر کی جوانی کا دریا اتر چکا تھا اور اب وہ بڑھاپے کی دلدل میں دھنس چکا تھا۔ شادی سے پہلے 1978ء میں وہ دانتوں کی شدید تکلیف اور ڈینچر لگوانے کی وجہ سے شدید علیل ہوگیا تھا۔ بعد ازاں وہ ایک عرصہ سینٹ الزبتھ ہسپتال لندن میں زیر علاج رہا۔ ایک میڈیکل رپورٹ کے مطابق اس کے خون میں 10 قسم کی مختلف نشہ آور اشیاء شامل تھیں۔ وہ شراب کا اس قدر استعمال کرتا کہ اسے شراب کی چلتی پھرتی دوکان کہا جاتا۔ اس کے علاوہ وہ شوگر کا مریض ہونے کے ساتھ ساتھ سانس کی تکلیف میں بھی مبتلا تھا۔

اس حالت میں اس نے ڈاکٹر طاہرہ سے دوسری شادی کی۔ طاہرہ نے اسے ایسا تگنی کا ناچ نچایا کہ وہ اپنی زندگی کی سابقہ تمام جنسی ''فتوحات'' بھول گیا۔ مرزا ناصر اس کے ہاتھوں کھلونا بنا ہوا تھا۔ 23 مئی 1982ء کو وہ دونوں ہنی مون منانے اسلام آباد چلے گئے۔ اسی رات دونوں نے ہلکا سا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد دونوں شب خوابی کے کمرے میں چلے گئے۔ کمرہ پورے ''لوازمات'' کے ساتھ سجا ہوا تھا۔ تمام تر کوششوں کے باوجود 72 سالہ بوڑھا مرزا ناصر کی ٹھنڈی رفاقت ڈاکٹر طاہرہ کی رگوں میں بہنے والے جنسی ہوس کے آتشی لاوے کو سرد نہ کر سکی۔ حسین وجمیل شعلہ مجسم ڈاکٹر طاہرہ کا ایک ہی اصرار تھا کہ وہ اس کی جنسی آگ کو بیک وقت بھڑکائے بھی اور بجھائے بھی۔ ''شب زفاف'' سے لے کر 5 جون 1982ء تک مرزا ناصر ہزار کوششوں کے باوجود طاہرہ کی خواہش کے مطابق مباشرت نہ کر سکا۔ شرم وحیا سے عاری ڈاکٹر طاہرہ نے بغیر کسی جھجک اور ڈر کے مرزا ناصر سے برملا کہہ دیا کہ اگر آپ میں مردانہ طاقت نہیں تھی تو میرے ساتھ شادی کیوں کی؟ اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ میں آپ کی بہو رہتی۔ مرزا ناصر یہ سن کر شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا اور ''مرتا کیا نہ کرتا'' کے مصداق فوری طور پر مولوی اسماعیل منیر کی معرفت ربوہ کے مشہور دواخانہ نظام جان سے مردانہ طاقت کی خاص دوا اکسیر اعظم منگوائی اور مشہور ہے کہ اس میں سنکھیا اور افیون شامل ہوتی ہے۔ اس دوا کے استعمال سے مرزا ناصر میں عارضی طور پر جنسی طاقت عود کر آئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ ایک عجیب وغریب داستاں ہے۔ دوا کے زیر اثر مرزا ناصر کے جنسی جذبات میں ایک آگ سی لگ گئی۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کی رگ رگ میں بجلیاں بھر گئی ہیں۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اس عالم میں جب مرزا ناصر نے سرخ رنگ کے شب خوابی کے ریشمی لباس میں ملبوس نیم

عریاں ڈاکٹر طاہرہ کو دیکھا تو اس کے اندر جذبات کا لاوا کچھ اور تیزی سے بھڑک اٹھا اور اس کے بعد طاہرہ اس کی مضبوط باہوں کی گرفت میں تھی۔ یہ صورتحال مرزا ناصر اور ڈاکٹر طاہرہ دونوں کے لیے حد درجہ تحیر خیز اور غیر متوقع تھی۔ ڈاکٹر طاہرہ کچھ قدرے مطمئن ہوئی اور اسی رات وہ حاملہ ہوگئی۔ لیکن سنکھیا کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے۔ اگلے روز اس دوا کی زیادہ مقدار کھانے سے مرزا ناصر کی حالت خراب ہونے لگی۔ اسے شدید کمزوری محسوس ہوئی اور ساتھ ہی پسینہ سے بدن تر ہوگیا۔ اس کے فوراً بعد ڈاکٹری معائنہ کے نتیجہ میں معلوم ہوا کہ خلاف عادت، خون کا دباؤ بڑھا ہوا ہے۔ خون میں شکر کی مقدار کم از کم ضرورت سے بھی زیادہ گر گئی۔ اس کے بعد اچانک دل کی رفتار بہت بڑھ گئی اور ساتھ ہی سانس کی تکلیف شروع ہوگئی۔ یکم جون کو ماہرین امراض قلب نے اس کا طبی معائنہ کیا۔ ان کی رائے میں صورتحال تسلی بخش نہ پائی گئی۔ دل اور سانس کی تکلیف بدستور رہی۔ 3 جون کو انگلستان کے سینٹ تھامس ہسپتال لندن کے مشہور ہارٹ سپیشلسٹ ڈاکٹر سٹیون جیکنز (Steven Jankins) کو اسلام آباد پاکستان بلوایا گیا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ مردانہ کمزوری دور کرنے کی مقوی ومحرک دوا کھانے سے خون کا دباؤ دل پر بڑھ گیا ہے جس سے دل کا شدید دورہ پڑا۔ اس کے نتیجہ میں دل کی کارکردگی کمزور پڑ گئی ہے اور سانس کی تکلیف ہوگئی ہے۔ چونکہ مرزا ناصر کو پہلے ہی ذیابیطس کی بھی تکلیف تھی، اس لیے یہ بیماری انتہائی تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔ چنانچہ ڈاکٹر سٹیون جینکنز کے مشورہ کے مطابق علاج جاری رہا۔ فضل عمر ہسپتال ربوہ کے ڈاکٹر زلطیف احمد قریشی، ڈاکٹر مرزا مبشر احمد، راولپنڈی کے جنرل محمود الحسن، میجر مسعود الحسن نوری، ڈاکٹر شاہد احمد اور دیگر کئی ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ مرزا ناصر نے جو ممسک ادویہ استعمال کی ہیں، اس کی وجہ سے حالت خراب ہوئی ہے۔ ٹھیک ایک دن بعد مرزا ناصر احمد پر دل کا شدید حملہ ہوا۔ 8 اور 9 جون 1982ء منگل بدھ کی درمیانی شب پونے ایک بجے قادیانی عبادت گاہ اسلام آباد میں نہایت عبرتناک موت مرا۔ چونکہ اس کے جسم میں سنکھیا کا اثر پورے طور پر موجود تھا، اس لیے اس کے زہریلے اثر سے اس کی لاش گلنا سڑنا شروع ہوگئی۔ لہٰذا فوری طور پر ایلومینیم کے تابوت میں اس کی لاش بند کر کے ربوہ بھجوا دی گئی۔

مرزا ناصر کی نئی بیوی حمل سے تھی۔ خطرہ تھا کہ کہیں وراثت کے چکر میں طاہرہ کو ختم ہی نہ کروا دیا جائے۔ اس خدشہ کی طرف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما مکرم مولانا اللہ وسایا صاحب نے ربوہ کی مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر خطبہ جمعہ میں اظہار فرمایا اور پھر وہی ہوا، جس کا خدشہ تھا۔ مرزا طاہر احمد نے ایک سازش کے تحت ڈاکٹر طاہرہ کو ادویات کھلا کر اس کا حمل ضائع کروا دیا، جس پر طاہرہ کو خطرناک حالت کے پیش نظر 25 جون 1982ء کو اسلام آباد کے ہسپتال میں داخل کروایا گیا، جہاں طاہرہ کے جسم سے خون کے لوتھڑے خارج ہوتے رہے۔ یہ سب کچھ مرزا طاہر نے اس لیے کیا کہ پیدا ہونے والا بچہ ''رائل قادیانی فیملی'' کا ممبر کہلوائے گا اور جماعت احمدیہ کی اربوں روپے کی اندرونی اور بیرونِ ممالک جائیداد

میں سے وراثت کا حق دار ہوگا۔ طاہرہ اس صدمہ سے کئی ماہ نڈھال رہی۔ ارباب نبوت کے شہزادوں نے حمل تو ضائع کروادیا مگر اس طرح مستقبل میں ایک متوقع وارث سے محفوظ ہو گئے۔ گو طاہرہ کی زندگی بچ گئی مگر ان اندوہناک واقعات کے نتیجہ میں پروفیسر نصیر احمد پر دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ جان سے گئے۔ اب میڈم طاہرہ اسلام آباد کے ایک پوش ایریا میں میں ایک گیسٹ ہاؤس چلا رہی ہے۔ سچ ہے: ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔



مرزا طاہر احمد

قادیانی جماعت کا چوتھا خلیفہ مرزا طاہر 18 دسمبر 1928ء کو مرزا محمود کے ہاں قادیان میں پیدا ہوا۔ 1944ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے تھرڈ ڈویژن میں ایف ایس سی اور بعد ازاں پرائیویٹ طور پر بی اے کیا۔ 1955ء میں سیر و سیاحت کے لیے لندن گیا تو وہاں کی رنگینیوں میں اس قدر کھو گیا کہ وہیں کا ہو کر رہ گیا۔

معروف صحافی و کالم نگار جناب تنویر قیصر شاہد اپنے ایک مضمون ''برطانیہ میں مرزا طاہر احمد کا نیا اسلام آباد'' میں انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایشیا ویک جون 1990ء کے مطابق مرزا طاہر احمد جس نے 61 برس قبل مشرقی پنجاب کے ایک متوسط زمیندار گھرانے میں جنم لیا تھا، آج قادیانیوں ہی میں نہیں، دنیا کے اُن اکتالیس امراء میں شمار ہوتا ہے جن کی دولت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ مرزا طاہر احمد نے جس گھر میں آنکھ کھولی، وہاں اس کے علاوہ اس کے 25 بہن بھائی بھی اس قلیل روٹی کو کھانے والے تھے جو سب کا پیٹ بھرنے سے قاصر تھی۔ اس کے باپ کی 7 عدد بیویاں تھیں، جنہوں نے اپنے شوہر کو 15 بیٹے اور 10 بیٹیاں دیں۔ مرزا طاہر احمد جو تعلیمی میدان میں درمیانے درجے کا طالب علم تھا، نے پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کرنے کے بعد لندن کے اورینٹل سکولز اینڈ افریقن سٹڈیز میں داخلہ لیا جہاں وہ کئی برس زیر تعلیم رہا لیکن مسلسل ناکام ہوتا رہا۔ بالآخر تنگ آ کر انتظامیہ نے اسے اپنے ادارے سے نکال دیا۔ اس کے ہم جماعتوں کا کہنا ہے کہ اس کی تعلیم پر کم اور عورت اور شراب پر زیادہ توجہ رہتی تھی۔ لندن میں سوہو کا علاقہ جہاں شراب اور عصمت فروش عورتوں کی بھرمار ہے، مرزا طاہر کا پسندیدہ مرکز تھا۔ کئی برس بعد اس کے ایک کلاس فیلو جو آج کل ''وال سٹریٹ'' اخبار سے وابستہ ہے، نے اس سے انٹرویو کے دوران جب یہ پوچھا کہ تم زمانہ طالب علمی میں اتنی کثرت سے شراب کا استعمال کیوں کرتے تھے تو مرزا طاہر احمد نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا کہ اس لیے کہ یہ ہمارے جد اعلیٰ (مرزا غلام احمد قادیانی) کی سنت ہے اور میں اس سنت سے انحراف کیسے کرسکتا تھا! اکسٹھ سالہ مرزا طاہر احمد جس کی داڑھی اور سر کے بال سیاہ خضاب کے استعمال سے جامنی رنگ کے ہو رہے

ہیں، دنیا کی ہر نعمت اس کے قدموں میں سجدہ ریز ہے، سوائے دین حنیف پر ایمان لانے کے، کسی زمانے میں وہ سکوائش کا اچھا کھلاڑی تھا اور پولو وہ پرنس آف ایڈنبرا کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ ان دنوں اس کی صحت قابل رشک تھی مگر عورت اور شراب کی کثرت نے اس کا چہرہ ہی نہیں، جسم بھی بگاڑ کر رکھ دیا۔ مرزا طاہر احمد جس کا کہنا ہے کہ مجھے نماز کے مقابلے میں باورچی خانے میں بیوی کے لیے کھانا پکانے میں زیادہ سرور ملتا ہے، آج کل راتوں کو لندن کے مضافات ویمبلڈن کے ایک پرشکوہ محل میں ٹہلتا نظر آتا ہے۔ اس نے کئی شادیاں کر رکھی ہیں جن کی اولادوں کی اولادیں بھی جوان ہو چکی ہیں لیکن ویمبلڈن کے محل میں رہائش پذیر آصفہ اس کی محبوب اہلیہ ہے۔ جس کی تین بیٹیاں ہیں جن کی عمریں بارہ، اٹھارہ اور ستائیس سال کے درمیان ہیں، اس کی پوری زندگی کا سرمایہ ہیں۔"

(ہفت روزہ زندگی لاہور جلد 11، شمارہ 11)

معروف صحافی، دانشور اور مصنف محترم جی آر اعوان اپنی شہرۂ آفاق کتاب "احمقوں کی جنت" میں لکھتے ہیں:

"مرزا طاہر کو جب میں نے دیکھا وہ ایک مکمل "پلے بوائے" تھے۔ منہ میں پان، جیب میں کیپشان ڈالے سرخ رنگ کی لیڈیز سائیکل پر پھرنے والا یہ شخص شہر بھر کی خواتین کے دل کی دھڑکن تھا۔ عمر کی قید سے قطع نظر ہر خاتون ان سے تعلق و واسطہ پر فخر کیا کرتی تھی۔ نوجوان خواتین تو بڑے ناز سے انہیں "میاں تاری" کہا کرتی تھیں۔

مرزا طاہر بھی اپنے بڑے بھائی مرزا ناصر کی طرح ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے۔ ان کا کلینک صبح اور شام کھلا کرتا جہاں ماہ رخان شہر کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ کسی خاتون کو کوئی مرض ہو یا نہ ہو، وہاں جا کر دل پشوری کرلیا کرتی تھی۔ کسی نوجوان لڑکی کے پیٹ میں ہلکا سا درد بھی اٹھتا، والدین اسے تریاق لینے میاں تاری کے پاس بھیج دیا کرتے۔

مرزا طاہر کے کلینک پر مرد و زن دونوں ہوا کرتے تھے۔ لیکن صنف نازک کی تعداد زیادہ ہوتی۔ خواتین کہتی تھیں "میاں تاری تو باتوں سے مرض دور کر دیتے ہیں۔" ایک بار موصوف نے ایک خاتون نور احمد عابد کی بیوی رشیدہ بیگم کو کہہ دیا "آپ کی جوانی تو برسوں قائم رہنے والی ہے" جس پر موصوفہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ کئی دنوں تک مرزا طاہر کے تاثرات اپنی سہیلیوں کو بتاتی پھری۔ مزے کی بات یہ تھی کہ وہ جب یہ بات کسی کو بتاتی تو ساتھ ہی شرم سے گلنار ہو جاتی تھی۔ مرزا طاہر کی نیلی شیشیوں میں سفید دانے دار گولیوں میں کوئی شفا تھی یا نہیں تھی، مگر اس کی "زبان اور ہاتھ" خواتین کے لیے بڑے شافی تھے۔

مرزا محمود کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تخریب کارانہ ذہن کے مالک تھے۔ جماعت میں

سے کہیں سے کوئی تنقید یا فتنہ سر اٹھاتا تو وہ بڑی چابکدستی کے ساتھ اسے دبا دیا کرتے تھے۔ اس کے لیے اعلیٰ درجے کے مخبر رکھے جاتے جو اوّل تو فتنہ اٹھنے ہی نہ دیتے اور کہیں کوئی ''ابنارمیلٹی'' نظر آتی، ان کے کارندے وہاں پہنچتے اور صورتِ حال پر قابو پالیا کرتے تھے۔ مرزا محمود احمد کے انتقال کے بعد یہ ذمہ داری بھی مرزا طاہر نے اپنے سر لے لی۔ آل نبوت کے کالے کرتوتوں پر اگر کسی شخص نے انگشت نمائی کرنے کی کوشش کی تو مرزا طاہر نے اس کی گردن وہیں مار دی۔ ربوہ میں ''گردن مارنا اور جان مار دینا'' کے الفاظ محاورہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے اور یہ جملے خاندانِ نبوت کے سپوت زیادہ تر استعمال کرتے تھے۔ مرزا طاہر کو دہشت گردی اور تخریب کاری کی علامت اور روحِ رواں سمجھا جاتا تھا۔ اپنی انہی خوبیوں اور سازشوں کی بنا پر انہیں ''مسند خلافت'' حاصل ہوئی۔''

8 جون 1982ء کو اسلام آباد میں قادیانی جماعت کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر کی عبرتناک اور حسرتناک موت کے بعد مرزا طاہر قبضہ گروپ کے سرغنہ کی حیثیت سے قادیانی جماعت کا چوتھا خلیفہ بنا۔ 10 جون 1982ء کو صبح 9 بجے کے قریب نئے قادیانی خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر قادیانی مرکزی عبادت گاہ چناب نگر (ربوہ) کے باہر زبردست ہنگامہ آرائی ہوئی۔ خلافت کا دوسرا امیدوار مرزا رفیع (مرزا طاہر کا سوتیلا بھائی) جب مجلس مشاورت کے اجلاس سے واک آؤٹ کرتا باہر آیا تو مرزا طاہر کے غنڈوں نے اپنی ایک کار AJK 300 میں ڈال کر اسے زبردستی اغواء کرنے کی کوشش کی مگر مرزا رفیع کے حامیوں نے یہ کوشش ناکام بنادی۔ پھر مرزا رفیع اپنے حامیوں کو لے کر اقصیٰ چوک میں آ گیا اور وہاں پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مرزا طاہر اور اس کے حامیوں نے خلافت کے اصولوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں اور مجھے انتخاب خلافت سے خارج کر دیا ہے جو سراسر ناانصافی ہے۔ مرزا رفیع کی اس تقریر پر پھر ہنگامہ ہو گیا اور اسے زبردستی اس کے گھر پر نظر بند کر دیا گیا۔ بعدازاں اسے کسی نامعلوم جگہ پر منتقل کر دیا گیا۔ اس کے بعد 3 بجے کے قریب طاقت اور دھونس کے بل بوتے پر مرزا طاہر کی نام نہاد خلافت کا اعلان کر دیا گیا۔ مرزا طاہر چونکہ سیاسی ذہن رکھتا تھا، اس لیے اس نے قادیانی جماعت کو پاکستان کی سیاست میں براہ راست ملوث کیا تاکہ کلیدی عہدوں پر قبضہ کیا جائے۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ قادیانی جماعت نے جس سیاسی جماعت کی دامے، درمے، قدمے، سخنے مدد اور حمایت کی، اسی جماعت نے پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلہ کی رو سے 7 ستمبر 1974ء کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ حالیہ برسوں میں قادیانی جماعت نے جنرل پرویز مشرف کے صدارتی ریفرنڈم میں بھرپور حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ قادیانیوں نے اس ریفرنڈم میں کروڑوں روپے خرچ کیے۔ ہر قادیانی اپنے خلیفہ کی ہدایت پر اس صدارتی ریفرنڈم کو جماعتی مشن سمجھ کر اس کی کامیابی کے لیے سرگرم کارکن کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ اس کا فائدہ کیا ہوا؟ صرف اتنا کہ ووٹر لسٹ میں سے ختم نبوت کے اقرار کا حلف نامہ نکال دیا گیا۔ لیکن اسے صرف ایک ماہ کی عارضی زندگی ملی۔ 29 مئی 2002ء کو تمام

مکاتب فکر کے علماء کرام نے لاہور میں ایک ہنگامی اور اہم اجلاس منعقد کیا جس میں متفقہ طور پر حکومت کو 6 جون 2002ء تک کی مہلت دی کہ ووٹر فارم میں ختم نبوت کے اقرار کا حلف نامہ شامل کیا جائے ورنہ 1953ء جیسی تحفظ ختم نبوت تحریک چلائی جائے گی۔ اس الٹی میٹم سے حکومتی ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ حکومتی مشینری فوراً حرکت میں آئی اور اس سے اگلے دن 30 مئی 2002ء کو ملک کے تمام اخبارات میں یہ خبر آ گئی کہ حکومت پاکستان نے فوری طور پر الیکشن کمیشن کو یہ حکم جاری کر دیا ہے کہ مذکورہ حلف نامہ کو پھر سے ووٹر لسٹ میں شامل کرلیا جائے۔ اسی طرح سیرت کانفرنس کے موقع پر صدر پرویز مشرف نے دوٹوک اعلان کیا کہ ''منکرین ختم نبوت (قادیانی) دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔'' ان حکومتی اقدامات سے قادیانیوں کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور وہ ایک بار پھر ذلت کی گہرائی میں منہ کے بل جاگرے۔ مرزا طاہر کی احمقانہ سیاست گری اور بچگانہ فیصلوں کے نتیجہ میں قادیانیوں کو شرمندگی اور رسوائی کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ 26 اپریل 1984ء کو ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے قادیانیوں کو شعائر اسلامی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا۔ اس پر مرزا طاہر نے پوری قادیانی جماعت کو حکم دیا کہ وہ اسلامی شعائر کا بھرپور استعمال کر کے صدارتی آرڈیننس کی خلاف ورزی کریں۔ اس پر مرزا طاہر کے خلاف آئین وقانون کی خلاف ورزی پر مقدمہ درج کرلیا گیا۔ 28 اپریل 1984ء کو مرزا طاہر گرفتاری کے ڈر سے رات کے اندھیرے میں برقع پہن کر سڑک کے راستے ربوہ سے کراچی اور وہاں سے KLM ایئر لائن کے ذریعے بیرون ملک فرار ہوگیا اور وہاں بیٹھ کر اسلام اور پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ مرزا طاہر اپنے خطبات میں قادیانیوں کو فاتحانہ انداز میں جلد پاکستان آنے کی جھوٹی تسلیاں دینے لگا۔ انہی دنوں اس نے اپنی شاعری میں پاکستان واپسی کے بارے میں کہا تھا کہ۔

ہم آن ملیں گے متوالو، بس دیر ہے کل یا پرسوں کی
تم دیکھو گے تو آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، دید کے ترسوں کی
یہ بات نہیں وعدوں کے لیے لیکھوں کی، تم دیکھو گے
ہم آئیں گے، جھوٹی نکلے گی، لاف خدا ناترسوں کی

مرزا طاہر کی بے وزن شاعری یہ بات سچ ثابت کر گئی کہ خدا ناترسوں کی لاف گزاف واقعی جھوٹ نکلی۔ مرزا طاہر اپنی پاکستان واپسی کے ارمان دل میں لیے جہنم واصل ہوگیا۔ حالانکہ قادیانی جماعت کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ خود خدا بناتا ہے اور اس کی زبان میں خدا بولتا ہے۔

کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی گستاخ کو سزا دیتے ہیں تو سب سے پہلے اس کی عقل سلب کر لیتے ہیں (یعنی اس کی مت ماری جاتی ہے) قادیانی جماعت کے چوتھے خلیفہ، مرزا طاہر کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ مرزا طاہر کی موت کے آخری چار سال نہایت عبرتناک

گرفت میں آچکا ہے۔ ہائی بلڈ پریشر، ذیابیطس، شدید کھانسی، سانس کی تکلیف، معدہ کی تکلیف، طبیعت میں بے چینی، پیٹ کی بیماری، اعصابی کمزوری، خون میں شوگر، کولیسٹرول کی زیادتی اور ہارٹ اٹیک جیسے مرض بری طرح اسے چمٹے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک آوارہ مزاج اور جنسی مریض بھی تھا۔ یہ مرض اسے اپنے والد سے وراثتاً بلکہ نسلاً منتقل ہوا تھا۔ عورتوں اور بچوں کے ساتھ اس کی جنسی عیاشیوں کے قصے، جب وہ ''میاں تاری'' کے نام سے مشہور تھا، ربوہ میں اب بھی زبان زد عام ہیں۔ وہ شراب و کباب کا رسیا تھا۔ لجنہ سے تعلق رکھنے والی شاید ہی کوئی ایسی لڑکی ہو، جس نے مرزا طاہر سے سلسلہ عالیہ کا ''جنسی فیض'' حاصل نہ کیا ہو۔ جماعت کے عہدیدار اور مربی بیرون ممالک بالخصوص یورپ میں اپنی تعیناتی کے لیے ہمیشہ بے چین رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کسی بارسوخ شخص کی سفارش کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ وہ لوگ اپنی حسین و جمیل بیویوں اور لڑکیوں کو مرزا طاہر کے پاس اس سفارش کے لیے استعمال کرتے، حالانکہ انہیں یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہوتی کہ اس کے بدلے میں وہ کیا قیمت ادا کر رہے ہیں؟ اس سلسلہ میں قانتہ شاہدہ راشد، امتہ الحفیظ سلام صدر لجنہ یو کے، امینہ کاہلوں، امتہ الحی فائزہ، ودود چیمہ، غزالہ ملک، شاہدہ حمید، امتہ الحی قمر، ممتاز اشرف، سارہ رحمٰن، نیرہ داؤد، ناصرہ ندیم، منصورہ اعجاز اور خدیجہ نذیر کی مثالیں دی جا سکتی ہیں اور اس کے برعکس قدرت کا انجام دیکھیے کہ مرزا طاہر کی بیوی آصفہ بیگم (آپی) کے شاہ تاج شوگر مل کے جنرل مینیجر چوہدری انور کاہلوں سے ناجائز تعلقات تھے۔ غالب امکان ہے کہ مرزا طاہر کو اس کا علم تھا مگر وہ چونکہ خود عیاش تھا اور آصفہ کو اس کی کرتوتوں کا بخوبی علم تھا، اس لیے وہ زبان نہ کھول سکا۔

مرزا طاہر کے مجیدہ شاہ نواز سے بھی ''گہرے'' تعلقات تھے۔ یہ خاتون نہایت خوبصورت اور جاذب نظر تھی۔ وہ ایک عرصہ تک آزاد خیال اور آوارہ مزاج خواتین کی تنظیم اپوا (Apwa) کی مرکزی عہدیدار رہی۔ مرزا طاہر آخری عمر تک اس کی زلفوں کا اسیر رہا۔ 1984ء میں جب مرزا طاہر پاکستان سے بھاگ کر لندن چلا گیا تو اس نے مجیدہ شاہ نواز کو لجنہ کا صدر بنوایا تاکہ جماعتی کاموں کے بہانے ''ملاقاتوں'' کا سلسلہ جاری رہے۔ روزنامہ الفضل 15 دسمبر 2004ء کے مطابق ''حضرت مرزا طاہر صاحب مصروف ترین دنوں میں بھی وقت نکال کر مجیدہ شاہ نواز کے گھر تشریف لاتے اور اپنے قیمتی تحفوں سے نوازتے۔ ایک مرتبہ آپ ہسپتال داخل ہوئیں تو حضرت صاحب آپ کو پھولوں کا تحفہ بھیجتے رہے۔ ایک دوست بیان کرتے ہیں کہ جب آپ لندن لجنہ کی صدارت سے فارغ ہوئیں اور کراچی آنے لگیں تو حضرت صاحب نے ایک الوداعی دعوت کا انتظام فرمایا جس میں نظم ''یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی'' کے الفاظ تھے۔ حضرت صاحب نے مسکرا کر اس نظم کو رکوا دیا اور فرمایا کہ یہ خوشی کے موقع کی نظم ہے، آج تو غمی کا دن ہے۔ چوہدری شاہ نواز صاحب کی وفات کے بعد آپ زیادہ وقت کراچی یا لاہور میں گزارتیں۔ جہاں حضرت صاحب آپ کو محبت بھرے خطوط لکھتے رہے۔''

بیرون ممالک جہاں مرزا محمود نے مشن ہاؤسز قائم کیے وہاں پر مبلغوں کے ساتھ یہ غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر معاشرتی سلوک لازم روا رکھا تھا کہ وہ دوران تبلیغ اپنی بیوی سے جسمانی رابطہ نہ رکھ سکتے تھے، یعنی ان کو اپنی بیوی ساتھ رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ اور اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ اس کی مثال اس سے بہتر اور کیا ہوگی! ہالینڈ کے سابق مبلغ حافظ قدرت اللہ جب وقف سے فارغ ہوئے اور اپنی بیوی سے سالوں بعد ملے تو انہیں تعارف کی ضرورت محسوس ہوئی! بقول شخصے قدرت اللہ نے جسمانی فاصلہ مرتے دم تک قائم رکھا کہ کہیں وقف نہ ٹوٹ جائے۔ آج قادیانیت جس مقام پر ہے اس کا سہرا مرزا محمود کے سر پر ہے۔ مرزا محمود صرف ذہین و فطین ہی نہ تھا بلکہ Evil Genius بھی تھا، کیونکہ ابھی تک اس کا کوئی ثانی پیدا نہیں ہوسکا گو مرزا لقمان پوری کوشش کر رہا ہے! بہر حال یہ ایک الگ موضوع ہے، اس پر مستند شواہد پر مبنی مضمون پھر کبھی سہی (ان شاء اللہ)۔ ذکر ہو رہا تھا مرزا طاہر کی بیماریوں کا۔ مرزا طاہر اپنے مرنے کے ایک سال پیشتر بے شمار بیماریوں کے سبب مخبوط الحواس ہوگیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ہر جمعہ اپنے خطبہ میں کوئی نہ کوئی بونگی ضرور مارتا اور ایسی مضحکہ خیز حرکت کرتا جسے دنیا بھر کے قادیانی ایم ٹی اے پر دیکھتے اور پھر منہ چھپاتے پھرتے۔

5 جولائی 2002ء کو قادیانی عبادت گاہ فضل لندن میں مرزا طاہر خطبہ دیتے ہوئے، اپنے خدائی گرفت میں آنے کا نظارہ ایم ٹی اے کے ذریعے پوری دنیا کو دکھا گیا۔ خطبہ جمعہ معمول سے دس منٹ سے زیادہ تاخیر سے شروع ہوا۔ مرزا طاہر احمد کی حالت تشہد پڑھنے سے ہی ظاہر ہو رہی تھی۔ قرأت کے ساتھ تشہد پڑھنے کی قوت سلب کرلی گئی تو مرزا طاہر نے سورۃ فاتحہ بھی خطبہ کی ریڈنگ کی طرح پڑھنا شروع کر دی۔ ایسا اس کے خطبوں میں پہلی بار ہوا۔ پھر خطبے کی حالت خاصی خراب تھی۔ مرزا طاہر کی آواز سے کاغذ پلٹنے کی آواز زیادہ صاف تھی۔ لگ بھگ 25 منٹ کے خطبہ کے دوران مرزا طاہر کی حالت زار قابل رحم تھی۔ برطانوی ٹائم کے مطابق ایک بج کر تینتالیس منٹ پر اس وقت یہ حالت اپنی انتہا کو پہنچ گئی جب وہ ڈائس کو تھامنے کے لائق بھی نہ رہا۔ اسے گرتے ہوئے صاف دیکھا گیا۔ جماعت کے دو افراد نے فوراً لپک کر اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔ اسی دوران ایم ٹی اے والوں نے اس عبرتناک نظارہ سے کیمرہ ہٹالیا اور ایم ٹی اے کے چینل پر مکمل خاموشی طاری ہوگئی۔ لگ بھگ چار منٹ کی خاموشی کے بعد کیمرہ عبادت گاہ سے منسلکہ بیت الخلاء تک لایا گیا اور مرزا طاہر سے خطبہ ثانی سنوانے کی کوشش کی گئی لیکن پھر فوراً ہی آواز بند کر دی گئی اور ایم ٹی اے پر پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔ کافی وقفہ کے بعد عطاء المجیب راشد امام مسجد فضل لندن نے اعلان کیا کہ حضرت صاحب کو دوران خطبہ ضعف ہوگیا تھا، اب وہ بہتر ہیں۔ احباب دعا کریں۔ برطانوی وقت کے مطابق چار بج کر پانچ منٹ پر اس خطبہ کو دوبارہ دیا جانا تھا۔ چار بجے اناؤنسر نے اس خطبہ کو دکھانے کا اعلان کیا مگر اس کے ساتھ ہی پھر ایم ٹی اے پر جیسے اس اعلان کو ادھورا چھوڑ دیا گیا۔ لمبی خاموشی کے بعد

مولوی عطاء المجیب راشد کے اعلان کی ریکارڈنگ دوبارہ سنائی گئی اور پھر مرزا طاہر احمد کا 7 جون 2002ء کا خطبہ دوبارہ لگایا گیا جبکہ اصولاً 5 جولائی کا خطبہ لگانا چاہیے تھا۔ 5 جولائی کا خطبہ روک کر دراصل لندن کے قادیانی مالشیوں نے مرزا طاہر احمد کی عبرتناک حالت کا خود بھی اعتراف کیا۔

5 جولائی کے خطبہ جمعہ میں خدائی مار کے بعد مرزا طاہر کو جب تھوڑا سا ہوش آیا تو اس نے خود نماز پڑھانے کی ضد کی۔ عطاء المجیب راشد جو نماز پڑھانے کے لیے آگے آ چکا تھا، اسے واپس بھیجا گیا۔ مرزا طاہر نے نماز شروع کی اور ایک رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ جمعہ نماز بھی خراب کی۔ اس سلسلے میں اندر کی مزید خبر یہ ہے کہ مرزا طاہر احمد کو ان کے ''مالشیے'' ایک عرصہ سے کہہ رہے تھے کہ آپ خطبہ نہ دیں لیکن وہ ضد کر کے خود خطبہ دیتا تھا۔ شاید خدا نے اس کا عبرتناک انجام ایم ٹی اے کے ذریعے پوری دنیا کو دکھانا تھا۔ یہ مرزا طاہر کی ضد سے زیادہ خدائی تقدیر تھی جس نے اسے اس طرح عبرت کا نشان بنایا تھا۔ نماز جمعہ مرزا طاہر نے پڑھائی تو ایک رکعت کے بعد سلام پھیر دیا اور پھر عطاء المجیب راشد نے باقی نماز پڑھانی شروع کی تو مرزا طاہر نے اپنی مخبوط الحواسی میں اسے ڈانٹ دیا کہ جب میں نے نماز کا سلام پھیر دیا ہے تو نماز مکمل ہو گئی ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مرزا طاہر پہلی رکعت پڑھا کر کھڑا ہوا اور پھر کھڑے کھڑے ہی سلام پھیر دیا۔ شائد کوئی جنازہ پڑھا دیا ہو۔ جن لوگوں نے ایم ٹی اے پر یہ دلچسپ مزاحیہ پروگرام دیکھا ہو، وہ مدتوں اسے بھول نہ پائیں گے۔

مرزا طاہر کی عذاب ناک علالت اور 5 جولائی کو ایم ٹی اے پر سرِ عام اس کے گرنے کا منظر دیکھ کر پوری جماعت میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ اس کے نتیجہ میں فوری طور پر ربوہ میں سختی سے حکم دے دیا گیا ہے کہ مرزا طاہر کی بیماری اور ٹی وی پر گرتے ہوئے دیکھے جانے کے موضوع پر کوئی کسی سے کسی قسم کی بات نہ کرے۔ یہ پابندی اس حد تک عائد کی گئی کہ ربوہ کے کسی ریستوران یا چائے خانہ میں اگر اس موضوع پر کوئی بات کی جاتی تو ویٹر فوری طور پر کہتا: جی یہاں اس موضوع پر کوئی بات نہ کرے۔

12 جولائی 2002ء کو جب مرزا طاہر نے خطبہ جمعہ دیا تو اس کی حالت دیدنی تھی۔ پھولے ہوئے سانس کے ساتھ خطبہ کی ریڈنگ، ہر وقت تنی رہنے والی گردن مجرموں کی طرح جھکی ہوئی، فرعون کی طرح تنی ہوئی آنکھیں جواب ایک لمحہ کے لیے بھی نہ اٹھ سکیں۔ 75 فیصد خطبہ کے الفاظ سمجھ ہی نہیں آتے تھے کہ مرزا طاہر کیا کہہ رہا ہے۔ بس منمناہٹ کا احساس ہوتا تھا۔ اس مرتبہ مرزا طاہر نے بمشکل 15 منٹ خطبہ دے کر کام نمٹا دیا۔ جب بھی مرزا طاہر کی حالت دیدنی ہوتی، کیمرہ مین فوری طور پر اس سے کیمرہ ہٹا کر عبادت گاہ کے گنبد یا نئے بیت الخلاء کی طرف کر دیتا۔ مرزا طاہر بعض اوقات دواؤں کی ڈبل خوراک کے نتیجہ میں وقفے وقفے کے لیے اپنے حواس میں آ جاتا۔ اور بعض اوقات نماز پڑھاتا۔ لیکن ہر نماز میں بھول جاتا۔ اس کی ایک نماز بھی قرأت یا رکعت کی خرابی کے بغیر مکمل نہ ہوتی۔ دوائی کا اثر زائل ہوتے ہی

مرزا طاہر پھر اپنی اصل حالت میں آجاتا اور مخبوط الحواسیوں میں مبتلا ہو جاتا۔

19 جولائی 2002ء کو مرزا طاہر نے بیت الذکر فضل لندن میں جمعہ کا خطبہ دیا۔ بکری کی ممناہٹ کی طرح اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ پورے چہرہ پر سوجن کے اثرات تھے جس سے گمان کیا جاتا تھا کہ ان کی بیماریوں کی دوا کی خوراک ڈبل سے بھی زیادہ کر دی گئی ہے۔ ٹی وی کیمرہ والوں نے نہ تو مرزا طاہر کو عبادت گاہ میں داخل ہوتے دکھایا نہ اٹھتے یا بیٹھتے دکھایا۔ جب ایسی نوبت آتی تو کیمرہ مسجد کے باہر چلا جاتا۔ اس بار تو احتیاط کا یہ عالم رہا کہ مرزا طاہر جب پانی پینے لگتا تو تب بھی کیمرہ اس کے چہرے سے ہٹا کر نئے تعمیر کردہ بیت الخلاء دکھانے شروع کر دیئے جاتے۔

26 جولائی 2002ء کو جلسہ سالانہ کا افتتاح مرزا طاہر کے خطبہ جمعہ سے ہو گیا تھا۔ اس کے بعد برطانوی ٹائم کے مطابق پونے چار بجے جلسہ شروع ہوا۔ جلسہ کی ابتدا ''درثمین'' (مرزا قادیانی کی شاعری کا مجموعہ) کی ایک نظم کے ایک حصہ سے کیا گیا۔ نظم کا ایک مصرع بہت حسب حال تھا:

ستم اب مائل ملک عدم ہے

بے شک قادیانی جماعت کے اندر جو ستم کی سب سے بڑی علامت شخصیت تھی، وہ اب مائل ملک عدم ہو رہی تھی۔ جس نے بھی نظم کا یہ اقتباس منتخب کیا، ذہانت کا ثبوت دیا۔ دوران تقریب وزیر اعظم برطانیہ ٹونی بلیئر کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ اس سے تھوڑا سا افسوس ہوا، کیونکہ اسی لندن میں سکھوں کی اسی انداز کی تقریبات ہوتی ہیں تو ٹونی بلیئر خود ان میں شرکت کر کے تقریر کرتے ہیں جبکہ قادیانی جماعت کے سالانہ جلسہ کے لیے انہوں نے صرف لکھا ہوا پیغام بھیجا۔ امید ہے اگلے جلسہ پر انہیں لانے کے لیے کوشش کی جاسکے گی۔ اسی جلسہ میں ایک برطانوی ممبر پارلیمنٹ نے بتایا کہ میں نے پاکستان میں جا کر توہین رسالت کے قانون کو ختم کرنے پر زور دیا تھا۔ ایک انگریز اگر قادیانی جماعت کے پلیٹ فارم سے توہین رسالتؐ کے قانون کے خاتمے کی باتیں سناتا ہے تو اسلامی دنیا کو اس کا مطلب کیا لینا چاہیے؟

یہاں جماعت کے تاریخی ریکارڈ سے اتنی بات بتا دینا ضروری ہے کہ جب انگریزی دور میں ہندوستان میں حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کا کاروبار بہت چل نکلا تھا تب اہل اسلام نے انگریزی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ توہین رسالت کا قانون بنایا جائے۔ ایسا قانون بننے جا رہا تھا۔ تب قادیانی جماعت ان دنوں میں مرزا محمود پر زنا کاری کے الزامات کا سامنا کرنے سے بھاگ رہی تھی۔ چنانچہ مرزا محمود نے اس قانون کے بننے میں یہ رکاوٹ ڈال دی کہ صرف توہین رسالت کا نہیں بلکہ تمام مذہبی پیشواؤں (جس میں مرزا قادیانی بھی شامل ہو) کی توہین کا بل بنایا جائے۔ یوں اس وقت میں ایسا قانون بنتے بنتے رہ گیا تھا۔ جنہیں اس حقیقت کے ماننے میں شبہ ہو، وہ اپنے مورخ دوست محمد شاہد سے رجوع کر کے دیکھ لیں۔

سالانہ جلسہ شروع ہوا تو مرزا طاہر کو ''لوائے احمدیت'' لہرانے کے لیے بڑے حفاظتی اور احتیاطی

دائرے میں لایا گیا۔ آنے اور جانے کا منظر چند قدم کی حد تک دکھایا گیا اور اس میں بھی چاروں طرف سے انہے اس حد تک گھیر رکھا تھا کہ وہ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ پردہ تان کر اس کی چال کو بھی مخفی رکھا گیا۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مرزا طاہر کی دونوں آنکھوں کے زاویے الگ الگ ہو گئے تھے، دراصل جب کسی انسان کی دونوں آنکھیں کسی چیز کو دیکھنے کے لیے ایک زاویے پر آتی ہیں تو تب اس چیز کو ٹھیک سے دیکھ پاتا ہے۔ مرزا طاہر کے ساتھ المیہ یہ ہوا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے زاویوں کا ربط ٹوٹ گیا تھا۔ وہ دیکھتا کسی اور طرف اور چیز کسی اور طرف ہوتی۔ وہ دیکھ کہیں اور طرف ہوتا، اس کے قدم کہیں اور پڑ رہے ہوتے۔ اسی لیے اسے چلتا ہوا بھی نہیں دکھایا گیا۔ کاغذ پر لکھا ہوا جو وہ پڑھتا، اس میں لکھی ہوئی دو تین لائنیں بھی گڈمڈ کر دیتا۔ وجہ یہی ہے کہ اس کی آنکھیں ایک زاویے پر نہیں ٹھہرتی تھیں۔ اس کی یہ بیماری مزید بڑھی۔ وہ تلاوت کے لائق بھی نہ رہا۔ اسی لیے جلسہ کی اپنی چھ سات منٹ کی آخری تقریر کی ریڈنگ کے آغاز ہی میں اسے تشہد تعوذ والا صفحہ لکھا ہوا ہونے کے باوجود دکھائی نہیں دیا۔ ان کی عبرتناک بیماریوں میں یہ ایک اور عبرتناک اضافہ تھا۔ معمولی سا اختلاف رائے رکھنے والوں کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے والے مرزا طاہر کی آنکھیں خدا نے ہمیشہ کے لیے ٹیڑھی کر دی تھیں۔ اس کے فوراً بعد خطبہ جمعہ دیا گیا۔ مرزا طاہر احمد نے خطبہ بیٹھ کر دیا۔ یہ ان کی حالت میں عذاب کا ایک اور قدم تھا۔ خطبہ میں ان کی حالت اتنی پتلی تھی کہ جلد ہی کیمرے کو اس سے خاصا دور کر لیا گیا۔ ادھر جلسہ میں شریک قادیانی اچھے خاصے پریشان تھے۔ اس لیے ان کے پریشان چہرے دکھانے سے بھی گریز کیا جا رہا تھا۔ خطبہ جمعہ کو جلسہ کی افتتاحی تقریر شمار کیا جانا چاہیے۔ مرزا طاہر کی آواز کی منمناہٹ پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور خطبہ کا دورانیہ مزید گھٹ گیا تھا۔ یہ افتتاحی خطبہ پندرہ منٹ تک رہا۔ اس میں بمشکل پانچ منٹ کے دورانیہ کے الفاظ سمجھ میں آئے، باقی خطبہ مرزا قادیانی کی بعض وحیوں کی طرح ناقابل فہم تھا۔ اپنے بیٹھ کر خطبہ دینے کی افسوسناک حالت کا مرزا طاہر کو خود بھی اندازہ تھا۔ چنانچہ اس نے خطبہ میں کہا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات پر حضرت عمرؓ نے بیٹھ کر خطبہ دیا تھا۔ آج میں حضرت عمرؓ کی پیروی کرتے ہوئے بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہوں۔ اس پر قادیانیوں نے باآواز بلند سبحان اللہ کہا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ وفات رسولؐ کے صدمہ سے نڈھال تھے، جبکہ مرزا طاہر خدا کی طرف سے ملنے والی سزا کے نتیجہ میں اس حالت کو پہنچا۔ اگر کسی نے بیٹھ کر خطبہ دیا بھی ہو تو ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے صدمہ سے نڈھال تھے، جبکہ مرزا طاہر احمد تو خدائی گرفت میں آیا ہوا تھا۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات پر حضرت عمرؓ نے کوئی خطبہ دیا ہی نہیں۔ تب صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ دیا تھا۔ لہٰذا مرزا طاہر کی عبرتناک حالت پر پردہ ڈالنے کے لیے ناجائز طور پر حضرت عمرؓ کی ایک سنت گھڑی گئی اور پھر اس کی پیروی کا ڈرامہ کیا گیا۔

ایم ٹی اے نے جلسہ سالانہ کے پروگرام Live دکھانے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن خصوصی نشریات

میں افتتاحی جلسہ سے پہلے زیادہ تر پرانی ریکارڈنگز دکھائی گئیں۔کبھی کینیڈا اور کبھی انڈونیشیا کی تقریبات سے دل بہلائے جاتے رہے۔ایک بار عطاء الجیب راشد سے بات کرائی گئی۔اس میں انہوں نے بتایا کہ اس بار جماعت نے بارہ زبانوں میں فی البدیہہ تراجم کا انتظام کیا ہے اور ساتھ یہ بتایا کہ اقوام متحدہ میں صرف چھ زبانوں کے تراجم ہوتے ہیں۔اس کے مقابلہ میں قادیانی جماعت بارہ زبانوں میں ترجمہ کرا رہی ہے۔ ترجمہ کی سرعت کے بارے میں اس نے بتایا کہ کبھی حضور کوئی لطیفہ سناتے ہیں تو 8 سیکنڈ میں اس کا ترجمہ ہو جاتا ہے اور ان زبانوں کے جاننے والے لوگوں کے چہروں پر بھی اسی وقت مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔اس پر ایک واقعہ یاد آ گیا...... برصغیر پر اپنی حکومت کے دوران ایک انگریز بہادر کسی گاؤں گئے۔وہاں ایک نوجوان ان کی تقریر کا ترجمہ کرتا رہا۔دوران گفتگو انگریز بہادر نے ایک طویل لطیفہ سنایا تو نوجوان نے اس کے ترجمہ کے طور پر ایک جملہ بولا اور سارے حاضرین ہنسنے لگ گئے۔انگریز بہادر نے ترجمہ نگار سے پوچھا کہ لطیفہ طویل تھا تم نے اتنا مختصر ترجمہ کیسے کر دیا کہ بات ان کو سمجھ آ گئی اور وہ اس پر ہنسنے لگ گئے۔ترجمہ نگار نے دست بستہ عرض کیا حضور میں نے تو صرف اتنا ہی عرض کیا تھا کہ حضور بہادر نے ایک لطیفہ سنایا ہے آپ اس پر ہنسئے۔

جلسہ کے دوسرے دن مرزا طاہر نے خواتین سے خطاب کیا۔مقررہ وقت سے 25 منٹ تاخیر سے جلسہ گاہ پہنچا۔اس خطاب کے لیے نہ آتے ہوئے دکھایا گیا نہ جاتے ہوئے دکھایا گیا۔جب فٹ کر کے بٹھا دیا گیا تب کیمرے نے ایک آدھ جھلک دکھائی۔یہ خطاب دعا سمیت بمشکل 9 منٹ رہا۔لکھی ہوئی باتیں بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔اس دوران حالت یہ تھی کہ کیمرہ زیادہ تر مردانہ مارکی کی طرف رکھا گیا اور مرزا طاہر کی صرف آواز سنائی دیتی رہی۔ایک دو بار کیمرہ مرزا طاہر کی طرف گیا لیکن جلد ہی وہاں سے ہٹا لیا گیا۔اس سے پہلے کے کسی جلسہ سالانہ، کسی مجلس عرفان یا کسی پروگرام کے خطبہ کی کیسٹ دیکھ لیں۔ ہر فلم میں کیمرہ مرزا طاہر کے چہرے پر مرکوز ہے۔جلسہ سالانہ کی سابقہ تقریبات میں تو مرزا طاہر کی تقریر کے دوران حاضرین کی ہلکی سی جھلک قسمت سے دکھائی جاتی تھی۔اب ایسا سماں ہے کہ حاضرین کو دکھایا جا رہا ہے اور مرزا طاہر کے چہرے کو چھپایا جا رہا ہے۔مرزا طاہر احمد کی عبرتناک اور عذاب ناک حالت دیکھ کر ڈوئی کی وہ تصویر یاد آتی ہے جو "حقیقۃ الوحی" میں شامل ہے۔

جماعت کے جلسہ کا آخری آئیٹم مرزا طاہر کی تقریر تھی۔یہ تقریر سات آٹھ منٹ تک رہی اور مرزا طاہر نے اتنا معمولی وقت بھی بیٹھ کر اپنا مخصوص منمناتا ہوا خطاب کیا۔مرزا طاہر احمد کی عبرتناک حالت دیکھنے کے بعد دور دراز سے آئے ہوئے برصغیر سے تعلق رکھنے والے قادیانیوں میں خوف اور مایوسی کی لہر پھیل گئی۔اس منمناتی ہوئی تقریر میں مرزا طاہر نے جماعت کی تعداد میں دو کروڑ سے زائد اضافہ کا اعلان کیا لیکن اس اعلان پر حاضرین نے کسی معمولی سی گرمجوشی کا اظہار بھی نہیں کیا، جیسے بزبان خاموشی کہہ رہے ہوں

کہ اتنا عبرتناک حال ہو جانے کے باوجود جھوٹ بولنے سے باز نہیں آ رہے۔ مرزا طاہر نے تعداد میں ڈبل اضافہ کا ڈرامہ ترک کر دیا تھا۔ اس کے باوجود اس پر خدائی گرفت شدید تر ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ مرزا طاہر نے ڈبل اضافہ کا اعلان نہ کر پانے کی وجہ گزشتہ سال کے بین الاقوامی حالات سے جوڑ دی۔ اس پر ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ایک شخص نے ایک بنک میں منافع سکیم کی تھوڑی سی انویسٹمینٹ کی تھی۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی دونوں عمارتوں کے حادثہ کے بعد سے انہیں ہر چھ ماہ بعد ایک لیٹر آ جاتا ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثہ کے گہرے اثرات کے باعث اس بار زیادہ منافع نہیں ہو سکا۔ کچھ ایسا ہی مرزا طاہر احمد کی وضاحت تھی کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثہ کے بعد سے جو حالات ہیں، ان کی وجہ سے جماعت کی تعداد میں ڈبل منافع نہیں ہو سکا۔

28 جولائی 2002ء کو قادیانی سالانہ جلسہ اختتام پذیر ہو گیا۔ آخری سیشن سے پہلے عالمی بیعت کا ڈرامہ کیا گیا۔ لیکن اس بار عالمی بیعت کا ڈرامہ انتہائی بے جان رہا۔ مرزا طاہر کو جس طرح لایا گیا، اس سے اردن کے شاہ حسین کا وہ منظر یاد آ گیا جب اس کی کلینیکل موت جاری کر دی گئی تھی لیکن اسے مصنوعی طور پر زندہ رکھ کر امریکہ سے اس کے وطن لے جایا گیا تھا۔ مرزا طاہر کی زندہ درگور حالت اسی منظر کی یاد دلاتی رہی۔ عالمی بیعت کے ڈرامے میں پہلے جس طرح جوش و خروش دکھایا جاتا تھا یوں کہہ لیں کہ جذباتی ایکٹنگ کی جاتی تھی، وہ اس بار بالکل مفقود تھی۔ جلسہ کے آخری سیشن میں مرزا طاہر نے خطاب کیا۔ یہ خطاب بمشکل سات منٹ جاری رہ سکا۔ اس بار بھی خطاب بیٹھ کر دیا گیا۔ مزید ستم یہ ہوا کہ تقریر کے آغاز میں تشہد، تعوذ پڑھنے کے بجائے مرزا طاہر احمد نے براہ راست تقریر شروع کر دی۔ ابھی انہوں نے ''گزشتہ چند سالوں سے'' ہی کہا تھا کہ ان کو سنبھالنے کی ڈیوٹی پر مامور ایک صاحب نے فوراً ان کی طرف جھک کر انہیں یاد دلایا کہ تشہد، تعوذ پڑھ لیں۔ چنانچہ مرزا طاہر نے تقریر روک کر اپنی غلطی کی درستی کی۔ کیمرہ حسب معمول ان سے خاصا دور رکھا گیا۔

عالمی بیعت کے ڈرامہ کے اختتام پر مرزا طاہر ایک سجدہ کرایا کرتا تھا۔ اس سجدہ کے بعد مرزا طاہر نے اللہ اکبر کہہ کر سر اٹھا لیا لیکن اس کی آواز اتنی نحیف و نزار تھی کہ شرکائے سجدہ میں سے کسی نے بھی نہیں سنی۔ صرف ایم ٹی اے کے ہائی سپیکرز نے اسے نشر کیا اور پھر یہ تماشہ ایم ٹی اے پر ہی دیکھا گیا کہ مرزا طاہر نے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ ختم کر دیا۔ اس کے باوجود ساری جماعت سجدہ میں پڑی ہوئی تھی۔ خاصے وقفہ کے بعد اس دوران ڈیوٹی پر موجود کسی فرد نے کسی ذمہ دار کو توجہ دلائی تو کسی نے تکبیر کہہ کر اس بے امام سجدہ سے سب کو نجات دلائی۔ یہ سب قدرت کی طرف سے نشان ہیں۔ اس بار بعض مقررین کی تقاریر کے بعد باقاعدہ جلسہ گاہ سے تالیاں بجائی گئیں، جبکہ پہلے اس طرح تالیاں بجانے سے سختی سے روکا جاتا تھا۔ مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) نہ صرف مرزا طاہر احمد کا سگا چچا زاد بھائی بلکہ جماعتی لحاظ سے بھی بے حد اہمیت کا

حائل تھا۔ جلسہ سے پہلے اس کی وفات ہوگئی تھی، اور جلسہ کے پہلے دن امریکہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ لیکن مرزا طاہر نے اپنی کسی تقریر میں اس کی وفات کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اس سے مرزا طاہر احمد کی عبرتناک حالت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس بار مرزا طاہر احمد کی حالتِ زار کی وجہ سے عالمی مجلس شوریٰ کا پروگرام منسوخ کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں جو وجہ بہانہ کے طور پر بیان کی گئی، اس سے خود جماعت مذاق کا نشانہ بنتی ہے۔ دراصل یہ مجلس مرزا طاہر احمد کی عبرتناک حالت کے باعث منسوخ کی گئی۔

6 ستمبر 2002ء کو مرزا طاہر نے حسب معمول عبادت گاہ فضل لندن میں جمعہ کا خطبہ دیا۔ مخبوط الحواسی کی کیفیت معمول کے مطابق رہی۔ آتے ہی مرزا طاہر نے خطبہ کے لیے اذان کا کہنے کے بجائے نماز کے لیے تکبیر کا حکم دے دیا۔ اس مدہوشی پر اس کے دو باڈی گارڈز نے آگے بڑھ کر اس کو پکڑ کر باقاعدہ "اباؤٹ ٹرن" کیا۔ اس کے بعد اذان کرائی گئی اور پھر خطبہ ہوا۔ اور اس کا دورانیہ دس منٹ کے اندر ہی رہا۔ یوں ایک اور خطبہ اس کے **Friday the 10th** کا عبرتناک نشان بن گیا۔ 13 ستمبر کا خطبہ بھی مرزا طاہر کی دلچسپ اور عبرتناک مخبوط الحواسیوں پر مشتمل تھا۔ 20 ستمبر کا خطبہ سابقہ خطبوں سے زیادہ عبرتناک رہا۔ خطبہ بمشکل 7 منٹ کا رہا۔ آواز بکری کی منمناہٹ جیسی تھی۔ اس بار سورۃ فاتحہ ایک بار پڑھ کر پھر دوبارہ پڑھ دی۔ اس سے مرزا طاہر احمد کی غیر حاضر دماغی اور پاگل پن کی عمومی حالت کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔ خطبہ ثانیہ ہر بار بھول جانا اب تو مرزا طاہر کا معمول بن گیا تھا۔ 27 ستمبر کا خطبہ بھی حسب سابق رہا۔ قابل ذکر بات اتنی ہے کہ **Friday the 10th** والی تفسیر کے مطابق دس منٹ کے اندر اندر ہونے والے خطبہ کا دورانیہ سات منٹ سے گھٹ کر چھ منٹ ہوگیا۔ مرزا طاہر کا مسلسل کم ہوتا ہوا خطبہ کا دورانیہ اس قرآنی فرمان کے مطابق تھا کہ "ہم ان کو ان کے کناروں سے کم کرتے چلے آرہے ہیں۔"

14 اکتوبر 2002ء کو جب مرزا طاہر کی انجیو پلاسٹی ہوئی تو لندن کے مشہور کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر سٹیفن جینکنز **(Dr. Stephen Jenkins)** نے مرزا طاہر سے برملا اپنی رائے کا اظہار کیا کہ شراب نوشی اور زیادتی جماع کی وجہ سے آپ کے جسم کے پٹھے بے حد کمزور ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے آپ کا دل بھی روز بروز کمزور ہو رہا ہے۔ میں نے اس طرح کی خطرناک رپورٹس پہلے کبھی کسی مریض کی نہیں دیکھیں۔ لہٰذا اگر آپ زندگی چاہتے ہیں تو آپ کو اس فعل قبیح سے مکمل اجتناب کرنا ہوگا۔ مرزا طاہر نے ڈاکٹروں کے بورڈ جن میں لندن کے ڈاکٹر سٹیفن جنکنز (کارڈیالوجسٹ)، ڈاکٹر نکو سیف (نیورو سرجن)، لیڈی ڈاکٹر وڈ، ڈاکٹر مسٹر پیٹر ٹیلر (ویسکولر سرجن) ڈاکٹر بشیر الدین خلیل (نیورو فزیشن)، ڈاکٹر نسیم رحمت اللہ، ڈاکٹر عبدالسلام (ماہر امراض سینہ) ڈاکٹر شاہد، ڈاکٹر نعیم احمد (فزیشن)، ڈاکٹر مرزا مبشر احمد، ڈاکٹر مسعود الحسن نوری، ڈاکٹر شکیل احمد اور ڈاکٹر مجیب الحق شامل تھے اور اپنے اہل خانہ کے سامنے کھسیانے ہو کر وعدہ کیا کہ وہ اس مشورہ پر عمل کرے گا۔ لیکن سیانے کہتے ہیں کہ چور چوری سے جائے، ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔

اور رسی جل جاتی ہے لیکن بل نہیں جاتا۔ دو ہفتے بعد جب مرزا طاہر کے دل کی تکلیف مزید بڑھی تو ڈاکٹروں نے انجوگرافی پر زور دیا جس پر 29 اکتوبر کو مرزا طاہر کو سینٹ تھامس ہسپتال (St.Thomas's Hospital) میں داخل کروا دیا گیا۔ یہ لندن کا سب سے بہترین ہسپتال ہے اور سنٹرل لندن میں واقع ہے۔ وہاں مرزا طاہر کے علاج کا فیصلہ ہوا۔ اس ہسپتال کی بارہویں منزل ویسٹ منسٹر سوئٹ Suite کہلاتی ہے۔ یہ Suite صرف برطانوی رائل فیملی یا امراء کے لیے مختص ہے۔ مگر قادیانیت کی برطانوی حکومت کے لیے "اسلام دشمن خدمات" کے پیش نظر اس Suite کا کمرہ نمبر 8 مرزا طاہر کے لیے حکومت کی خصوصی اجازت کے تحت بک ہوا۔ اس کمرے سے باہر کا منظر بہت خوبصورت ہے۔ نیچے ٹیمز دریا بہتا ہے۔ سامنے ہاؤسز آف پارلیمنٹ نظر آتا ہے اور BigBen کی گھنٹی ہر پندرہ منٹ کے بعد بجتی ہوئی سنائی دیتی ہے۔ یہ ایک ایسا رومانٹک ماحول ہے جو ایک دل پھینک اور خوف خدا سے عاری مریض کو دعوت گناہ دیتا ہے۔ مرزا طاہر کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ مرزا طاہر کی بیماری کے دوران جو لوگ اس کی دیکھ بھال کر رہے تھے، ان میں خاص طور پر ڈاکٹر مسعود الحسن نوری، مرزا مبشر احمد، ڈاکٹر سلیم احمد اور ڈاکٹر شکیل احمد شامل تھے۔ مرزا لقمان ہسپتال میں تیمارداری کے بہانے (دراصل خلافت حاصل کرنے کے چکر میں جبکہ وہ اس میں بری طرح ناکام رہا) ہمہ وقت ساتھ تھا۔ مرزا طاہر کو پیشاب وغیرہ کروانے، کپڑے بدلوانے اور مساج وغیرہ کے لیے ڈاکٹر ریحانہ بٹ (جس کی جنسی خیرات کے قصے فضل عمر ہسپتال ربوہ کی لیٹرینوں میں آج بھی لکھے ہوئے ہیں) کو مرزا طاہر کی ذاتی خواہش پر ہسپتال بلوایا گیا۔ جبکہ اینستھیزیا کی ڈاکٹر مس وڈ جو اپنے حسن و جمال اور دلربا اداؤں کے لیے مشہور ہے، بھی مرزا طاہر کی خدمت پر مامور تھی۔ مرزا طاہر کی چھوٹی بیٹی فائزہ لقمان کو یہ منظر شائد ساری زندگی نہ بھول پائے گا جب وہ ایک دن غیر متوقع طور پر اچانک اپنے والد کے کمرہ میں داخل ہوئی تو مرزا طاہر کو ڈاکٹر ریحانہ بٹ کے ساتھ نہایت قابل اعتراض حالت میں دیکھا اور پھر بغیر کچھ کہے صدمے کی حالت میں واپس گھر آ گئی۔ مرزا طاہر کا پرائیویٹ سیکرٹری منیر احمد جاوید اس واقعہ کا عینی شاہد ہے۔ اگر اس کا ضمیر زندہ اور موت یاد ہے تو وہ اس واقعہ سے بھی انکار نہ کر سکے گا۔ مرزا طاہر کا اپنا ایک عشقیہ شعر ہے جس سے اس کے ناپاک ارادوں کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے اس موقع پر اس نے اپنا یہ شعر پڑھا ہو۔

ہو کسی کے تم سراپا مگر آہ کیا کروں میں
میری روح بھی تمہاری، میرا جسم بھی تمہارا

(کلام طاہر)

اس واقعہ کے تین دن بعد مرزا طاہر کا ایک اور آپریشن ہوا۔ دراصل انجو پلاسٹی کے نتیجے میں مرزا طاہر حالت بہتر ہونے کے بجائے مزید بگڑ گئی۔ ہائی بلڈ پریشر اور شوگر کی وجہ سے خون کی ایک بڑی نالی

جو دماغ کی طرف جاتی ہے، اس میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ اس کی وجہ سے مرزا طاہر کی ٹانگیں سکڑ رہی تھیں۔ ڈاکٹروں کی رائے میں اس کی سرجری ضروری تھی۔ چنانچہ ایک اور آپریشن کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ آپریشن London Bridge Hospital میں کیا گیا۔ اس ہسپتال کا کمرہ نمبر 203 مرزا طاہر کے لیے ریزرو کیا گیا۔ 29 اکتوبر 2002ء کو مرزا طاہر کو ICU میں لایا گیا اور پھر 30 اکتوبر 2002ء کو لندن وقت کے شام چھ بجے آپریشن ہوا۔ آپریشن کے دوران مرزا طاہر کو قے آئی جو سانس کی نالی کے راستے پھیپھڑوں میں چلی گئی جس سے سانس لینے میں نہایت دقت اور Aspiration نمونیہ کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ پھیپھڑوں نے کچھ حد تک کام کرنا چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے مرزا طاہر کو 3 دن تک Artificial Resperator استعمال کروایا گیا۔ آپریشن کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی یہ کیفیت Adult (ARDS) Resperatory Distress Syndome کہلاتی ہے جو عموماً جان لیوا ہوتی ہے خصوصاً جبکہ مریض شوگر اور بلڈ پریشر کے عوارض سے بھی دوچار ہو۔ چنانچہ مرزا طاہر کا ایک اور آپریشن ہوا۔ ڈاکٹر پیٹر ٹیلر جو لندن کے معروف ویسکولر سرجن ہیں، نے مرزا طاہر کا Carotid Endarterectomy کا آپریشن کیا۔ اس آپریشن میں خون کی نالی میں جو Blood Cloting ہو جاتی تھی، اس کو کھولا گیا۔ اس کے بعد کئی دن مرزا طاہر کو مصنوعی سانس کی مشین پر رکھا گیا۔ اس دوران ڈاکٹروں نے تفصیلی معائنہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ خون کی نالی کو کھولنے کے لیے آپریشن ضروری ہے۔ چنانچہ 30 اکتوبر 2003ء کو لندن کے وقت کے مطابق شام چھ بجے مرزا طاہر کے پیٹ کا آپریشن ہوا۔ بعدازاں مختلف ٹیسٹوں سے پتہ چلا کہ فالج کے معمولی حملے سے مرزا طاہر کے دماغ پر اثر ہو رہا ہے۔ لہٰذا فوری طور پر لندن بلکہ دنیا کے سب سے بڑے نیوروسرجن ڈاکٹر نکلیو سیف سے وقت لیا گیا جس نے مرزا طاہر کے دماغ کا آپریشن کیا۔ یہ آپریشن کامیاب نہ ہو سکا اور مرزا طاہر کی دماغی حالت پہلے سے زیادہ غیر ہوگئی۔ اس کے بعد مرزا طاہر کوئی خطبہ دینے کے لائق نہ رہا۔ اس کے جملہ عوارض کی یلغار نے اسے کیمرے سے دور کر دیا۔ اس دوران جہاں دنیا بھر میں جماعت کو دعاؤں اور صدقوں پر لگا دیا گیا، وہیں معروف فلمی گیتوں کی دھنوں میں ایم ٹی اے سے دعائیہ نظموں کو نشر کیا جاتا رہا۔ ان گیتوں میں سے بعض فلمی مجروں کی دھنیں بھی تھیں۔ شاید جماعت اس طرح تبلیغی مجروں کا کوئی سلسلہ متعارف کرانا چاہتی تھی۔

6 اور 7 نومبر 2002ء کی درمیانی رات کو مرزا طاہر کے پیٹ کا ایکسرے اور ٹیسٹ لیے گئے جس سے معلوم ہوا کہ شوگر کی وجہ سے بڑی آنت کا عمل صحیح کام نہیں کر رہا جس کی وجہ سے بار بار پیٹ کی تکلیف بڑھ رہی ہے۔ کمزوری اور نقاہت عروج پر تھی۔ نومبر کا پورا مہینہ مرزا طاہر ایم ٹی اے کی سکرین پر درشن دینے نہیں آ سکا۔ اس دوران جماعت کو جھوٹی سچی تسلیاں دینے کے لیے اعلان کیے جاتے رہے کہ آج ''حضور'' نے اپنے دفتر میں تشریف لاکر ڈاک ملاحظہ کی، آج چیدہ چیدہ احباب سے ملاقاتیں کیں۔ بہتر

ہوتا کہ پانچ منٹ کی ریکارڈنگ کر کے ایم ٹی اے کے ناظرین کو بھی کرسی پر بیٹھے ہوئے ''حضور'' کا درشن کرا دیا جاتا اور اس کی آواز سنا دی جاتی، تا کہ آنکھوں دیکھی، کانوں سنی سے بہتر ہوتی۔ پھر 4 دسمبر 2002ء کو مرزا طاہر کو ایم ٹی اے پر درشن دینے کے لیے لایا گیا۔ یہ اس کا اپنے دفتر میں کام کرنے کا منظر تھا۔ بغور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ دو تین بار ''حضرت صاحب'' نے کاغذات میں سے بعض کاغذ دیکھ کر ایسے پھینکے جیسے کوئی شرارتی یا بدتمیز بچہ کاغذ پھینکتا ہے یا جیسے کوئی نیم مخبوط الحواس شخص کرتا ہو۔

6 دسمبر 2002ء کو مرزا طاہر عید کی نماز پڑھانے آیا۔ اس موقع پر اس کی بہت ساری مخبوط الحواسیوں کے ساتھ اس کا یہ فرمان بھی سننے میں آیا کہ (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ جمعہ اور عید ایک ساتھ آنے پر عید کی نماز اور جمعہ (ظہر) کی نماز جمع فرمالیا کرتے تھے۔ اس کے ایک دست راست نے صورتحال کو سنبھالنے کے لیے کہا کہ جی ہاں ظہر اور عصر جمع کر لیا کرتے تھے۔ مگر مرزا طاہر اڑ گیا کہ نہیں عید کی نماز اور ظہر کی نماز جمع ہوتی تھی۔ اس سے مرزا طاہر کی ذہنی حالت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ 8 دسمبر کو مرزا طاہر کو لجنہ کے پروگرام ملاقات میں دکھایا گیا۔ دو گھنٹے کی ریکارڈنگ کر کے اس میں سے ساری احتیاطی کانٹ چھانٹ کر کے 20 منٹ کی ریکارڈنگ دکھائی گئی۔ اس میں بھی ذہنی حالت کا یہ عالم تھا کہ ایک خاتون سے کہنے لگے تم ہالینڈ سے کب آئی ہو؟ اس نے بتایا کہ حضور میں تو یہیں کی ہوں۔ پھر ایک خاتون سے کہنے لگے کہ تم کینیڈا سے واپس آ گئی؟ اس غریب نے بتایا کہ نہیں جی ابھی میں نے کینیڈا جانا ہے۔ 9 دسمبر کو فرانسیسی دوستوں سے ملاقات کے پروگرام کی ریکارڈنگ پیش کی گئی۔ اس پروگرام کی ایک خصوصیت تو یہ تھی کہ بیشتر قادیانی پاکستانی تھے مگر فرانسیسی میں بات کر رہے تھے، پھر اس کا اردو ترجمہ کیا جاتا۔ جواب ملتا، جواب کا پھر اردو ترجمہ کیا جاتا۔ ایک سوال ہوا کہ کیا مغربی پریس جو مسلمانوں کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے کیا ان کو خدا کی طرف سے سزا ملے گی؟ جواب ملا کوئی سزا نہیں ملے گی۔ اس سے ایک یہ ثابت ہوا کہ جزا، سزا کا اختیار مرزا طاہر کے پاس ہے اور دوسرا یہ کہ ''حضور'' بڑی حد تک مخبوط الحواس ہو چکے تھے۔ اسی مجلس کے دوران ''حضرت صاحب'' فرمانے لگے کہ یہاں بہت گرمی ہے۔ کیا باہر بھی گرمی ہے؟ اس پر اسے بتایا گیا کہ باہر بہت سردی ہے۔ ایک بار پھر اس نے کہا کہ مجھے بہت گرمی لگ رہی ہے۔ اس قسم کی کلاسوں میں مرزا طاہر کو پیش کیا جا رہا تھا لیکن کلاسوں میں ہونے والی ان کی بہت ساری مخبوط الحواسیوں کو حذف کر دیا جاتا۔ اس کے باوجود کئی نمونے سکرین پر آ ہی جاتے۔ مثلاً 14 دسمبر کو بنگالی ملاقات پروگرام میں ایک بچے نے پوچھا کہ کیا انڈے کا کھانے کا ذکر کسی حدیث یا آیت میں ملتا ہے۔ جواب ملا کہ قرآن میں بیض مکنون کا ذکر آیا ہے۔ جب تک اُس کے جواب کا ترجمہ سنایا جاتا رہا، اسی دوران آف دی سکرین رکھ کر مرزا طاہر کو بتایا گیا کہ یہ تو حوروں کے بارے میں آیات ہیں۔

بیماری کے دوران ایک خطبہ میں قادیانیوں کے خطوط کے جواب میں کہا کہ ''وہ میری بیماری کے

بارے میں پریشان نہ ہوں۔ مجھے کسی مشورہ کی ضرورت نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ مشورے نہ دیا کریں۔"
پھر اگلے خطبہ میں کہا: "میں بار بار جماعت کو سمجھاتا ہوں مگر بعض لوگ تو اس طرح گہری اترنے والی نگاہوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ ان نگاہوں سے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کوئی علامت مل جائے جس پہ وہ اپنی ہمدردی کا اظہار کرسکیں اور اگر وہ علامت نہ ملے تو پھر صحت کے متعلق لازماً ذکر شروع کر دیتے ہیں۔ بھئی اپنی ملاقات کرو۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ اپنی صحت کے متعلق دعا مانگنے کی درخواست بے شک کرو مگر میرے معاملے میں مہربانی فرما کر دخل نہ دیا کرو کیونکہ اس سے مجھے الجھن پیدا ہوتی ہے۔ میری بیماری کو مجھ پر اور میرے خدا پر چھوڑ دیں لیکن میں آپ کو یقین دلا رہا ہوں کہ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"ڈاکٹر تو ڈاکٹر، اب عطائی ڈاکٹر جن کو انگریزی میں Quack کہا جاتا ہے وہ بھی مشورے بہت دینے لگ گئے ہیں اور جن میں عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہر عورت ایک نیا نسخہ بھیج رہی ہے، یعنی جو عورتیں بھی بھیجتی ہیں اور نئی بیماری تجویز کرتی ہیں ان کو دور بیٹھے نہ میرا حال پتہ، نہ ان سے بات کی۔ ان کو نئی نئی بیماری سمجھ آتی ہے۔ وہ کہتی ہیں آپ کو اصل بیماری یہ ہے، اس کا اصل علاج یہ ہونا چاہیے جو آپ کے ڈاکٹر صاحب کو سمجھ نہیں آئی۔ دلی میں کوئی مشہور شخص فوت ہوا تو اخبار نویسوں کا جمگھٹ لگ گیا کہ ہمیں بتایا جائے کہ کس بیماری سے فوت ہوا ہے۔ اہل خانہ نے یہ بیان دیا کہ یہی تو مشکل ہے کہ آخری وقت تک بیماری کا پتہ ہی نہیں چلا۔ جو بھی عیادت کے لیے جاتا تھا وہ نئی بیماری تشخیص کرتا تھا اور خواہ مرد ہو، خواہ عورت ہر ایک کو ڈاکٹری علم تھا اور وہ ثابت کرتے تھے کہ علاج غلط ہو رہا ہے، اصل بیماری اور ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہی حال میری بیماری کا ہے۔"

مرزا طاہر کی عبرتناک حالت کے بارے میں مرزا قادیانی کے چند الہامات کا تذکرہ ضروری ہے۔ ان الہامات کے بارے میں حیران کن بات یہ ہے کہ یہ سب انہیں برسوں سے تعلق رکھتے ہیں جن برسوں میں مرزا طاہر شدید خدائی گرفت میں آیا تھا۔ یعنی 1901ء اور 1902ء میں یہ الہامات ہوئے اور پورے ایک سو سال کے بعد "پوری جلالی شان کے ساتھ" 2001ء اور 2002ء میں مرزا طاہر پر پورے ہوئے۔ مرزا طاہر کی چار ذلت آمیز شکستوں کو ذہن میں رکھیں۔

1- کراچی کے جناب الیاس ستار سے مباہلہ میں شکست کے بعد اس موضوع پر مرزا طاہر کی طرف سے مکمل خاموشی اور خود منہ مانگی موت میں گرفتار ہونا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرزا طاہر نے جولائی کی آخری تاریخوں میں لندن کے جلسہ سالانہ کے موقع پر علی الاعلان جناب الیاس ستار کے ساتھ مباہلہ قبول کیا تھا۔ اس مباہلہ میں بہت واضح طور پر لکھا گیا تھا کہ جھوٹے کو خدا ایک سال کے اندر سزا دے۔ چنانچہ مرزا طاہر اسی سال دو مہینوں کے اندر ہی شدید

خدائی گرفت میں آ گیا۔ یہ سال اس پر خدائی ذلتوں اور مار کا سال تھا۔ جناب الیاس ستار، اس مباہلہ کی فتح کا جشن مناتے رہے لیکن مرزا طاہر پر خدائی مار کی گرفت اتنی شدید تھی کہ وہ آتھم سے بڑھ کر خوفزدہ حالت میں اس مباہلہ کے انجام کے بارے میں ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالنے کی جرأت نہ کر سکا۔ مرزا طاہر کی مرتے دم تک اس مسئلے پر خاموشی خود اس کی ذلت آمیز شکست کا زندہ ثبوت ہے۔ مرزا طاہر نے جولائی میں مباہلہ قبول کیا۔ 20 اگست 1999ء کو باہمی طے شدہ عہد کے مطابق الفضل لندن میں مباہلہ کی دعوت قبول کرنے کا اعلان شائع کیا گیا۔ جمعہ کی صبح یہ اعلان الفضل لندن نے شائع کیا اور چند گھنٹوں کے بعد جمعہ کے خطبہ کے دوران ہی مرزا طاہر پر خدائی مار پڑ گئی۔ ایک سال کی مدت تو کیا چند گھنٹوں میں ہی مرزا طاہر خدائی گرفت میں آ گیا۔ اس پر فالج کا حملہ ہوا۔ پھر وہ ایم ٹی اے کی سکرین سے لمبے عرصہ کے لیے غائب ہو گیا۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے اور وہ قادیانی جو سچے خدا پر یقین رکھتے ہیں، مباہلے میں خدائی فیصلے سے خود ہی اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ مرزا طاہر سرتاپا کاذب اور مفتری تھا۔ اس نے زندگی بھر مباہلے کا پرفریب چکر چلائے رکھا۔ اس کی اپنی کوشش یہی تھی کہ سچ مچ میں مباہلہ نہ ہونے پائے۔ لیکن آخر کار وہ اپنے مکروں کے جال میں خود ہی پھنس گیا۔ اور اس کے نتیجہ میں ذلت ناک انجام سے دوچار ہوا۔ جبکہ الیاس ستار صاحب آج کل کراچی میں ایمان وصحت کی بہترین کیفیات میں اپنی بھرپور خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہیں۔ فللہ الحمد۔

2- جماعت کی تعداد میں کروڑوں کا اضافہ کے جھوٹ پر ایک قادیانی کے خط پر خود ہی لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہنا اور خود ہی اس کا مستحق ہو جانا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ 8 ستمبر 2000ء کو ایک خطبہ جمعہ میں مرزا طاہر نے کہا:

''پہلے میں ایک صاحب کے جو راولپنڈی سے تعلق رکھتے ہیں، ایک مفسدانہ خط کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں اور الفاظ میرے ہوں گے لیکن وہ لکھتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ آپ زبانی خطبے دیا کرتے تھے اور بڑا جلال اور جمال پایا جاتا تھا۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دماغ میں نقص پیدا ہو گیا ہے، اس لیے آپ کو تحریر سے پڑھنا پڑتا ہے اور ہر دفعہ نظر تحریر پر ہی رہتی ہے، زبانی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ پہلے جلال بھی ہوتا تھا اور جمال بھی۔ اب نہ وہ جمال رہا نہ وہ جلال رہا۔ تو میں ان صاحب کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر آپ کو جمال مطلوب ہے تو میری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جمال سے آپ کے سارے اندھیرے دور فرما دے اور دل کو روشن کر دے اور احمدیت کی صداقت پر کامل ایمان عطا فرمائے۔ اگر آپ جلال چاہتے ہیں تو میری دعا یہ ہے اور میری التجا آپ سے یہ ہے کہ آپ بھی مجھ پر لعنت اللہ علی الکاذبین کہیں، میں بھی آپ پر لعنت اللہ علی الکاذبین پڑھتا ہوں۔ آپ کو خیال ہے کہ یہ دو کروڑ اور چار کروڑ کی باتیں محض جھوٹ اور مفسدہ ہیں جو میں نے اپنے نفس سے بنالی ہیں اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ تمام تر باتیں سچی ہیں، ایک بھی ان میں جھوٹ نہیں ہے۔'' (خطبہ جمعہ مرزا طاہر 8 ستمبر 2000ء

مطبوعہ ویکلی الفضل انٹرنیشنل ،لندن، شمارہ 20 اکتوبر تا 26 اکتوبر 2000ء)

3- صدر بش نے صلیبی جنگوں کا اعلان کیا اور کسر صلیب جماعت کا خلیفہ ڈر کر خاموش بیٹھا رہا، جوابی قلمی جہاد کا اعلان تک نہیں کیا۔

4- ایم ٹی اے نے مرزا طاہر کے گرنے کا منظر ساری دنیا کو دکھایا۔

یہ چار ذلتیں، چار شکستیں ذہن میں رکھیں اور اب اردو ''تذکرہ'' سے مرزا قادیانی کا یہ الہام پڑھیں۔ سیھذم فلایری نبا من اللہ الذی یعلم السر و اخفی یہ الہام جون 1902ء کا ہے۔ اس میں لفظ سیھذم کا ترجمہ اس کی گہرائی تک جاننے کے لیے ضروری ہے کہ مرزا محمود کی تفسیر صغیر کو دیکھ لیا جائے۔ مرزا محمود نے اپنی تفسیر صغیر میں سورۃ القمر کی آیت 46 کے الفاظ سیھذم الجمع کا ترجمہ یہ کیا ہے ''ان کی جماعت کو عنقریب شکست دی جائے گی'' ......اس کے مطابق اس الہام کا ترجمہ یہ بنتا ہے ''عنقریب وہ شکست کھا کر بھاگ جائے گا اور پھر دکھائی نہیں دے گا۔ یہ پیشگوئی ہے خدا کی طرف سے، جو نہاں در نہاں کو جاننے والا ہے۔''

اسی کے ساتھ مرزا قادیانی کا ایک اور الہام دیکھیں اور مرزا طاہر کے خطبوں کی عبرتناک حالت سامنے رکھیں۔ دیکھیں مرزا قادیانی نے اس متکبر شخص کے انجام کا کیسا نقشہ کھینچا تھا جو پورے ایک سو سال کے بعد ''پوری شان کے ساتھ'' مرزا طاہر کی عبرتناک حالت پر فٹ بیٹھا۔ یہ الہام 25 فروری 1901ء کا ہے اور یہ مجموعۂ الہامات ''تذکرہ'' انگریزی ترجمہ سابق وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں سے من و عن پیش خدمت ہے۔ انگریزی ''تذکرہ'' صفحہ نمبر 422 پر یہ الہام یوں درج ہے:

Like a skinned goat at every pointless sermon, meaning that his emotions are not under control.

مرزا طاہر کی اپنی حالت کھال اتری ہوئی بکری کی ہو چکی تھی۔ اس کا ہر خطبہ (Sermon) بے معنی اور بے مقصد تھا۔ اس کی کنٹرول سے باہر حالت اس الہام کے الفاظ کی صداقت کا کھلا نشان بن گئی۔

مرزا طاہر اپنی عمر کے آخری مہینوں میں عبرت کا نشان بنا رہا۔ اس کے کسی خطبہ کی سمجھ نہ آتی۔ اس کے خطبات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو رہا تھا کہ مرزا طاہر قطعی طور پر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ اس کی اقتداء میں پڑھی جانے والی ہر نماز باطل ہوئی مگر اندھے مریدوں نے ایسی نمازوں کو نہ صرف قبول کیا بلکہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ مرزا طاہر کبھی نماز میں دعائے قنوت پڑھ دیتا اور کبھی خطبہ میں اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا جاتا...... ایم ٹی اے اسے عبادت گاہ میں نہ آتے ہوئے دکھاتا اور نہ جاتے ہوئے۔ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا کہ قادیانی جماعت کے موجودہ ارباب اختیار جان بوجھ کر مرزا طاہر کی رسوائی

چاہتے تھے اور اسے ایسے خطبوں میں لے آتے یا پھر خدائی تقدیر تھی جو مرزا طاہر کی رسوائی کی صورت میں اس کے عبرتناک انجام کو ساری دنیا کے سامنے بیان کرتی رہی اور بتا رہی تھی و تذل من تشاء......

مرزا طاہر کو شائد وہم بھی نہ تھا کہ وہ اچانک مر جائے گا۔ اس کی چار بیٹیوں میں سے صرف ایک بیٹی فائزہ لقمان اس کے پاس تھی۔ دوسری بیٹی شوکت جہاں اپنے میاں سے لڑائی جھگڑے کے بعد مستقل پاکستان میں تھی۔ دوسری دو بیٹیاں کسی اور ملک کی سیر پر گئی ہوئی تھیں۔ ایک دن پہلے اس کی طبیعت قدرے بہتر تھی۔ 19 اپریل 2003ء کو ناشتہ کی میز پر اس کو دل کا دورہ پڑا اور ساتھ ہی جسم کے بائیں طرف فالج کا حملہ ہو گیا جو پہلے سے زیادہ شدید تھا۔ اس سے فوری طور پر مرزا طاہر کا منہ ٹیڑھا ہو گیا۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق یہ لقوہ تھا۔ بائیں آنکھ، بازو، ٹانگ اور دیگر اعضاء بری طرح ساکت ہو کر رہ گئے۔ مرزا طاہر کچھ بولنے کی کوشش کرتا مگر مرزا قادیانی کی وحیوں کی طرح کچھ سمجھ میں نہ آتا۔ وہ میز پر پڑی دوائیوں کے ڈھیر کو دیکھتا تو چیخنے لگتا۔ اس دوران وہ دائیں ہاتھ سے اپنی داڑھی کو بری طرح کھینچتا اور یکدم چپ ہو جاتا پھر بے تحاشا ہنستا اور اچانک رونے لگتا۔ کمرے میں لگی مرزا قادیانی کی تصویر کو دیکھتا تو غصے سے اول فول بکنے لگتا۔ اسی اثناء میں ایک عجیب حادثہ یہ ہوا کہ مرزا طاہر کے جسم کے تمام بال گرنا شروع ہو گئے اور آناً فاناً پورا جسم بالوں سے حتیٰ کہ داڑھی اور بھنویں تک صاف ہو گئیں۔ مرزا طاہر کی شکل بگڑ کر اتنی کریہہ اور مکروہ ہو گئی کہ دیکھتے ہوئے متلی آتی تھی۔ اس کے کپڑے بول و براز سے لتھڑے پڑے تھے۔ جو شخص اس کے کپڑے تبدیل کرنے کے لیے آگے بڑھتا، مرزا طاہر غصے سے اس کے منہ پر تھوکتا اور چلاتا۔ ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم نے جسم کو فالج کے مزید اثرات سے بچانے کے لیے سر توڑ کوشش کی مگر ناکام رہے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ موت کا فرشتہ سر پر آن کھڑا ہے۔ ڈاکٹروں کے علاوہ موقع پر درجنوں قریبی عزیز اور جماعت کے اعلیٰ عہدیدار اس صورتحال کے عینی شاہد ہیں۔

بقول جناب شفیق مرزا ''اللہ تعالیٰ نے قادیانی امت پر ایسا عذاب نازل کیا ہے کہ اب ان کا ہر قابل ذکر فرد ایسی رسوا کن بیماری سے مرتا ہے کہ اس میں ہر صاحب بصیرت کے لیے سامان عبرت موجود ہے۔ فالج کی بیماری کو خود مرزا قادیانی نے ''دکھ کی مار'' اور ''سخت بلا'' ایسے الفاظ سے یاد کیا ہے اور اب قادیانی امت کی گندی ذہنیت کی وجہ سے یہ بیماری اللہ تبارک و تعالیٰ نے سزا کے طور پر قادیانیوں کے لیے کچھ اس طرح مخصوص کر دی ہے کہ ایک واقف حال قادیانی کا کہنا ہے: ''اب تو حال یہ ہے کہ جو شخص فالج سے نہ مرے، وہ قادیانی ہی نہیں'' مرزا محمود احمد نے اپنے باوا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے امت مسلمہ کے اکابر اور جید علماء دین کے وصال پر جشن مسرت منایا اور ان کا یہ دھندا اب تک چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قادیانیت کے گوسالۂ سامری مرزا محمود کو ''فالج کا شکار'' بنا کر دس سال تک رہین بستر و بالش کر دیا اور اس عبرت ناک رنگ میں اس کو اعضاء و جوارح اور حافظہ سے محروم کر دیا کہ وہ مجنونوں کی طرح سر ہلاتا رہتا تھا اور اس کی ٹانگیں بید لرزاں کا نظارہ پیش کرتی تھیں، گویا وہ "لایموت فیھا ولا یحیی" کی تصویر تھا، مگر

قادیانی مذہبی انڈسٹری کے مالکان اس حالت میں بھی الٹا ''اخبار'' اس کے ہاتھ میں پکڑا کر ''زیارت'' کے نام پر مریدوں سے پیسہ بٹورتے رہے اور پھر سات بجے شام مرجانے والے اس ''مصلح موعود'' کی دو بجے شب تک صفائی ہوتی رہی اور ''سرکاری اعلان'' میں اس کی موت کا وقت دو بج کر دس منٹ بتایا گیا اور اس عرصہ میں اس کی الجھی ہوئی داڑھی کو ہائیڈروجن یا کسی اور چیز سے رنگ کر اسے طلائی کلر دیا گیا اور خط بنایا گیا اور غازہ لگا کر اس کے چہرے پر ''نور'' وارد کیا گیا، تا کہ مریدوں پر اس کی ''اولیائی'' ثابت کی جا سکے۔ حیرت ہے کہ جب کوئی مسلمان دنیاوی زندگی کے دن پورے کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتا ہے تو قادیانی اس کی بیماری کو ''عذاب الٰہی'' قرار دیتے ہیں لیکن ان کے اپنے اکابر ذلیل موت کا شکار بنتے ہیں تو یہ ''ابتلاء'' بن جاتا ہے اور اس کے لیے دلائل دیتے ہوئے قادیانی تمام وہ روایات پیش کرتے ہیں جن کو وہ خود بھی تسلیم نہیں کرتے۔''

چند گھنٹوں بعد دل کا دوسرا اٹیک ہوا، جو پہلے کی نسبت زیادہ شدید تھا۔ راز دار درون خانہ کے مطابق یہ کسی ذہنی اذیت کا باعث تھا۔ ذہنی اذیت یقیناً مرزا لقمان کی مرزا طاہر کی چھوٹی بیٹی اور اپنی خوبرو سالی طوبیٰ کے ساتھ وہ اخلاق سوز حرکات تھیں جس کا مقصد مرزا طاہر کو ذہنی ٹارچر اور بلیک میلنگ کرنا تھا جیسا کہ مرزا لقمان وقتاً فوقتاً ایسا کرتا رہتا تھا۔ بہرحال یہ ظاہر ہو گیا کہ 6 اپریل 1902ء ''اپریل والے الہام'' کے مطابق اپریل کے مہینے میں اس کی عبرتناک موت واقع ہوئی۔

لندن میں جہاں اپریل میں بھی سردی ہوتی ہے، مرزا طاہر کی لاش جس کمرہ میں رکھی گئی، وہاں برف اور ایئر کنڈیشنز کا بھی انتظام کیا گیا تا کہ لاش مزید خراب نہ ہو۔ لاش سے شدید بدبو آ رہی تھی جس سے آس پاس کا سارا ماحول متعفن ہو گیا۔ فوری طور پر لاش کی Embalming کروائی گئی یعنی حنوط کیا گیا۔ تقریباً 5 گھنٹے میں یہ مرحلہ طے ہوا۔ اس پراسس میں خون کی نالی میں خاص دوائی دی جاتی ہے جس سے جسم محفوظ رہتا ہے اور گلتا سڑتا نہیں۔ مگر ہزار کوششوں کے باوجود لاش تیزی سے گل سڑ رہی تھی اور سیاہی مائل ہونے کی وجہ سے چہرہ پہچانا نہ جاتا تھا۔ لہٰذا مشاورت ہوئی جس میں رفیق احمد حیات قادیانی امیر یو کے، عطاء المجیب راشد، منیر احمد جاوید، ڈاکٹر مسعود الحسن نوری، بشیر احمد، مرزا سفیر احمد، مرزا لقمان احمد، کریم اسد خاں اور سلطان ہارون خان شامل تھے۔ ڈاکٹر مسعود الحسن نوری کی ہدایت پر فوری طور پر رفیق احمد حیات قادیانی امیر یو کے نے ایک تابوت تیار کروایا جس کے اوپر شیشہ لگا ہوا تھا تا کہ لوگ چہرہ دیکھ سکیں۔ مگر چہرہ متغیر ہونے بلکہ خدائی عذاب کی گرفت میں آنے کی وجہ سے فیصلہ ہوا کہ لوگوں کو مرزا طاہ D کا چہرہ نہ دکھایا جائے۔ چنانچہ ایک اور تابوت خریدا گیا۔ یہ تابوت ایلومینیم کا تھا جس میں لاش والا تابوت ڈال کر سیل کر دیا گیا۔ اس تابوت کے اندر تھرماپور چاروں طرف لگایا گیا۔ بیوقوفی یہ کی گئی کہ بند تابوت بھی دیدار اور زیارت کے لیے رکھا رہنے دیا گیا۔ اس پر چہرہ دیکھنے والے جب کہتے کہ چہرہ دیکھنا ہے تو ان کو کہا جاتا کہ

بس تابوت کی زیارت کرتے جاؤ، اور آگے بڑھتے جاؤ۔ یہ منظر ایم ٹی اے چینل پر صاف دیکھا جا رہا تھا۔ چنانچہ انہیں اس بیوقوفی کا احساس ہوا تو ایم ٹی اے پر مزید دیدار بند کر دیا گیا۔ تدفین سے پہلے تابوت کو قبر کے قریب رکھا گیا اور اس پر پلاسٹک شیٹ لپیٹی گئی اور پھر رسیوں کی مدد سے گڑھے میں اتارا گیا۔ اس سے پہلے جتنے بھی قادیانی خلیفے مرے، انہیں دفنانے کے بعد موقع پر موجود ہر قادیانی اظہار عقیدت کے طور پر تھوڑی سی مٹی قبر میں ڈال کر اپنے دل کی پیاس بجھا لیتا تھا، مگر اس دفعہ نیا تماشا یہ ہوا کہ کسی بھی قادیانی کو مرزا طاہر کی قبر پر مٹی ڈالنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ حق ''مغلیہ خاندان'' نے لیڈی ڈیانا کی تدفین کی نقل کرتے ہوئے صرف اپنے خاندان اور چند منظور نظر افراد کو ہی دیا اور دور دراز سے آئے ہوئے غلام بے چارے دیواروں کے اوپر سے وفادار کتے کی طرح حسرت بھری نگاہوں سے اپنے محبوب کی آخری رسومات ادا کرتے ہوئے دیکھتے رہے۔ یہ گویا نئے بادشاہ کا عام قادیانی کو اپنی اوقات میں رہنے کا پیغام تھا۔ قادیانی جماعت کے ٹی وی چینل ایم ٹی اے نے اس بات کا بہت پروپیگنڈا کیا کہ مرزا طاہر کے جنازے کو حکومت برطانیہ نے خصوصی اہمیت دی، مثلاً ہائی وے بند کر دی، پولیس مہیا کی، ہیلی کاپٹر کا سکواڈ دیا گیا وغیرہ وغیرہ، لیکن ان کو پتہ ہونا چاہیے کہ حکومت برطانیہ تو بعض مجرموں کو بھی ایسی اہمیت اور اس سے بڑھ کر اعزاز دے چکی ہے۔ اس کے لیے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کر کے ہر شخص اپنے علم میں اضافہ کر سکتا ہے۔ جرائم کی دنیا کے تین بھائیوں کے جنازوں کے ساتھ مختلف اوقات میں حکومت برطانیہ نے کیسا سلوک کیا، آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ان کے جنازہ کو پولیس، ہیلی کاپٹر سکواڈ اور 6 اضلاع کی پولیس منگوا کر اعزاز سے نوازا گیا، ایک بھائی کے جنازے کا جلوس 9 میل لمبا تھا جس کے لیے حکومت نے خصوصی انتظام کیے تھے'' اگر حکومت جرائم کی دنیا کے لوگوں کو مرزا طاہر سے بڑھ کر اہمیت دے سکتی ہے، تو پھر مرزا طاہر کے جنازے کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔

http://www.crimelibrary.com/gangsters_outlaws/

mob_bosses/kray/curtain_17.html?se

قادیانیوں کا خیال تھا کہ مرزا طاہر کے جنازہ پر کروڑوں کا اجتماع ہوگا اور پھر جنازہ کی تعداد کو دنیا بھر میں مشتہر کر کے قادیانیت کی نام نہاد صداقت کا کھوکھلا ڈھنڈورا پیٹا جائے گا۔ لہٰذا انھوں نے جنازہ میں شرکت کرنے کی غرض سے برطانیہ آنے والے قادیانیوں کے، ویزہ کے حصول کے لیے شرائط نرم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ قادیانی جماعت UK کے امیر رفیق احمد حیات نے فوراً ممبر آف پارلیمنٹ ٹونی کولمین سے فون پر رابطہ کیا اور ویزہ کے اجراء کی راہ میں حائل مشکلات کا ذکر کر کے مدد کی درخواست کی۔ ٹونی کولمین کو برطانیہ میں قادیانی جماعت کا سب سے بڑا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ کئی دفعہ برطانوی پارلیمنٹ میں حکومت پاکستان پر زور دے چکے ہیں کہ قادیانیوں کو آئین میں غیر مسلم اقلیت قرار دی

جانے والی ترمیم ختم کی جائے۔ٹونی کولمین لانگ ویک اینڈ کی وجہ سے لندن سے باہر کہیں جا رہے تھے، وہ اپنے سارے پروگرام ختم کر کے واپس آئے، اپنے دفتر کے عملہ کو بلایا اور دفتر خارجہ سے ہنگامی رابطہ کر کے مجاز افسران کے ساتھ متعلقہ امور کے حوالہ سے تفصیلات کو طے کیا اور یوں فارن آفس نے فوری طور پر دنیا بھر کے تمام برطانوی سفارت خانوں کو ہدایات روانہ کر دیں کہ قادیانیوں کے لیے ویزوں کا فوری اور آسان ترین اجراء ممکن بنایا جائے تا کہ وہ بروقت برطانیہ پہنچ کر مرزا طاہر کے جنازہ میں شرکت کر سکیں۔ اگر چہ دنیا بھر میں قائم برطانوی سفارت خانے ایسٹر کی تعطیلات کی وجہ سے بند تھے مگر ٹونی کولمین کی بھرپور کاوش سے پوری دنیا سے ہر اس قادیانی کو ویزہ جاری کر دیا گیا جو جنازہ کی غرض سے برطانیہ آنا چاہتا تھا۔

ان ساری کوششوں کے باوجود مرزا طاہر کے جنازہ پر صرف 3 ہزار کے قریب افراد نے شرکت کی۔اس صورتحال پر قادیانیوں کو شدید مایوسی ہوئی۔ نئے قادیانی امیر مرزا مسرور نے بیرونی ممالک کی ذیلی تنظیموں کے صدور اور جملہ مربی انچارجوں سے اپنی سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے انھیں اس شرمندگی اور ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مرزا طاہر کے جنازہ کو برطانیہ کے مختلف ٹیلی ویژن نیٹ ورکس جن میں BBC.SKY, ARY اور ITV شامل ہیں، نے ٹیلی کاسٹ کیا۔ قادیانیوں کا دعویٰ ہے کہ 1993ء سے 2003ء تک 16 کروڑ 57 لاکھ 68 ہزار 8 نئے افراد نے مرزا طاہر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس صورتحال میں قادیانی قیادت کے لیے یہ بات زبردست شرمندگی اور رسوائی کا باعث تھی کہ جنازہ میں صرف 3 ہزار افراد نے شرکت کی۔

قادیانی جماعت کا اپنی تعداد کے حوالہ سے بولا جانے والا تاریخی جھوٹ جنازہ پر پکڑا گیا۔ جھوٹ اور مبالغہ آرائی قادیانی جماعت کے شعائر میں سے ہے۔ مبالغے اور جھوٹ کی کوئی حد ہوتی ہے۔ آنجہانی مرزا قادیانی نے بھی اپنے متعلق لکھا تھا کہ میں نے انگریز کی حمایت اور جہاد کی ممانعت میں اتنا لکھا کہ ان کتابوں سے پچاس الماریاں بھر جائیں یا پھر لکھا کہ میرے نشانوں کی تعداد 10 لاکھ ہے۔ یہ مبالغہ گوئی کی انتہا ہے۔ قادیانی جماعت کے ذمہ داران نے بھی اپنی تعداد کے حوالہ سے شائد یہی راستہ اختیار کر لیا ہے۔

جنازہ کی ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ ماہنامہ خالد کے ''طاہر نمبر'' مارچ اپریل 2004ء کے مطابق جنازہ میں نہ صرف عیسائی پادریوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی بلکہ جنازہ میں شرکت کرنے والے قادیانی مہمانوں کی رہائش اور کھانے کا انتظام بیت الفضل لندن کے قریب **Gressen Hall Road** پر واقع مقامی چرچ میں کیا گیا۔

مرزا طاہر کی تدفین جماعتی طور پر کسی فخر کے بجائے انتہائی شرمندگی کا باعث ہے۔ اگر خلیفۂ وقت مرزا قادیانی کے بہشتی مقبرہ میں دفن نہیں ہوسکا تو اس سے رسالہ ''الوصیت'' میں کی گئی مرزا قادیانی کی

وہ دعا پوری ہوئی جس میں اس نے لکھ رکھا ہے کہ جو اس بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کے لائق نہیں، قدرت اس کے لیے ایسے حالات بنا دے کہ وہ اس میں دفن ہونے سے محروم رہ جائے۔ مرزا طاہر ایک جاہ پرست اور نفس پرست شخص تھا۔ اس نے محض اپنی ذاتی شان وشوکت کے لیے ایک کاروبار چلا رکھا تھا اور ایسے ہی لوگوں کے لیے مرزا قادیانی نے بڑے واضح الفاظ میں رسالہ ''الوصیت'' میں دعا کی ہے کہ ''اے میرے قادر خدا اس زمین کو میری جماعت میں سے ان پاک دلوں کی قبریں بنا جو فی الواقع تیرے ہو چکے اور دنیا کی اغراض کی ملونی ان کے کاروبار میں نہیں۔ آمین، یا رب العالمین۔''

(رسالہ ''الوصیت'' بحوالہ ''روحانی خزائن'' جلد 20 صفحہ نمبر 317,316)

خیال رہے کہ ''دنیا کی اغراض کی ملونی'' سے بھرے ہوئے مرزا طاہر کو بخوبی علم تھا کہ ربوہ کا ''بہشتی مقبرہ'' حقیقت میں ایک کاروبار ہے۔ اسی لیے اُس نے خود وصیت کی تھی کہ اُسے ربوہ نہ لے جایا جائے۔ ان کی پہلی خواہش یہ تھی کہ ان کو قادیان لے جایا جائے اور دوسری یہ تھی کہ اسے قادیانی عبادت گاہ فضل لندن کے احاطہ میں دفن کیا جائے۔ اس کی یہ دونوں خواہشیں پوری نہیں ہوئیں۔ اسے لندن کے اسلام آباد میں ایسی جگہ دفن کیا گیا ہے، جہاں بس وہ ہی وہ ہے۔ مرزا طاہر کی عبرتناک موت دراصل مرزا قادیانی، حکیم نورالدین، مرزا محمود، مرزا ناصر، مریم بیگم، ظفر اللہ خاں اور ڈاکٹر عبد سام کو قدرت کی طرف سے ملنے والی خدائی مار اور سزا کا تسلسل ہے۔ فاعتبرو یا اولی الابصار

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی
ورنہ وہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

قادیانی شاعر ثاقب زیروی کے مندرجہ ذیل اشعار مرزا طاہر کے عبرتناک انجام پر بڑے موقع کی مناسبت سے منطبق ہوئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

فرصت ہے کسے جو سوچ سکے پس منظر ان افسانوں کا
کیوں خواب طرب سب خاک ہوئے کیوں خون ہوا ارمانوں کا
تاریخ کے سینے میں اب تک ہیں دفن وہ سارے ہنگامے
انسان کے ہاتھوں دنیا میں کیا حال ہوا انسانوں کا
طاقت کے نشے میں چور تھے جو توفیق نظر جن کو نہ ملی
مفہوم نہ سمجھے جو ناداں قدرت کے لکھے فرمانوں کا
پستے ہیں بالآخر وہ اک دن اپنے ہی ستم کی چکی میں
انجام یہی ہوتا آیا فرعونوں کا ہامانوں کا!

چودھری ظفر اللہ قادیانی

چودھری ظفر اللہ خاں مشہور و معروف سیاست دان، قادیانیت کا ستون اور مثالی انگریز نواز تھے۔ وہ برٹش سامراج کی غلامانہ خدمات اور ان کے خود کاشتہ پودے (قادیانی مذہب) کے سرگرم رکن ہونے کے باعث دنیوی ترقی کی منازل بہت تیزی سے طے کرتے چلے گئے۔ سر ظفر اللہ چونکہ ساری زندگی بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے، اس لیے اکثر نادان ان کی زندگی بڑی خوشگوار اور مطمئن خیال کرتے تھے۔ اور اب بھی اکثر لوگ سمجھتے ہیں، خاص طور پر قادیانی حضرات تو ان کی بظاہر شاندار زندگی اور بڑے عہدوں پر تعیناتی کو قادیانی مذہب کی حقانیت پر دلیل قرار دیتے ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ سر ظفر اللہ کی بظاہر شاندار زندگی اندر سے بالکل کھوکھلی اور عبرتناک تھی۔ ان کو ساری عمر گھریلو سکون نصیب نہ ہوا۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔ تینوں کا انجام حسرت ناک رہا۔ کوئی شادی کامیاب نہ رہی۔ کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ اس کا بھی انہیں ساری عمر قلق رہا۔ سر ظفر اللہ کو اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہوتے ہوئے نیز حکومت اور اپنے مذہبی سربراہوں کی مکمل تائید و مدد کے باوجود ساری عمر جن جن حسرتوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کا سامنا رہا، اور بالآخر نہایت عبرت ناک ذلت آمیز موت سے ہم آغوش ہونا پڑا۔ اس کا مفصل حال قارئین درج ذیل سطور میں پڑھیں گے۔ ان حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف نوع کے عذاب ان پر وارد کیے گئے تاکہ انہیں خبردار کیا جائے کہ قادیانیت سے توبہ کر لیں مگر انہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا۔ سر ظفر اللہ 1893ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مرزا غلام احمد سے متاثر تھے اور قادیان آتے رہتے تھے۔ ظفر اللہ بھی کبھی کبھار ان کے ساتھ قادیان جانے لگے۔ حکیم نور الدین کی دور بین نظر نے لڑکے کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور ان کے والد کو خط لکھا کہ بیٹے کی بیعت کرا دو۔ یہ 1907ء کی بات ہے۔ پوسٹ کارڈ ظفر اللہ نے بھی پڑھا۔ جب والد کے ساتھ قادیان گئے، تو ان کا خیال تھا والد بیعت کے لیے کہیں گے۔ مگر نہ جانے کیوں انہوں نے بیٹے سے اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کہا۔ حتیٰ کہ واپس سیالکوٹ جانے لگے۔ لیکن ظفر اللہ پر چونکہ حکیم نور الدین کا اثر تھا، اس لیے ان کے خط کے پیش نظر ستمبر 1907ء میں مرزا غلام احمد کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ابتدائی تعلیم مشن سکول سیالکوٹ میں حاصل کر

کے 1911ء میں گورنمنٹ کالج سے گریجویشن کیا۔ 1911ء سے 1914ء تک کنگز کالج کیمبرج انگلینڈ میں پڑھے اور بیرسٹری پاس کی۔ نیز انگلستان، سوئٹزرلینڈ اور جرمنی کا سفر کیا۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظفر اللہ بچپن سے ہی مشن سکول، قادیانیت اور برٹش سامراج کے جال میں پھنس گئے۔ نوعمری میں ہی انگلینڈ میں انہیں اپنی خاص نگرانی میں انگریزوں نے اعلیٰ تربیت دی اور پھر ساری عمر اس لڑکے کی عقل، علم، ہوشیاری اور صلاحیتوں کو جس طرح چاہا استعمال کیا۔

یورپ سے واپسی کے بعد ظفر اللہ قدرے ماڈرن ہو گئے تھے۔ ان کا گھرانہ زمیندارانہ تھا۔ ان کے والد اپنے خاندان کی ایک سیدھی سادی لڑکی سے ان کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ جبکہ ظفر اللہ کسی ماڈرن لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن والد کے سامنے پیش نہ چلی اور مجبوراً شادی ہو گئی لیکن ظفر اللہ نے عملی طور پر اس لڑکی کو کبھی بیوی کے طور پر قبول نہ کیا۔ نہ اس سے میل جول رکھا۔ حتیٰ کہ 1926ء میں والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد سر ظفر اللہ نے اپنی مرضی سے ایک ماڈرن، تعلیم یافتہ، اپنی پسند کی تیز طرار لڑکی "بدر" سے شادی کر لی، جس سے ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی، جس کا نام امت الحئی ہے۔ اس کے بعد کوئی اور اولاد نہ ہوئی۔ سر ظفر اللہ کو نرینہ اولاد کی بہت خواہش تھی۔ اس کے لیے وہ ساری عمر بہت دعائیں، مجاہدے، خیرات، صدقے اور سب حیلے کرتے رہے۔ مگر نصیب میں بیٹا نہ تھا اور یہ نعمت قادیانی پیر اور برطانوی سامراج بھی دینے میں ناکام رہا۔ بعض بزرگوں نے تو ظفر اللہ سے کہہ دیا تھا کہ چونکہ تم نے پہلی بیوی سے اچھا سلوک نہیں کیا اور دوسری شادی والد کی مرضی کے خلاف کی، اس طرح اس کی روح کو دکھ پہنچایا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ تم سے سخت ناراض ہے اور تمہارے ہاں بیٹا نہیں ہوگا۔ اس ماڈرن بیوی نے ویسے بھی چودھری صاحب (سر ظفر اللہ) کو وہ تگنی کا ناچ نچایا کہ چودھری صاحب اس سے زیادہ تر دور ہی رہنے لگے۔ اور اپنے اور اپنے پیر و مرشد مرزا کی فیملی میں دلچسپی لینے لگے۔ مرزا بشیر الدین محمود، مرزا غلام احمد کے بیٹے جو کہ 1914ء میں قادیانیوں کے خلیفہ دوم بن چکے تھے۔ یہ سر ظفر اللہ کے قریباً ہم عمر تھے۔ مرزا بشیر الدین محمود بہت ہوشیار چالاک، تیز فہم آدمی تھے۔ انہوں نے شروع سے ہی ظفر اللہ سے یاری گانٹھ لی۔ ظفر اللہ کا بھی گھریلو چپقلش کے باعث اپنے گھر دل نہ لگتا تھا۔ اس لیے اپنے پیر کے لڑکے لڑکیوں میں دلچسپی لینے لگ گئے۔ یہ دلچسپی اتنی بڑھی کہ بیرون ملک سے پاکستان واپسی پر اپنے گھر کی بجائے مرزا محمود کے گھر ہی قیام کرتے۔ ادھر ان کی بیوی (والدہ امت الحئی) ان کی عدم توجہی سے شاکی رہنے لگی۔ غالباً 62ء میں اس نے ظفر اللہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور مشہور قادیانی سرمایہ دار شاہنواز سے شادی کر لی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ظفر اللہ کا بشریٰ ربانی، ایک فلسطینی سے شادی کا سلسلہ بن رہا تھا جو ان کی بیوی پر گراں گزرا ہو۔ جب سابقہ بیوی نے شاہنواز سے شادی کر لی تو ظفر اللہ نے جو شاید اسی موقع کے منتظر تھے، فوراً فلسطینی خوبرو دوشیزہ بشریٰ ربانی سے شادی رچالی۔ ظفر اللہ اس وقت ستر برس کے پیٹے میں

تھے اور بشریٰ ربانی نوعمر دوشیزہ تھی۔ اس شادی پر مرزا غلام احمد کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد نے قادیانی آرگن ''الفضل'' میں مضمون شائع کیا جس میں اس شادی پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور سب قادیانیوں سے بیٹے کی پیدائش کے لیے دعا کی درخواست کی اور خود بھی دعا کی کہ اللہ پاک چودھری صاحب (سر ظفر اللہ) کو بیٹا عنایت کرے۔

مگر وائے افسوس کسی قادیانی کی دعا اس بارے میں شرف قبولیت نہ پا سکی۔ ہو سکتا ہے اس طویل مہلت سے فائدہ اٹھا کر چودھری صاحب قادیانیت سے تائب ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ انہیں اولاد نرینہ سے بھی نواز دیتا۔ یہ تیسری شادی بھی بے ثمر رہی۔ بڈھا گھوڑا لال لگام کے مصداق خوبصورت فلسطینی دوشیزہ کی ان سے نبھ نہ سکی۔ شنید ہے کہ بشریٰ ربانی کا نوجوان ناکام منگیتر اس سے ملنے کسی نہ کسی بہانے آتا رہتا تھا اور اس نے چودھری صاحب پر پستول بھی اٹھایا تھا۔ بالآخر اس قسم کے ناگفتنی حالات کی بنا پر یہ شادی بھی ناکام ہوئی اور علیحدگی ہو گئی۔ اور ظفر اللہ بھری دنیا میں اکیلے بے یار و مددگار رہ گئے۔ ان کی بیٹی بھی اپنی ماں کا ساتھ دیتی تھی۔ اس لیے چودھری صاحب پر بیٹی کا گھر بھی بند تھا۔ مرزا محمود جو اُن کا پیر اور یار تھا، کئی سال سے مفلوج پڑا تھا۔ دو بھائی تکلیف دہ اموات سے مر چکے تھے اور چھوٹا بھائی اسد اللہ خان بھی فالج سے معذور تھا۔ کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ کہنے کو ان دونوں ہالینڈ میں ہیگ کی انٹرنیشنل کورٹ میں جج تھے بظاہر بڑی شان تھی لیکن اندرونی حالت یہ رہی کہ قریباً پندرہ سال ہالینڈ میں قادیانی مشن کے ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتے رہے اور اس کے بعد 1973ء سے 1983ء تک انگلینڈ کے قادیانی مشن کے ساتھ ایک کوٹھڑی میں گزارے۔ کوئی عزیز پرسان حال نہ تھا۔ قادیانی مشنریوں کی بیویوں اور لڑکیوں سے دل بہلاتے رہتے۔ اکثر جب وہ ہوائی جہاز سے اترتے تو ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی نوعمر لڑکا ہوتا۔ نوعمر لڑکوں سے ان کی دلچسپی مشہور عام تھی۔

ہم نے اوپر جو کچھ لکھا، وہ بلا ثبوت نہیں بلکہ اکثر باتیں قادیانیوں کی اپنی کتابوں، رسالوں، اخباروں میں ہی درج ہیں۔ مثال کے طور پر قادیانی ماہنامہ ''خالد'' کے ظفر اللہ خاں نمبر میں مرزا محمود کی سب سے چھوٹی بیوی ''مہر آپا'' چودھری ظفر اللہ سے اپنے تعلقات کا اظہار یوں کرتی ہیں:

''اپنی کوٹھی تعمیر ہونے سے قبل جب کبھی آپ حضرت فضل عمر (مراد مرزا محمود) سے ملاقات کے لیے آتے اور مرکز سلسلہ میں قیام فرماتے تو اپنے جس گھر میں حضور (مرزا محمود) کی باری ہوتی (مرزا محمود کی کئی بیویاں تھیں۔ ہر بیوی کے گھر باری باری جاتے) آپ بھی اسی گھر کے مہمان شمار ہوتے۔ جب کبھی مجھے آپ کی میزبانی کا موقع ملتا تو میں آپ کی بیماری کے پیش نظر مناسب غذا تیار کرواتی۔ ایک دفعہ آپ نے حضور سے کہا کہ مہر آپا میرے کھانے کا بہت تکلف سے اہتمام کرتی ہیں...... حضرت فضل عمر (مرزا محمود) کے سفر یورپ میں آپ تمام وقت حضور کے ساتھ ساتھ رہے۔ حضور کا تمام کام اپنے ہاتھ سے

کرتے۔آپ کا سامان خود اٹھاتے رہے کیونکہ وہاں ہمارے ہاں کی طرح سامان اٹھانے کے لیے قلی وغیرہ عام نہیں ہوتے...... دوران سفر وینس اٹلی پہنچے تو وہاں نہ کوئی قلی تھا نہ مزدور۔ حضرت چودھری صاحب نے تمام سامان اپنے کندھوں پر اٹھا اٹھا کر کار سے گنڈولے تک پہنچایا اور مسکراتے ہوئے فرمایا دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ اس قدر سامان نہ لے جائیں۔ خیر بیبیوں کو پتہ تھا ظفر اللہ ساتھ ہے۔ خود ہی سامان اٹھاتا پھرے گا۔ وہ (چودھری ظفر اللہ) اپنے حبیب حضرت فضل عمر (مرزا محمود) کے عشق ومحبت میں اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر سب کام کر رہے تھے''۔

اس طرح کے واقعات رائل فیملی (خاندان مرزا) کے لوگ بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں۔ جن سے بڑے بڑے قادیانیوں کی غلامانہ خدمات کا اظہار ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ عام قادیانی جب یہ پڑھے گا کہ ظفر اللہ جیسا پائے کا قادیانی بزرگ ''رائل فیملی'' کا اتنا غلام اور گر گر خدمت کرتا ہے تو وہ بھی ہر طرح غلامی اور خدمت میں ترقی کرے گا۔ نہ صرف خود بلکہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے بھی ''رائل فیملی'' کی خدمت کروائے گا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قادیانی اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو رائل فیملی کے افراد سے پردہ نہیں کرواتے اور ان کو مجبور کرتے ہیں کہ رائل فیملی کی ہر طرح تن من دھن سے سیوا کریں۔ ان کی اطاعت ایسے کریں جیسے کوئی چیز بے حس وحرکت ہو اور اس سے کچھ بھی کر گزرا جائے، وہ چوں نہ کریں۔ چنانچہ اسی ماہنامہ ''خالد'' کے ص 129 پر ایک قادیانی مسمی عبدالمالک، چودھری ظفر اللہ کی قادیانی خلیفہ مرزا ناصر سے ملاقات کا حال یوں بیان کرتے ہیں۔

''ملاقات کے دوران میں نے دیکھا کہ آپ حضور (مرزا ناصر) کے سامنے اس طرح سے کھڑے ہیں گویا کوئی چیز بے حس وحرکت ہے۔اس روز خاکسار نے اندازہ لگایا کہ ہم میں اطاعت کی وہ روح تاحال موجود نہیں جو امام کی قدر ومنزلت کے لحاظ سے ضروری ہے۔''

قارئین اندازہ لگائیں کہ ایک طرف تو قادیانی اپنے مذہب کو اصل اسلام کہتے ہیں اور اہل اسلام کو گمراہ اور کافر قرار دیتے ہیں اور اپنے تئیں اسلام کے اندر سے برائیاں دور کر کے صحیح اسلام پر کار بند قرار دیتے ہیں لیکن اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھیں کہ یہ کہاں کا اصلی اسلام ہے کہ اپنے آپ اور اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں غرضیکہ ہر چیز کو گدی نشینوں کے اس طرح قدموں میں ڈال دو کہ مکمل اطاعت ہو جس سے وہ جو چاہیں، کر گزریں۔ جائز ناجائز اور حلال وحرام کا فرق ہی نہ رہے۔ انسان کو خدائے لم یزل بنا لینا، قادیانی مذہب کا شیوہ تو ہو سکتا ہے، اسلام کا ہرگز نہیں۔ جن قادیانیوں کی بیویاں رائل فیملی کی خدمت سے انکار کر دیتی ہیں، ان کا حال وہی ہوتا ہے جو ظفر اللہ کی بیویوں کا ہوا کہ خاوند نے اپنا ایمان کامل مرزا پر ثابت کرنے کے لیے اپنی بیویوں کو چھوڑ دیا۔ قادیانی نبی اور ان کے خود ساختہ خلفا ہی نہیں، دیگر بعض نام نہاد دنیا پرست اور گدی نشینوں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی دولت مند اُن کے چکر میں پھنس جائے یا کار

آمد شخص مریدی کے جال میں آ جائے تو کوشش کر کے اس کو گھر بار سے متنفر کر کے اپنے ڈیرے کے لیے وقف کر لیتے ہیں تاکہ اس کی صلاحیتوں اور دولت سے اپنی ذات کے لیے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ یہی قادیانی ''خلیفہ'' مرزا محمود نے ظفر اللہ کے ساتھ کیا کہ اسے گھر بار سے متنفر کر کے اپنی ذات کے لیے اس سے نوکر چاکر کی طرح کام لیا اور ذاتی فائدے کے لیے اپنی فیملی کی مستورات تک کو اس کے سپرد کر دیا اور ظفر اللہ کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ حاصل کیا اور اس سے قادیانی مذہب کے لیے عالمی مبلغ کا کام لیا اور دنیا میں کئی جگہ ظفر اللہ کے ذاتی خرچ سے مشن ہاؤس تعمیر کروائے۔ اس سے ساری دولت وصیت نامے کے ذریعے قادیانی مشن (یعنی مرزا قادیانی کی آل اولاد جس کی وارث ہے) کے نام لکھوالی۔

''مہر آپا، جو مرزا محمود کی ساتویں بیوی تھیں، مرزا محمود کی عمر (61) سال کے قریب تھی اور مہر آپا قریباً 19 برس کی تھی۔ جب یہ شادی ہوئی، سر ظفر اللہ اپنی سروس کے دوران زیادہ تر یورپ میں ہی رہے۔ اپنی بیویوں، بیٹی، گھر بار کی تو کبھی خبر نہ لی لیکن مرزا محمود اور ان کی فیملی کو خوب سیر و سیاحت کراتے۔ ''مہر آپا'' میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ محترمہ اپنے مضمون میں آگے چل کر تحریر کرتی ہیں:

''اس احساس کے تحت کہ میں گوشت کی کوئی چیز نہیں کھا رہی، چودھری صاحب نے حضور سے کہا (حضور سے مراد مرزا محمود ہے) حضور! میں حسب سابق شرع کی پابندی ملحوظ رکھتے ہوئے مہر آپا کے لیے ایک خاص ڈش کا انتظام کرتا ہوں۔ ان کو وہ ضرور پسند آ جائے گی۔ یہ کہہ کر آپ نے اس ڈش کا آرڈر دیا۔ جب وہ ڈش تیار ہو گئی تو چودھری صاحب نے حضور سے کہا کہ یہ خاص طور پر مہر آپا کے لیے بنوائی گئی ہے۔ ان سے کہیں اب تو کھا لیں۔ ڈش دیکھنے میں خوش نظر تھی مگر میرا دل کسی طور راضی نہ ہوا اور میں نے ڈش چپکے سے چھپا دی......

......اسی طرح آسٹریا میں ایک دفعہ کھانے کا وقت ہوا تو ہم ہوٹل میں آ گئے۔ چودھری صاحب نے میرے لیے بھی انڈوں کا سوپ منگوایا۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ جب چودھری صاحب کو پتہ چلا کہ میں وہ نہیں پی رہی تو آپ نے ''زری خورم'' کہتے ہوئے پی لیا۔

ایک بار وینس میں چودھری صاحب نے ہم مستورات کے لیے کھلے سمندر کی سیر کا انتظام کیا...... صاحبزادی امت الجمیل، صاحبزادی امت المتین، (مرزا محمود کی صاحبزادیاں جو کہ دوسری بیویوں سے ہیں) اور میں سیر کے لیے گئے۔ سیر کے دوران چودھری صاحب بہت سے اہم تاریخی مقامات دکھاتے چلے گئے اور ساتھ ساتھ ان کا تاریخی پس منظر بھی بتاتے رہے۔''

مرزا محمود نے بھی ظفر اللہ کو خوب پھانسے رکھا۔ ایک دفعہ مرزا محمود نے میموں کا ڈانس دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو چودھری صاحب انھیں ایسی جگہ لے گئے جہاں میموں کا عریاں ڈانس ہو رہا تھا۔

مرزا محمود کا اپنا بیان ہے:

”جب میں ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب والا حصہ بھی دیکھوں۔ مگر قیام انگلستان کے دوران میں مجھے اس کا موقعہ نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آئے تو میں نے چودھری ظفر اللہ خان صاحب سے جو میرے ساتھ تھے، کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں۔ جہاں یورپین سوسائٹی عریانی سے نظر آ سکے۔ وہ بھی فرانس سے واقف تو نہ تھے مگر مجھے ایک اوپیرا میں لے گئے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ اوپیرا سینما کو کہتے ہیں۔ چودھری صاحب نے بتایا کہ یہ اعلیٰ سوسائٹی کی جگہ ہے جسے دیکھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کی کیا حالت ہے۔ میری نظر چونکہ کمزور ہے۔ اس لیے دور کی چیز اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا، کیا یہ ننگی ہیں۔ انھوں نے بتایا یہ ننگی نہیں بلکہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے، وہ ننگی معلوم ہوتی تھیں۔ تو یہ بھی ایک لباس ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے شام کی دعوتوں کے گاؤن ہوتے ہیں۔ نام تو اس کا بھی لباس ہے۔ مگر اس میں سے جسم کا ہر حصہ بالکل ننگا نظر آتا ہے۔“

(روزنامہ اخبار الفضل قادیان دارالامان مورخہ 24 جنوری 1934ء)

طوالت کے خوف سے صرف مختصر اقتباسات ہی درج کیے ہیں۔ قادیانیوں کے اپنے لٹریچر سے ثابت ہے کہ چودھری صاحب اپنے پیر اور ان کے کنبہ میں اس قدر مست تھے کہ انھیں اپنے گھر بار تک کا ہوش نہ تھا۔ اپنی 93 سالہ عمر میں 90 سال تک انھوں نے گھر کا رخ نہ کیا تا آنکہ صحت نے بالکل جواب دے دیا اور موت سر پر منڈلاتی نظر آنے لگی تو 1983ء میں بیٹی کے پاس لاہور آ گئے۔ اسی بیٹی کے گھر ان کی سابقہ بیوی بھی رہتی تھی۔ ساری عمر بیٹی کے گھر نہ ٹھہرتے تھے کہ ماں کو وہاں سے نکالو۔ مگر بیٹی اس کے لیے تیار نہ ہوئی۔ آخر مرن کنارے ذلیل ہو کر اسی بیٹی اور سابقہ بیوی کے سامنے اسی کے گھر رہ کر چل بسے۔

بعض اور مشہور نامور مسلمان ہستیاں مثلاً مولانا محمد حسین بٹالوی، سر فضل حسین، شیخ تیمور وائس چانسلر خیبر یونیورسٹی، ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی، میر عباس علی لدھیانوی، مولانا لال حسین اختر، زیڈ اے سلہری وغیرہ بھی شروع میں قادیانی تحریک سے متاثر ہوئے لیکن اپنی خداداد ذہانت اور بصیرت کے باعث وہ جلد ہی قادیانیت کے جال سے نکل گئے۔ اہل اسلام کو اور خاص کر ہندوستان کے نامور مسلمان لیڈروں کو سر ظفر اللہ سے بھی امید تھی کہ وہ جلد یا بدیر دوبارہ اہل اسلام میں واپس شامل ہو جائیں گے مگر جیسا کہ اوپر کے حالات سے معلوم ہوتا ہے، مرزا محمود نے ان کے اردگرد ایسا تانا بانا بُن دیا تھا کہ وہ اس میں سے نکل نہ سکے۔ مرزا محمود کو بھی دھڑکا تھا کہ سر ظفر اللہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس لیے وہ چودھری صاحب پر ہر طرح کی نوازشات کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ بڑے بڑے پاکستان کے شہر مثلاً لاہور اور کراچی کی امارت ہمیشہ کے لیے چودھری صاحب کے خاندان کے نام کر دی۔ یعنی لاہور اور کراچی کی قادیانی جماعتوں کا سربراہ (جسے امیر جماعت کہا جاتا ہے) ہمیشہ چودھری ظفر اللہ کے خاندان سے ہو۔ چنانچہ لاہور کا پہلا امیر جماعت

چودھری ظفر اللہ کا چھوٹا بھائی چودھری اسد اللہ رہا۔ جب وہ مفلوج ہو گیا تب سے چودھری ظفر اللہ کا بھتیجا اور داماد حمید نصر اللہ لاہور کی قادیانی جماعت کا امیر ہے۔ اسی طرح کراچی کی جماعت کا امیر سرظفر اللہ کا بھائی چودھری عبداللہ خان ساری عمر رہا۔ جب وہ بلڈ کینسر کی بیماری میں مبتلا ہو کر 1959ء میں مر گیا تو ان دنوں شیخ رحمت اللہ نائب امیر تھا۔ وہ چودھری عبداللہ کی موت کی وجہ سے امیر جماعت ہو گیا۔ اس پر چودھری خاندان نے احتجاج کیا۔ چنانچہ فوری طور پر ربوہ سے مرزا محمود نے ایک وفد، مولوی اللہ دتہ جالندھری، مولوی جلال الدین شمس اور مولوی غلام احمد فرخ (جو چوٹی کے قادیانی مربی تھے) پر مشتمل، کراچی بھیجا جس نے سمجھا بجھا کر نیز کچھ لوگوں سے الزامات لگوا کر شیخ رحمت اللہ کو امارت سے علیحدہ کیا اور اس کی جگہ چودھری ظفر اللہ کے قریبی عزیز چودھری احمد مختار کو امیر جماعت کراچی نامزد کر دیا۔ جو تب سے امیر چلا آ رہا ہے۔ یہاں یہ امر بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ قادیانی قوانین کے مطابق کوئی امیر جماعت تین سال سے زائد نہیں رہ سکتا۔ تین سال بعد انتخابات کر کے دوسرا امیر بنانا ہوتا ہے لیکن چودھری احمد مختار 26 سال سے امیر جماعت چلا آ رہا ہے۔

اسی طرح لاہور کا امیر جماعت چودھری ظفر اللہ کا بھتیجا ہے جو سالہا سال سے امیر جماعت چلا آ رہا ہے۔ اگر کسی جماعت کا امیر قادیانی خلیفہ کی مرضی کا نہ منتخب ہو تو وہ اس کا انتخاب کالعدم قرار دے کر اپنا کوئی پٹھو نامزد کر دیتا ہے۔ ان خاندانی مراعات کے علاوہ ظفر اللہ خان کو پوری دنیا میں قادیانی سرکاری ترجمان کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ جس ملک میں بھی جاتے، قادیانی مشن کا پورا عملہ ان کے استقبال اور خدمت کو حاضر رہتا۔ وہ مشن ہاؤس میں رہتے اور وہاں کے مشنری اور ان کے بیوی بچوں کا فریضہ ہوتا کہ وہ ان کی ہر خدمت کریں۔ چنانچہ ہیگ میں عالمی عدالت کے جج کے دوران وہ ہیگ کے قادیانی مشن ہاؤس میں پندرہ سال 1958ء سے 1973ء تک قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد لندن کے قادیانی مشن ہاؤس میں فروری 1973ء سے 1983ء تک قیام پذیر رہے۔ قادیانی مشنری بھی اپنے خلیفے کی خوشنودی کے لیے اپنی فیملی کو چودھری صاحب کی سیوا کے لیے وقف کر دیتے۔ چنانچہ ہالینڈ کے قادیانی مشنری اپنے نوعمر بیٹے سے سرظفر اللہ کے لگاؤ اور بے تکلفی کا اظہار فخریہ یوں کرتے ہیں ''ایک دفعہ میرا بیٹا عزیزم عزیز اللہ جب ہالینڈ آیا تو حضرت چودھری صاحب اسے مشن ہاؤس میں اپنا کمرہ دکھانے لگے..... میرے لیے یہ امر خوشی کا باعث ہے کہ حضرت چودھری صاحب کا سلوک میرے لڑکے عزیزم عزیز اللہ کے ساتھ بھی بڑا مشفقانہ تھا۔ آپ ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھتے اور آپ بعض دفعہ بڑی بے تکلفی سے اس کے ساتھ گفتگو فرماتے۔''

لندن کے قادیانی مشن کے مشنری کی بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں۔

''اس عاجزہ کو متواتر دس سال حضرت چودھری صاحب کی خدمت کی توفیق عطا ہوئی۔ یوں تو 1959ء سے ہی حضرت چودھری صاحب سے اس تعلق کا آغاز ہوا۔ آپ ان دنوں جب بھی لندن تشریف

لاتے، ہمارے ہاں تشریف لاتے اور ایک وقت کا کھانا ضرور ہمارے ساتھ تناول فرماتے لیکن 1973ء میں جب ہیگ سے مستقلاً نقل مکانی کر کے لندن تشریف لائے تو لندن مشن کے ایک فلیٹ میں، جو ہمارے فلیٹ سے ملحق تھا، رہائش پذیر ہوئے۔

جب میری بچی امت الجمیل کی شادی ہوئی تو آپ روزانہ ہی شادی کے انتظامات کے بارے میں دریافت فرماتے۔ شادی سے چند روز قبل فرمایا...... میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اسے کوئی اچھا سا تحفہ پیش کروں کیونکہ اس نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ میری دوسری بیٹی امت النصیر کی شادی پاکستان آ کر ہوئی۔ رخصتانہ سے قبل آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ امت النصیر سے الگ ملنا چاہتے ہیں۔ اس کا انتظام کر دیا گیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے...... الخ۔

ہمارے پاکستان آنے کے بعد حضرت چودھری صاحب جب بھی ربوہ تشریف لاتے ہمارے گھر ضرور قدم رنجہ فرماتے۔ میرے خاوند نے کئی بار اصرار بھی کیا کہ آپ کو ہمارے ہاں آنے سے زحمت اٹھانی پڑتی ہوگی۔ اس لیے آپ جب ربوہ تشریف لائیں تو ہمیں اطلاع فرما دیں ہم حاضر ہو جائیں گے لیکن نہ مانتے۔'' (ایضاً ص 164-163)

طوالت سے بچنے کے لیے مختصر اقتباسات دیے گئے ہیں۔

سو قارئین حضرات! یہ وہ حالات تھے جن میں مست ہو کر ظفر اللہ صاحب ساری عمر اپنا گھر بار، بیویاں بچی تج کر قادیانیت اور رائل مرزا فیملی کے بندۂ بے دام بنے رہے۔ کاش کہ وہ اپنی ساری صلاحیتیں اور دولتیں اور عقیدتیں اس چھوٹے سے قادیانی سازشی گروہ پر نچھاور کرنے کی بجائے آنحضرت ﷺ کی عقیدت ومحبت اور پوری دنیائے اسلام اور امت محمدیہ کے لیے وقف کر دیتے۔ اس طرح وہ دین و دنیا اور آخرت سب میں سرخرو ہو جاتے۔ مگر انھوں نے سمندر کی وہیل بننے کے بجائے کنوئیں کا مینڈک بننے کو ترجیح دی اور بہمہ صلاحیت وعقل و دانش گھریلو زندگی میں بھی نامرادی میسر آئی اور جس تحریک کے لیے تن من دھن حتیٰ کہ اپنا مذہب دین اسلام چھوڑ بیٹھے تھے، اس کا بھی مرنے سے پہلے حسرت ناک انجام دیکھ لیا اور موت ایسے عبرت ناک حالات میں ہوئی کہ غیر مسلم قرار پا چکے تھے اور ان کا پیرومرشد فرار ہو کر اپنی ولی نعمت ملکہ کی آغوش میں لندن پناہ لے چکا تھا۔

چودھری ظفر اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ خسیس ہونے کی حد تک کنجوس تھے۔ ان کی خساست کے بہت سے دلچسپ واقعات ان کے نہایت قریبی عزیزوں اور دوستوں نے بیان کیے ہیں۔ جن میں سے نمونے کے طور پر چند ایک قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش خدمت ہیں۔

1- پرنسس عابدہ سلطان آف بھوپال اقوام متحدہ امریکہ میں چودھری صاحب کی رہائش گاہ کا احوال یوں بیان کرتی ہیں ''چوتھی منزل کے اوپر ایک بہت ہی چھوٹا سا کمرہ تھا۔ اس میں ایک ٹوٹا پھوٹا

سا پلنگ پڑا تھا اور دوسری عام ضروریات بھی اچھی طرح مہیا نہ تھیں۔ میں یہ حالت دیکھ کر سمجھی کہ غالباً یہاں چوکیدار رہتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ بھئی یہ کس کا کمرہ ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں پاکستان کے وزیر خارجہ رہتے ہیں...... مجھے تو بہت برا لگا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ ان کو اتنا الاؤنس ملتا ہے، اتنی تنخواہ ملتی ہے، ان کے سارے اخراجات گورنمنٹ ادا کرتی ہے اور یہ ایسی پھٹیچر جگہ پڑے ہوئے ہیں اور یہ بات ہماری بدنامی کا باعث ہے کہ ہمارا وزیر خارجہ اس طرح پڑا ہوا ہے...... چونکہ میرے اور ان کے بہت بے تکلفی کے اور برسوں پرانے تعلقات تھے۔ چنانچہ پہلی فرصت میں، میں نے ان سے بہت جھگڑا کیا۔ میں نے کہا ظفر اللہ صاحب آپ کو کوئی عار محسوس نہیں ہوتی کہ آپ اس طرح پڑے ہوئے ہیں۔" (قادیانی ماہنامہ "خالد" دسمبر 85ء)

-2 چودھری ظفر اللہ خود بھی کہا کرتے تھے کہ میرے بارے میں مشہور ہے کہ یہ شخص کنجوس ہے۔ پاکستان کے وزیر خارجہ ہونے کے دوران ایک دوست آپ کے دفتر کے باتھ روم میں گئے اور دیکھا کہ ایک پرانے صابن کے ٹکڑے کے ساتھ نیا صابن جڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہوئے اور اس کا ذکر مکرم چودھری صاحب سے کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے۔ میں پرانا بچا ہوا صابن بھی ضائع نہیں کرتا بلکہ اسے نئے صابن سے جوڑ کر استعمال کرتا ہوں۔" (ایضاً،ص 123)

-3 چودھری صاحب کے بھتیجے ادریس نصر اللہ بیان کرتے ہیں "ایک دفعہ ایک عزیز نے پوچھا آپ کے پاس رومال ہے، فرمایا ہاں ہے اور اپنا رومال دے دیا۔ اس نے سارے رومال سے اپنے دونوں ہاتھ پونچھ لیے۔ نہایت شفقت سے فرمایا آپ کو دراصل تولیہ کی ضرورت تھی۔ رومال تو ہنگامی ضرورت کے لیے ہے۔ پھر فرمانے لگے "میں رومال کی مختلف تہیں کر کے ایک تہہ عموماً ایک ہفتہ استعمال کرتا ہوں اور پھر دوسری اور پھر تیسری اور اس طرح ایک دھویا ہوا رومال تقریباً دو ماہ کفایت کرتا ہے۔ میرے پاس دو رومال ہیں اور جس دوست نے یہ رومال تحفتاً دیے تھے، ان کی وفات کو 27 سال ہو چکے ہیں۔" اسی طرح ایک دفعہ فرمایا "میں اپنے رومال، بنیان، جراب اور قمیض وغیرہ ہالینڈ میں خود دھوتا ہوں۔" (یہ ان کی ناکام اور پریشان کن ازدواجی اور گھریلو زندگی کے انتشار کا خمیازہ بھی تھا) جبکہ اس وقت ان کی ماہوار آمدن تقریباً 60 ہزار روپے سے زائد تھی۔ (ایضاً،ص 130)

-4 فرمایا کہ "میری والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ جب تم کوئی قمیض پہننی ترک کر دیتے ہو تو پھر وہ کسی کام کی نہیں رہتی۔" (ایضاً،ص 169)

-5 ایک دفعہ گلے کا بٹن کپڑے پہنتے ہوئے گر گیا۔ برادرم مکرم حمید صاحب اسے ڈھونڈنے لگے تو فرمایا "تم رہنے دو میں خود ڈھونڈتا ہوں۔ تم ابھی کہہ دو گے کہ نہیں ملتا، اور لا دیتا ہوں اور

میرے پاس یہ بٹن 45 سال سے ہے۔" (ایضاً، ص 130)

6- ایک دفعہ فرمانے لگے کہ "ہالینڈ میں صبح کے ناشتے کے لیے وہ انڈہ استعمال کرتا ہوں جس میں دو زردیاں ہوتی ہیں۔ ایک زردی میں ایک دن کھاتا ہوں اور دوسری اگلے روز۔" (ایضاً، ص 153)

7- "آپ اپنی ذات پر بالکل نہ ہونے کے برابر خرچ کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ موسم سرما کے شروع میں لندن سے لاہور تشریف لانے والے تھے۔ مجھے محترمہ امت الحئی بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ ابا تشریف لا رہے ہیں اور ان کا کوٹ بہت بوسیدہ ہو چکا ہے۔ اسے بھجوا رہی ہوں۔ اسے مرمت کروا دیں۔ کوٹ کا نہ صرف استر پھٹ چلا تھا بلکہ بیرونی کپڑے میں بھی جگہ جگہ سوراخ ہو چکے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نئے کپڑے کے چند نمونے بھجوا رہا ہوں۔ آپ پسند کر لیں۔ میں ابا حضور کی آمد سے پہلے درزی سے نیا کوٹ سلوا دوں گا۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا رشید! یہ ناممکن ہے۔ ابا ہرگز نیا کوٹ نہیں پہنیں گے۔ بلکہ ہم پر شدید ناراض ہوں گے اور ایسا ہی واقعہ آپ کے ایک جوتے کی مرمت کا بھی ہے۔" (ایضاً، ص 148)

8- عبدالکریم صاحب آف لندن بیان کرتے ہیں "حضرت چودھری صاحب نے ایک دفعہ ان کی بڑی بیٹی عزیزہ صادقہ کو اپنی ایک قمیص بھجوائی کہ اس کا کالر پھٹ چکا ہے، اسے الٹ دیں۔ جب کئی دن گزر گئے اور قمیص درست ہو کر نہ آئی تو حضرت چودھری صاحب نے فرمایا کہ قمیص ابھی تک درست ہو کر واپس کیوں نہیں آئی۔ اس پر عزیزہ نے جواب دیا کہ اس قمیص کا کالر تو پہلے ہی الٹایا جا چکا ہے۔ اب اسے مزید الٹانے کی گنجائش نہیں۔" (ص 72)

9- محترم مولانا شمس صاحب نے پوچھا، کیا بات ہے چائے میں کیا دیر ہے؟ جواب دیا دودھ پھٹ گیا ہے۔ چودھری صاحب نے فرمایا کہاں ہے لے آؤ۔ جواب ملا پھینک دیا ہے۔ چودھری صاحب نے فرمایا...... پھٹے ہوئے دودھ اور دہی میں کیا فرق ہے۔ مگر انسان ایک کو ضائع کر دیتا ہے۔ دوسرے کو شوق سے کھاتا ہے۔ پھر ایک واقعہ سنایا کہ میں چند دن کے لیے لندن سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس دوران میرے میزبان ڈاکٹر آسکر بر دبلر کو باہر جانا پڑا۔ وہ جانے سے پہلے گھر میں موجود اشیائے خوردنی کی ایک فہرست میز پر رکھ گئے۔ میں واپس آیا تو دیکھا کہ دہی پر اُلی لگی ہوئی ہے۔ میں نے وہ ہٹا کر دہی کھا لی۔ جو دوست چائے پلا رہے تھے، انھوں نے بڑی حیرت سے کہا چودھری صاحب آپ نے اُلی (پھپھوندی) لگا ہوا دہی کھا لیا۔ محترم چودھری صاحب نے بڑے پیار سے جواب دیا، ہاں کھا لیا۔ (ص 73)

سر ظفر اللہ نے لاکھوں کروڑوں کمائے مگر خود اچھا کھانا اور اچھا پہننا تک نصیب نہ ہوا اور یہ دولت کبھی کسی غریب قادیانی کی معیبت دور کرنے کے کام نہ آئی بلکہ ساری دولت جائداد مرزا کے خاندان

(رائل فیملی) کے لیے وقف ہوگئی۔ نیز اپنی آل اولاد پسماندگان کے نام بھی کچھ نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے سر ظفر اللہ کو علم و عقل و دانش اور اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا۔ ان کو طویل مہلت قریباً ایک صدی کی دی۔ (93 سال) کہ وہ قادیانی تحریک کا اندر اور باہر اچھی طرح چھان پھٹک کر پرکھ لیں اور تائب ہو کر دین اسلام کی طرف پلٹ آئیں۔ مگر انھوں نے ہمہ صلاحیت و دانش اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا اور طرح طرح کے عذاب جو مختلف ناکامیوں، نامرادیوں، عزیزوں کی بیماریوں اور قادیانیت کے زبردست زوال اور دیگر مصائب جھیل کر بالآخر ایک حسرت ناک اور المناک موت مرے۔ اس عذاب کی ایک جھلک درج ذیل ہے:

1- پہلی شادی کے موقع پر والد سے جھگڑا۔

2- خلاف مرضی والد سے دب کر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔

3- پہلی بیوی سے نہ بنی۔ اس کی ساری عمر خبر نہ لی۔ کبھی میل جول نہ رکھا۔ اس بے گناہ کی بددعائیں لیں۔

4- والد کے مرتے ہی اپنی مرضی کی ماڈرن دوشیزہ سے شادی کی مگر اس نے ظفر اللہ کا ناک میں دم کر دیا کہ بیوی کے پاس رہنا مشکل ہو گیا۔ اس بیوی نے بے وفائی کر کے ایک دوسرے شخص شاہنواز سے شادی رچالی۔

5- بہت چلے کاٹے مگر نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ بیٹے کی تمنا ساری عمر تڑپاتی رہی۔

6- بیویوں سے ان بن رہنے سے مرزا محمود کی فیملی میں دلچسپی لینے لگے اور مرزا فیملی نے ہر طرح کا لاسہ ڈال کر ساری دولت اور جائداد بٹور لی اور زندگی بھر اس دولت اور صلاحیت کو جس طرح چاہا، استعمال کیا۔ غلام اور ذلیل بنا کے رکھا۔ قلیوں تک کا کام لیا۔

7- ساری عمر نہ اچھا کھانا نہ اچھا پہننا نصیب ہوا۔ دولت اور جائداد میں سے پسماندگان کو کچھ نصیب نہ ہوا۔ یعنی ایک دیمک زدہ بے ثمر درخت اہل خانہ اور پسماندگان کے لیے ثابت ہوا۔

8- اوائل جوانی میں اپنے نوجوان بھائی شکر اللہ کی وفات کا صدمہ دیکھا۔

9- 1959ء میں ظفر اللہ کا سب سے چہیتا بھائی عبداللہ خان بلڈ کینسر سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرا۔

10- ظفر اللہ کا ہمدم ہمراز اور پیر و مرشد مرزا محمود پر سن 53ء میں قاتلانہ حملہ ہوا جس کو لے کر یورپ میں جگہ جگہ علاج کے لیے مارا مارا پھرنا پڑا مگر معمولی افاقہ ہونے کے بعد فالج کا حملہ ہوا اور نو سال تک مفلوج ہو کے پھٹے پر پڑا رہنے کے بعد عبرتناک موت مرا۔ (یاد رہے مرزا غلام احمد نے فالج کو جھوٹوں اور لعنتیوں کی بیماری لکھا ہے)

11- باوجود مرزا محمود کے دست راست ہونے کے گدی نشینی کے وقت ظفر اللہ کو کسی نے نہ پوچھا اور

مرزا محمود وصیت کر گیا کہ آئندہ خلیفہ صرف اس کی اپنی اولاد میں سے ہوگا۔

-12 چھوٹا بھائی اسد اللہ خاں 15 سال تک بعارضہ فالج معذور پڑا رہنے کے بعد ظفر اللہ کی مرگ کے قریبی دنوں میں مرا۔

-13 بڑھاپے میں تیسری شادی فلسطینی دوشیزہ سے کی۔ اس کے منگیتر اور ساری دنیا سے جگ ہنسائی کروائی۔ قادیانی پیشواؤں کی دعائیں بیٹے کے لیے قبول نہ ہوسکیں۔

-14 قادیانیت کا عبرت ناک زوال دیکھا۔ 1914ء میں جماعت کے دو ٹکڑے ہوئے۔ علمائے اسلام کی طرف سے کفر کے فتوے، بالآخر اقلیت قرار پائے۔ مرنے کے وقت صورت حال یہ تھی کہ پوری دنیائے اسلام کا اجماع ہو چکا تھا کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ کلمہ، نماز، مساجد اور شعائر اسلام کا استعمال ممنوع ہو چکا تھا۔ پیر و مرشد مرزا طاہر مفرور ہو چکا تھا۔ بعض قادیانی پھانسی کی سزا پا چکے تھے۔

-15 اکلوتی بیٹی امت الحیٔ کی شادی ناکام ہوگئی۔ اس کی پہلی شادی ڈاکٹر اعجاز احمد قادیانی سے ہوئی تھی مگر شادی کے بعد ہی ان بن رہنے لگی۔

معروف سکالر اور سابق قادیانی جناب منیر الدین احمد اپنی آپ بیتی ''ڈھلتے سائے'' میں رقم طراز ہیں:

''چوہدری ظفر اللہ خان کے بھائی چوہدری عبداللہ خان کے بیٹے حمید نصر اللہ کا رشتہ ''خاندانِ نبوت'' کی ایک لڑکی سے طے پایا تھا۔ نکاح خود مرزا بشیر الدین محمود احمد نے پڑھایا تھا اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا تھا کہ جماعت کے دو سرکردہ خاندان اس رشتے کے سبب زیادہ قریب آ جائیں گے۔ مگر رخصتی والے روز، جب مرزا فیملی کے سب لوگ ربوے میں جمع تھے، برات کراچی سے نہیں آئی تھی۔ حمید نصر اللہ خفیہ طور پر اپنی کزن امتہ الحیٔ سے محبت کرتا تھا جو چوہدری ظفر اللہ خان کی بیٹی تھی۔ امتہ الحیٔ اس زمانے میں ایک دوسرے شخص (ڈاکٹر اعجاز احمد) کے ساتھ بیاہی ہوئی تھی۔ بعد میں اس نے اپنے والد کی مرضی کے خلاف خاوند سے طلاق لے کر حمید نصر اللہ کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ اس کا پہلے خاوند سے، جو ہجرت کر کے آسٹریلیا چلا گیا تھا، ایک بیٹا تھا جو لاہور میں ماں کے پاس رہتا تھا۔ چند برس ادھر اس کو کسی نے ان کے گھر میں گھس کر قتل کر دیا تھا۔ حمید نصر اللہ نے ''خاندانِ نبوت'' کی لڑکی کو جس طرح ٹھکرایا تھا، اس کی سزا سے وہ صاف بچ گیا تھا۔ اگر اس کی جگہ پر کوئی دوسرا ہوتا تو اس کو اور اس کے خاندان کو جماعتِ احمدیہ سے خارج کرنے کے علاوہ اس کا سوشل بائیکاٹ کر دیا جاتا۔ حمید نصر اللہ برسوں سے جماعت احمدیہ لاہور کا امیر ہے۔''

امتہ الحئی 5 نومبر 2004ء کو رات ساڑھے بارہ بجے مختلف موذی بیماریوں اور وحشت کی نشانی بن کر نہایت بھیانک موت سے ہمکنار ہوئی۔ گھریلو لڑائیوں اور باہمی چپقلش کی وجہ سے اس کی اولاد نے آخری رسومات میں شرکت نہ کی۔

16- عبرت ناک موت: جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ظفر اللہ کی دوسری بیوی نے 1960ء میں علیحدگی حاصل کر کے شاہنواز قادیانی سے شادی کر لی تھی۔ مگر یہ شادی چند سال تک ہی نبھی اور اس عورت نے شاہنواز سے بھی طلاق حاصل کر لی اور اپنی بیٹی امت الحئی (جو ظفر اللہ سے تھی) کے ساتھ رہنے لگ گئی۔ سر ظفر اللہ اپنی بیٹی اور سابقہ بیوی کے گھر جانا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اس لیے پاکستان آتے تو ربوہ میں مرزا فیملی کے مہمان بنتے اور مرزا محمود اور ان کے گدی نشینوں کے ہاں ہی رہائش رکھتے لیکن نومبر 83ء میں لندن میں صحت بہت خراب رہنے لگی اور آخری وقت نظر آنے لگا تو قادیانی رائل فیملی کی شدید سرد مہری کی وجہ سے مجبوراً اپنی بیٹی اور سابقہ بیوی کے پاس وطن واپس آنے کا ارادہ کیا۔ لندن میں اپنے دوستوں سے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ دوست بھی حیران ہوئے کیونکہ سب سمجھتے تھے کہ ظفر اللہ کا گھر اور ٹھکانہ تو لندن ہی ہے۔ اس لیے احباب نے کہا اب آخر وقت میں جا کر کیا کرو گے۔ یہیں رہ جاؤ۔ بقول شاعر ؎

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں غالب
آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

چنانچہ جب ایک خاص محب منصور بی ٹی نے پوچھا کہ چودھری صاحب یہ کیا سن رہا ہوں تو سر ظفر اللہ نے جواب دیا "Mansoor I do not like to go in a box" میں تابوت میں بند ہو کر واپس جانا نہیں چاہتا۔ صحت اس قدر خراب ہو چکی تھی کہ Wheel Chair پہیوں والی کرسی سے جہاز میں لے جایا گیا اور لندن سے لاہور پہنچ کر اپنی سابقہ بیوی اور بیٹی کے ہاں قیام پذیر ہوئے اور اپنی ساری عمر کی بے رخی پر بہت روئے دھوئے۔ اپنی بیٹی اور اس کے بچوں سے التجا کی کہ اب ہر وقت اور کھانے کی میز پر سب ان کے ساتھ اکٹھے کھانا کھایا کریں اور اپنی سابقہ بیوی کی طرف دیکھ کر فرمایا ''اگر آپ بھی اس پروگرام میں شامل ہو جائیں تو یہ مجھ پر عنایت ہوگی۔'' (ص 47 ظفر اللہ نمبر) لیکن سابقہ بیوی نے ان کے کسی پروگرام میں شرکت نہ کی بلکہ ان سے کلام تک نہ کیا اور یہ حسرت دل میں ہی رہ گئی۔ لندن سے نومبر 83ء میں سخت جان کنی کی حالت میں لاہور آئے کہ بچوں کے سامنے آرام سے جان دیں گے مگر جان بھی آسانی سے نہ نکلی۔ دو سال سخت تکلیف میں مبتلا رہے۔ آخری دو ماہ تقریباً مسلسل بے ہوشی کی حالت میں گزارے اور کبھی ہوش میں آتے تو سخت اضطراب اور گھبراہٹ میں ہوتے۔ ایک دم چلاتے اور کبھی شدید غصے میں برسنے لگ جاتے۔ کبھی شدت بیماری سے طبیعت بے چین ہو جاتی اور راتوں کو نیند نہ آتی۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ اس جہاں سے سب کو جلد یا بدیر جانا ہے مگر بعض لوگوں کی موت بھی تازیانہ عبرت ہوتی ہے، ایسی ہی عبرتناک موت سے آنجہانی سرظفراللہ خاں کو دوچار ہونا پڑا۔ اور بستر مرگ پر اس نے جس طرح تڑپ تڑپ کر وقت گزارا، اسے سپردِ قلم کرنا مشکل ہے۔ اس کے سائے سے پرائے تو پرائے، اپنے بھی بھاگتے رہے۔ آخرت کی سزا یقیناً سخت ہے۔ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اسے جو سزا دی ہے، وہ جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی کی ذریت اور اس کے پیروکاروں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ سرظفراللہ کی موت جن حالات میں واقع ہوئی اور جس طرح ذلت و رسوائی اس نے دیکھی، وہ اس کے پیشروں سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ کیا یہ ذلت و رسوائی کم ہے کہ ایک شخص مسلسل ڈیڑھ سال تک چارپائی پر ایڑیاں رگڑتا رہا۔ 1983ء میں وہ ڈسکہ میں شدید بیمار ہوا تو ربوہ کے امور عامہ کے محکمے نے ان کی قبر بھی کھود دی تھی کیونکہ اس کی عبرتناک بیماری کو دیکھ کر قادیانیوں کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ پل دو پل کا مہمان ہے۔ لیکن یہ خدائی عذاب طویل ہوتا چلا گیا۔

آخری دنوں کی کیفیت ان کی بیٹی امت الحئی یوں بیان کرتی ہیں ''ایک مہینہ اور 10 دن کی اس آخری بیماری میں پہلے پانچ دن تو آپ مکمل بے ہوش رہے۔ ان کی گرتی ہوئی صحت بلکہ ٹمٹماتی ہوئی زندگی نے ان کے کمرے کا جو ماحول بنا رکھا تھا، اس کو برداشت کرنا میرے لیے ناممکن ہو رہا تھا۔ (گویا بیٹی بھی اس انتظار میں تھی کہ باپ مرے تو سکھ کا سانس لیں)...... وصال سے کوئی سات آٹھ گھنٹے قبل ہر روز انھیں کئی کئی دفعہ مکمل ہوش آ جاتا تھا...... آنکھوں سے آنسوؤں کی مسلسل بارش جاری ہوتی تھی...... مرض الموت کے آخری ہفتہ میں آپ بہت سنجیدہ ہو گئے اور چہرے پر ایسا اثر رہنے لگ گیا کہ بیہوش بھی ہوتے تھے تو کچھ کہنے سے پہلے یا کوئی دوا دینے سے پہلے ہم لوگوں کو گھبراہٹ ہوتی تھی کہ کہیں ہوش آ گیا تو طبیعت پر ناگوار نہ گزرے (یعنی ایسی دہشت ناک حالت تھی کہ لواحقین بے ہوشی میں بھی قریب پھٹکتے ڈرتے تھے) اس عرصہ میں جب بھی ہوش میں آتے تو صرف حضور (مرزا طاہر) کے بارے میں پوچھا کرتے۔ (پیرومرشد کی دربدری جانکنی میں کتنی تکلیف دیتی ہوگی العیاذ باللہ) میری طرف دیکھتے رہتے۔ میں انھیں بوسہ دیتی مگر وہ کچھ نہ کہتے۔ عائشہ کی عادت بھی میری طرح تھی۔ ایک دن میں نے عرض کی کہ میں ترس گئی ہوں، خدا کے لیے کچھ تو کہیے تو فرمایا "**Darling the century is over**" (ص 46، ظفر اللہ نمبر)

قانون قدرت کے مطابق ہر اوج کے لیے پستی اور ہر کمال کے لیے زوال مقدر ہے۔ لیکن سرظفراللہ کے اوج کمال کے مقابل اس کے زوال و پستی کا منظر اس قدر دردناک ہے کہ اس کے زمانہ عروج کی خباثتیں دھندلی پڑ جاتی ہیں۔ جولائی 1985ء میں وہ شدید علیل ہو گیا۔ اس کی بھوک کی خواہش زائل ہو چکی تھی۔ میڈیکل رپورٹوں کے مطابق اس کے معدہ میں رسولی تھی جسے آپریشن کے ذریعے نکالنا جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا۔ کئی دنوں تک اس پر ہذیانی کیفیت طاری رہی۔ وہ گھنٹوں شدت درد سے کراہتا اور پھر لاش کی طرح

بے جان ہو جاتا۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے کسی نے اس کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا ہو۔

اگست 1985ء کے آخری عشرہ میں اس پر فالج کا بدترین حملہ ہوا۔ کوئی دوا اور دعا کارگر ثابت نہ ہوئی۔ اس کا جسم سوکھ گیا۔ رنگ سیاہ پڑ گیا اور آنکھیں باہر نکل آئیں۔ وحشت کے مارے کوئی اس کے قریب نہ جاتا۔ اسی عبرتناک اور وحشت انگیز کیفیت میں یکم ستمبر 1985ء کو پرلوک سدھار گئے۔

شخصے کہ سوئے جہنم روانہ شد

4 ستمبر کو حکومتی سرپرستی میں اس کی ارتھی لاہور سے ربوہ پہنچی اور وہ دوسرے قادیانی خلیفہ مرزا محمود کے ساتھ دفن ہوا۔ حال ہی میں مرزا بشیرالدین محمود کی قبر سے یہ کتبہ اتارا گیا ہے جو سالہا سال اس کے سرہانے لگا رہا۔ جس پر تحریر تھا کہ جب حالات سازگار ہو جائیں تو میری میت کو یہاں سے نکال کر قادیان میں دفن کیا جائے۔ تمام قادیانی جو ربوہ میں دفن ہیں، وہ امانتاً دفن کیے گئے ہیں۔ ظفر اللہ خاں کو بھی مرزا بشیرالدین کے پہلو میں امانتاً دفن کیا گیا ہے۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قادیانی کس قدر محب وطن پاکستانی ہیں؟ جب وہ پاکستان میں مرنا اور دفن ہونا پسند نہیں کرتے تو انہیں یہاں جینا اور بسنا کیوں پسند ہے؟ یہی وہ نکتہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قادیانی وطن عزیز پاکستان کے غدار اور دشمن ہیں۔

مجموعی طور پر ظفر اللہ خاں کی زندگی پر اجمالی نظر ڈالیے تو وہ ناکامی، نحوست اور حرماں نصیبی کی تصویر ہے۔ وہ اپنے والد اور بیوی بچوں یعنی اہل خانہ کے لیے منحوس وجود ثابت ہوئے بلکہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی منحوس ثابت ہوئے کہ اتنی کثیر مال و دولت میسر ہونے کے باوجود انھیں اچھا کھانا، پہننا نصیب نہ ہوا۔ پیوند لگے سوراخوں والے کپڑے اور جوتے، کھانے میں پھپھوندی وغیرہ کھاتے تھے، جیسا کہ اوپر ان کے عزیزوں نے بیان کیا ہے۔ ملک و ملت کے لیے بھی وہ منحوس وجود ثابت ہوئے اور جس جگہ بھی انھوں نے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، وہاں ناکامی اور نامرادی ہاتھ آئی۔ مثلاً پنجاب کی تقسیم کے وقت مسلم لیگ نے اپنا کیس ریڈ کلف کمیشن کے سامنے ان سے پیش کرایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن علاقوں کی پوری امید تھی، وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے اور پنجاب کے کئی مسلم اکثریت کے علاقے بھی ہاتھ سے نکل گئے، نتیجتاً کشمیر بھی پاکستان کے ہاتھ سے قریباً سارا ہی جاتا رہا۔ اسی طرح اقوام متحدہ (U.N.O) میں کشمیر کا مسئلہ اٹھانے کے لیے حکومت پاکستان نے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہا، ظفر اللہ نے بھی لمبی تقریروں کے ریکارڈ توڑ دیے مگر انجام وہی ناکامی و نامرادی۔ بلکہ اس کے بعد کشمیر میں جنگ بندی ہوگئی اور کشمیر میں مقامی جنگ سے جو تھوڑے بہت علاقے آزاد ہو کر پاکستان کو مل رہے تھے، وہ بھی وہیں رک گئے۔ اور اے قادیانیو! تمھارے لیے بھی ظفر اللہ کا وجود منحوس ثابت ہوا کیونکہ سر ظفر اللہ کی وجہ سے عامۃ المسلمین نے ان کو وزارت خارجہ سے ہٹانے کا مطالبہ کیا اور انہی کے قائداعظم کا جنازہ نہ پڑھنے کے باعث مسلمانوں میں قادیانیوں سے شدید نفرت کا آغاز ہوا اور بالآخر 1953ء میں عظیم تحریک قادیانیت کے خلاف چلی۔ وہ اس

اعتبار سے بھی منحوس وجود تھے کہ جس تحریک کے لیے انھوں نے اپنی ساری صلاحیتیں، مال و دولت، عزت سب کچھ وقف کر دیا تھا، مرنے سے پہلے اس کی اینٹ سے اینٹ بجتے دیکھ لی۔ غیر مسلم اقلیت قرار پانے اور مساجد، نماز اور شعائر اسلام پر پابندی کے علاوہ مرنے سے پہلے اپنے پیر و مرشد کا ملک سے چوروں کی طرح فرار ہونا دیکھنا پڑا۔ اس صدمے سے تو ان پر جانکنی کی کیفیت بن گئی جو ان کے ساتھ ان کی ساری نحوستوں کو بھی سمیٹ گئی۔ بالآخر قادیانی احباب سے بے لوث اور پر خلوص التجا انہی کے فائدے اور بہتری کے لیے ہے کہ وہ بصیرت سے کام لیں۔

قادیانی ظفر اللہ خاں کو اپنے مذہب کے بانی کا صحابی قرار دیتے ہیں اور پھر اپنے صحابی کو رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کے ہم پلہ یا ان سے برتر قرار دیتے ہیں۔ آپ نے مندرجہ بالا احوال پڑھے، آپ پر واضح ہے کہ یہ سب مشہور واقعات ظفر اللہ صاحب کے دوستوں، عزیزوں کے بیان کردہ ہی ہیں۔ آپ خود غیر جانبدارانہ اور خوف خدا سے کام لے کر سوچیں کہ کیا ایسا ناکام، نامراد، منحوس اور حرماں نصیب شخص صحابہؓ رسول ﷺ کے مرتبہ کا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! آپ کو اپنے اس قسم کے فرسودہ عقائد سے فوراً توبہ کر کے دامانِ محمدی ﷺ میں واپس لوٹ آنا چاہیے اور اپنی عاقبت اور دنیا کو تباہی سے بچا لینا چاہیے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے تم اے قادیاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(یہ مضمون دراصل معروف دانشور اور سابق قادیانی جناب م ب خالد کی بہترین تحقیقی کاوش کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے یہ مضمون غالباً آج سے 20،15 سال پیشتر تحریر کیا تھا۔ میں نے کئی جگہوں پر تازہ ترین معلومات شامل کر کے اسے مفصل اور اپ ٹو ڈیٹ کر دیا ہے۔ م۔ م۔ خ)



ڈاکٹر عبدالسلام

شیخ سعدیؒ نے کہا تھا ''وہ دشمن جو بظاہر دوست ہو، اس کے دانتوں کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔'' یہ مقولہ نوبیل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام پر پوری طرح صادق آتا ہے جس نے دوستی کی آڑ میں پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اُسے 10 دسمبر 1979ء کو نوبیل پرائز ملا۔ قادیانی جماعت کے آرگن روزنامہ ''الفضل'' نے لکھا تھا کہ جب اُسے نوبیل انعام کی خبر ملی تو وہ فوراً اپنی عبادت گاہ میں گیا اور اپنے متعلق مرزا قادیانی کی پیش گوئی پر اظہار تشکر کیا۔ اس موقع پر مرزا قادیانی کی بعض عبارتوں کو کھینچ تان کر ڈاکٹر عبدالسلام پر چسپاں کیا گیا اور فخریہ انداز میں کہا گیا کہ یہ دنیا کا واحد موحد سائنس دان ہے جسے نوبیل پرائز ملا ہے۔ حالانکہ اسلام کی رو سے رسالتﷺ کا منکر بڑے سے بڑا موحد بھی کافر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام حضور نبی کریمﷺ کی ختم نبوت کا منکر تھا۔ وہ حضورﷺ کے بعد آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی (جن سے انگریز نے اپنے سیاسی مفادات کے حصول کی خاطر نبوت کا اعلان کروایا تھا) کو اللہ کا آخری نبی مانتا تھا اور اس طرح وہ اپنے عقائد کی رو سے دنیا کے تمام مسلمانوں کو کافر اور صرف اپنی جماعت کے لوگوں کو مسلمان سمجھتا تھا۔ چونکہ قادیانیت مخبروں اور غداروں کا سیاسی گروہ ہے، لہٰذا اس کی سرپرستی کرتے ہوئے سامراج نے ان کے ایک فرد کو نوبیل پرائز دیا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ ایک رشوت ہے جو یہودیوں نے قادیانیت کو اپنے مفادات کے حصول کے لیے دی۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو اپنی جماعت کی خدمات پر ''فرزند احمدیت'' بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اپنی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد کے حکم پر 1966ء سے وفات تک مجلس افتاء کے باقاعدہ ممبر رہا۔ اس کا ماموں حکیم فضل الرحمٰن 20 سال تک گھانا اور نائیجیریا میں قادیانیت کا مبلغ رہا۔ اس کا والد چودھری محمد حسین جنوری 1941ء میں انسپکٹر آف سکولز ملتان ڈویژن کے دفتر میں بطور ڈویژنل ہیڈ کلرک تعینات ہوا۔ قادیانی جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود نے اسے قادیانی جماعت ضلع ملتان کا امیر مقرر کیا، جس میں تحصیل ملتان، وہاڑی، کبیر والہ، خانیوال، میلسی، شجاع آباد اور لودھراں کی تحصیلیں شامل تھیں۔ ایک دفعہ اس نے خانیوال میں سیرت النبیﷺ کے نام پر قادیانی جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے حضور نبی کریمﷺ

اور مرزا قادیانی کا (نعوذ باللہ) موازنہ شروع کیا تو اجتماع میں موجود مسلمانوں میں کہرام مچ گیا اور انہوں نے اشتعال میں آ کر پورا جلسہ الٹ دیا۔ چند نوجوانوں نے چودھری محمد حسین کو پکڑ کر جوتے بھی مارے۔ پولیس نے چودھری محمد حسین کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کر لیا۔ دو دن بعد ملتان میں ایک قادیانی اعلیٰ پولیس افسر کی مداخلت سے اسے رہائی ملی۔

تحریک پاکستان کا مشہور غدار خضر حیات ٹوانہ ضلع سرگودھا کا بہت بڑے جاگیردار اور یونینسٹ سیاست دان تھا۔ اس نے اپنی ریاست ''کھلرا'' میں، جہاں ہزاروں مزدور، کسان اس کی ہزاروں ایکڑ اراضی پر محنت و مشقت کرتے تھے، کبھی کوئی سکول نہ کھلنے دیا۔ اس خضر حیات ٹوانہ نے حکومت برطانیہ کو جنگ عظیم میں مدد دینے کے لیے 3 لاکھ روپے کا فنڈ اکٹھا کیا۔ مگر 1945ء میں جنگ عظیم اختتام کو پہنچ گئی جس کے بعد وہ 1946ء میں کانگریس پارلیمنٹری پارٹی کے ساتھ مخلوط وزارت کے زیر اہتمام پنجاب کا وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا۔ چونکہ اس کا جمع کیا ہوا جنگی فنڈ تا حال کسی مصرف میں نہ آ سکا تھا، اس لیے اس نے انگریز کی تعلیمی پالیسی کے مطابق چھوٹے زمینداروں کے بچوں کو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجنے کے لیے وظائف کا اجراء کیا۔ چھوٹے درجے کے زمینداروں کے بچوں کو ان وظائف سے محروم رکھنے کے لیے اس نے یہ شرط بھی عائد کر دی کہ کوئی زمیندار سالانہ پچیس روپے سے کم ٹیکس ادا نہ کرتا ہو۔ اس مقصد کے لیے کہ سلام کو بیرون ملک تعلیم کے لیے یہ وظیفہ مل جائے، اس کے والد نے سر ظفر اللہ خاں قادیانی، جو ان دنوں وائسرائے کی کونسل کا ممبر تھا، کی سفارش پر ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر سے ایک سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا کہ گورداسپور میں اس کی اراضی ہے جو اسے اس کے بھائی نے دی ہے جو اسی ضلع میں رہائش پذیر ہے۔ اس طرح دوسرے امیدواروں کے ساتھ سلام بھی وہ وظیفہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ وظیفہ تین سال کی مدت کے لیے مخصوص تھا اور اس کی رقم تین سو پچھتر پاؤنڈ سالانہ تھی۔ اس زمانے کے ایکسچینج ریٹ کے مطابق ایک برطانوی پاؤنڈ تیرہ روپے کا ہوا کرتا تھا۔ سلام نے اس وظیفے کے حصول کی کوشش کے ساتھ ہی کیمبرج داخلے کی درخواست بھیج دی تھی۔ جب اس کے ساتھی سکالرز کو اگلے سال (یعنی 1947ء میں) کیمبرج میں داخلہ دینے کا وعدہ کیا گیا تو سلام کو اسی دن یعنی 3 ستمبر 1946ء کو کیمبرج والوں کی طرف سے ایک لیٹر موصول ہوا جس میں اسے اطلاع دی گئی تھی کہ سینٹ جان کالج میں اس کے لیے ایک غیر متوقع خالی جگہ موجود ہے۔ یوں سلام کا کیمبرج میں داخلہ ہو گیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام جب برطانیہ پہنچا تو لیورپول کی بندرگاہ پر جو شخص اسے سب سے پہلے ملا، وہ سر ظفر اللہ خاں تھا۔

ڈاکٹر عبدالسلام 1948ء میں اپنی شادی کے سلسلہ میں واپس پاکستان آنا چاہتا تھا مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر قادیانی جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود نے اسے منع کر دیا۔ 1949ء میں وہ پاکستان واپس آیا تو میاں افضل حسین جو پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ سر فضل حسین کا چھوٹا بھائی تھا، ان دنوں

پبلک سروس کمیشن کا چیئرمین تھا۔ اس نے کمال مہربانی کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام کے سکالرشپ میں توسیع کر دی۔ اسی سال گرمیوں میں ڈاکٹر عبدالسلام کی پہلی شادی اپنے چچا غلام حسین کی بیٹی امت الحفیظ بیگم سے ہوئی۔ شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد وہ واپس برطانیہ چلا گیا۔

اس نے 1951ء میں دوبارہ واپس آ کر گورنمنٹ کالج لاہور میں ملازمت کا آغاز کیا۔ گورنمنٹ کالج میں پروفیسری کے دور میں سلام کو کیمبرج یونیورسٹی نے لیکچررشپ کے عہدے کی پیشکش کی تو سلام نے اسے بخوشی قبول کیا۔ لہٰذا بمطابق حکومت پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر 6075/2 مورخہ 16 فروری 1954ء عبدالسلام کو مندرجہ ذیل شرائط پر کیمبرج میں ڈیپوٹیشن پر لیکچرر شپ کے عہدہ پر کام کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

''گورنر پنجاب کی جانب سے ڈاکٹر عبدالسلام ایم اے (پنجاب) بی۔اے (کیمبنٹ) پی ایچ ڈی (کیمبنٹ) پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کی خدمات بخوشی تین سال یا اس سے کم (اگر وہ جلد ہی پاکستان واپس آ گئے) مدت کے لیے بحیثیت ریاضی کے سٹوکس لیکچرر (Stoekes Lecturer) یکم جنوری 1954ء سے کیمبرج یونیورسٹی کے سپرد کی جاتی ہیں۔''

ڈاکٹر عبدالسلام کی کیمبرج میں تقرری کی شرائط حسب ذیل ہوں گی:

سینٹ جان کالج کی فیلوشپ	300 پاؤنڈ
یونیورسٹی میں بحیثیت لیکچرار تنخواہ	450 پاؤنڈ
دیگر الاؤنس	50 پاؤنڈ
کل	800 پاؤنڈ

اس کے علاوہ اسے سینٹ جان کالج کی طرف سے ایک اپارٹمنٹ دیا گیا جہاں وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ منتقل ہو گیا۔ یاد رہے کہ یہاں رہائش اور کھانا مفت تھا۔ اپنے ڈیپوٹیشن کے عرصہ میں ڈاکٹر عبدالسلام حکومت پنجاب سے غیر قانونی طور پر ایک سو اسی روپے ماہوار خصوصی الاؤنس بھی حاصل کرتا رہا۔ جو لوگ اسے ڈاکٹر عبدالسلام کی جلاوطنی کا نام دیتے ہیں، انہیں اس حقیقت کے پیش نظر اپنے من گھڑت مفروضے پر نظرثانی کر کے پوری قوم سے معذرت خواہ ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی پرزور سفارش پر ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی (ڈاکٹر آئی ایچ عثمانی) کو صدر ایوب نے 1958ء میں اپنے دور حکومت میں ایٹمی توانائی کمیشن کا رکن بنایا اور پھر ایک سال کے اندر اندر اس کا چیئرمین بنا دیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے امپیریل کالج لندن کے ریکٹر سر پیٹرک لنسٹیڈ کی ملی بھگت سے 500 کے قریب نیوکلیئر فزکس، ریاضی، صحت و طب اور حیاتیات کے طلبہ اور ماہرین کو بیرونی ممالک بالخصوص امریکہ اور برطانیہ کے تحقیقی مرکز میں حکومت کے خرچ پر اعلیٰ تحقیق و تعلیم کے لیے بھیجنے کا منصوبہ بنایا۔ ان

طلبہ اور ماہرین کی اکثریت قادیانی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے ڈاکٹر عثمانی سے اس منصوبہ کو منظور کروا کر ان لوگوں کو باہر بھجوا دیا جو واپس آ کر ملک کے حساس کلیدی عہدوں بالخصوص ایٹمی انرجی کمیشن میں فائز ہو گئے۔ اس کے برعکس امریکی تعلیمی اداروں کے نیوکلیئر فزکس کے شعبہ میں مسلمان بالخصوص عرب طلبہ پر پابندی ہے جو اب تک برقرار ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ 1974ء تک جب تک اس شعبہ میں قادیانیوں کے اثرات تھے، ایٹمی قوت بننے کے سلسلہ میں معمولی سا بھی کام نہیں ہوا۔ حالانکہ صدر ایوب چاہتے تھے کہ ہندوستان کے مقابلہ میں دفاعی قوت مضبوط بنائی جائے لیکن قادیانیوں نے ان کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے بعد جب قادیانی گروپ کے اثرات ختم ہوئے تو پاکستان نے اس شعبہ میں ترقی کی۔

اسلام دشمن قوتوں کو ہمیشہ ہی سے ایسے بدقماش اور ننگ وطن آلہ کاروں کی ضرورت رہی ہے، جو ملت اسلامیہ کے حساس اور خفیہ معاملات کی مخبری کر کے ان کے ناپاک عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ اس مقصد خبیثہ کے لیے انہیں اپنے پرانے نمک خواروں کا مکمل تعاون حاصل رہا ہے، جنہیں انہوں نے اپنے خزانہ عامرہ کا منہ کھول کر ہر قسم کی پرتعیش مراعات فراہم کیں۔ بلاشبہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی ایسے ہی ضمیر فروش لوگوں میں شامل تھا۔

دوسرے شعبوں کی طرح نوبیل انعام میں بھی یہودیوں کی اجارہ داری ہے۔ ان کا غرور، نخوت، اور تعصب کسی ایسے شخص کو خاطر میں نہیں لاتا، جو ان کی سازشوں اور مکروہ سرگرمیوں کا حامی اور آلہ کار نہ ہو۔ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی، یہودیوں کے اس میرٹ پر سو فیصد پورے اترتے تھے، لہٰذا انہوں نے ایک سازش کے تحت ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبیل انعام سے نوازا اور اس کی آڑ میں اپنے خفیہ مقاصد حاصل کیے۔

ڈاکٹر عبدالسلام نے مغربی طاقتوں اور اسرائیل کے اشارے پر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ناکام بنانے اور محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان سمیت تمام دوسرے محب وطن سائنس دانوں کو بے حوصلہ کرنے کے متعدد اقدامات کیے۔ پاکستان کے تمام ایٹمی راز ملک دشمن ممالک کو فراہم کیے۔ انہیں کہوٹہ ایٹمی سنٹر اور دوسرے حساس قومی معاملات کی ایک ایک خبر پہنچائی۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ پاکستان کبھی بھی دفاع کے معاملے میں خود کفیل نہ ہو سکے اور ہمیشہ بڑی طاقتوں کا دست نگر رہے۔

گوئبلز نے کہا تھا کہ اتنا جھوٹ بولو، اتنا جھوٹ بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگے۔ بالکل یہی فلسفہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے متعلق اپنایا گیا۔ ہمارے نام نہاد صحافیوں اور دانشوروں نے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اس "غدار پاکستان" کو ہیرو بنا کر پیش کیا جو انتہائی بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کو ہیرو بنا کر پیش کرنے والے ان عقل کے اندھوں سے پوچھنا چاہیے کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے مختلف ادوار میں حکومت پاکستان سے تمام تر مراعات حاصل کرنے کے باوجود اپنی پوری

زندگی کی "تحقیق" کے نتیجے میں عالم اسلام بالخصوص پاکستان کو کیا تحفہ دیا؟ اس کی کون سی ایجاد یا دریافت ہے، جس نے ہمارا سر فخر سے بلند کیا؟ اس کا کون سا کارنامہ ہے جس سے پاکستان کو کوئی فائدہ پہنچا؟ اس کی کون سی خدمت ہے، جس سے اہل پاکستان کے مسائل میں ذرا سی بھی کمی واقع ہوئی؟ اس نے کون سا ایسا تیر مارا، جس پر اسے نوبل انعام سے نوازا گیا؟ یہ سوالات آج تک تشنہ جوابات ہیں!

ڈاکٹر عبدالسلام مسلمانوں کو کیا سمجھتا تھا؟ اس سلسلہ میں معروف صحافی و کالم نویس جناب تنویر قیصر شاہد نے ایک دلچسپ مگر فکر انگیز واقعہ اپنی ذاتی ملاقات میں مجھے بتایا۔ یہ واقعہ انہی کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ لندن میں قیام کے دوران بی بی سی لندن کی طرف سے میں اپنے ایک دوست کے ساتھ بطور معاون، ڈاکٹر عبدالسلام کے گھر ان کا تفصیلی انٹرویو کرنے گیا۔ میرے دوست نے ڈاکٹر سلام کا خاصا طویل انٹرویو کیا اور ڈاکٹر صاحب نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ جوابات دیئے۔

انٹرویو کے دوران میں بالکل خاموش، پوری دلچسپی کے ساتھ سوال و جواب سنتا رہا۔ دوران انٹرویو انہوں نے ملازم کو کھانا دستر خوان پر لگانے کا حکم دیا۔ انٹرویو کے تقریباً آخر میں ڈاکٹر عبدالسلام مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا: "آپ معاون کے طور پر تشریف لائے ہیں مگر آپ نے کوئی سوال نہیں کیا۔ میری خواہش ہے کہ آپ بھی کوئی سوال کریں۔" ان کے اصرار پر میں نے بڑی عاجزی سے کہا کہ چونکہ میرا دوست آپ سے بڑا جامع انٹرویو کر رہا ہے اور میں اس میں کوئی تشنگی محسوس نہیں کر رہا، ویسے بھی میں آپ کی شخصیت اور آپ کے کام کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے آپ کے متعلق خاصا پڑھا بھی ہے۔ جھنگ سے لے کر اٹلی تک آپ کی تمام سرگرمیاں میری نظروں سے گزرتی رہی ہیں لیکن پھر بھی ایک خاص مصلحت کے تحت میں اس سلسلہ میں کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام فخریہ انداز میں مسکرائے اور ایک مرتبہ پھر اپنے علمی گھمنڈ اور غرور سے مجھے "مفتوح" سمجھتے ہوئے "فاتح" کے انداز میں "حملہ آور" ہوتے ہوئے کہا: "نہیں...... آپ ضرور سوال کریں، مجھے بہت خوشی ہوگی۔" بالآخر ڈاکٹر صاحب کے پرزور اصرار پر میں نے انہیں کہا کہ آپ وعدہ فرمائیں کہ آپ کسی تفصیل میں گئے بغیر میرے سوال کا دوٹوک الفاظ "ہاں" یا "نہیں" میں جواب دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے وعدہ فرمایا کہ "ٹھیک! بالکل ایسا ہی ہوگا؟" میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ چونکہ آپ کا تعلق قادیانی جماعت سے ہے، جو نہ صرف حضور نبی کریم ﷺ کی بحیثیت آخری نبی منکر ہے، بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد آپ لوگ (قادیان، بھارت کے ایک مخبوط الحواس شخص) مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتے ہیں۔ جبکہ مسلمان مرزا قادیانی کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہ ماننے پر آپ مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام بغیر کسی توقف کے بولے کہ "میں ہر اس شخص کو کافر سمجھتا ہوں جو مرزا غلام احمد

قادیانی کو نبی نہیں مانتا۔" ڈاکٹر عبدالسلام کے اس جواب پر میں نے انہیں کہا کہ مجھے مزید کوئی سوال نہیں کرنا۔ اس موقع پر انہوں نے اخلاق سے گری ہوئی ایک عجیب حرکت کی کہ اپنے ملازم کو بلا کر دستر خوان سے کھانا اٹھوا دیا۔ پھر ڈاکٹر صاحب کو پریشان دیکھ کر ہم دونوں دوست ان سے اجازت لے کر رخصت ہوئے۔"

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام ایک متعصب اور جنونی قادیانی تھا جو سائنس کی آڑ میں قادیانیت پھیلاتا رہا۔ اس نے پوری زندگی میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جو اسلام اور پاکستان دشمن ممالک کے مقاصد سے متصادم ہو۔ پاکستان کے دفاع کے متعلق بھارت، اسرائیل یا امریکہ کے خلاف ایک لفظ بھی کہنا، اس کی ایمان دوستی کے منافی تھا۔ درحقیقت قادیانیت نقل بمطابق اصل کا ایسا پیکنگ ہے، جس کی ہر زہریلی گولی کو ورق نقرہ میں ملفوف کر دیا گیا ہے۔ انگریز نے اس مذہب کو الہامات و روایات اور رویاء وکشوف کے سانچوں میں ڈھال کر پروان چڑھایا۔ یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کے دل و دماغ بلکہ جسم و جان تک انگریز کی قید میں ہوتے ہیں، جسے اس نے ہمیشہ اپنے مفاد کی خاطر استعمال کیا۔

یہ ایک المیہ ہے کہ قادیانیوں کے مکر وفریب اور سازشوں کی بھٹیوں میں اسلام مدتوں سے جل رہا ہے اور ہمارے نام نہاد دانشوروں کا ایک خاص گروہ جن کی جبینوں اور عقلوں پر جہالت اور اغراض کے دھندلکوں اور جالوں نے قبضہ کر رکھا ہے، قادیانیت کو مضبوط بنانے میں مصروف ہے۔ یہ لوگ چند ٹکوں کی خاطر وطن کی سالمیت اور ناموس سے کھیل جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا سانحہ ہے جسے ایک بے رحم مورخ ہی بے نقاب کر سکتا ہے۔

بڑا مزا ہو تمام چہرے اگر کوئی بے نقاب کر دے

ذوالفقار علی بھٹو ایسا زیرک انسان جانتا تھا کہ قادیانی جماعت غدار ہے ورنہ پوکھران (راجستھان) میں بھارت کے پہلے ایٹمی دھماکے نے جو تشویش ناک صورتحال پیدا کر دی تھی، اس کے پیش نظر ذوالفقار علی بھٹو ہالینڈ میں مقیم پاکستانی سفیر کے ذریعے ڈاکٹر قدیر کو فوراً پاکستان نہ بلاتے بلکہ عبدالسلام قادیانی کو اس سلسلہ میں کوشش کرنے کے لیے کہتے۔ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں قادیانی سائنس دانوں پروفیسر شیخ عبداللطیف، مرزا منور احمد، محمود احمد شاہ اور ڈاکٹر محمد افضل نے ہمیشہ سازشیں کیں۔

ڈاکٹر منیر احمد خان کے زمانہ میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن قائم ہونے کے باوجود ایٹمی شعبہ میں معمولی سا بھی کام نہیں ہوا۔ ایوب خان کو جھوٹی رپورٹوں کے ذریعہ طفل تسلیاں دی جاتی رہیں۔ حالانکہ وہ انیس برس تک اس ادارے کا سربراہ رہا لیکن اس کے برعکس جب ڈاکٹر عبدالقدیر نے کہوٹہ میں ایٹمی قوت بننے کے لیے کام شروع کیا تو ڈاکٹر منیر نے جو کہ ڈاکٹر عبدالسلام کا شاگرد تھا، ڈاکٹر عبدالقدیر کی زبردست مخالفت کی۔ حالانکہ وہ نہ تو نیوکلیئر انجینئر تھا اور نہ ہی ڈاکٹریٹ کی تھی، صرف ایم ایس سی تھا۔

ڈاکٹر منیر نے بھٹو دور میں حکومت سے جو مراعات بھی طلب کی تھیں، اسے فراہم کی گئیں مگر نتیجہ صفر۔ کیونکہ وہ قادیانیوں کی پاکستان دشمن لابی میں بری طرح گھرا ہوا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ پاکستان ایٹمی قوت بنے۔ حساس اداروں کی رپورٹ کے مطابق اس نے پاکستان دشمن ممالک کو ایٹمی راز دیئے اور ایسے مواقع بھی آئے کہ اس لابی نے ڈاکٹر قدیر کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے پاکستان چھوڑ کر ہالینڈ جانے کا ارادہ کرلیا۔ حالانکہ ڈاکٹر خان ہالینڈ میں تیس ہزار روپے ماہانہ لیتے تھے مگر پاکستان کی خاطر صرف تین ہزار روپے پر نوکری کرنے کے لیے راضی ہو گئے۔ مگر بھٹو کی درخواست سے انہیں اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔ بالآخر بھٹو کے علم میں آیا کہ یہ سب کارستانی ڈاکٹر منیر خان کی ہے۔ بھٹو نے اپنے ذرائع سے بریگیڈیئر زاہد علی اکبر (سابق چیئرمین واپڈا) سے اس کی تصدیق کروائی تو انہیں یقین آ گیا کہ ڈاکٹر منیر اینڈ کمپنی، ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو بلاوجہ تنگ کر رہی ہے۔ اور ان کے راستے میں روڑے اٹکا رہی ہے۔ منیر احمد خان کی پوری کوشش تھی کہ پاکستان نہ ہی ایٹمی دھماکہ کر سکے اور نہ کوئی اس کا کریڈٹ لے۔ اس لیے اس نے ڈاکٹر قدیر کے لیے کام کرنا ناممکن بنا دیا۔ بھٹو نے فوری طور پر کوئی وقت ضائع کیے بغیر 31 جولائی 1976ء کو کہوٹہ انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹریز (پراجیکٹ 706) کے نام سے اسے خود مختار ادارہ بنا دیا جس میں تمام تر عمل دخل صرف ڈاکٹر قدیر کو تھا۔ جس کا سرکاری نام اب ''ڈاکٹر اے کیو خان ریسرچ لیبارٹریز'' ہے۔ یہی کچھ بھارتی مسلمان ایٹمی سائنس دان ابوالکلام کے ساتھ ہوا۔ جنہوں نے حال ہی میں انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ میں بعض طاقتور لابیوں کے دباؤ کی وجہ سے پاکستان میں کام نہ کر سکا اور واپس ہندوستان چلا آیا۔

10 ستمبر 1974ء کو سلام نے وزیراعظم کے سائنسی مشیر کی حیثیت سے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ اس کی وجہ اس نے اس طرح بیان کی:

''آپ جانتے ہیں کہ میں اسلام کے احمدیہ (قادیانی) فرقے کا ایک رکن ہوں۔ حال ہی میں قومی اسمبلی نے احمدیوں کے متعلق جو آئینی ترمیم منظور کی ہے، مجھے اس سے زبردست اختلاف ہے۔ کسی کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ کوئی شخص خالق اور مخلوق کے تعلق میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ میں قومی اسمبلی کے فیصلہ کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا لیکن اب جبکہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور اس پر عمل درآمد کا آغاز بھی ہو چکا ہے تو میرے لیے بہتر یہی ہے کہ میں اس حکومت سے قطع تعلق کرلوں جس نے ایسا قانون منظور کیا ہے۔ اب میرا ایسے ملک کے ساتھ تعلق واجبی سا ہوگا جہاں میرے فرقہ کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہو۔''

30 اپریل 1984ء کو قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد قادیانی صدارتی آرڈیننس مجریہ 1984ء کی خلاف ورزی پر مقدمات کے خوف سے بھاگ کر لندن چلا گیا۔ رات کو لندن میں اس نے مرکزی قادیانی عبادت گاہ ''بیت الفضل'' سے ملحقہ محمود ہال میں غصہ سے بھرپور جوشیلی تقریر کی۔ اس موقع

پر ڈاکٹر عبدالسلام مرزا طاہر کے سامنے صف اول میں بیٹھا ہوا تھا۔ مرزا طاہر احمد نے اپنے خطاب میں صدارتی آرڈیننس نمبر 20 مجریہ 1984ء (جس کی رو سے قادیانیوں کو شعائر اسلامی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا) پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے حقوق انسانی کے منافی قرار دیا۔ اس نے کہا کہ احمدیوں کی بددعا سے عنقریب پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مزید برآں اس نے امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک سے اپیل کی کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر پاکستان کی تمام اقتصادی امداد بند کر دیں۔ اپنے خطاب کے آخر میں مرزا طاہر نے ڈاکٹر عبدالسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''صرف آپ میرے دفتر میں ملاقات کے لیے تشریف ابھی لائیں۔ آپ سے چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے اسے اپنی سعادت سمجھا اور ملاقات کے لیے حاضر ہو گیا۔ اس ملاقات میں مرزا طاہر احمد نے ڈاکٹر عبدالسلام کو ہدایت کی کہ وہ ضیاء الحق سے ملاقات کرے اور انہیں آرڈیننس واپس لینے کے لیے کہے۔ چند دنوں بعد لہٰذا ڈاکٹر عبدالسلام نے جنرل محمد ضیاء الحق سے پریذیڈنٹ ہاؤس میں ملاقات کی اور انہیں جماعت احمدیہ کے جذبات سے آگاہ کیا۔

صدر ضیاء الحق نے بڑے تحمل اور توجہ سے اسے سنا۔ جواب میں صدر ضیاء الحق اٹھے اور الماری سے قادیانی قرآن ''تذکرہ'' اٹھا لائے اور کہا کہ یہ آپ کا قرآن ہے اور دیکھیں اس میں کس طرح قرآن مجید کی آیات میں تحریف کی گئی ہے اور ایک نشان زدہ صفحہ کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ اس صفحہ پر مندرجہ ذیل آیت درج تھی:

انا انزلنا ہ قریبا من القادیان

ترجمہ: ''(اے مرزا قادیانی) یقیناً ہم نے قرآن کو قادیان (گورداسپور بھارت) کے قریب نازل کیا۔''

اور مزید لکھا ہے کہ یہ تمام قرآن مرزا قادیانی پر دوبارہ نازل ہوا ہے۔ ضیاء الحق نے کہا کہ یہ بات مجھ سمیت ہر مسلمان کے لیے نا قابل برداشت ہے۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور وہ بے حد شرمندہ ہوا اور کھسیانا ہو کر بات کو ٹالتے ہوئے پھر حاضر ہونے کا کہہ کر اجازت لے کر رخصت ہو گیا۔

بھارت نے 11 مئی 98ء کو پوکھران میں 3 ایٹمی دھماکے کیے اور 13 مئی 1998ء کو 2 اور دھماکے کیے۔ اس کے جواب میں پاکستان نے 28 مئی 1998ء کو چاغی (بلوچستان) کے میدان میں 2 ایٹمی دھماکے کیے اور پھر 30 مئی کو 2 مزید ایٹمی دھماکے کیے۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' کی رپورٹ کے مطابق:

''گزشتہ روز پاکستان کے کامیاب ایٹمی دھماکوں کا اعلان کرتے ہوئے ربوہ کے سرکردہ

قادیانیوں کے خفیہ اجلاس منعقد ہوئے۔ ربوہ میں ہو کا عالم تھا۔ قادیانیوں کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے جبکہ مسلمانوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔'' (روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور، 29 مئی 1998ء)

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے لندن کی مرکزی قادیانی عبادت گاہ ''بیت الفضل'' میں پاکستانی عوام کو ایٹمی دھماکوں کے خلاف اکساتے ہوئے کہا کہ پاکستان کو ایٹمی دھماکوں کا حق عقل سے استعمال کرنا چاہیے تھا جو اس نے نہیں کیا۔ انہوں نے پاکستان کے مسلمان عوام پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ ''ایٹمی دھماکے کر کے جشن منالو، پتہ اس وقت چلے گا جب بھوک ناچے گی۔ جنونی دور ختم ہوگا تو ملک کا رہا سہا نظام بھوکے عوام اپنی بغاوت کے ذریعے ختم کر دیں گے۔'' انہوں نے مزید کہا کہ ''ایٹمی دھماکوں سے پاکستان میں درجہ حرارت بڑھ جائے گا۔'' (روزنامہ ''خبریں'' لاہور، 9 جون 1998ء)

پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے خلاف عاصمہ جہانگیر (قادیانی) کی زیر قیادت کم و بیش 2 درجن خواتین و حضرات نے شاہراہ قائداعظم پر احتجاجی مظاہرہ کیا۔ عاصمہ جہانگیر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر اسلام کا مسئلہ نہیں، انسانی حقوق کا مسئلہ ہے۔ اگر وزیراعظم یہ مسئلہ حل کروانا چاہتے ہیں تو وہاں چھیڑ خانی فوراً بند کروائیں۔ مظاہرہ سے قادیانی جماعت (بلوچستان) کے راہنما اور سابق ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی طاہر محمد خاں نے بھی خطاب کیا۔

ہفت روزہ ''تکبیر'' کے نمائندہ نصر اللہ غلوئی اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ''یہ مظاہرہ درحقیقت امریکہ کی زیر نگرانی ان نام نہاد رضا کار تنظیموں کو پاکستان کے ایٹمی دھماکے کے خلاف متحرک کرنے کا نتیجہ تھا جو اپنے آقاؤں کا نمک حلال کرنے کے لیے مستعد رہتی ہیں۔ عاصمہ جہانگیر کی حقوق انسانی کی تنظیم بھی انہی میں شامل ہے جنہیں بیرون ملک سے امداد ملتی ہے اور وہ پاکستان میں مسلمانوں کے خلاف ہر لحاظ سے متحرک رہتی ہیں۔'' (ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی، 9 جولائی 1998ء)

روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور نے اپنے اداریہ میں لکھا کہ:

''افسوس یہ ہے کہ بھارتی دھماکوں پر انسانی حقوق کی ان تنظیموں نے کوئی مخالفانہ آواز بلند نہیں کی مگر پاکستان کے تجربات پر یہ سیخ پا ہیں۔ حکومت پاکستان کو اس بات کی تحقیق کرنی چاہیے کہ اس قسم کی این جی اوز کو اتنے زیادہ فنڈز کہاں سے ملتے ہیں اور یہ پاکستان کے ایٹمی تجربات کے خلاف عاصمہ جہانگیر اور دیگر خواتین و حضرات کی رائے دیانتدارانہ ہے یا ملنے والے فنڈز کا شاخسانہ تاکہ عوام کو حقیقت حال معلوم ہو اور وہ اس کی روشنی میں پروپیگنڈہ مہم کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکیں۔'' (روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور، 21 جولائی 1998ء)

معروف صحافی خوشنود علی خان اپنے کالم ''ناقابل اشاعت'' میں لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر عبدالقدیر محسن پاکستان ہیں۔ان کے خلاف ایک خاص لابی کام کر رہی ہے جسے میں کھلم کھلا قادیانی اور مرزائی لابی کہتا ہوں۔ان کے پیٹ میں درد اٹھ رہا ہے کہ کیسے ایک مسلمان نے اتنا بڑا کام کر دکھایا۔اگر اس لابی کو چین نہ آیا تو پھر میں چھاپ دوں گا کہ یہ کہاں کہاں بیٹھے، کیا کیا کر رہے ہیں۔''

(روزنامہ ''خبریں'' لاہور، 8 جون 1998ء)

معروف صحافی عبدالقادر حسن اپنے کالم غیر سیاسی باتیں میں ''آوازسگاں'' کے نام سے لکھتے ہیں:

''ایک صاحب جو پاکستان اٹامک کمیشن کے سربراہ رہ چکے ہیں، ڈاکٹر منیر صاحب جو میرے عزیز دوست فاروق نثار (اے پی پی کے سابق ڈائریکٹر جنرل) اور سابق وفاقی وزیر قانون خورشید احمد کے بھائی ہیں، ان دنوں بڑی زیادتی کر رہے ہیں اور ایٹمی کامیابیوں کا سہرا اپنے سر کے لیے چھیننے کی کوشش کر رہے ہیں۔''ہم نے یہ کیا اور ہم نے وہ کیا'' وہ انیس برس تک اس ادارے کے سربراہ رہے مگر سوائے ایٹمی توانائی میں پاکستان کی کوششوں کی جاسوسی کے اور کچھ نہیں کیا۔چنانچہ ان سے تنگ آ کر بھٹو صاحب نے ڈاکٹر قدیر خان کی لیبارٹری کو ایٹمی توانائی کمیشن سے الگ اور خودمختار کر دیا اور صدر ضیاء الحق نے تو کہوٹہ ریسرچ لیبارٹری کا نام ہی سائنس دان عبدالقدیر خان کے نام پر رکھ دیا۔پہلے بھٹو صاحب اور پھر ضیاء الحق صاحب دونوں نے ایک سے زیادہ بار ڈاکٹر قدیر خان کو خبردار کیا کہ اپنی کوئی بات ڈاکٹر منیر احمد کو نہ بتانا ورنہ وہ امریکہ جاسوسی اداروں کو بتا دیں گے۔برادرم زاہد ملک نے تو اپنی کتاب میں بھی یہ شرمناک کہانی لکھ دی ہے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' لاہور، یکم جون 1998ء)

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے ایک انٹرویو میں ڈاکٹر منیر کی سازشوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

''حکومت کے سربراہ سے جھوٹ بولنا بہت غلط کام ہے مگر ایٹمی توانائی کمیشن کے سابق چیئرمین منیر احمد خان اور اس کے چیلوں نے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ انتہائی ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔انہوں نے پروگرام بنایا کہ تھوڑا سا دھماکہ خیز مواد لے کر زمین میں دبا دیتے ہیں۔اس میں کوبالٹ اور زنک بھی ملا دیں گے اور پھر اس سے دھماکے کر کے بھٹو کو بے وقوف بنالیں گے کہ ہم نے ایٹمی دھماکہ کرلیا ہے۔مجھے پتہ چلا تو میں نے ذوالفقار علی بھٹو کو صاف صاف بتا دیا کہ

ان سب لوگوں کا یہ پروگرام ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر نے کہا کہ میں نے کبھی کسی سربراہ حکومت کو غلط نہ کہا۔ اب اگر ہم نے میاں نواز شریف کو غلط گائیڈ کیا ہوتا اور خدانخواستہ ہمارے پاس کچھ نہ ہوتا تو بھارتی دھماکوں کے بعد ہمارے پاس کیا بچتا۔ کیونکہ دنیا بھر کے سیسمک سنٹر آپ کے دھماکوں کو مانیٹر کر رہے ہوتے ہیں اور آپ کی کارکردگی چھپ نہیں سکتی۔ ساری دنیا نے دیکھا کہ الحمدللہ پاکستانی سائنس دان اور قوم سرخرو ٹھہری۔" (روزنامہ "خبریں" لاہور، 31 مئی 1998ء)

معروف صحافی جناب زاہد ملک اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"منیر احمد کے بارے میں یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ بھٹو مرحوم اپنے آخری دور میں اسے پہچان گئے تھے۔ یہ دسمبر 1976ء کی بات ہے، گورنر ہاؤس لاہور کی ایک میٹنگ میں، جس میں مولانا کوثر نیازی، آغا شاہی، جنرل (ریٹائرڈ) امتیاز علی، ڈاکٹر امیر محمد خاں موجود تھے، بھٹو مرحوم نے ان کے بارے میں انتہائی سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا تھا (Find a new man, he is a bastard) اس کی تصدیق مولانا کوثر نیازی نے بھی اپنی کتاب "اور لائن کٹ گئی" میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "مسٹر بھٹو سخت ناراض تھے۔ کیونکہ ان کی دانست میں انہیں قوم کے سامنے شرمسار کرایا گیا تھا...... مسٹر بھٹو نے بڑے سخت الفاظ استعمال کیے۔ میں یہاں وہ الفاظ درج کرنے سے قاصر ہوں۔ ان کے طیش کو دیکھتے ہوئے جنرل امتیاز نے تجویز پیش کی کہ ڈاکٹر امیر محمد کو ایٹمی توانائی کمیشن کا چیئرمین لگا دیا جائے اور منیر احمد کو سیکرٹری تعلیم بنا دیا جائے۔ بھٹو انتہائی غصہ سے بولے "Throw him out"

("ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اور اسلامی بم" از زاہد ملک، ص165-166)

روزنامہ "اوصاف" کے چیف ایڈیٹر جناب حامد میر نے تحریک المجاہدین کے زیر اہتمام ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے اور دنیا بھر میں اپنی حیثیت منوالی لیکن حیرانگی اس بات پر ہے کہ دھماکوں کے ساتھ ہی ہمارے محب وطن اور عظیم سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو متنازعہ بنانے کی کوشش شروع ہو گئی۔ یہ کوشش کس نے کی۔ کس نے اسلام آباد میں جگہ جگہ ان کے خلاف بینر لگوائے۔ کس کی کوششوں سے اٹامک انرجی کمیشن کے عملے کو چھٹی کے دن اسلام آباد لا کر ڈاکٹر اشفاق اور ثمر مبارک مند کے حق اور عبدالقدیر کے خلاف نعرے لگوائے گئے۔ کون ہے جو اتنی بڑی کامیابی

کی خوشی کو دھندلانے پر تلا ہوا تھا؟ ''نیوز ویک'' اور ''دی ٹائم'' امریکن رسالے میں پچھلے دو تین ہفتوں سے ہمارے سائنس دانوں کے حوالے سے جو کچھ شائع ہو رہا ہے، اس کی عملی تفسیر کون مہیا کر رہا ہے۔ آج منیر احمد خان ٹیلی ویژن پر آ کر ایٹم بم کی کامیابی کا کریڈٹ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس شخص نے ہمیشہ ایٹمی قوت بننے کے خلاف سازشیں کیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام ایک ثقہ قادیانی تھے اور جنہیں صرف اس لیے نوبیل انعام سے نوازا گیا کہ انہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ناکام بنانے والے لوگوں کو اٹامک انرجی کمیشن میں بھرتی کیا۔ یہ منیر احمد خان انہیں کے لائے ہوئے سائنس دان تھے جن کی پوری کوشش یہ رہی کہ پاکستان کبھی ایٹمی قوت نہ بن سکے۔''

(ہفت روزہ ''زندگی'' لاہور، 28 جولائی تا 14 جولائی 1998ء)

معروف صحافی جناب یونس خلش اپنی کتاب میں ہوشربا انکشافات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بھارت کی طرح یہودیوں کی اسلام دشمنی بھی اظہر من الشمس ہے۔ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مغربی ممالک میں یہودی تعلیم وتجارت، ذرائع ابلاغ اور مختلف مالیاتی اداروں میں پوری طرح چھائے ہوئے ہیں۔ ذرائع ابلاغ پر ان کی گرفت کا عالم یہ ہے کہ بڑے سے بڑے اور بظاہر آزاد و خودمختار اخبارات و رسائل میں بھی ان کی مرضی کے بغیر کوئی چیز شائع نہیں ہوسکتی۔ بغاوت کرنے والے جرائد بائیکاٹ جیسے حربوں کے ذریعے مالی بحران میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں کم وبیش یہی پوزیشن قادیانیوں اور بعض اقلیتی فرقوں کو حاصل ہے۔ قیام پاکستان سے آج تک نہایت اہم اور حساس سرکاری شعبوں میں اعلیٰ مراتب انہی کے قبضہ تسلط میں رہے ہیں۔ صنعت وتجارت، وزارت خارجہ، پلاننگ کمیشن، تعلیم اور ذرائع ابلاغ ان کی تگ و تاز کے خصوصی ہدف ہیں۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے چوہدری ظفر اللہ جیسے پرامن قادیانی سے کون واقف نہیں کہ انہوں نے مسئلہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈالنے کے لیے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اسی طرح پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین ایم ایم احمد پاکستان کو مالی بحران سے دوچار رکھنے میں اپنے ''فرائض'' بحسن وخوبی ادا کر چکے ہیں۔ اٹامک انرجی کمیشن کے بارے میں حقائق یکجا کیے جائیں تو بڑے ہوشربا انکشاف ہوسکتے ہیں۔ پاکستان کے نوبیل انعام یافتہ ماہر طبیعات ڈاکٹر عبدالسلام کی کوششوں سے کتنے قادیانی حضرات سائنسی تحقیق کے نام پر آگے بڑھے ہیں؟ اعلیٰ سطح پر اس کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے۔ قادیانیوں کی موجودہ حکمت عملی یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پاکستان کو مالی امداد سے محروم کرنے کے علاوہ وطن عزیز

کے وقار کو داؤ پر لگایا جائے۔

اسلام اور امت مسلمہ سے بھارت اور اسرائیل کا عناد کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت کے اسرائیل کے ساتھ نہایت خوشگوار سفارتی تعلقات ہیں۔ پاکستان کا وجود ان دونوں ممالک کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، اسی لیے پاکستان نے اسرائیل کے ناجائز وجود کو آج تک تسلیم نہیں کیا ہے۔لیکن قادیانی حضرات کو یہ ''اعزاز'' حاصل ہے کہ اسرائیل جیسی کٹر اور متعصب یہودی ریاست میں نہ صرف ان کے مشن کو آزادی سے کام کرنے کی اجازت ہے، بلکہ وہ اسرائیل کی فوج میں بھی خدمات انجام دینے کے اہل قرار پائے ہیں، جس میں سوائے یہودیوں کے کسی اور کو بھرتی ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

تحریک پاکستان کے بزرگ رہنما مولانا ظفر احمد انصاری نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ انکشاف کیا تھا کہ یہودی ہر مسلم مملکت کو نیست و نابود کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ وہ اس کے لیے ہر ذریعے اور واسطے کو استعمال میں لا رہے ہیں اور ان کے آلہ کار بننے والوں میں یہ مرزائی یا قادیانی بھی شامل ہیں، جو اپنے آپ کو ''احمدی'' کہتے ہیں۔ 1972ء تک اسرائیل میں موجود ''احمدیوں'' کی تعداد چھ سو تھی، جن پر اسرائیلی فوج کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔ یہ تفصیل پولیٹیکل سائنس کے یہودی مصنف آئی ٹی نومانی کی کتاب ''اسرائیل اے پروفائل'' کے صفحہ نمبر 75 پر موجود ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ ''احمدی' پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

مولانا ظفر احمد انصاری نے اپنے اسی انٹرویو میں بتایا کہ بابائے اسرائیل بن گوریان نے جون 1967ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد پیرس کی لوربون یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: (جس کی رپورٹ 9 اگست 1967ء کو صیہونی رسالے ''جیوش کرانیکل'' میں چھپی تھی۔)

''عالمی صیہونی تحریک کو پاکستان کے خطرے سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے اور اب پاکستان اس کا پہلا نشانہ ہونا چاہیے، کیونکہ یہ نظریاتی مملکت ہمارے وجود کے لیے خطرہ ہے۔ سارے پاکستانی یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ عربوں کے لیے ان کی یہ محبت ہمارے لیے خود عربوں سے بڑھ کر خطرناک ہے کہ اب پاکستان کے خلاف فوری اقدام کیا جائے۔

جہاں تک ہندوستانی سطح مرتفع کے باشندوں کا تعلق ہے، وہ ہندو ہیں۔ جن کے دل پوری تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہندوستان ہمارے لیے پاکستان کے خلاف کام کرنے کا اہم ترین مرکز ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم اس مرکز کا پورا استعمال کریں اور تمام ڈھکے چھپے اور خفیہ منصوبوں کے ذریعہ یہودیوں کے دشمن پاکستانیوں پر ضرب لگائیں اور انہیں کچل دیں۔''

بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ بن گوریان کی اس تقریر کے سوا چار سال بعد دسمبر

1971ء میں اندرونی سازش اور بیرونی جارحیت کے ذریعے ڈھاکہ میں داخل ہونے والی ہندو فوج کا ڈپٹی کمانڈر جنرل جیکب ایک یہودی تھا۔

قادیانیوں کے اسرائیل کے یہودیوں سے تعلقات بڑے پرانے ہیں۔ 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد سرزمین فلسطین سے تمام عربوں کو چن چن کر نکال باہر کیا گیا، حالانکہ صدیوں سے یہ ان کا وطن تھا، لیکن وہاں موجود قادیانیوں سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔ قادیانیوں کے ''مصلح موعود'' مرزا بشیر الدین محمود نے خود نہایت فخریہ انداز میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

''عرب ممالک میں بے شک ہمیں اس قسم کی اہمیت حاصل نہیں، جیسی ان (یورپی افریقی) ممالک میں ہے، پھر بھی ایک طرح کی اہمیت ہمیں حاصل ہو گئی ہے اور وہ یہ کہ فلسطین کے عین مرکز میں اگر مسلمان رہے تو وہ صرف احمدی ہیں۔'' (روزنامہ ''الفضل'' لاہور، 30 اگست 1950ء)

یہودیوں اور قادیانیوں کی نظریاتی مماثلت اور اشتراک کا تجزیہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے 1936ء میں کہا تھا کہ ''مرزائیت اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہے کہ گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے۔'' (''حرف اقبال'' لطیف احمد شیروانی ایم اے، صفحہ 115)

علامہ اقبال نے ایک اور موقع پر فرمایا تھا: ''ہمیں دنیائے اسلام سے متعلق قادیانیوں کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔''

مولوی فرید احمد نے اپنی کتاب ''ابر آلود سورج'' میں پاکستان کی بیوروکریسی کے ایک رکن رکین کے بارے میں لکھا کہ ایوب خان کی گول میز کانفرنس کو ناکام بنانے میں یہودیوں نے اسے استعمال کیا تھا۔

اسرائیل میں قادیانی مشن کی موجودگی کا ذکر مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے اور مرزا بشیر الدین محمود کے بیٹے مرزا مبارک احمد نے اپنی کتاب ''آور فارن مشن'' میں کیا ہے، جو 1965ء میں ربوہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے صفحہ 79 پر وہ لکھتا ہے:

> ''احمدیہ مشن اسرائیل میں حیفہ (ماؤنٹ کرمل) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں ہماری ایک مسجد، ایک مشن ہاؤس، ایک لائبریری، ایک بکڈپو اور ایک سکول موجود ہے۔ ہمارے مشن کی طرف سے ''البشریٰ'' کے نام سے ایک ماہانہ عربی رسالہ جاری کیا گیا، جو 30 ممالک میں بھیجا جاتا ہے۔ مسیح موعود کی بہت سی تحریریں اسی مشن نے عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ فلسطین کی تقسیم ہونے سے یہ مشن کافی متاثر ہوا۔ چند مسلمان جو اس وقت اسرائیل میں موجود ہیں، ہمارا مشن ان کی ہر ممکن خدمت کر رہا ہے اور مشن کی موجودگی سے ان کے حوصلے بلند ہیں۔ کچھ عرصہ قبل

ہماری مشنری کے لوگ حیفہ کے میئر سے ملے اور ان سے گفت وشنید کی۔ میئر نے وعدہ کیا کہ احمدیہ جماعت کے لیے کبابیر میں، حیفہ کے قریب، وہ ایک سکول بنانے کی اجازت دے دیں گے۔ یہ علاقہ ہماری جماعت کا مرکز اور گڑھ ہے۔ کچھ عرصہ بعد میئر صاحب ہماری مشنری دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ حیفہ کے چار معززین بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کا پروقار استقبال کیا گیا، جس میں جماعت کے سرکردہ ممبر اور سکول کے طالب علم بھی موجود تھے۔ ان کے اعزاز میں ایک جلسہ بھی منعقد ہوا، جس میں انہیں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ واپسی سے پہلے میئر صاحب نے اپنے تاثرات مہمانوں کے رجسٹر میں تحریر کیے۔ ہماری جماعت کے موثر ہونے کا ثبوت ایک چھوٹے سے مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے۔ 1956ء میں جب ہمارے مبلغ چوہدری محمد شریف صاحب ربوہ پاکستان تشریف لا رہے تھے، اس وقت اسرائیل کے صدر نے ہماری مشنری کو پیغام بھیجا کہ چوہدری صاحب روانگی سے پہلے صدر صاحب سے ملیں۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر چوہدری صاحب نے ایک قرآن حکیم کا نسخہ، جو جرمن زبان میں تھا، صدر محترم کو پیش کیا، جس کو خلوص دل سے قبول کیا گیا۔ چوہدری صاحب کا صدر صاحب سے انٹرویو اسرائیل کے ریڈیو پر نشر کیا گیا اور ان کی ملاقات کو اخبارات میں جلی سرخیوں سے شائع کیا گیا۔''

قادیانیوں کے اسرائیل سے تعلقات پر گفتگو کے بعد ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ کیا قادیانیوں نے پاکستان کا وجود تسلیم کرلیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں طوالت سے بچنے کے لیے ہم روزنامہ ''الفضل'' قادیان کے شمارے مورخہ 15 اپریل 1947ء میں شائع ہونے والی ''اکھنڈ ہندوستان'' کے عنوان سے قادیانی خلیفہ مرزا محمود کی ''مجلس عرفان'' کا ایک اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی اس مشیت سے کہ اس نے احمدیت کے لیے اتنی وسیع بیس مہیا کی ہے، پتہ لگتا ہے کہ وہ سارے ہندوستان کو ایک سٹیج پر جمع کرنا چاہتا ہے اور سب کے گلے میں احمدیت کا جوا ڈالنا چاہتا ہے، اس لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہندو مسلم سوال اٹھ جائے اور ساری قومیں شیر وشکر ہو کر رہیں تا کہ ملک کے حصے بخرے نہ ہوں۔ بے شک یہ کام بہت مشکل ہے، مگر اس کے نتائج بھی بہت شاندار ہیں اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ساری قومیں متحد ہوں، احمدیت اس وسیع بیس میں ترقی کرے، چنانچہ اس رویا (خواب) میں اسی طرح اشارہ ہے۔ ممکن ہے عارضی طور پر افتراق پیدا ہو اور کچھ وقت کے لیے دونوں قومیں جدا ہو جائیں، مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جلد دور ہو جائے۔

بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر وشکر ہو کر رہیں۔لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو ہم مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔اگر وہ ہلاکت کے گڑھے میں گریں گے، تو ہم بھی ان کے ساتھ ہوں گے اور ہماری وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو بھی بچالے گا۔ یہ تو نہیں کہتا کہ ان کی ہلاکت کے ساتھ ہماری ہلاکت ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ احمدیت کو ہلاک نہیں کرسکتا۔''

واضح رہے کہ اس ''مجلس عرفان'' میں سر ظفر اللہ خان بھی ''حضور'' کے ساتھ مسند پر تشریف فرما تھے اور مجلس کی ابتداء میں ''خلیفۃ المسیح الثانی'' نے اپنا ایک تازہ خواب سنایا، جس میں گاندھی جی ان کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹنا چاہتے تھے اور ذرا سی دیر لیٹنے کے بعد فوراً اٹھ بیٹھے اور گفتگو شروع کردی۔

یہود وہنود سے قادیانیوں کے تعلقات کے علاوہ ایک عجیب بات یہ ہے کہ مذہب کو افیون قرار دینے والے کمیونسٹ عناصر، ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ قادیانیوں کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھے۔ وہ ہر موقع پر قادیانیوں کی مخالفت سے گریز کرتے اور ان کے مسئلہ کو فرقہ وارانہ جھگڑا کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔

اس پس منظر میں پاکستان کے خلاف بھارت اور اسرائیل کے جارحانہ عزائم کی تکمیل میں قادیانیوں کے خفیہ اور اعلانیہ کردار اور کمیونسٹوں کے تعاون کا کوئی راز نہیں رہتا۔ پھر پاکستان کے پرامن ایٹمی پروگرام میں نمایاں خدمات انجام دینے والے ڈاکٹر عبدالقدیر خان ان کی سازش سے کیسے بچ سکتے تھے؟ آخر کار وہ بھی ان کی زد میں آگئے اور اب ڈاکٹر عبدالقدیر کی شخصیت اور کارنامے ہی متنازعہ نہیں قرار پاتے، بلکہ بعض لوگ ان شکوک وشبہات کا اظہار بھی کرنے لگے ہیں کہ اس نام کی کسی شخصیت کا وجود ہے بھی یا نہیں۔ جو نام اور جو تصویر اخبارات میں شائع ہو رہی ہے، وہ کوئی اور ہی شخص ہے۔ سازشی عناصر کی یہی کامیابی کم ہے کہ انہوں نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوششوں کے علاوہ وطن عزیز کے ایک مایہ ناز سپوت کو متنازعہ بنا ڈالا۔'' (''ڈاکٹر عبدالقدیر اور کہوٹہ ایٹمی سنٹر'' از یونس خلش)

ڈاکٹر عبدالسلام کا ہمیشہ اسلام اور پاکستان دشمن شخصیات سے گہرا یارانہ رہا بلکہ رازدارانہ تعلقات رہے۔ امپیریل کالج لندن سے پی ایچ ڈی یافتہ یہودی ڈاکٹر یوول نیمان، ڈاکٹر عبدالسلام کے قریبی دوستوں میں سے ہے۔ جس کی دعوت پر ڈاکٹر عبدالسلام اکثر اسرائیل کے دورہ پر جاتا رہا ہے۔ ایک معروف صحافی کے سوال پر کہ جماعت احمدیہ کا اسرائیل میں تبلیغی مشن ہے، اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ڈاکٹر عبدالسلام نے اعتراف کیا تھا کہ اسرائیل کے قیام سے پہلے کے زمانہ میں ہم وہاں آباد ہیں۔ وہ ہماری جماعت کے اہم آدمی ہیں۔ اسرائیل ان کا وطن ہے، ہم انہیں وطن بدر نہیں کرسکتے۔ رہا میری ذات کا تعلق تو میں ایسا سائنس دان ہوں جو جغرافیائی سرحدوں کا قائل نہیں۔ میرے لیے انسانیت سب سے اہم ہے۔ اگر مجھے کوئی کافر یا غدار کہتا ہے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

معتبر ذرائع کے مطابق بھارت نے اپنے ایٹمی دھماکے اسی یہودی سائنس دان کے مشورے

سے کہے جو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یوول نیمان امریکہ میں بیٹھ کر براہ راست اسرائیل کی مفادات کی نگرانی کر رہا ہے۔ اسرائیل کے لیے پہلا ایٹم بم بنانے کا اعزاز بھی اسی شخص کو حاصل ہے۔ پاکستان اس کی ہٹ لسٹ پر ہے اور اس سلسلے میں وہ بھارت کے کئی خفیہ دورے بھی کر چکا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ امریکی کانگریس کی بہت بڑی لابی اس وقت یوول نیمان کے لیے نوبیل پرائز کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔ اس کی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد امت مسلمہ کو نقصان پہنچانا ہے اور وہ اپنے نصب العین کے حصول کے لیے ہر وقت مسلمانوں کے خلاف کسی نہ کسی سازش میں مصروف رہتا ہے۔ دنیا کی ہر مسلم دشمن قوت کے ساتھ اس کا براہ راست رابطہ ہے۔ اس نے ٹیکساس اور کیلی فورنیا کی دو بڑی یونیورسٹیوں کے اہم عہدوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تل ابیب یونیورسٹی اسرائیل کے شعبہ فزکس کا سربراہ بھی ہے۔ اس سے پہلے یہ شخص اسرائیل کا وزیر تعلیم و سائنس و ٹیکنالوجی بھی رہا۔ پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام پر اس کی خاص نظر ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اس کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹکتا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر عبدالسلام کے پاکستان دشمن بھارتی لیڈر نہرو کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ نہرو نے ڈاکٹر عبدالسلام کو آفر کی تھی کہ آپ انڈیا آ جائیں، ہم آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق ادارہ بنا کر دیں گے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے کہا کہ "وہ اس سلسلہ میں اٹلی کی حکومت سے وعدہ کر چکے ہیں لہٰذا میں معذرت چاہتا ہوں لیکن آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے وہاں کے سائنس دانوں سے تعاون کروں گا۔" یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی بھارتی "خدمات" کے عوض وہ ٹاٹا انسٹیٹیوٹ برائے بنیادی تحقیق بمبئی، انڈین نیشنل سائنس اکیڈمی نئی دہلی اور انڈیا اکیڈمی آف سائنس بنگلور کا منتخب رکن رہا۔ گورونانک یونیورسٹی امرتسر (بھارت)، نہرو یونیورسٹی بنارس (بھارت)، پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ (بھارت) نے اسے "ڈاکٹر آف سائنس" کی اعزازی ڈگریاں دیں۔ کلکتہ یونیورسٹی نے اسے سر دیو پرشاد سرداھیکاری گولڈ میڈل اور انڈین فزکس ایسوسی ایشن نے شری آر ڈی برلا ایوارڈ دیا۔

بھارتی صحافی جگجیت سنگھ کے ساتھ ڈاکٹر عبدالسلام کے ذاتی تعلقات تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام جب بھی بھارت جاتا، جگجیت سنگھ "ٹائمز آف انڈیا" میں اس پر بھرپور فیچر شائع کرتا۔ اس نے ڈاکٹر عبدالسلام پر **"Abdus Salam a Biography"** (سن اشاعت 1992ء) کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب کا ایک باب **"The Ahmaddiya Jammat"** ہے جس میں جگجیت سنگھ نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے والے 7 ستمبر 1974ء کو پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلہ اور 1984ء کے صدارتی آرڈیننس جس کے تحت قادیانی شعائر اسلامی استعمال نہیں کر سکتے، کی سخت مذمت کی اور قادیانیوں کو "مظلوم" قرار دیتے ہوئے ان اقدامات کو حقوق انسانی کے منافی قرار دیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام کا ایک اور بے تکلف دوست جے سی پولکنگ ہارن **(J.C.Polking**

(Horue) جو کیمبرج میں سلام کا شاگرد تھا اور بعد میں کیتھولک بشپ بن گیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی درخواست پر ہر سال قادیانی جماعت کے سالانہ جلسوں میں شرکت کرتا رہا۔ یاد رہے یہ وہی پولنگ ہارو ہے جو پاکستان میں قانون توہین رسالت 295/C کے خلاف امریکہ میں عیسائی جلوسوں کی قیادت کرتا ہے۔ جن میں قادیانیوں کی بھی کثیر تعداد شامل ہوتی ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے جولائی 1994ء میں بیت الفضل لندن میں توہین رسالت ﷺ کی سزا کے خلاف تقریر کی تو مسٹر پولنگ ہاروا اپنے کئی بشپ دوستوں کے ہمراہ وہاں موجود تھا۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو بڑے بڑے انعامات سے جو رقوم ملیں، ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ایٹم برائے امن ایوارڈ	تیس ہزار ڈالر
نوبیل پرائز	چھیاسٹھ ہزار ڈالر
بارسلونا پرائز	ایک لاکھ ڈالر
ایڈنبرا پرائز	5 ہزار ڈالر

ڈاکٹر سلام نے ان تمام رقوم کا 10 فیصد حصہ اپنے خلیفہ کے حکم پر جماعت احمدیہ کے فنڈ میں جمع کروایا۔ اس کے علاوہ یحییٰ خاں کے زمانہ میں اس وقت کے سیکرٹری خزانہ ایم ایم احمد قادیانی نے ڈاکٹر عبدالسلام کو "پاکستان سائنس فاؤنڈیشن" کے نام پر ایک کروڑ روپے کی خطیر رقم فراہم کی، جس کے خرچ کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ خدشہ ہے یہ رقم بھی قادیانی جماعت کے فنڈ میں جمع کروا دی گئی تھی۔ پاکستان کے معروف مذہبی و سیاسی راہنما مولانا شاہ احمد نورانی کا بیان آن ریکارڈ ہے کہ:

"......مرزائیت، یہودیت کی گود میں پروان چڑھ رہی ہے اور پاکستان میں تل ابیب کا ایجنٹ ربوہ ہے، اس کی معرفت جو چاہتے ہیں، کرواتے ہیں...... مذہب کا تو ان لوگوں نے لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی خطرناک سیاسی تحریک ہے اور صیہونیت کی ایک ذیلی تنظیم ہے جو مسلمانوں کے اندر رہ کر مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر رہی ہے۔ حکومت تبلیغی مقاصد کے لیے جو بھی رقم خرچ کرتی رہی ہے، وہ اس سلسلے میں بڑی فراخدلی سے مرزا ایم ایم احمد قادیانی کی معرفت تقسیم کرائی تھی۔ ہر مرزائی مبلغ براہ راست ایم ایم احمد کی اجازت سے سٹیٹ بینک پہنچتا تھا اور بڑی آسانی سے غیر ملکی زرمبادلہ حاصل کر لیتا تھا اور اس کے اعداد و شمار سٹیٹ بینک سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔"

اسی طرح بھٹو دور کے وفاقی وزیر پیداوار، انڈسٹریز و ٹاؤن پلاننگ نے بھی اپنی وزارت کی طرف سے ڈاکٹر عبدالسلام کی پرزور سفارش پر تعلیم الاسلام کالج ربوہ کو 60 لاکھ روپے کی خطیر گرانٹ دی،

جس کا حکومت کی طرف سے کبھی کوئی آڈٹ نہیں ہوا۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے صاحبان اقتدار نے دانستہ طور پر ڈاکٹر عبدالسلام کی مندرجہ بالا غداریوں اور سازشوں سے مجرمانہ چشم پوشی کی اور ان ''خدمات'' کے عوض اسے 1959ء میں ستارہ امتیاز اور تمغہ و ایوارڈ حسن کارکردگی اور 1979ء میں پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز نشان امتیاز دیا گیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور نے ڈاکٹر عبدالسلام کی موت پر ''سلام میڈل'' کا اجراء کیا جو فزکس اور ریاضی کے شعبہ میں اول آنے والے طالب علموں کو دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے کالج کے اولڈ ہال کا نام ''سلام ہال'' رکھا اور مزید یہ کہ گورنمنٹ کالج میں اس کے نام کی ایک ''چیئر'' قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا، جس کی منظوری بھی ہو چکی ہے۔

لہولہان تھا میں اور عدل کی میزان
جھکی تھی جانب قاتل کہ راج اس کا تھا

ڈاکٹر عبدالسلام 1992ء میں اٹلی میں مقیم تھا۔ اس وقت ان کی عمر 65 سال تھی۔ جولائی میں اسے ایک نامعلوم بیماری نے آگھیرا جس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے قطعی طور پر معذور ہو گیا۔ ابتدائی رپورٹوں کے مطابق اس پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔ وہ صرف وہیل چیئر کے ذریعے ہی حرکت کر سکتا تھا۔ بعد ازاں ان پر فالج کا ایک اور شدید حملہ ہوا جس سے وہ بے حد علیل ہو گیا۔ اسے اٹلی کے ایک بڑے ہسپتال میں داخل کروایا گیا جہاں ماہر ڈاکٹروں کی نگرانی میں اس کا علاج شروع ہوا۔ ان کے مختلف ٹیسٹ کیے گئے جن سے پتہ چلا کہ وہ ایک نہایت پیچیدہ بیماری **Progressive Supranuclear Palsy** **(PSP)** کا شکار ہو گیا ہے۔

''پروگریسیو سپرانیوکلیر پالسی'' ایک پُر اسرار اور خطرناک فالج کی شکل ہے، جس میں مریض اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے اور پاگلوں جیسی حرکات کرتا رہتا ہے۔ ماہرین کے مطابق چونکہ یہ ایک نئی بیماری متعارف ہوئی ہے، جس کا مستقبل قریب میں علاج ممکن نہیں ہے۔ بعض لوگ اسے خدائی عذاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس خطرناک بیماری کے باعث ڈاکٹر عبدالسلام کی یادداشت بالکل ختم ہو گئی۔ وہ جو کچھ کہتا، کچھ سمجھ نہ آتی۔ اس بیماری کی آخری وقت تک تشخیص نہ ہو سکی۔ ماہرین کے مطابق اس بیماری کا شکار مریض تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے اور کسی دوائی سے افاقہ نہیں ہوتا۔

بعض بیماریاں مخصوص حالات کا اظہار کرتی ہیں۔ مثلاً مغربی معاشرے میں جنسی بے راہ روی اور ہم جنس پرستی نے ایڈز جیسی مکروہ بیماری کو جنم دیا، جس کی ہلاکت سے مغرب لرزہ براندام ہے اور جنوبی امریکہ کے ملکوں میں ہاگ وائرس کی ایک بیماری پھیلنے کی علامات ہیں، جس میں مریض کی شکل مسخ ہو کر سور جیسی ہو جاتی ہے اور یہ بیماری یقیناً ایڈز سے زیادہ خوفناک نظر آتی ہے اور اس کی پشت پر بھی ایڈز والے

عوامل کارفرما ہیں۔ اسی طرح روحانی بے راہ روی ایسی جسمانی بیماریوں کا باعث ہو جاتی ہے، جن کا تعلق غور وفکر اور اظہار وخیال سے ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑی بیماری کفر وشرک میں مبتلا ہونے اور اس سے بھی شدید تر، ارتداد، زندقہ اور شان رسالت ﷺ میں گستاخی کرنے کو اختیار کر لینا ہے۔ موخرالذکر روحانی امراض میں مبتلا بدبختوں کا انجام، عبرت ناک ہوا کرتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کا تعلق ایسے ہی بدبخت گروہ سے ہے اور اس مذہب کے تقریباً تمام لوگ ایسے ہی پیچیدہ اور عبرتناک امراض میں مبتلا ہو کر جہنم رسید ہوتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر سام کے ساتھ خدا تعالیٰ کا سلوک مرزا قادیانی کی مندرجہ ذیل تحریروں کی روشنی میں کیا ہوا؟

1- فالج سخت بلا ہے (''حقیقت الوحی'' ص 223، ''روحانی خزائن'' جلد 22، ص 233)

2- فالج نہایت سخت دکھ کی مار ہے، قہر ہے، غضب الٰہی ہے۔ (''انجام آتھم'' ص 66، ''روحانی خزائن'' جلد 11 ص 66)

3- فالج خبیث مرض ہے۔ (''اربعین'' نمبر 3، ص 35، حاشیہ ''روحانی خزائن'' نمبر 17، ص 419)

4- اور خود خدا تعالیٰ نے فرمایا: ''اے عبدالحکیم تو مفلوج ہونے سے بچایا جائے گا کیونکہ اس میں شماتت اعداء ہے۔ (''تذکرہ'' مجموعہ الہامات ص 671، از مرزا غلام احمد قادیانی)

اٹلی کے ہسپتال میں ڈاکٹر عبدالسلام کی حالت زیادہ خراب ہو جانے کے پیش نظر اسے لندن (برطانیہ) منتقل کر دیا گیا جہاں دنیا کے بہترین ڈاکٹروں کے زیر نگرانی اس کا علاج ہوا مگر کوئی افاقہ نہ ہو سکا۔ اس کی حالت دن بدن بگڑتی چلی گئی۔ اس کا چہرہ بری طرح بگڑ گیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے اس کے بدن سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام سسک سسک کر مر رہا تھا۔ تکلیف اور درد کی وجہ سے اس کی ہذیانی چیخیں دور دور تک سنائی دیتیں۔

زندگی اور موت کی کشمکش بلکہ عذاب میں مبتلا رہنے کے بعد بالآخر ڈاکٹر عبدالسلام 21 نومبر 1996ء کو جہنم واصل ہوا۔ ڈاکٹروں نے اس کی موت کی تصدیق کی۔ اس کی گردن ایک طرف لڑھک گئی تھی۔ اس کی آنکھیں خوفناک حد تک باہر آ گئی تھیں۔ اور زبان دانتوں کے درمیان لٹک رہی تھی۔ جس نے بھی اس کا چہرہ دیکھا، لرز کر رہ گیا اور توبہ توبہ کرتے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ ایلومینیم کے ایک مضبوط تابوت میں اس کی لاش محفوظ کر کے 25 نومبر 1996ء کو ربوہ لائی گئی۔

ربوہ میں ڈاکٹر عبدالسلام کے جنازہ پر اس وقت شدید بدمزگی پیدا ہوئی جب ڈاکٹر عبدالسلام کی دوسری بیوی لوئس جانسن (عیسائی) جو لندن سے ڈاکٹر عبدالسلام کے تابوت کے ساتھ پاکستان آئی، کے ساتھ سلام کی پہلی بیوی امتہ الحفیظ اور اس کی بیٹیوں عزیزہ، آصفہ اور بشریٰ نے نہایت بدتمیزی کی بلکہ اسے

گندی گالیاں بھی دیں۔ ڈاکٹر سلام کے بیٹے نے اپنی سوتیلی والدہ لوئس جانسن کو تھپڑ مارنے کی کوشش کی جس پر خدام الاحمدیہ کے نوجوانوں نے بڑی مشکل سے اسے قابو کیا اور اسے امور عامہ کے دفتر میں لے گئے اور دھمکی دی کہ اگر اس نے سلام کی دوسری بیوی کے ساتھ مزید کوئی بدتمیزی کی تو اسے ربوہ سے نکال دیا جائے گا۔ بالکل یہی سلوک ڈاکٹر عبدالسلام کی سوتیلی ہمشیرہ مسعودہ بیگم (جو ڈاکٹر عبدالسلام کے والد چوہدری محمد حسین کی پہلی بیوی سعیدہ بیگم کی اکلوتی بیٹی تھی) کی زندگی میں ان کے ساتھ کیا گیا۔

''ڈاکٹر عبدالسلام سے مغائرت کیوں؟'' اس عنوان سے عمر پیام لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر عبدالسلام مخلص احمدی تھے۔ جماعت احمدیہ ربوہ پر ان سے بے وفائی کا الزام آتا ہے۔ خلاف عقل حکم تسلیم نہ کرنے پر مرزا طاہر احمد، ان سے خفا کیا ہوئے، گویا ساری جماعت خفا ہوگئی۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے خلاف جماعت ربوہ نے اپنے دلوں میں کینہ وبغض بھرلیا۔ ان کی بیماری کے آخری ایام میں انہیں یکسر نظر انداز کردیا گیا۔ یہاں تک کہ ربوہ میں دعا کی تحریک تک نہیں کی گئی اور نہ ہی مرزا طاہر احمد نے اپنے خطبات میں اس امر کا ذکر کیا۔ ربوہ کے صحافیوں نے مرحوم کے خلاف نفرت کو شدت سے محسوس کیا، جسے پریس میں پیش کیا۔ اس پر ڈاکٹر انور سدید اور دیگر مفکروں اور دانشوروں نے ڈاکٹر عبدالسلام کی خدمات پر قلم اٹھایا۔ جن کے افکار کو قومی اخبارات سے نقل کر کے جماعت احمدیہ کے آرگن ''الفضل'' نے بادل نخواستہ شائع کیا اور مرزا طاہر احمد نے بھی ان کی تیمارداری کے لیے اپنے خداموں کو مقرر کیا، جنہیں ڈاکٹر عبدالسلام نے قبول نہ کیا۔

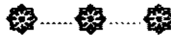
ڈاکٹر عبدالسلام کی وفات کی خبر سنتے ہی مجھے جماعت احمدیہ ربوہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کا موقع ملا۔ مجھے جماعت احمدیہ یہاں بھی دو حصوں میں بٹی ہوئی دکھائی دی۔ ایک گروپ ڈاکٹر عبدالسلام کے عقیدت مندوں کا اور دوسرا قبضہ گروپ کی شکل میں سامنے آیا۔ قبضہ گروپ نے ڈاکٹر عبدالسلام کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرنے والوں کی تعداد صرف 25 ہزار بتائی، جسے ''الفضل'' میں بھی شائع کیا گیا اور وفات کے بعد ربوہ کے صحافیوں کو ڈاکٹر عبدالسلام سے متعلق اور دیگر معلومات فراہم کرنے سے انکار کردیا اور انہیں تدفین میں شامل ہونے سے روک دیا۔ پی پی آئی کے رپورٹر سے بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا پریس بیج پھاڑ دیا۔ صحافیوں کو مرحوم کے لواحقین سے ملنے اور ان سے انٹرویو کرنے سے روک دیا۔ اسی طرح عقیدت مندوں کو جنازہ کو کندھا دینے سے روک دیا۔ میت کو خدام احمدیہ نے اپنے نرغے میں لے کر قبرستان پہنچایا اور نرغے میں ہی دفن کیا۔ قبضہ گروپ نے نماز جنازہ کے وقت بھی تفریق سے کام لیا۔ صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید اور وقف جدید کے اعلیٰ افسران کو جنازے کی اگلی صفوں میں بلالیا اور دوسروں کو پیچھے کردیا گیا۔ مقرر کیے گئے رضاکاروں نے کسی دوسرے عقیدت مند کو اگلی صفوں میں شامل نہیں ہونے دیا۔ اس طرح تدفین کے وقت احاطہ کیے ہوئے خدام احمدیہ نے لندن سے آئے ہوئے ان کے عقیدت

مندوں کو تدفین کی جگہ جانے سے سختی سے منع کر دیا۔ مجھے ان عقیدت مندوں کی منتوں اور عذرات وغیرہ سن کر اور خدام کے رویہ کی طرف دیکھ کر اندازہ ہوا کہ جماعت احمدیہ یقیناً جذبات سے عاری اور مردہ ہو چکی ہے۔

قبضہ گروپ نے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے مشہور کر دیا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کے جنازہ میں شرکت کے لیے اٹلی کے سفیر اور وفاقی وصوبائی وزیر اور مشیر ربوہ پہنچ رہے ہیں، جسے عقیدت مند گروپ نے بہت ہوا دی اور افواہ پھیلا دی کہ بی بی سی، وائس آف امریکہ اور وائس آف جرمنی کے نمائندے بھی آرہے ہیں۔ جب یہ سب افواہیں ثابت ہوئیں تو عقیدت مند گروپ نے مقامی تین جانبدار نامہ نگاروں کو استعمال کر کے ان کے اخبارات میں یہ خبر شائع کروا دی کہ اٹلی کے سفیر اور وفاقی وصوبائی حکومتوں کے وزیروں نے تدفین میں شرکت کی۔ جبکہ ربوہ کے دیگر اخباروں اور ایجنسیوں کے نامہ نگاروں اور فیصل آباد سے آئے ہوئے ڈیلی ڈان اور اے پی پی کے نمائندوں کو ایسی کوئی بات نظر نہ آئی اور ان سب کی رپورٹنگ کو ''مخالفانہ'' کہہ دیا گیا۔

مجھے ربوہ کے اہل دانش اور آزاد خیال لوگوں سے رائے معلوم کرنے کا موقع ملا۔ انہوں نے جماعت احمدیہ کے دونوں گروپوں کی دوغلی پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کے جنازے سے لوگوں کو سو اور دوسو فٹ دور رکھ کر عقیدت مندوں کے جذبات سے کھیلا گیا ہے۔ انہوں نے ربوہ کے پریس سے معاندانہ رویہ رکھنے اور بدتمیزی اختیار کرنے پر بھی شدید مذمت کا اظہار کیا اور کہا کہ دنیا بھر میں پریس کو عزت و وقار سے دیکھا جاتا ہے اور ہر ملک وشہر کی انتظامیہ پریس کو سہولتیں اور معلومات فراہم کرتی ہے مگر انجمن احمدیہ ربوہ مقامی صحافیوں کی تذلیل کر کے خوشی محسوس کرتی ہے۔''

(روزنامہ ''وفاق'' لاہور 8 دسمبر 1996ء)



مبارکہ بیگم

جنسی مہمات کی فاتح مبارکہ بیگم 2 مارچ 1897ء کو مرزا قادیانی کے ہاں قادیان میں پیدا ہوئی۔ وہ بچپن ہی سے بڑی شوخ، چنچل، شرارتی اور موج و مستی کی دلدادہ تھی۔ اس لیے کسی سکول سے کوئی تعلیم حاصل نہ کی۔ روزنامہ الفضل ربوہ کی اشاعت 24 نومبر 1972ء میں ''یاد نہ کر دلِ حزیں بھولی ہوئی کہانیاں'' کے عنوان سے مبارکہ بیگم نے اپنے بچپن کی دلچسپ یادیں تحریر کی ہیں۔ ایک واقعہ میں وہ لکھتی ہے:

''ایک دفعہ میں اور میرا بھائی مبارک احمد، حضرت مسیح موعود کے پاس ہی ایک پلنگ پر بیٹھے کھیل کھیل میں ایک دوسرے کو ٹانگیں مار رہے تھے تو حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ بے شک کشتی کرو اور کھیلو مگر (میری طرف خصوصاً دیکھ کر کہا) لڑکیوں کے بدن کا ایک حصہ ایسا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سخت چوٹ لگ جائے تو بہت نقصان ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تم دونوں کھیلو مگر خیال رکھو کہ تم دونوں کے جسم کے نیچے نازک حصوں پر چوٹ نہ آ جائے۔'' (تحریرات مبارکہ ص 265 از مبارکہ بیگم)

قادیانی ماہنامہ مصباح نومبر دسمبر 1968ء میں مبارکہ بیگم کے بچپن کا ایک کشف شائع ہوا ہے جس میں وہ لکھتی ہے کہ: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے صحن کا کنواں لبالب پانی سے بھرا ہوا ہے اور ایک جواں عمر تیز تیز اس کنویں کے گرد گھوم رہا ہے۔ آنکھ کھلی تو دیکھا میرے بڑے بھائی مرزا محمود مجھے گلے لگا کر میرے ساتھ لیٹے ہوئے ہیں۔'' (تحریرات مبارکہ ص 56 از مبارکہ بیگم)

مبارکہ بیگم کے ایک اور طبع شدہ مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''ایک دفعہ میرے استاد پیر منظور، مرزا افضل بیگ سے گراموفون مانگ لائے اور ریکارڈ چلانے لگے۔ وہ عجیب سے اشعار میرے لیے نئی چیز تھے۔ میں نے کہا پیر جی! میری کاپی پر یہ شعر لکھ دو۔ انہوں نے لکھ دیا۔ ایک مصرع مجھے یاد ہے۔

ستم سے باز آ ظالم قیامت آنے والی ہے

(سوانح فضل عمر جلد اول ص 142 از مرزا طاہر احمد)

قادیان کی ناگن نے بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی یہ ظاہر کر دیا تھا کہ آوارگی اور بدکاری کے اوصاف میں وہ اپنی ماں کی صحیح جانشین ہے۔ محض 10 سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے اس کی بے حجاب بدکاریاں اور خرمستیاں قادیان میں زبان زد خاص و عام ہو چکی تھیں۔ وہ ایسی حسینہ تھی کہ جو دیکھتا تو اپنی آنکھوں پر یقین نہ کرتا۔ اس قتالہ عالم کی بے باک اداؤں پر قادیان کے بوڑھے بھی آہیں بھرتے، جوانوں کا کیا حال ہوا ہوگا؟ یہ تو وہی جان سکتا ہے جس نے کبھی شاہی دستر خوان پر لائے گئے کسی فاقوں مارے کی کیفیت دیکھی ہو۔ حسن کی دولت سے مالا مال مبارکہ بیگم بے باکی، ادا فروشی اور بے حیائی میں اپنی ماں سے بھی دو قدم آگے تھی جس کے بل بوتے پر وہ کئی دلوں پر ساتی اور پاؤں رکھتی ہوئی آگے سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ یوں اس کے حسن کے چشمے نے کئی پیاسوں کی تسکین کا سامان فراہم کیا۔ اس کے حالات زندگی کے مقابلہ میں دنیا بھر کے ''کوک شاستر''، ''شرم شاستر'' کہے جا سکتے ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود اس کے خاندان کے کسی ایک فرد کی پیشانی پر شرم و حیا کے پسینہ کا ایک قطرہ تک، کبھی نمودار نہیں ہوا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذہب اور اخلاق کے رنگین پردوں کی آڑ میں وہ سب لوگ بذاتِ خود یہ ''کھیل'' نہایت ذوق و شوق سے کھیلتے رہتے۔ ان کی نگاہیں کور، ان کے دماغ ماؤف اور ان کی روحیں خوابیدہ ہو چکی تھیں۔ صاحبزادی مبارکہ بیگم کی جنسی فیاضیوں کے قصوں سے قادیانیت کی تاریخ لتھڑی پڑی ہے۔ قادیان اگر کرپشن کا گڑھ تھا تو وہ وہاں کی ملکہ تھی۔ اسے ''قادیانی پدمنی'' بھی کہا جاتا ہے۔ وہ طرح طرح کے مردوں کی صحبت سے لطف اٹھاتی اور ان سے بھاری فرمائشیں پوری کرواتی۔ وہ اتنی شہوت انگیز تھی کہ صرف ایک شوہر پر قناعت نہ کرتی بلکہ منشی ظفر احمد کپورتھلہ جیسے صحت مند اور کڑیل جوانوں کی طاقت پر بھی ہاتھ صاف کرتی۔ اس مقصد کے لیے اس نے سر درد کے شدید دوروں کا ڈھونگ رچایا۔ ظاہر ہے ان دوروں کے وقت اور بعد میں اسے مکمل ''آرام'' کی ضرورت ہوتی۔ لہٰذا وہ علیحدہ کوٹھی میں رہتی، اس کے آشنا آتے اور اس کے بدن کی آگ تاپتے۔ اس کو پسند تھا کہ لوگ اسے کتیا کی طرح استعمال کریں۔

پہلے یہ شکر کہ ہم حد ادب سے نہ بڑھے
پھر یہ شکوہ کہ شرافت نے کہیں کا نہ رکھا

بالآخر اخلاق باختگی اور اوباشی کے افسوسناک مظاہرات کے بعد فیصلہ ہوا کہ مزید بدنامی سے بچنے کے لیے اس کی جلد از جلد شادی کر دی جائے۔ چنانچہ محض دولت اور جائیداد کے چکر میں مرزا قادیانی نے مبارکہ کی شادی مالیر کوٹلہ کے عیاش طبع اور رنگین مزاج رئیس نواب محمد علی خان سے 17 فروری 1908ء کو کر دی۔ نواب محمد علی خان یکم جنوری 1870ء میں مالیر کوٹلہ میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق ریاست کے بڑے کٹر اور متشدد اہل تشیع میں ہوتا تھا۔ وہ آخری وقت تک اپنے عقائد پر سختی سے قائم رہا۔ شادی کے وقت مبارکہ کی عمر محض 11 سال اور محمد علی خاں کی عمر 42 سال تھی۔ یہ اس کی تیسری شادی تھی۔ اس سے پہلے اس

کی دونوں بیویاں فوت ہوگئی تھیں جن میں سے ان کی بڑی اولاد تھی۔ نواب محمد علی کی پہلی شادی 21 سال کی عمر میں اپنی خالہ زاد بہن مہر النساء بیگم سے ہوئی جس سے 6 بچے پیدا ہوئے۔ مہر النساء 1898ء میں بچے (عبدالرب) کی ولادت کے نتیجہ میں فوت ہوگئیں۔ نواب صاحب کی دوسری شادی 1898ء میں امتہ الحمید بیگم سے ہوئی جس کی عمر اس وقت 12 سال تھی۔ (سیرت وسوانح نواب مبارکہ بیگم از پروفیسر نسیم سعید ص 97)

پتلی کمر اور کچی عمر کی اخلاق باختہ مبارکہ کا نکاح حکیم نورالدین نے پڑھایا۔ اس نکاح میں 56 ہزار روپے حق مہر لکھوایا گیا۔ 1908ء میں 56 ہزار آج کے کروڑوں روپے بنتے ہیں۔ مورخ احمدیت دوست محمد شاہد کے مطابق حق مہر تحریر کو باقاعدہ رجسٹری کروا کے اس پر شہادتیں ثبت کروادی گئیں یعنی اسے قانونی حیثیت دی گئی۔ مرزا قادیانی اور اس کے خاندان کا لالچ اور ہوس دیکھیے کہ انہوں نے مرزا قادیانی کی دوسری بیٹی امتہ الحفیظ کی شادی 7 جون 1915ء کو نواب محمد علی خاں کے بیٹے عبداللہ خاں سے کی۔ یعنی باپ بھی داماد اور بیٹا بھی داماد اور دونوں آپس میں ہم زلف۔ عبداللہ خاں اپنے باپ محمد علی خاں کی پہلی بیگم کا دوسرا بیٹا تھا۔ اس کا حق مہر 15 ہزار روپے مقرر کیا گیا جو آج کے لاکھوں روپے بنتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف مرزا قادیانی نے اپنے بیٹے مرزا شریف احمد کا نکاح 15 نومبر 1906ء کو نواب محمد علی خاں کی دوسری بیوی امتہ الحمید بیگم کی اکلوتی بیٹی بوزینب بیگم سے کیا۔ نکاح حکیم نورالدین نے پڑھایا۔ جبکہ حق مہر صرف ایک ہزار روپے مقرر ہوا۔

14 مارچ 1909ء کو نواب محمد علی خاں کو سہاگ رات مرگی کا ایک شدید دورہ پڑا۔ فوری طور پر ڈاکٹر میر محمد اسماعیل اور ڈاکٹر یعقوب جو اتفاق سے قادیان میں ہی تھے، بلایا گیا جنہوں نے فوری طور پر کچھ ادویات پلائیں جس سے اس کی طبیعت قدرے بحال ہوئی لیکن اس دورے سے اس کی ازدواجی زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ عیش وعشرت کی زندگی، شراب نوشی اور دیگر نشہ آور یا ایستادگی کو بڑھانے والی ادویات استعمال کرنے کے نتیجہ میں وہ تیزی سے بڑھاپے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک عرصہ خطرناک علالت میں مبتلا رہا۔ اس کو Papilloma کی وجہ سے پیشاب میں کثرت سے خون آتا جس سے وہ بے حد کمزور ہوگیا۔ بعد ازاں شوگر کی وجہ سے اس کے گردے کام کرنا چھوڑ گئے۔ جس کی وجہ سے وہ مہینوں بستر پر رہا۔ اسی اثناء میں اسے مثانے کا کینسر لاحق ہوگیا جس سے اس کا نظام انہضام ختم ہو کر رہ گیا۔

(اصحاب احمد از ملک صلاح الدین ص 606)

اپنی بیماری کے دوران وہ ایک عرصہ تک حقوق زوجیت ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جنسی فعل اس کے لیے اس قدر تکلیف دہ تھا کہ اس نے یہ عمل بالکل ترک کر دیا تھا۔ اسی اثناء میں اس کے ہاں صاحبزادی آصفہ عرف بے بی پیدا ہوئی تو اس کے کان کھڑے ہوئے۔ آصفہ کی ولدیت کے بارے میں قادیان میں مدت تک شبہات اور قیاس آرائیوں کا بازار گرم رہا۔ 75 سالہ نواب محمد علی خاں کی غیرت جوش

میں آئی۔ اسے پہلے دن سے ہی اپنی بیوی کے کرتوتوں کا پورا علم تھا۔ اس نے اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی مگر وہ باز نہ آئی۔ بات جھگڑے تک بڑھی تو الٹا مرزا محمود نے مداخلت کرتے ہوئے محمد علی خاں کو جھاڑ پلا دی۔ اسے مرزا محمود سے ایسے رویے کی قطعاً توقع نہ تھی۔ وہ انتہائی دل برداشتہ ہوا۔ 10 فروری 1945ء کو قادیان میں شدید ڈیپریشن اور ذہنی صدمہ کے نتیجہ میں اس کے دماغ کی شریان پھٹ گئی۔ وہ اپنے ہی خون میں لت پت ہوگیا۔ یہ بڑا دہشت ناک سماں تھا۔ وہاں موجود لوگوں کے جسم میں خوف کی لہریں دوڑ گئیں۔ ایسے خبیث شخص کی موت قدرت کے انتقام کا نتیجہ تھی۔ اس کی موت کے بعد مبارکہ بیگم نے سکھ کا سانس لیا اور اپنی خرمستیوں میں مزید آزاد ہوگئی۔

45 سال کی عمر میں بھی مبارکہ کی چھاتیاں ڈھلتی ہوئی عمر کے تقاضوں کے برعکس خاصی تنی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ وہ اپنے پستانوں میں اکڑاؤ پیدا کرنے کے لیے برف کا مساج کرتی۔ وہ سر سے پاؤں تک گناہ کی دعوت اور ترغیب تھی۔ جوانی کا منہ زور دریا اور اس کی طغیانی اگرچہ ماضی کا قصہ تھی لیکن اب بھی اس کی جسمانی کشش اور دلکش خدوخال کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ وہ ایسی نہ تھی کہ کوئی دیکھ کر منہ پھیر لے۔ اس نے بڑے بڑے مربیوں کو اپنی نگاہوں کے تیروں سے چھلنی کر کے سیدھا بستر پر گرالیا۔ ایسے سبھی لوگ اپنی تقریروں میں اسے ''حضرت صاحبزادی صاحبہ'' کے القاب سے نوازتے۔ اس نے ڈھلتی عمر میں ہاتھ سے ریت کی طرح پھسلتی ہوئی دلکشی اور شباب سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔

راقم کے ساتھ ایک ملاقات میں معروف سابق قادیانی چوہدری غلام رسول چیمہ صاحب نے انکشاف کرتے ہوئے بتایا: ''قادیانی خلیفہ مرزا محمود نہایت عیاش اور بدکار آدمی تھا۔ اس کے ہاں مقدس رشتوں کے احترام اور پہچان کی سوچ سلب ہو چکی تھی۔ اسے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ایسے نازک اور حساس رشتوں کی کوئی تمیز نہ تھی۔ انہوں نے انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ مرزا محمود کے اپنی سگی بہن مبارکہ بیگم سے ناجائز تعلقات تھے۔ وہ دونوں گھنٹوں ایک دوسرے کو جنسی طور پر سراب کرتے اور ''وصل حبیب'' کا لطف اٹھاتے۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ مرزا محمود اکثر مبارکہ کو چھیڑتے ہوئے گنگناتا:

؎ مانگوں گا بار بار میں، تو بار بار دے

بعد ازاں مرزا محمود نے مبارکہ بیگم کی خواہش پر اس مصرعہ کو بنیاد بنا کر ایک نظم بھی لکھی جو ایک دفعہ قادیانی سالانہ جلسہ دسمبر 1945ء میں پڑھی گئی جہاں سادہ لوح قادیانی نظم کے ہر مصرعے پر بغیر سمجھے بے تحاشا داد دیتے جبکہ مبارکہ بیگم خواتین کے پنڈال میں بیٹھی قادیانیوں کی بیوقوفی پر قہقہے لگاتی۔

چوہدری غلام رسول چیمہ صاحب نے مرزا محمود کے پرائیویٹ سیکرٹری چوہدری مشتاق احمد باجوہ کے حوالے سے انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ صاحبزادی مبارکہ بیگم بہت ہی تیز طرار اور عیار عورت تھی۔ وہ اکثر بے ہودہ اور ننگی انگریزی فلمیں اور رسالے Play Boy وغیرہ منگواتی اور بڑے شوق سے دیکھتی۔

ایک دفعہ مبارکہ گھر میں اکیلی نہایت گندے اور عریاں رسالے دیکھ رہی تھی کہ اچانک مرزا محمود آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ مبارکہ پشت کے بل لیٹی گندے رسائل دیکھ رہی ہے۔ ایک تصویر میں مرد عورت کے ساتھ...... کر رہا ہے۔ مبارکہ مسحور کن تصاویر دیکھنے میں اتنی مگن تھی کہ اسے اردگرد کا ہوش ہی نہ رہا کہ کب مرزا محمود کمرے میں آ گیا۔ مرزا محمود آہستہ سے مبارکہ کے پاس بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ اس کی پشت پر پھیرنے لگا۔ مبارکہ گھبرا کر اٹھنے لگی تو مرزا محمود نے مسکراتے ہوئے کہا کہ گھبرا کیوں گئی ہو۔ تم شوق سے دیکھو۔ میں تو خود ایسی تصاویر شوق سے دیکھتا ہوں بلکہ میں ایسے کئی رسائل دوں گا۔ مبارکہ کا جسم تو پہلے ہی سلگ رہا تھا۔ مرزا محمود کے ہاتھ اس کے جسم پر سانپ کی طرح پھرنے لگے تو وہ ہوش کا دامن کھو بیٹھی اور جوش میں آ کر مرزا محمود کے ساتھ لپٹ گئی۔ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب شیطان کا نفس نفس پر غلبہ ہوتا ہے اور کسی رشتے کی بھی تمیز نہیں رہتی۔ لمحوں میں ہی بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی اور بہن بھائی نے مستقل آپس میں تعلقات قائم کر لیے۔

مبارکہ اور محمود اس ''گناہ'' پر پشیمان ہونے کے بجائے اور شیر ہو گئے اور ایک عرصہ تک موقع پا کر ایک دوسرے سے جسمانی طور پر لطف اندوز ہوتے رہے۔ دراصل مبارکہ اور مرزا محمود خود نصرت جہاں بیگم کی ناجائز اولاد تھی۔ بچپن میں انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے نصرت کو حکیم نورالدین، مفتی صادق اور مولوی عبدالکریم ایسے عیاش لوگوں کی آغوش میں جاتے دیکھا۔ کہتے ہیں کہ خون اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے۔ جب سے مبارکہ کے مرزا محمود کے تعلقات قائم ہوئے، مبارکہ اپنا زیادہ تر وقت محمود کے ساتھ گزارتی۔ جب موقع ملتا تو دونوں یہ گھناؤنا کھیل کھیلتے۔

ایک دفعہ مرزا محمود سب گھر والوں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ مبارکہ گیلے کپڑوں میں باتھ روم سے نکل کر ڈائننگ روم میں آ گئی۔ باریک کپڑوں سے اس کے سڈول اور بھرپور بدن کی رعنائیاں جھلک رہی تھیں۔ مرزا محمود نے اسے شر انگیز نگاہوں سے دیکھا بلکہ مبارکہ کو گیلے بدن پشت سے دیکھ کر اس کے اندر کا شیطان جاگ اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر پیچھے سے ہی مبارکہ کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ مبارکہ نے خود بخود اپنا جسم اس کے حوالے کر (دیا پھر دونوں کیف و مستی کے عالم میں جسمانی لذتوں سے سرشار ہونے لگے۔

چوہدری صاحب نے کہا کہ ان دونوں کے ناجائز تعلقات کا ان کی والدہ نصرت جہاں بیگم کو بھی بخوبی علم تھا۔ بقول مرزا محمد حسین وہ اکثر دونوں کو بستر سے علیحدہ کرتی اور ڈانٹ کر کہتی کہ اتنی بھی کیا بے صبری ہے۔ کیا کل دن طلوع نہ ہوگا؟''

اور جو یہ کہتے ہیں کہ خون اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے تو بالکل صحیح کہتے ہیں۔ شرم عورت کا گہنا اور اس کی عصمت کا ایک رنگ ہوتا ہے۔ ایک جواں سال دوشیزہ جب شرمانا چھوڑ دے تو وہ اپنی شخصیت کا سب

سے قیمتی زیور کھو دیتی ہے۔ مبارکہ بیگم کی منجھلی صاحبزادی منصورہ (مرزا ناصر کی بیوی) شرم وحیا کی دولت سے عاری اور جنسی طور پر دہکنے والی آگ تھی۔ اس کا انگ انگ پھڑکتا تھا۔ کسا ہوا بدن تھا کہ توبہ ہی بھلی! جوانی سے پہلے ہی اس پر جوانی ٹوٹ پڑی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ گلاب اور شعلوں نے مل کر اس کا پیکر بنایا ہے۔ اس حسینہ کا جسم دیکھتے ہی قادیان کا ہر نوجوان دنیا کے مصائب بھول جاتا۔ وہ آنکھوں کے ذریعے دعوت گناہ دیتی۔ اس کے پرس میں ہر وقت مانع حمل گولیاں موجود ہوتی تھیں۔ اس کی چھوٹی بہن آصفہ (بے بی) بھی چلتی پھرتی قیامت تھی۔ 9 سال کی عمر میں ہی اس کا حجاب کھل گیا تھا۔ ایک دفعہ وہ ہسپتال کے کوارٹرز میں جواں سال ڈینٹل سرجن ڈاکٹر کلیم اللہ صادق کو دادعیش دیتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تو قادیانی ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ دفتر امور عامہ کے ایک زبانی اعلان کے ذریعے اس واقعہ کو بیان کرنے پر پابندی لگا دی گئی لیکن کب تک! زنا اور قتل کے واقعات زیادہ دیر تک چھپائے نہیں جا سکتے۔ ان دونوں بہنوں کی عیاشیوں کے تذکرے آج بھی ربوہ کے ہر فرد کی زبان پر ہوتے ہیں مگر ہر شخص ''خاندان مقدس'' کی ''پاکباز'' عورتوں کے بارے کھل کر بات کرتے ہوئے سہم جاتا ہے۔

سیانے کہتے ہیں زمانہ ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ ہر شے اپنے عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ شاعر نے کہا تھا:

حسن پر مغرور کیا ہو ہر کمالے را زوال
دن کو ہم پوچھیں گے تم سے ماہ کامل کیا ہوا

1960ء میں مبارکہ بیگم بڑھاپے میں قدم رکھ چکی تھی۔ اس کی چھاتیوں سے جوانی کی گرمی اور سختی ختم ہو چکی تھی بلکہ چھاتیاں سکڑ گئیں اور اعضاء بگڑ گئے تھے۔ اور ان دنوں لاہور میں شملہ پہاڑی کے نزدیک کوٹھی نمبر 5 پام ویو میں رہائش پذیر تھی۔ مثانے میں سوزش اور درد کی وجہ سے اسے پیشاب کرنے میں شدید تکلیف ہوتی۔ جس کی وجہ سے اکثر کئی کئی گھنٹے بے ہوش رہتی۔ بعد ازاں اس کے گردے خراب ہو گئے جس کی وجہ سے اسے شدید بخار رہتا جو مہینوں نہ اُترتا۔ جانوروں کی طرح غوں غوں کرتی جس کی کچھ سمجھ نہ آتی۔ دراصل وہ جلق کی عادی ہو گئی تھی۔ طبی نقطہ نظر سے جلق عورت کے حسن و جمال کے شگفتہ و شاداب پھولوں کو تباہی و بربادی کی بادسموم کی نذر کر دیتی ہے۔ اس سے عورت کے قندھاری انار اور گولڈن سیب ایسے رخساروں کا رنگ سرسوں کے پھولوں ایسا زرد ہو جاتا ہے۔ کمزوری کی وجہ سے رخساروں کی ہڈیاں نکل آتی ہیں۔ آنکھیں اندر کو دھنس جاتی ہیں۔ ان کے گرد نیلے حلقے پڑ جاتے ہیں۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگتی ہیں۔ دولت مندی، خوشحالی اور فارغ البالی کے باوجود مبارکہ کو یقین ہو گیا تھا کہ موت اسے بتدریج اپنی آغوش میں کھینچ رہی ہے۔ اس ڈر سے اس پر ہر وقت خوف، مایوسی اور گھبراہٹ طاری رہتی۔ بات کرتی تو ہاتھ پاؤں پھول جاتے، منہ سے ہر وقت پانی بہتا رہتا۔ اس کے نتیجہ میں وہ بے خوابی، واہمہ، بیزاری، اور

دوسری ذہنی الجھنوں کا شکار ہوگئی۔ مسلسل نیند نہ آنے کی وجہ سے اس کی حالت پاگلوں جیسی ہوگئی۔ وہ شدید اعصابی درد کے علاوہ بے خوابی کے مرض میں بھی مبتلا تھی۔ ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم اس کا علاج کر رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے نیند نہ آنے کا سبب دماغی خشکی قرار دیا۔ بے حد علاج معالجہ کے باوجود اسے نیند نہ آتی۔ ڈاکٹر ہر طرح کی خواب آور گولیاں تجویز کر کے تھک گئے لیکن اس کی دماغی حالت وہی رہی۔ اس اعصاب شکن بیماری کے نتیجہ میں اس کا سکون برباد ہو گیا تھا۔ وہ ذرا سی بات پر طیش میں آجاتی، بازاری عورتوں کی طرح فحش گالیاں بکتی اور سب کے سامنے تمام کپڑے اتار کر برہنہ ہو جاتی۔ 1977ء کے شروع میں وہ استقاء کی بیماری میں مبتلا ہوگئی۔ آہستہ آہستہ اس کا جسم گلنا سڑنا شروع ہو گیا۔ اس نے ڈاکٹروں کے سامنے تسلیم کیا کہ ''یہ اس کے گناہوں کی سزا ہے۔'' طویل عذابی کیفیت کے بعد بالآخر مبارکہ بیگم 22 اور 23 مئی 1977ء کی درمیانی شب بارہ بجے اپنے چھوٹے بیٹے مسعود احمد خاں کی کوٹھی میں جہنم واصل ہوگئی۔ بعد از مرگ اس کی لاش پھول کر بے حد موٹی ہوگئی تھی۔ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں اس کے باطن کی تمام تر خباثت کچھ یوں نقش ہوگئی تھی کہ جس نے بھی یہ عبرتناک انجام اور منظر دیکھا، کانپ کر رہ گیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار



مرزا بشیر احمد ایم اے

"ماں ٹنی باپ کلنگ، بچے نکلے رنگ برنگ" کے مصداق ہوس و گناہ کا پیکر مرزا بشیر احمد ایم اے 20 اپریل 1893ء کو قادیان میں پیدا ہوا۔ مرزا قادیانی نے اسے "قصرِ احمدیت" کی بنیاد اور "قمرالانبیاء" قرار دیا تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم قادیاں میں حاصل کی۔ 1916ء میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ بعدازاں مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بطور استاد اور افسر مدرسہ مقرر ہوا۔ پھر ریویو آف ریلیجنز اور روزنامہ الفضل میں ادارت کے فرائض بھی کچھ عرصہ سرانجام دیئے۔ یہ وہی بدبخت ہے جس نے اپنی کتاب "کلمۃ الفصل" میں اپنے باپ مرزا قادیانی کو "محمد رسول اللہ" کا درجہ دیا اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں بے حد توہین آمیز کلمات کہے۔ (نعوذباللہ) وہ اپنی کتاب میں قادیانی جماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

- "اور چونکہ مشابہت تامہ کی وجہ سے مسیح موعود (مرزا قادیانی) اور نبی کریمؐ میں کوئی دوئی باقی نہیں کہ ان دونوں کے وجود بھی ایک وجود کا ہی حکم رکھتے ہیں جیسا کہ خود مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ صار وجودی وجودہ (دیکھو خطبہ الہامیہ صفحہ 171) اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضرت نبی کریم نے فرمایا کہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) میری قبر میں دفن کیا جائے گا جس سے یہی مراد ہے کہ وہ میں ہی ہوں یعنی مسیح موعود (مرزا قادیانی) نبی کریمؐ سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے جو بروزی رنگ میں دوبارہ دنیا میں آئے گا تاکہ اشاعت اسلام کا کام پورا کرے اور **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ** کے فرمان کے مطابق تمام ادیان باطلہ پر اتمام حجت کرکے اسلام کو دنیا کے کونوں تک پہنچاوے تو اس صورت میں کیا اس بات میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قادیان میں اللہ تعالیٰ نے پھر محمد ﷺ کو اتارا تاکہ اپنے وعدہ کو پورا کرے جو اس نے **آخرین منھم لما یلحقوا بھم** میں فرمایا تھا۔"

(کلمۃ الفصل ص 105، از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

- ''ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے تھے کسی کو بہت، کسی کو کم۔ مگر مسیح موعود کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہ کے تمام کمالات کو حاصل کر لیا اور اس قابل ہو گیا کہ ظلی نبی کہلائے پس ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریمؐ کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔''

(کلمۃ الفصل ص 113، از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

- ''ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) نبی کریمؐ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے صار وجودی وجودہ نیز من فرق بینی و بین المصطفی فما عرفنی و ماریٰ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت آخرین منھم سے ظاہر ہے، پس مسیح موعود خود محمدؐ رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے، اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں، ہاں اگر محمدؐ رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرور پیش آتی۔''

(کلمۃ الفصل ص 158، از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

- ''ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا اور یا محمدؐ کو مانتا ہے پر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔'' (کلمۃ الفصل ص 110 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

- ''ہم تو دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریمؐ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں، ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں، ایک دینی، دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا بھاری ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیئے گئے۔ اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کہا جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریمؐ نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔''

(کلمۃ الفصل ص 170,169 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

مرزا بشیر احمد کئی کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کی کتاب ''سیرت المہدی'' سب سے زیادہ مقبول

ہوئی جو مرزا قادیانی کے سوانح اور قادیانیت کی بنیادی تاریخ پر مشتمل ہے۔

سیرت المہدی کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی جلد دسمبر 1923ء میں، دوسری جلد دسمبر 1927ء میں اور تیسری جلد اپریل 1939ء میں شائع ہوئی۔ چوتھی جلد مرزا بشیر احمد اپنی زندگی میں تیار کر گیا تھا مگر اندرونی وجوہات کی بناء پر ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ بقول مورخ قادیانیت دوست محمد شاہد: ''مرزا بشیر احمد کی شبانہ روز کوششوں کے نتیجہ میں ''سیرت المہدی'' کا قیمتی ذخیرہ شائع ہو کر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ سلسلہ کی بعض گمشدہ کڑیوں کا سراغ اسی سے ملتا ہے۔ اس کے چوتھے حصہ کا مواد بھی فراہم ہو چکا ہے مگر اس کی اشاعت کی نوبت ابھی نہیں آ سکی۔'' (تاریخ احمدیت از دوست محمد شاہد ج 5 ص 386)

''سیرۃ المہدی'' میں مرزا بشیر احمد نے اپنے باپ مرزا قادیانی کے تمام حالاتِ زندگی اور ذاتی کردار بیان کیا ہے۔ اس لیے اس کی تمام روایات قادیانیوں کے نزدیک مستند ہیں جن سے وہ انکار نہیں کر سکتے۔ قادیانیوں کے نزدیک (نعوذ باللہ) یہ حدیث اور سنت کی کتاب ہے۔ کیونکہ جو کچھ مرزا قادیانی نے کہا اور کوئی عمل کیا ہے، قادیانیوں کے نزدیک وہ (نعوذ باللہ) حدیث و سنت کے زمرے میں آتا ہے۔ جس طرح ہماری حدیث کی کتابوں (بخاری و مسلم وغیرہ) میں ہر حدیث شریف کے شروع میں درج ہوتا ہے کہ مثلاً روایت کیا ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں...... اس کی نقل اتارتے ہوئے مرزا بشیر احمد نے اس کتاب میں درج تمام روایات کے شروع میں لکھا کہ مثلاً ''روایت کیا ہے ام المومنینؓ (مرزا قادیانی کی بیوی) نے کہ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں......''

روزنامہ ''الفضل'' قادیان مورخہ 14 ستمبر 1929ء کے مطابق اس کتاب میں کافی چھان بین اور غور و خوض کے بعد مرزا قادیانی کے خصائص و شمائل و سیرت کے متعلق نہایت ثقہ روایات درج کی گئی ہیں۔'' 19 فروری 1924ء کے ''الفضل'' کے مطابق ''ہر روایت کتب حدیث کی طرز پر بیان کی گئی ہیں۔ ہر روایت پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حدیث کی کتاب پڑھی جا رہی ہے۔ ہر احمدی کے پاس اس کتاب کا ہونا لازم ہے۔''

یہ کتاب قادیانی حلقے میں مستند اور معتبر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت دلچسپ بھی ہے۔ اس کتاب کی پہلی جلد کے پہلے ایڈیشن (مطبوعہ دسمبر 1923ء) میں مرزا بشیر نے اپنی والدہ نصرت جہاں بیگم سے روایت کرتے ہوئے سہاگ رات کی ''خلوتِ صحیحہ'' کی دلچسپ کارروائی تفصیلاً بیان کی ہے۔ اس نے لکھا کہ ''حضرت اماں جان'' نے فرمایا کہ ''سہاگ رات کو کچھ بھی نہیں ہوا۔ مرزا صاحب میرے بستر پر آن لیٹے اور ہزار کوشش کے باوجود کچھ نہ ہونے پر شرمسار ہو کر ساری رات کروٹیں لیتے رہے۔''

ایک اور اہم واقعہ جو نصرت جہاں بیگم سے ہی روایت کیا گیا کہ ''حضرت مسیح موعود، محمدی بیگم

کے عشق میں بری طرح مبتلا ہوگئے تھے۔ انہیں اک پل چین نہ آتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود، ایک ملازمہ کے ذریعے محمدی بیگم کے حیض والی شلوار منگوا کر اسے سونگھتے، چومتے اور آنکھوں سے لگاتے تو انہیں چین آتا۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔" (کتاب میں درج اصل روایت میں لفظ سلوار ہے، شلوار نہیں۔مرتب)

جب ان خرافات پر شور اٹھا تو فوری طور پر سیرت المہدی کی پہلی جلد حکماً واپس لے لی گئی۔ بعد ازاں اس کتاب میں ترمیم و اضافہ کے ساتھ دوسرا ایڈیشن 23 دسمبر 1935ء کو شائع کیا گیا۔

دراصل مرزا قادیانی جنسی علامت پرستی (Fetichism) کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اس بیماری کے شکار مریض کے بارے میں ماہرین کا کہنا ہے:

"جنسی علامت پرستی میں نفسانی خواہش اعضائے مخصوصہ سے منحرف ہو کر عورتوں کے لباس یا اعضاء پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہ خاص مردانہ انحراف ہے جو عورتوں میں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ اس نوع کے خبطی عورتوں کی زلفوں، زیر جاموں، چولیوں، جوتوں وغیرہ کو چرا کر انہیں سینت سینت کر رکھتے ہیں اور انہیں دیکھ دیکھ کر یا سونگھ سونگھ کر محظوظ ہوتے ہیں۔ انہیں جنسی ملاپ سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ان کا خبط زلف، زیر جامے، سرین، چھاتیوں کے ابھار، پاؤں، ٹخنوں یا کلائی سے مستقلاً وابستہ ہو جاتا ہے۔ وہ چولی زیر جامے وغیرہ کو سینے سے لگاتے ہیں، چومتے ہیں اور اس طرح بسا اوقات منزل بھی ہو جاتے ہیں۔"

(جنسی مطالعے از علی عباس جلالپوری ص 258)

مرزا بشیر احمد کی شادی 10 مئی 1906ء کو پشاور کی رہنے والی سرور سلطان سے ہوئی۔ وہ پھول اور شعلوں کا نکھار تھی، اس کے اندر جوالہ مکھی سلگ رہی تھی۔ مرزا بشیر ایک عرصہ اس کے بدن کے لمس سے محروم رہا کیونکہ اس کی دلچسپی کا رُخ لڑکوں کی طرف زیادہ تھا۔ غیر فطری رجحان قادیانیت کے لیے نیا نہیں تھا۔ مرزا بشیر نے اس کا احیاء کیا اور پھر یہ مرض چھوت کی بیماری کی طرح رائل فیملی میں تیزی سے پھیلتا گیا۔ وہ قادیانیت کا پہلا ہم جنس پرست تھا۔ اس کی سانسوں سے بھی لواطت کی بو آتی تھی۔ بعض دفعہ اس کا کسی نوجوان لڑکے پر دل آجاتا تو اسے اپنے گھر بلا کر زبردستی اس سے لواطت کرتا۔ وہ خوبصورت لڑکوں کو اپنی نجی ملکیت سمجھتا۔ لواطت اس کے مزاج میں رچی بسی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں بنیادی طور پر صرف خوبصورت اور جواں سال لڑکوں کو شریک کیا۔ اس ذوق کی تکمیل کے لیے اس کی گھریلو زندگی بڑی تلخ رہی۔

قادیانیت میں ہم جنسیت کو ایک مقبول اور پسندیدہ شغل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس قبیح حرکت کو "گناہ سے بچنے" کا اہم ترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ جس لڑکے کو سلسلہ کے کسی بزرگ یا مربی کی خدمت کرنے کی "سعادت" حاصل ہوتی، وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا اور دوسرے اس کی خوش قسمتی پر رشک کرتے

ہیں۔ قادیانیوں کے اکثر پروگرام جنسی رنگ لیے ہوئے ہوتے ہیں۔

سرور سلطان کی جنسی تسلی نہ ہونے پر وہ جنگل کی آوارہ گائے بن گئی۔ اب وہ کسی ایک کھونٹے پر بندھنے کے لیے تیار نہ تھی۔ اس کی کرتوتوں کا بشیر احمد کو بخوبی علم تھا مگر بدنامی اور خوف کی وجہ سے چپ سادھ لی تھی۔ اس کے قریبی عزیز چوہدری فتح سیال نامی ایک شخص نے سرور سلطان کا بے باک حسن دیکھا تو مبہوت ہوگیا۔ فتح سیال قادیانی ایک جنسی جنونی شخص تھا۔ حسن و جمال کی ایسی پری اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کی رال ٹپکنے لگی۔ چند ہی ملاقاتوں میں وہ ایک دوسرے پر فریفتہ ہوگئے۔ فتح سیال نے اس سے جی بھر کر اپنی جنسی ہوس پوری کی۔ اس گھناؤنے کھیل میں اس نے بشیر احمد سے دشمنی بھی مول لی۔ لیکن بشیر احمد بدنامی کے خوف سے خاموش رہا۔ دونوں بھائیوں میں مغائرت کی ایسی خلیج حائل ہوگئی کہ پھر دل صاف نہ ہو سکے۔

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے
جس نے ڈالی بری نظر ڈالی

معروف صحافی و سابق قادیانی جناب شفیق مرزا اپنی کتاب ''شہر سدوم'' میں مرزا بشیر کی کرتوتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''عبدالرب خاں صاحب حال فیصل آباد، بیان کرتے ہیں کہ ''ہم مرزا بشیر احمد المعروف ''قمرالانبیاء'' کے گھر میں رہ رہے تھے کہ ایک رات کو آندھی سی آگئی۔ سب افراد خانہ کمروں میں جانے لگے۔ میری اہلیہ مرحومہ برآمدے سے گزر رہی تھیں کہ میاں بشیر سامنے سے آگئے اور انہوں نے میری اہلیہ کو چھاتیوں سے پکڑنا چاہا۔ وہ بڑی غیرت مند خاتون تھیں، انہوں نے ایک زناٹے دار تھپڑ میاں بشیر کے چہرے پر رسید کیا، جس سے وہ دہرے ہوگئے۔ صبح کے وقت انہوں نے مجھے ناشتے پر بلایا۔ میں نے انہیں اس بدمعاشی پر ڈانٹا تو وہ کہنے لگے، رات آندھی تھی، کچھ مجھے نزلہ کی شکایت بھی تھی، اس لیے میں نے سمجھا کہ شاید میری بیوی ہیں۔ ابھی انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ میری اہلیہ اوپر سے آگئیں اور انہوں نے ایک دوہتڑ میری پشت پر رسید کیا اور کہا: چلو اٹھو، تم اس بدمعاش کے پاس بیٹھے ہوئے ہو۔''

حکیم عبدالوہاب عمر کا بیان ہے کہ مرزا بشیر احمد المعروف ''قمرالانبیاء'' ایک پٹھان لڑکے غیور میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے اور ٹی آئی ہائی سکول قادیان میں انہوں نے پارٹیشن کروا کے غیور کے لیے ایک علیحدہ کمرے کا اہتمام بھی کر دیا تھا۔ غیور، پیازی رنگ کا بہت ہی حسین و جمیل لڑکا تھا۔ میاں صاحب کو اسے دیکھے بغیر چین نہ آتا تھا۔ ایک دفعہ وہ میٹرک کا امتحان دینے کے لیے بٹالہ گیا اور پھر امتحان ختم ہونے کے بعد قادیان واپس پہنچا۔ آدھی رات کا عمل تھا اور بارش ہو رہی تھی۔ میاں صاحب کو پتہ لگا تو انہیں آتش شوق نے بے قرار کر دیا اور وہ بارش میں بھیگتے ہوئے غیور کے کمرے کی کھڑکی کے سامنے جا کھڑے ہوئے

اور کافی دیر اس سے گفتگو کرتے رہے۔ میاں صاحب کا ارادہ تھا کہ غیور کی شادی، صاحبزادی ناصرہ بیگم سے کروادیں، مگر خلیفہ جی راضی نہ ہوئے۔ اس پر میاں بشیر احمد نے خان بہادر دلاور خاں سے غیور کے لیے سلسلہ جنبانی کی۔ خان صاحب مذکور نے اپنی سوانح میں لکھا ہے کہ میں نے اس لڑکے کے بارہ میں تحقیقات کی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ منشیات کا عادی ہے۔ اس پر میں حیران ہوا کہ میاں صاحب نے ایسے لڑکے کے بارہ میں سفارش کیوں کی۔ غیور، معروف و مجہول ہر رنگ میں طبع آزمارہا، منشیات کا عادی ہوگیا اور پھر انہی وجوہ کی بنا پر راہی ملک عدم ہوا۔

قاضی اکمل بڑی معروف شخصیت تھے۔ اب تو عرصہ ہوا ہاویہ میں پہنچ چکے ہیں۔ جس زمانے میں راقم الحروف ربوہ میں بسلسلہ تعلیم مقیم تھا، چند مرتبہ ان کے پاس بھی جانا ہوا۔ وہ صدر انجمن احمدیہ کے کوارٹرز میں رہتے تھے۔ خونی بواسیر کے مریض تھے۔ اس لیے لیٹے ہی رہتے تھے اور ان کے پہلو میں ریڈیو مسلسل اپنی دھنیں بکھیرتا رہتا تھا۔ یہ خبیث الطرفین شخصیت وہی ہے، جس نے مرزا غلام احمد قادیانی کے عہد میں خود اس کے سامنے اپنی یہ نظم پیش کی تھی، جس کے یہ اشعار زبان زد عام ہیں:

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

ان کو ملنے کے لیے گئے تو نصر اللہ ناصر میرے ساتھ تھے۔ اگر ان کا حافظہ جواب نہ دے گیا ہو یا ملازمت کی مجبوریاں زیادہ نہ بڑھ گئی ہوں تو وہ تصدیق کر سکتے ہیں کہ قاضی اکمل نے تفنن طبع کے طور پر یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ہم چند دوست مرزا بشیر احمد کے پیچھے قادیان سے باہر سیر سپاٹے کے دوران نماز پڑھ رہے تھے۔ مرزا بشیر احمد نے امامت کروائی اور ابھی وہ نماز میں ہی تھے تو میں نے کہا ''اوئے وضو کیتا سائی''؟ یہ ہے قادیانی نماز......

جب میں لاہور آیا تو مظہر ملتانی نے قاضی اکمل کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ایک شعر مجھے دکھایا جو ایک طویل نظم کا حصہ تھا۔ وہ شعر مجھے اب بھی یاد ہے جو یہ ہے:

بدن اپنا پھر آگے اس کے ڈالا
توکلت علی اللہ تعالیٰ

اس قادیانی کی خباثت کا اندازہ لگائیں کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کرنے میں کس قدر بے باک تھا۔ ایک دوسرا شعر بھی قاضی اکمل کے اپنے ہینڈ رائٹنگ میں مظہر ملتانی مرحوم نے مجھے دکھایا تھا لیکن وہ اس قدر خستہ تھا کہ اس کا صرف ایک ہی مصرع پڑھا جا سکتا تھا۔ جو یہ ہے:

نہ چیخ مار و حبیب میرے کہ ہو چکا ہے دخول سارا

اب اگر قادیانی امت کے نام نہاد ''صحابیوں'' کی یہ حالت ہے تو پھر ان کے ''نبی صاحب'' ''خلفا'' اور دوسرے ''اہل بیت'' کی کیا حالت ہوگی، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔'' (شہر سدوم از شفیق مرزا)

مرزا بشیر احمد ''قمر الانبیاء'' کہلاتا تھا۔ اس کے بڑے بھائی مرزا محمود نے اس کے ساتھ ایسا کمر توڑ سلوک کیا کہ وہ اس دکھ کی آگ میں پگھل گیا۔ مرزا محمود نے بشیر احمد کے بیٹے ایم ایم احمد کی شادی اپنی بیٹی امۃ القیوم سے کی اور اسے اپنا داماد بنا کر جان بوجھ کر بے اولاد رکھا۔ مرزا بشیر احمد کی بیٹی امۃ المجید مرزا محمود کی بہو تھی۔ مرزا محمود نے امۃ المجید کو اپنے بیٹے سے طلاق دلوائی۔ مرزا محمود نے مرزا بشیر کے دوسرے بیٹے کے نکاح کا مقاطعہ کیا اور اسے نکاح خواں نہیں ملتا تھا۔ یہ اس خاندان کا حال ہے جو ''خاندان نبوت'' کہلاتا تھا۔ یہ خدا کی تعزیر تھی۔

جن قادیانی عورتوں نے اپنی خوش روئی، دلکشی، دلربائی اور ترغیب جنسی کے بل بوتے پر قادیانیت کو بے حد فائدہ پہنچایا، ان میں مرزا بشیر احمد ایم اے کی صاحبزادی امۃ السلام کا نام سرفہرست ہے۔ یہ قتالہ عالم اور دشمن ایمان، حسین ہی نہیں بلکہ ذہین اور شاطر بھی تھی۔ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ ایک نظر دیکھنے والا اپنی آنکھوں کی سلامتی کی دعائیں کیا کرتا۔ وہ اپنی شیطانی عادات میں اپنے ماں باپ سے بھی دو چار ہاتھ آگے تھی۔ اس کی سیاہ کاری اور عیاشی کی ایسی ایسی داستانیں ہیں کہ ''اُس بازار'' کی بے حیائی کے قصے بھی ماند پڑ جائیں۔

مرزا بشیر کی دوسری بیٹی امۃ الحمید (مرزا محمود کی بہو) نہایت خوبصورت، بانکی اور فتنہ تھی۔ دراز قامت، بھرپور بدن، دلکش آنکھیں اور مستانہ چال نے اسے حسن و ناز کی ملکہ بنا دیا تھا۔ وہ قادیان کا ایک ایسا نادر و نایاب پھول تھا جس کی خوشبو سونگھنے والا بدمست ہو جاتا۔ اس کے پورے بدن، ایک ایک عضو بلکہ رگ رگ میں جنسی ہیجان بھرا ہوا تھا۔ شرم و حیا کی کوئی شے اس کے پاس نہ تھی۔ وہ اکثر کہتی کہ مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں میں کس کی بیٹی یا بیوی ہوں۔ مجھے صرف اپنی جماعت کا مفاد عزیز ہے۔ میں ہمیشہ سوچتی ہوں کہ میں کس طرح اپنی جماعت کی ترقی میں مددگار ثابت ہو سکتی ہوں، خواہ اس کے لیے مجھے کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

1955ء میں مرزا بشیر احمد سوزاک (Gonorrhoea) کے خطرناک مرض کا شکار ہوا۔ اس کے پیشاب کی نالی میں زبردست سوجن ہوگئی تھی جس کی وجہ سے سرخی کے ساتھ پیپ نکلنا شروع ہوگئی۔ چند ماہ اس دردناک عذاب میں مبتلا رہنے کے بعد سوزاک، آتشک میں تبدیل ہوگئی۔ اس کے غدود بڑھ گئے۔ اس بیماری کی تشویش، ذہنی کوفت اور احساس گناہ کی وجہ سے اس کا ذہن متاثر ہوگیا تھا۔ بعد ازاں ہڈیوں میں درد، بصارت میں کمی، ناقابل برداشت خارش اور مرگی کے دوروں نے اسے نڈھال کر دیا۔ ماہر ڈاکٹروں کے زیر نگرانی علاج کروانے کے باوجود اس کی تکلیف دن بدن بڑھ رہی تھی۔ پھر اسے علاج کے لیے لاہور لایا گیا۔ اس کے پورے جسم پر چنبل نکل آئی جس کی وجہ سے وہ بے تحاشا خارش کرتا اور درد سے

تڑپتا۔ اس کا دکھتا جسم پھوڑا بن گیا تھا، اس کی رگ رگ میں درد تیز نشتر کی طرح اترتا چلا جارہا تھا۔ اسے اپنے جسم میں خون کی جگہ درد کی لہریں دورہ کرتی محسوس ہوتی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ وہ گناہوں کی دلدل میں کتنا گہرا اتر گیا تھا۔ اسے بے ہوشی کے ٹیکے انجکشن لگائے جاتے مگر نیند سے بیدار ہونے پر پھر اس کے وجود میں درد لہر بن کر دوڑنے لگتا۔ ان بے رحم لمحات میں جب درد سے اس کے بدن کی نس نس ٹوٹ رہی ہوتی، وہ پاگلوں کی طرح ننگی گالیوں کی گردان شروع کر دیتا۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتا۔ آتشک اور سوزاک کی وجہ سے وہ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے ناکارہ ہو چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے اس کی بیماری کے متعلق حق گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ بیماریاں اس کے نجی گناہوں کا نتیجہ ہے کیونکہ لواطت اور جنسی امراض کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

بیماریوں کے ایک طویل عذاب کے بعد بالآخر 2 ستمبر 1963ء کو مرزا بشیر احمد اپنے بیٹے ایم ایم احمد کی رہائش گاہ 23۔ ریس کورس روڈ، لاہور میں نہایت عبرتناک حالت میں مرا۔ اس کی بیماری اور موت کی حالت دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ وہ بہت ہی خوفناک اور دل ہلا دینے والا منظر تھا۔ مرنے سے پہلے اس کے جسم سے سخت تعفن پیدا ہو گیا تھا اور موت کے بعد تو یہ حالت تھی کہ کوئی شخص اسے غسل دینے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ اس کے سگے بھائی اور قادیانی خلیفہ مرزا محمود نے خانگی اختلافات کے باعث اس کا جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ بقول جناب سلیم اختر (سابق قادیانی) مرزا بشیر احمد نے مرنے سے 2 سال قبل یہ وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ مولوی غلام رسول راجیکی پڑھائیں۔ ان کی اولاد کی بھی یہی خواہش تھی کہ جو کچھ ہمارے والد نے زندگی کے آخری لمحوں میں کہا ہے، اس کا احترام ہونا چاہیے۔ مگر مرزا ناصر احمد نے کہا یہ ہمارے خاندان کی عزت کا سوال ہے اور زبردستی امام بن کر خود جنازہ پڑھا دیا۔ آپ ان مذبوحی حرکات کے پس منظر میں ان کی نفسیات کا جائزہ لیں تو میاں ناصر احمد کی ساری روحانیت طشت از بام ہو جاتی ہے۔ مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ اس خاندان کی عزت بھی عجیب ہے جو کسی دوسرے آدمی کے جنازے پڑھانے سے برباد ہو جاتی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ میاں ناصر احمد کو یہ خیال آیا کہ میرا باپ تو مرنے ہی والا ہے، چچا نے مرتے وقت جنازہ پڑھانے کے لیے جس آدمی کا نام لیا ہے، اس کے متعلق لوگ خیال کرنے لگیں گے کہ میاں بشیر احمد نے اس کو زیادہ نیک سمجھ کر جنازہ پڑھانے کے لیے کہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل خلافت کے لیے بھی اس کا نام پیش ہو جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں چونکہ اس خاندان کی عزت، خلافت کے ساتھ ہی وابستہ ہے، اس لیے انہوں نے یہ پیش بندی کی کہ کہیں خلافت کے چلے جانے سے ہم بے عزت نہ ہو جائیں۔" (قادیانیت سے اسلام تک از محمد متین خالد ص 65)

بالآخر 3 ستمبر کو مرزا ناصر نے بادل نخواستہ اس کا جنازہ پڑھایا جس میں صرف 150 کے قریب افراد نے شرکت کی۔ افسوس کہ سامان عبرت بہت ہے اور عبرت پذیری بہت کم۔



مرزا شریف احمد

مشہور کہاوت ہے: ''گندی بوٹی کا گندا سوروا'' یعنی بدوں کی اولاد بد اور برے کام کا انجام برا ہوتا ہے۔ آنجہانی مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا شریف احمد اس کہاوت پر سو فیصد پورا اترتا ہے۔ وہ 24 مئی 1895ء میں قادیان میں پیدا ہوا۔ وہ ایک لمبے عرصہ تک بطور ناظر صدر انجمن احمدیہ رہا۔ وہ خوبصورت لڑکوں اور لڑکیوں کا شکاری تھا۔

جناب شفیق مرزا اپنی کتاب ''شہر سدوم'' میں مرزا شریف کے بارے میں انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولوی عبدالکریم ٹمپل روڈ لاہور کے والد محترم ''خاندان نبوت'' کے گھر میں خانساماں کے طور پر کام کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا بچپن انہی ''مقدسین'' کے درمیان گزرا ہے۔ انہوں نے متعدد افراد کے سامنے اور خود مؤلف کے سامنے متعدد مرتبہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ شام کے دھندلکے میں مختلف کمروں میں شمعیں روشن کر رہے تھے کہ انہیں ایک کمرے سے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ کمرے کے اندر گئے تو وہاں مرزا شریف احمد استانی میمونہ کی صاحبزادی صادقہ کے ساتھ مصروف پیکار تھا۔ دروازہ کھلا تو صادقہ کی جان میں جان آئی اور میاں شریف بھی آہستہ سے کھسک گیا اور صادقہ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

یہی صاحب بیان کرتے ہیں کہ فوج سے یک گونہ تعلق رکھنے کی وجہ سے میاں شریف کو گاہے ماہے انبالے جانے کا موقع ملتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ایک خوبصورت بے ریش، امرد ہندو لڑکے جگدیش کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ لے آئے اور پھر ایک عرصہ تک اس کے ساتھ ان کے تعلقات اور عجمی ذوق کے واقعات لوگوں کی زبان پر آتے رہے اور ''مخلص مرید'' بسا اوقات ان حالتوں میں بھی ان کی دست بوسی کر رہے ہوتے، جبکہ وہ جنبی حالت میں ہوتے۔

میاں شریف کی ایک صاحبزادی امۃ الودود اچانک دماغ کی شریان پھٹ جانے کی وجہ سے فوت ہوگئی تھیں۔ اس کے متعلق مختلف نوع کی روایات واقفانِ حال بیان کرتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کا کہنا ہے کہ چونکہ میں خود انہی کے گھروں میں پلا ہوں، اس لیے میں نے اس حادثہ فاجعہ کے بارہ میں مکمل تحقیقات کی تو مجھے معلوم ہوا کہ امۃ الودود کو اس کی سہیلی صادقہ ملنے کے لیے آئی۔ گرمی کے دن

تھے، ان لیے اس نے کہا، میں ذرا غسل کرلوں۔ وہ غسل کرنے کے لیے باتھ روم میں چلی گئی۔ جب نہا دھو کر اس نے باتھ روم کا دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا کہ میاں شریف کچھ فاصلے پر کھڑا اُسے فحش اشارے کر رہا ہے۔ اتنے میں امتہ الودود بھی آ گئی۔ اب یہ تینوں اس طرح کھڑے تھے کہ میاں شریف درمیان میں تھا اور صادقہ اور وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ امتہ الودود نے دیکھا کہ صادقہ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا ہے اور جا رہا ہے۔ اس نے پوچھا، کیا معاملہ ہ؟ اس پر میاں شریف نے مڑ کر دیکھا تو اپنی صاحبزادی کو پیچھے کھڑا پایا۔ بیٹی اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکی اور فوراً ہی ہلاک ہوگئی۔"

3 مارچ 1953ء میں تحریک ختم نبوت کے دوران اس نے روزنامہ الفضل ربوہ میں ایک مضمون لکھا جس میں حضور نبی کریم ﷺ کی توہین اور مسلمانوں کی دل آزاری کی گئی تھی۔ یکم اپریل 1953ء کو اسے گرفتار کیا گیا۔ فوجی عدالت نے جرم ثابت ہونے پر مارشل لاء ضابطہ نمبر 13 کے تحت ایک سال قید بامشقت اور پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی۔ تقریباً دو ماہ بعد امریکی سفیر کی مداخلت پر 28 مئی 1953ء کو رہا کر دیا گیا۔

مرزا شریف کو اغلام بازی کی عادت اس قدر بے قابو اور شدید تھی کہ وہ جو دلکش لڑکا دیکھتا، اسے اپنے بستر عیش کی زینت بناتا۔ وہ جنسی عیاشیوں سے محروم زندگی کا ایک دن بھی نہیں گزار سکتا تھا۔ ان افعالِ مذمومہ کی وجہ سے وہ ایک لمبے عرصے تک اعصابی تکلیف میں مبتلا رہا۔ علاج کے لیے ایک لمبے عرصے تک لاہور میں رہا۔ پہلے رتن باغ میں رہا مگر جب کوٹھی رتن باغ کا الحاق میو ہسپتال کے ساتھ ہو گیا تو اس نے اپنی بہن مبارکہ بیگم کی کوٹھی پام ویو نزد شملہ پہاڑی میں رہائش اختیار کر لی۔ پہلے اسے انتڑیوں میں درد کی تکلیف تھی مگر بعد ازاں مستقل طور پر پیٹ میں بھی شدید درد رہنے لگا۔ اس کے علاوہ وہ گھٹنوں اور رانوں میں سخت درد کی شکایت بھی پیدا ہو گئی جبکہ دائیں ٹانگ میں نسبتاً زیادہ درد محسوس ہوتی تھی۔ ہاتھ کی انگلیوں میں اس قدر درد ہوتی کہ وہ اس کی تاب نہ لا کر کئی کئی گھنٹے کراہتا رہتا۔

موت سے تین سال پہلے اس پر تھرمباسس کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے ایک عرصہ ہسپتال میں رہا۔ مرنے سے 6 ماہ پہلے اس کی حالت بے حد خراب ہو گئی۔ پاؤں اور منہ سوج گئے تھے۔ سر چکراتا جس کی وجہ سے کئی دفعہ چلتے چلتے گرا اور کئی چوٹیں بھی لگیں۔ بقول مبارکہ بیگم اس کا تمام جسم ہی ضرب خوردہ تھا۔ آخری ماہ اس کی آنکھ کا موتیا بند ہو گیا تھا۔ علاج اور آپریشن کے باوجود افاقہ نہ ہوا اور بینائی ختم ہو گئی۔ مرنے سے چند روز قبل کمزوری کی وجہ سے باتھ روم میں پھسلن سے فرش پر گرا۔ بازو پر چوٹ آئی، کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ہڈی کی چوٹ کی وجہ سے دل پر اثر ہوا جبکہ وہ پہلے ہی اس کا مریض تھا۔ 26 دسمبر 1961ء کو جبکہ قادیانی جماعت کے سالانہ جلسہ کا افتتاح ہونے والا تھا، دل کا شدید دورہ پڑا اور جہنم واصل ہو گیا۔

❁……❁……❁

ایم ایم احمد

آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا اور مرزا بشیر احمد ایم اے کا بیٹا ایم ایم احمد 28 فروری 1913ء کو قادیان میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے 1933ء میں انگلستان چلا گیا۔ وہ ایک عرصہ تک سیالکوٹ اور سرگودھا میں ڈپٹی کمشنر رہا۔ پھر مغربی پاکستان میں فنانس سیکرٹری اور ایڈیشنل چیف سیکرٹری رہا۔ صدر پاکستان جنرل ایوب خان کے دور میں ڈپٹی چیئرمین پلاننگ رہا۔ جنرل یحییٰ خاں کے دور میں صدر کے اقتصادی امور کے مشیر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ یہ عہدہ وفاقی وزیر کے برابر تھا۔ 1972ء میں ورلڈ بنک سے منسلک ہوگیا۔ ورلڈ بنک کے ڈائریکٹر اور آئی ایم ایف کے سٹاف میں بطور ایگزیکٹو سیکرٹری تعینات رہا۔ یہاں سے 1984ء میں ریٹائرڈ ہوا۔ 1889ء میں امریکہ میں قادیانی جماعت کا امیر مقرر ہوا۔

ایم ایم احمد ایک متعصب اور جنونی قادیانی تھا۔ اس نے ہر موقع پر پاکستان کو نقصان پہنچایا۔ بقول جناب پروفیسر خورشید احمد "ایم ایم احمد، پاکستان کے اسٹیبلشمنٹ میں سر ظفر اللہ خاں کے بعد دوسرے اہم ترین قادیانی ہیں جو پاکستان کی تاریخ کے اوّلین 25 برسوں میں بیوروکریسی اور اربابِ سیاست دونوں کے ذریعے اہم کردار ادا کرتے رہے بلکہ اصل ڈوری ہلاتے رہے ہیں۔"

(مطالعہ کتاب، ایم ایم احمد کے انکشافات ماہنامہ ترجمان القرآن دسمبر 2000ء)

نامور مذہبی و سیاسی شخصیت مولانا شاہ احمد نورانیؒ اپنے ایک انٹرویو میں ایم ایم احمد کی اسلام اور ملک دشمنی کے بارے میں انکشافات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سقوط مشرقی پاکستان کا جہاں تک تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے ذمہ دار سو فیصدی قادیانی ہیں۔ اس کے دلائل یہ ہیں کہ پاکستان کا جو بجٹ بھی تیار کیا جاتا ہے اور جو بھی پلاننگ ہوتی رہتی ہے، اس کے چیئرمین ہمیشہ ایم ایم احمد رہے۔ اور مشرقی پاکستان کو ہمیشہ شکایت رہی کہ بجٹ میں ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ مرزائی جان بوجھ کر یہ کوشش کرتے رہے کہ جس قدر غلط فہمیاں مسلسل بڑھتی چلی جائیں اور جتنی غلط فہمیاں بڑھیں گی اتنی ہی دوریاں بڑھیں گی۔ اس سلسلہ میں مرزا ایم ایم احمد کا کردار

بہت گھناؤنا ہے۔ اس شخص نے انتہائی باغیانہ کردار ادا کیا۔ ڈھاکہ جانے کے بعد مزید اندازہ ہوا کہ قادیانی واقعی بڑا گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ مثلاً ڈھاکہ میں کسی بھی سمجھدار شخص سے بات کی جائے تو وہ ایم ایم احمد کی شکایت کرتا تھا۔ جن دنوں 23 مارچ کو صدر یحییٰ ڈھاکہ میں موجود تھے، اس زمانے میں ایم ایم احمد بھی وہاں موجود تھے۔ چنانچہ تمام اخبارات نے اس بات پر احتجاج کیا کہ اقتصادی مشیر کا اس موقع پر کیا کام ہے۔ مشرقی پاکستان میں 1970ء کے سیلاب میں بہت زبردست نقصان ہوا۔ اپیل پر دنیا بھر کے ممالک سے امداد آنا شروع ہوئی۔ پوری امداد کے خرچ کرنے کا انتظام ایم ایم احمد کے سپرد کیا گیا۔ اس سے مشرقی پاکستان کے لوگوں کو بہت نفرت ہوئی۔ اور انہیں اس بات سے سخت افسوس ہوا کہ ایسے شخص کے سپرد امداد کا کام سونپا گیا ہے، جو ہمیشہ ان کے ساتھ ناانصافیاں کرتا رہا ہے۔ بہت سارا امدادی سامان مستحقین کو پہنچ نہیں پاتا۔ ایم ایم احمد صاحب اس بات کے بہت ماہر ہیں کہ دنیا بھر سے بھیک مانگتے رہیں، ملک قرضوں کے نیچے دبا رہے اور قرضہ استعمال بھی نہ ہو۔ پیپلز پارٹی کے مرکزی وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن کا بیان اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ماضی میں اقتصادی منصوبہ بندی بہت غلط ہوتی رہی۔ چودہ سال سے ایم ایم احمد پاکستانی اقتصادیات پر بھی قابض ہیں، اور اس کی غلط منصوبہ بندی کو تسلیم بھی کر لیا گیا ہے۔ پھر بھی وہ اپنی جگہ برقرار ہیں۔ ملک تباہ ہوتا ہے ہوتا رہے۔ لیکن ان کو کوئی آنچ نہیں آتی۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کی جڑیں بہت مضبوط ہیں، اور یہ اس قسم کا گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں جو امریکہ میں بیٹھ کر یہودی کرتے ہیں۔ انہوں نے بڑی منظم سازش کے ذریعے پاکستان کے اہم عہدوں پر قبضہ کیا، جس سے ان کا مقصد واضح تھا کہ اس اسلامی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں، کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کسی بھی طرح اس ملک کے حکمران تو نہیں بن سکتے یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اور مسلمان ہرگز ہمیں برداشت نہیں کریں گے چنانچہ انہوں نے ملک کا ایک حصہ تو تباہ کر دیا۔ اگر وہ اس میں پروان چڑھتے رہیں تو وہ اس کے بھی ٹکڑے کر دیں گے۔

مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مشرقی پاکستان میں ان کے لیے پھلنے اور پھولنے کا موقع میسر نہیں ہے۔ جیسے کہ مغربی پاکستان میں میسر ہے۔ مشرقی پاکستان کے عوام قادیانیوں کے سلسلے میں حد درجہ جذباتی اور ان سے متنفر ہیں، جیسا کہ مسلمانوں کو ہونا چاہیے۔ مشرقی پاکستان کے عوام کسی طرح مرزائیوں کو قبول نہیں کر سکتے۔ اور سب سے بڑا مقصد تو یہ تھا کہ سب سے بڑی اسلامی مملکت کے ٹکڑے کر دیئے جاتے، اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھیر دیا جاتا۔

چونکہ مشرقی پاکستان اکثریت میں تھا اور اگر وہ آ جاتے تو ان کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مغربی پاکستان کے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ سخت رویہ اختیار کرتے۔ اس کے مشاہدہ کا موقع مجھے مجیب الرحمٰن سے ملاقات میں ہوا۔ دورانِ گفتگو مجیب الرحمٰن نے مجھ سے کہا کہ دیکھئے کہ ایم ایم احمد ڈھاکہ میں مارا

مارا پھرتا ہے۔ یہاں پر اس کا کوئی کام نہیں اور کوئی مقصد نہیں۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا مگر میں نے انکار کر دیا۔ لیکن بعد میں اس کی درخواستوں پر ملاقات ہوگئی۔ ساتھ ہی مجیب نے کہا کہ یہ قادیانیت اور مرزائیت مغربی پاکستان کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں یہ جانور نہیں ملتا۔

ایم ایم احمد ایک معمولی سی ایس پی افسر ہے اور یہ ان سی پی افسروں سے ہے جس نے اعلیٰ نمبروں سے سی ایس پی کا امتحان بھی پاس نہیں کیا اور نہ کبھی اقتصادیات سے ان کا تعلق رہا ہے۔ بہر حال کیونکہ وہ ایک عرصہ سے اس عہدے سے چپکے چلے آ رہے ہیں، اس لیے شاید لوگ سمجھنے لگے ہوں کہ وہ اس میں خاصی مہارت رکھتے ہیں۔ حالانکہ اقتصادیات کا ماہر ہونا اور بات ہے۔ اور چندے اور بھیک مانگنا اور بات ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ اقتصادیات کا ماہر تو نہیں بھیک مانگنے کا ماہر ضرور ہے اور اس نے قوم کے ساتھ سب سے بڑا یہ ظلم کیا کہ اس نے قوم پر تقریباً دو ارب روپے کے قرضوں کا بوجھ ڈال دیا۔ اور اسے مقروض بنا دیا۔ میرے خیال سے نسلیں گزرتی چلی جائیں گی اور اس کا سود تک ادا نہ ہو سکے گا۔

جہاں تک اقتصادیات کا تعلق ہے مسٹر ایم ایم احمد نے پوری منصوبہ بندی سے مرزائیت کو مضبوط کیا ہے۔ جس طرح امریکہ میں یہودیوں نے اپنے آپ کو مضبوط کیا ہے۔ امریکہ میں یہودی اس قدر اثر انداز ہیں کہ تمام بنکوں، انشورنش کمپنیوں پر ان کا قبضہ ہے۔ اور امریکہ کا کوئی صدر ان کی حمایت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور یہ صرف اقتصادی وجہ سے ہے۔ امریکہ کے سب سے بڑے تجارتی مرکز وال سٹریٹ میں تقریباً 75 فیصد یہودیوں کا قبضہ ہے۔ امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں، اسلحہ ساز کارخانوں، فیکٹریوں، جہاز سازی کے کارخانوں غرضیکہ ہر بڑے سرمایہ کاری کے اڈے پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی سینٹ اور صدر ان کی حمایت کے بغیر منتخب نہیں ہو سکتے۔ یہی طریقہ مرزا ایم ایم احمد نے اختیار کیا ہے۔ اور وہی پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اور چودھری ظفر اللہ نے یہاں آ کر باقاعدہ مرزائیوں کو لائسنس سے نوازا۔ کارخانوں کے پرمٹ دیئے۔ اور اس کی ابتدا شاہنواز لمیٹڈ سے ہوئی۔ ظفر اللہ خان کی حمایت سے قادیانیوں کا بڑا گروہ حکومت میں داخل ہو گیا تھا۔ ان میں ظفر اللہ سربراہ تھے جو وزیر خارجہ تھے۔ ایم اے فاروقی جو ایوب خان کے زمانہ میں سب کچھ تھے اور ایم ایم احمد چنانچہ جتنی اہم انڈسٹریز تھیں، انہوں نے ان کے لائسنس قادیانیوں کو دیئے۔ ورنہ قادیانی کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ تھے۔ پنجاب میں نصیر اے شیخ، فاروق اے شیخ، شاہنواز لمیٹڈ وغیرہ نے زیادہ منافع والی تجارت کے فرائض حاصل کر لیے تاکہ مرزائی قادیانی اقتصادی طور پر مضبوط ہو جائیں۔ اس سلسلے میں ایک یہ بات بھی عرض کر دوں کہ جہاں انہوں نے پنجاب میں شوگر انڈسٹریز، ٹیکسٹائل ملز وغیرہ قائم کیے اور سندھ وغیرہ میں اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے ان سے جتنے بھی فوائد حاصل کیے تھے، وہ حاصل کیے یہاں تک کہ 1971ء میں نوٹوں کی واپسی کا جب اعلان ہوا تو لوگوں کو یہ جان کر شاید حیرت

ہوگی لیکن اسے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ واپسی کی تاریخ پر ربوہ سے کوئی شخص بھی نوٹ جمع کرانے نہیں آیا۔ کیونکہ انہیں ایم ایم احمد کے ذریعے تین دن پہلے ہی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ نوٹ واپس ہورہے ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی قادیانی خسارے میں نہیں رہا۔ اب وہ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر رہ کر بڑے عظیم اقتصادی اور سیاسی فوائد حاصل کررہے ہیں۔ اور پوزیشن یہ ہے کہ وہ اقلیت میں ہیں۔ اور اپنی وہی پوزیشن بنانا چاہتے ہیں جو امریکہ میں یہودیوں نے بنالی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ فتنہ اسی طرح پروان چڑھتا رہا تو آئندہ چل کر یہی ہوگا کہ اس ملک پر مکمل طور پر ان کا قبضہ ہوگا۔ اور ان کی مرضی کے غیر کوئی حکومت نہیں کرسکے گا۔

سابق صدر یحییٰ سے فروری 1971ء میں میری ملاقات ہوئی تھی کراچی کے ایوانِ صدر میں عبدالمصطفیٰ ازہری اور جمعیت علماء پاکستان کے دیگر راہنما موجود تھے۔ میں نے اس مسئلہ پر تفصیل سے یحییٰ خان کو ناپاک عزائم سے مطلع کیا مثلاً یہ کہ میں نے کہا قادیانی اسرائیل کے ایجنٹ ہیں۔ اس وقت صدر یحییٰ نے کہا ثبوت کے طور پر کوئی بات کہیں۔ تو میں نے کہا کہ حکومت پاکستان کسی بھی پاکستانی مسلمان کو پاکستانی پاسپورٹ پر اسرائیل جانے کی اجازت دی ہی نہیں جاتی اور پاسپورٹ پر لکھ دیا جاتا ہے کہ اسرائیل کے علاوہ تمام دنیا کے لیے کارآمد ہے۔ ایک تو اسرائیل سے پاکستان نے کبھی کوئی تعلق قائم نہیں کیا اور نہ ہی انشاء اللہ آئندہ کبھی ہوگا لیکن وہاں قادیانیوں اور مرزائیوں کا باقاعدہ مشن کھلا ہوا ہے۔ ربوہ سے ہر سال دوسرے سال مشنریز جاتے رہتے ہیں اور وہاں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور یہ بات حیرتناک ضرور ہے کہ پاکستانی پاسپورٹ پر اسرائیل چلے جاتے ہیں وہاں بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔ ان کا خرچ وہاں کیسے چلتا ہے اور وہ وہاں کیا کررہے ہیں۔ اور وہ کس مقصد کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ وہ اسرائیلی جو اسلام کا نام پسند نہیں کرتے، مرزائیوں کو کیسے پروان چڑھنے دیتے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مرزائیت یہودیت کی گود میں پروان چڑھ رہی ہے اور پاکستان میں تل ابیب کا ایجنٹ ربوہ ہے۔ اس کی معرفت جو چاہتے ہیں کرواتے ہیں۔

یحییٰ خان سے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ ان کے ناپاک عزائم اس حد تک ہیں کہ آپ پورے پاکستان کے صدر ہیں اور پورے ملک پر آپ کی حکومت ہے لیکن ربوہ پر نہیں۔ یہ پاکستان کے اندر ایک علیحدہ سٹیٹ ہے۔ انہوں نے کہا ''وہ کیسے'' میں نے جواب دیا کہ ربوہ علیحدہ مرزائیوں کا مرکز ہے۔ مرزا ناصرالدین کی وہاں حکومت ہے۔ ان کی اپنی پولیس ہے جس کا نام الفرقان فورس ہے۔ ان کا اپنا نظام ہے، ہر قسم کی وزارتیں قائم ہیں اور ان کی حکومت چل رہی ہے۔ پاکستان کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی جگہ پاکستان میں جائداد خرید لیں لیکن حیرتناک بات یہ ہے کہ کوئی پاکستانی ربوہ میں جائداد خریدنے کا حق نہیں رکھتا۔ صرف قادیانی ہی وہاں کی جائداد خرید سکتے ہیں۔ مرزا ناصرالدین اور مرزا بشیرالدین وغیرہ اس جائداد کو فروخت کرتے ہیں۔ یہ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ وہ پاکستان کے

باہر ہے اور ایک علیحدہ سٹیٹ ہے۔ مارچ میں مرزائیت کے خطرناک عزائم سے باخبر ہو کر میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور حمایت سے یہ خیال کیا کہ اس سازش سے پوری قوم کو باخبر کیا جائے۔ چنانچہ 20 مارچ 1971ء کے جلسہ عام میں میں نے اعلان کیا کہ اس ملک کو ٹکڑے کرنے کی سازش ہو چکی ہے۔ مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور ایم ایم احمد باقاعدہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ مشرقی پاکستان ہمارے لیے بوجھ ہے۔ اس کا علیحدہ ہونا ہمارے لیے ترقی کا ذریعہ ہوگا۔ ورنہ ہم اسی طرح تباہ ہوتے رہیں گے۔ اس قسم کے پروپیگنڈے ہو رہے تھے اور مرزائی یہ چاہتے تھے کہ 7 کروڑ مسلمانوں کی وہ سرزمین جہاں مرزائیت کا کوئی وجود نہیں ہے وہ اس ملک سے علیحدہ ہو جائے تاکہ مرزائی آسانی سے یہاں اپنے آپ کو پروان چڑھا سکیں۔ اسرائیل اور واشنگٹن میں جس طرح یہودی مل کر سازشیں بروئے کار لا رہے ہیں۔ اس سے میں نے پوری قوم کو آگاہ کیا لیکن افسوس کہ ذمہ دار افراد نے اس پر توجہ نہ دی۔ صدر صاحب نے بھی اس کا کوئی خیال نہیں کیا اور ملک کو ٹکڑے ہونا تھا ہو گیا۔

قیام پاکستان سے لے کر 1972ء کے مالی سال تک بیرونی ممالک کے تبلیغی اداروں پر حکومت تبلیغی مقاصد کے لیے جو بھی رقم خرچ کرتی رہی ہے، وہ اس سلسلے میں بڑی فراخدلی سے زرمبادلہ مرزا ایم ایم احمد کی معرفت تقسیم کراتی تھی۔ ہر مرزائی مبلغ براہِ راست ایم ایم احمد کی اجازت سے سٹیٹ بنک پہنچتا تھا اور بڑی آسانی سے غیر ملکی زرمبادلہ حاصل کر لیتا تھا اور اس کے اعداد و شمار سٹیٹ بنک سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ 1954ء سے لے کر 1968ء تک میں نے تبلیغی دورے کیے۔ ایک ایک سال باہر رہا لیکن جب بھی سٹیٹ بنک سے غیر ملکی زرمبادلہ کا مطالبہ کیا تو مجھے انکار کر دیا گیا۔ اور کوئی زرمبادلہ نہیں دیا گیا۔ میرا پاسپورٹ اس چیز کی وضاحت کرتا ہے۔"

(ارشادات نورانی" مرتبہ ضیاء المصطفیٰ قصوری)

ملک کے نامور اہل قلم، نڈر صحافی، معروف سکالر و دانشور جناب شفیق مرزا اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"قادیانی ایک متمول اقلیت اور اپنی مخصوص تربیت کی بناء پر ایسی ایسی دھاندلیاں کر جاتے ہیں کہ پوری قوم معاشی و سیاسی سطح پر مضطرب ہو جاتی ہے، لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی کہ اس کی تاریں کس وکٹ کن سے مل رہی ہیں اور یہی وہ حرکتیں ہیں، جن سے آگاہ ہونے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا تھا کہ "میں ایم ایم احمد سمیت پانچ آدمیوں کو پلٹن کے میدان میں پھانسی دوں گا کہ انہوں نے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کی معیشت ایک سازش کے تحت تلپٹ کر کے رکھ دی ہے۔" جی، ڈبلیو چوہدری نے اپنی کتاب "متحدہ پاکستان کے آخری دن" میں بالتفصیل اس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں نے پاکستانی کابینہ کی منظوری کے بغیر کسی طرح، معاہدہ سیٹو پر دستخط کر کے، رشوت میں انٹرنیشنل کورٹ آف

جنسں میں عہدہ پایا۔ ''بحران سے بحران تک'' میں بعض ایسے معاملات میں ایم ایم احمد قادیانی کے ملوث ہونے کا ذکر ہے، جو خاصے سنگین ہیں۔'' (روزنامہ جنگ لاہور 30 اپریل 1984ء)

قادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد کی بناء پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبہ پر مبنی تحریک ختم نبوت 1974ء کے دوران ایم ایم احمد امریکہ میں رہائش پذیر تھا۔ اس تحریک کے دوران اس نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سمیت، امریکی کانگریس کے ممبران اور عالمی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے نام حکومت پاکستان کے خلاف بے شمار احتجاجی خطوط اور میمورنڈم بھجوائے جس سے پاکستان کے وقار، سلامتی اور ساکھ کو بے حد نقصان پہنچا۔ یو این او میں انڈیا کے نمائندے ڈاکٹر برکات احمد کے ذریعے ایک ایسی قرارداد پیش کروائی جس سے قادیانیوں کی اسلام اور پاکستان کے بارے میں خباثت پوری طرح منظر عام پر آ گئی۔ اس طرح جب فروری 1976ء میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو امریکہ گئے اور واشنگٹن میں انہوں نے امریکن کانگریس کے ممبران سے خطاب کرنا تھا تو اس نے ایک خط تیار کیا جو کانگریس کے ممبران میں تقسیم کیا گیا۔ اس خط میں اس نے من گھڑت، جھوٹ اور فرضی واقعات کے ذریعے ممبران کو گمراہ کر کے پاکستان کے خلاف جی بھر کر زہر اگلا۔ وہ ایک عرصہ تک پاکستان میں ''اسرائیل تسلیم کرو'' مہم کا انچارج رہا۔ اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ قادیانی جماعت، اسرائیل سے محبت کرنے والی جماعت ہے جس سے ان کے بڑے مفادات وابستہ ہیں۔ قادیانی جماعت اسرائیل کی حمایت کی یہ وجہ بیان کرتی ہے کہ قادیانیت کا جھنڈا دنیا کے ہر ملک میں لہراتا ہے۔ 1996ء میں قادیانی جماعت نے اسلام آباد کی دیواروں پر نہایت شر انگیز نعرہ ''ہم اسرائیل سے محبت کرتے ہیں'' لکھے تھے جس سے پورے ملک میں لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال پیدا ہونے کا خدشہ ظاہر ہونے لگا تھا۔ جنوری 1997ء میں ایم ایم احمد کی کوششوں اور وزارت خارجہ میں بیٹھے ہوئے قادیانیوں کے تعاون سے یہ تحریک چلائی گئی کہ آئندہ سے قادیانیوں کو ''احمدی مسلمان'' لکھا جائے۔ بعد ازاں مسلمانوں کے شدید احتجاج پر حکومت نے یہ فیصلہ واپس لے لیا۔

ایم ایم احمد کی شادی 26 دسمبر 1938ء کو قادیان میں امۃ القیوم سے ہوئی۔ وہ اپنی بعض ناپسندیدہ حرکات واطوار کی بناء پر اپنی بیوی کے لیے عذاب تھا۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان ایک عرصہ تک ناچاقی رہی۔ اس کی بنیادی وجہ ایم ایم احمد کی لواطت کی عادت تھی۔ آوارہ سے آوارہ عورت بھی اور کسی غرض سے نہ سہی تو محض کبھی کبھار منہ کا مزا بدل لینے کے لیے ہی شوہر کی طرف رجوع کر لیتی ہے لیکن امۃ القیوم کی بہت بڑی بدقسمتی تھی کہ اس کا شوہر اس کے لیے برف کی سِل سے مختلف نہ تھا۔ اس کا اپنا جسم غیر فطری تسکین کے لیے غیر فطری کوششوں کا عادی ہو گیا تھا۔ وہ امۃ القیوم کی تسکین کا سامان کہاں سے لاتا۔ چند ماہ بعد امۃ القیوم فطرت کے تقاضے سے بچے کی تمنا کرنے لگی۔ یہ وہ تمنا ہے جس کی تکمیل کے بغیر عورت کے وجود کی تکمیل نہیں ہوتی۔ لیکن ایم ایم احمد اپنی بیوی کی پیاس بجھانے پر ہی قادر نہ تھا تو اس کی فطری

خواہش کی تکمیل کیسے کرتا؟

امتہ القیوم اپنے شوہر کی طرف سے مستقل طور پر مایوس ہو چکی تھی، پھر بھی اسے شوہر کو خوبصورت لڑکوں اور دیدہ زیب نوجوانوں میں گھرے دیکھ کر سخت وحشت ہوتی۔ آہستہ آہستہ اس حلقے میں لڑکوں کا وجود کم ہوتا گیا اور خوبرو تنومند نوجوان اُن کی جگہ لیتے گئے۔ ایک عورت کی بالخصوص امتہ القیوم ایسی آتش مزاج عورت کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو سکتی کہ اس کا شوہر غیر فطری طور پر عورت بن گیا تھا۔ یعنی وہ فاعل بھی تھا اور مفعول بھی۔ اسے یہ مرض اپنے والد مرزا بشیر احمد سے وراثت میں ملا تھا۔ ایم ایم احمد کی اس قبیح عادت سے اس کی بیوی امتہ القیوم سخت پریشان اور ناراض رہتی۔ وہ اسے بہ مجبوری پسند کرتی اور اس کی تکلیف برداشت کرتی۔ 1978ء میں ایم ایم احمد کا امریکہ کی ایک قادیانی جرنلسٹ خاتون نسیمہ سے معاشقہ بے حد مشہور ہوا۔ وہ اکٹھے کلب میں دیکھے جاتے۔ اس کی راتیں ہنگامہ آرائی اور فسق و فجور میں گزرتی تھیں۔ اسے غلبہ شہوت کا جنوں پرور دورہ پڑتا تو بے قابو ہو جاتا۔ اس حرکت کے باعث وہ رسوائے زمانہ تھا۔ وہ اپنے حلقہ میں عورتوں اور لڑکوں کو یوں اکٹھا کرتا رہتا، جیسے کسی کو سکے جمع کرنے کا شوق ہو۔

ایک دفعہ نسیمہ شدید نفسیاتی دباؤ کا شکار ہوگئی جب اسے عملی تجربہ ہوا کہ ایم ایم احمد لواطت کا عادی ہے جس کا اظہار وہ بستر پر کہنہ مشق سدومی مرد کی صورت میں کرتا۔ وہ ساری زندگی کثرت مقاربت کا عادی رہا۔ حتیٰ کہ آخری علالت میں جب اسے مرض الموت نے گھیر لیا تھا، وہ بلاناغہ خوبصورت لڑکوں اور لڑکیوں سے مقاربت کرتا رہا۔ وہ اپنے خادم شیخ مبارک احمد (جو اسے لڑکے فراہم کرنے پر مامور تھا) کو اکثر کہتا کہ ''لڑکا کوئی بھی ہو، کیسا بھی ہو، لے آیا کرو۔'' انہی کرتوتوں کی وجہ سے اس کے ہاں اولاد پیدا نہ ہوئی۔

ایم ایم احمد 14 مارچ 1956ء کو پتے کی شدید درد میں مبتلا ہوا۔ کرنل ڈاکٹر ملک بشیر احمد ڈائریکٹر آف پبلک ہیلتھ مغربی پاکستان نے پتہ کا آپریشن تجویز کیا چنانچہ 16 مارچ 1956ء کو میو ہسپتال لاہور کے البرٹ وکٹر وارڈ میں ڈاکٹر امیر الدین سینئر سرجن نے ایم ایم احمد کا آپریشن کیا اور سارا پتہ معہ پتھری کے نکال دیا۔ آپریشن کے بعد ڈاکٹر امیر الدین نے بتایا کہ پتہ میں پیپ پڑ چکی تھی اور اگر آپریشن میں مزید تاخیر کی جاتی تو سارے جسم میں زہر سرایت کر جاتا۔ پتہ میں پتھری بھی کافی بڑی ہو چکی تھی۔ آپریشن کے وقت ڈاکٹر امیر الدین کے علاوہ ڈاکٹر غلام بھیک سول سرجن لاہور، ڈاکٹر یعقوب خان، ڈاکٹر ملک عبدالحق اور ڈاکٹر مرزا منور احمد بھی موجود تھے، آپریشن کے بعد ایم ایم احمد کو بے ہوشی کی حالت میں سٹریچر پر ڈال کر اس کے کمرہ میں لایا گیا جہاں تقریباً 2 گھنٹہ بعد اسے ہوش آیا۔ اس کے بعد شام تک طبیعت بے حد کمزور رہی اور آپریشن کے مقام پر شدید درد رہی۔ ساری رات قے آتی رہی جس کی وجہ سے آپریشن کے ٹانکے بھی متاثر ہوئے۔ یہ کیفیت تقریباً ایک ہفتہ رہی۔

ایم ایم احمد امریکی ریاست ورجینیا کے علاقے پوٹا مک میں رہتا تھا۔ 1998ء میں اس کے شکم

پر ایک پھوڑا نکلا جس نے چند ہی دنوں میں نہایت خطرناک شکل اختیار کر لی۔ اس پھوڑے نے پیٹ کے اندر آنتوں کو بھی متاثر کیا جس سے اسے خون کے دست آنے شروع ہو گئے۔ اس کا کمرہ اس کی بیماری کی وجہ سے تعفن اور سخت بدبو سے بھر جاتا اور ہر آنے جانے والے کو کراہت محسوس ہوتی اور طبیعت پر ایک ناگواری سی طاری ہو جاتی۔ ایم ایم احمد کی یہ حالت تقریباً ایک سال تک رہی۔ فروری 2002ء میں اس کے ہاتھوں اور پاؤں پر سوجن ظاہر ہونا شروع ہوگئی۔ اس سے اس کے ہونٹ پھٹنے شروع ہو گئے۔ اور مسوڑوں میں شدید درد ہونے لگا۔ اسی دوران اس کے خصیوں پر پھنسیاں نکلنی شروع ہو گئیں جس سے بے حد خارش ہوتی۔ خارش کرنے سے یہ پھنسیاں زخم کی صورت اختیار کر گئیں۔ 10 مارچ کو ایم ایم احمد کو واشنگٹن کے ہسپتال میں داخل کروایا گیا جہاں اس کے مختلف ٹیسٹ لیے گئے۔ رپورٹس کے مطابق اسے آتشک کا خطرناک مرض لاحق ہو گیا تھا۔ بعد ازاں اس کا VDRL ٹیسٹ ہوا جس سے یہ بات قطعی ثابت ہوگئی کہ اسے آتشک کی بیماری ہے۔ ہسپتال میں اس کا کئی ماہ علاج ہوتا رہا لیکن اس کی حالت دن بدن بگڑتی چلی گئی۔ وہ پہلے ہی ذیابیطس کا مریض تھا، آتشک کے مرض نے اسے مزید کمزور کر دیا۔ وہ جو خوراک کھاتا، اسے قے کر دیتا۔ اسی حالت میں اس کے گلے کی نالی بند ہوگئی اور معدہ میں خوراک جانا رک گئی۔ پھر معدہ میں خوراک نلکی کے ذریعے پہنچائی جاتی رہی۔ لیکن اس کی طبیعت مزید خراب ہوتی گئی۔ ضعف اس قدر بڑھ گیا کہ وہ ایک لفظ نہ کہہ سکتا تھا۔ جولائی 2002ء کے پہلے ہفتہ میں اس کی نبض رک رک کر چلنے لگی۔ سردی کے باوجود چہرے پر ہر وقت پسینہ رہتا۔ مسلسل بخار کی وجہ سے اس کے چہرے کا رنگ زردی مائل ہو گیا تھا۔ حالت کمزور تر ہوتی چلی گئی۔ 20 جولائی 2002ء کو اسے دل کا دورہ پڑا۔

ڈاکٹروں نے فوری طور پر اسے بجلی کے جھٹکے دیئے، جس سے اس کی نبض بہتر ہوگئی۔ لیکن چند گھنٹوں بعد وہ کومے میں چلا گیا۔ 23 جولائی کو صبح اسے خونی دست آنے شروع ہو گئے اور اسی حالت میں 9 بجے رات واشنگٹن امریکہ میں جہنم واصل ہوا۔ 28 جولائی 12 بجے رات اس کی لاش کا تابوت پی آئی اے کی فلائیٹ پر لاہور لایا گیا۔ قادیانی عبادت گاہ گڑھی شاہو میں اس کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ 30 جولائی کو اسے ربوہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

جو قبر کہن اس کی اکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا، نہ تار کفن تھا



مولوی عبدالکریم سیالکوٹی

جھوٹوں کا بادشاہ، عورتوں کا شکاری، مکار، ہمراز دجال۔ یہ اس خبیث انسان کی صد رنگ تصویر کے چند رنگ ہیں جس نے مسیلمہ پنجاب مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کی ترقی و ترویج کے لیے دن رات ایک کیا۔ اس شخص کا نام عبدالکریم تھا۔ وہ 1858ء میں سیالکوٹ کے کشمیری محلہ میں پیدا ہوا۔ وہ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ عہد طفولیت میں ہی بے حد شرارتی اور عیار تھا۔ محلہ کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں شامل ہوتا اور سب کو تنگ کرتا۔ اہل محلہ آئے روز اس کی آوارگی، شرارتوں اور خباثتوں کی وجہ سے پریشان رہتے۔ بھولے بھالے سادہ لوح اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو فریب دینا اور تاش بازی اس کا مشغلہ تھا۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی۔ بعد ازاں پرائیویٹ طور پر فارسی اور عربی کے کئی امتحانات پاس کیے۔ پھر امریکن مشن سیالکوٹ میں فارسی کا استاد مقرر ہوا۔ وہاں ایک خوبصورت لڑکے سے لواطت کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو اسے سکول سے نکال دیا گیا۔ پھر ایک عرصہ بعد بورڈ مڈل سکول میں ملازمت اختیار کی مگر یہاں بھی اس نے اپنی خباثتوں کو وطیرہ بنائے رکھا جس کی وجہ سے اسے یہاں سے بھی خارج کر دیا گیا۔ پھر وہ کشمیر چلا گیا جہاں اس کے حکیم نورالدین سے تعلقات قائم ہو گئے۔ نورالدین، مولوی عبدالکریم کو لے کر مرزا قادیانی کے پاس لے آیا۔ 6 مارچ 1888ء میں اس کی مرزا قادیانی سے پہلی ملاقات ہوئی جس میں ایک دوسرے کا تفصیلاً تعارف ہوا۔ مرزا قادیانی مولوی عبدالکریم کی چرب زبانی سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے مولوی عبدالکریم سے درخواست کی کہ وہ تالیفات کے سلسلہ میں اس کی مدد کرے اور مستقل طور پر قادیان آ جائے۔ جہاں اسے تمام سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم مستقل ہجرت کر کے قادیان چلا آیا۔ جہاں اس نے مرزا قادیانی کے مکان کے ایک حصہ میں رہائش اختیار کر لی جو مسجد مبارک کے اوپر کے صحن کے ساتھ ملحق تھا۔ اس مکان کے نیچے خود مرزا قادیانی کا رہائشی کمرہ تھا۔

مولوی عبدالکریم کی زندگی لہو ولعب سے بھرپور تھی۔ اسے شعر و سخن کا بھی شوق تھا۔ صافی اس کا تخلص تھا۔ اس کا ایک فحش شعر ہے ۔

صاف سینہ دیکھ کر درزن کو میں سینہ دیا
کچھ تو سینے وہ لگی اور کچھ تو میں سینے لگا

مولوی عبدالکریم نہایت بدکردار اور موذی درندہ تھا۔ اس نے قادیان میں کئی لڑکیوں کی عصمتوں کو اپنی جنسی خواہشوں کی بھینٹ چڑھایا۔ قادیان میں اسے عورتوں کی وہ چاٹ لگی کہ جس نے مرتے دم تک اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ مرزا قادیانی کی بیوی نصرت جہاں بیگم ہر روز تین وقت پر تکلف کھانا اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے بطور خاص بھجواتی اور خادمہ کو تاکید کرتی کہ وہ اپنے سامنے عبدالکریم کو کھانا کھلا کر واپس مجھے اطلاع کرے۔ جب خادمہ واپس آ کر نصرت کو بتاتی کہ عبدالکریم نے کھانا کھا لیا ہے اور آپ کا شکریہ ادا کیا ہے تو نصرت خوشی سے پھولے نہ سماتی۔ عبدالکریم نے پہلی دفعہ جب نصرت جہاں بیگم کو دیکھا تو اس کی نظریں ایک دم سے ٹھٹھک کر رہ گئیں۔ اس کے دل پر بجلی سی گر پڑی تھی۔ اس نے آج تک ایسی فتنہ جگانے والی عورت نہ دیکھی تھی۔ وہ اسے خواب آفریں سی لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ اسے نصرت کی مسکراہٹ دعوت گناہ معلوم ہو رہی تھی۔ دونوں کن اکھیوں سے حسن کی انگیٹھی پر عشق کی آگ تاپ رہے تھے۔ اس سرسری اور اچانک ملاقات نے دونوں کو بہت قریب کر دیا تھا۔ مرزا قادیانی کی غیر موجودگی میں شعلہ مجسم نصرت جہاں بیگم خود اوپر عبدالکریم کے کمرہ میں آ جاتی جہاں وہ دونوں داد عیش دیتے۔ ایک دفعہ مولوی عبدالکریم اور نصرت جہاں بیگم آپس میں گلے مل رہے تھے کہ اچانک ایک شخص برہان الدین جو مرزا قادیانی کے قریبی دوستوں میں سے تھا، نے دیکھ لیا۔ اس پر عبدالکریم نے برہان الدین کی خوب پٹائی کی جب یہ معاملہ اربابِ اختیار تک پہنچا تو سب کو سانپ سونگھ گیا اور معاملہ پراسرار طریقہ سے رفع دفع کروا دیا گیا۔

مولوی عبدالکریم امامت کے فرائض سرانجام دیتا اور بعض اوقات جمعہ کا خطبہ بھی دیتا۔ وہ نیچری خیالات رکھتا تھا اور سرسید احمد خاں کا زبردست معتقد تھا۔ وہ اپنے نظریات پر مرزا قادیانی سے بحث بھی کرتا بعد ازاں وہ مرزا قادیانی کے خیالات و نظریات میں ڈھل گیا، مرزا قادیانی نے مولوی عبدالکریم کے بارے میں خود لکھا:

> ''وہ اس سلسلہ کی محبت میں بالکل محو تھے۔ جب اوائل میں میرے پاس آئے تھے تو سید احمد کے معتقد تھے۔ کبھی کبھی ایسے مسائل پر میری ان کی گفتگو ہوتی جو سید احمد کے غلط عقائد میں تھے۔ اور بعض دفعہ بحث کے رنگ تک نوبت پہنچ جاتی مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد ایک دن علانیہ کہا کہ آپ گواہ رہیں آج میں نے سب باتیں چھوڑ دیں۔ اس کے بعد وہ ہماری محبت میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اگر ہم دن کو کہتے کہ ستارے ہیں اور رات کو کہتے کہ سورج ہے تو وہ کبھی مخالفت کرنے والے نہ تھے۔ ان کو ہمارے ساتھ ایک پورا اتحاد اور پوری موافقت حاصل تھی۔ کسی امر میں ہمارے ساتھ خلاف رائے کرنا وہ کفر سمجھتے تھے۔ ان کو میرے ساتھ نہایت درجہ کی

محبت تھی اور وہ اصحاب الصفہ میں سے ہو گئے تھے جن کی تعریف خدا تعالیٰ نے پہلے سے ہی اپنی وحی میں کی تھی۔ ان کے متعلق ایک خاص الہام بھی تھا۔ ''مسلمانوں کا لیڈر۔'' (تاریخ احمدیت ج 2 از دوست محمد شاہد)

مولوی عبدالکریم، قادیان میں مرزا قادیانی کی نبوت و رسالت کا اعلان کرتا اور بعض دفعہ سرکار دو عالم حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ جملے ادا کرتا۔ وہ بڑا جوشیلا مقرر تھا۔ اپنے جمعہ کے خطبات میں مرزا قادیانی کو نبی اور رسول کہتا۔ قرآن و سنت کا مذاق اڑاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظیم الشان شخصیت اور ان کے معجزات کا تمسخر اڑاتا اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتا۔

زلزلہ کانگڑہ سے قبل اسے ذیابیطس کے مرض کی وجہ سے کثرت پیشاب کا شدید عارضہ لاحق ہو گیا جس کی وجہ سے اس کے کپڑے پیشاب سے تر رہتے اور اس سے شدید بو آتی۔ اس بیماری کے دوران ہی 12 اگست 1905ء کو اس کی پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان ایک چھوٹی سی پھنسی نمودار ہوئی جو پہلے معمولی سمجھی گئی مگر بعد میں اس نے یکا یک خطرناک صورت اختیار کر لی۔ ابتداءً اس میں کاربنکل کی علامات نہ تھیں مگر بعد میں پورا کاربنکل بن گیا۔ Carbuncle اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے خون آنا شروع ہو گیا۔ پتہ چلا کہ داڑھوں اور مسوڑوں سے خون آ رہا ہے۔

20 اگست 1905ء کو الماری کے تختے سے سر کو چوٹ لگنے سے بھی اس کا بہت سا خون نکل گیا۔ حالانکہ اسے دوران سر کی بیماری کی بھی مستقل شکایت تھی۔ 4 ستمبر 1905ء کو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ نے مولوی عبدالکریم کو کلوروفارم سنگھا کر اس کا بڑا آپریشن کیا جس سے اس کے ہاتھ پاؤں سرد اور نبض تقریباً ساقط ہو گئی۔ اس خطرناک صورتحال میں اس کے پھوڑے کا آپریشن کیا گیا۔ بعد ازاں ہوش میں آنے پر شدید درد، کرب اور تکلیف کی وجہ سے اس کی حالت غیر ہو گئی۔ اس کی ہذیانی چیخیں دور دور تک سنی جاتی تھیں۔ وہ شدید درد سے بلند آواز میں روتا اور چیختا اور پکارتا مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آتا۔

یعقوب علی عرفانی اپنی کتاب ''سیرت مسیح موعود'' میں لکھتا ہے:

''آپریشن کے بعد قریباً شام تک میں مولوی صاحب کے پاس بیٹھا رہا۔ ہاتھ پاؤں بالکل سرد ہو گئے، نبض بالکل کمزور تھی۔ اور باقاعدہ نہ چلتی تھی۔ کسی وقت ایک دو حرکتیں دل کی بالکل ساقط ہو جاتی تھیں گویا کہ دل حرکت کرتا کرتا رک جاتا تھا۔ ہوش نہ تھا اور اس کے علاوہ پیٹ میں نفخ بہت تھا۔

اصل میں مولوی صاحب کو ذیابیطس کی وجہ سے عام کمزوری بہت تھی۔ اس کے علاوہ شدت درد و کرب کی وجہ سے کئی دن سے غذا اندر نہ گئی تھی۔ اس پر آپریشن بڑا بھاری ہوا، بہت سا خون گیا۔ کلوروفارم بہت سی مقدار میں سونگھانا پڑا۔ اس لیے ان کی حالت نہایت نازک ہو گئی تھی۔ ہم نے ہر قسم کا علاج کیا کہ دل اپنی اصلی حالت پر آ دے اور ہوش آئے مگر کوئی بات کارگر نہ ہوئی اور ان کی عام حالت نیچے ہی نیچے

جاتی تھی۔ ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور بھی قریب چار بجے دن کے تشریف لائے۔ وہ بھی ان کی حالت دیکھ کر سخت پریشان و حیران ہوئے اور انہوں نے کہا کہ بظاہر ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی۔'' (سیرت مسیح موعود ص 191)

وہ بیماری کی شدت درد و اضطراب کی وجہ سے ماہی بے آب کی طرح تڑپتا اور زور زور سے کہتا کہ سواری کا انتظام کرو، میں نے مرزا قادیانی کو ملنا ہے، گویا وہ سمجھتا تھا کہ وہ کہیں باہر ہے اور مرزا قادیانی قادیان میں۔ حالانکہ جہاں وہ عبرتناک بیماری کی وجہ سے مر رہا تھا، اسی کمرے کے نیچے مرزا قادیانی رہتا تھا۔ اس پر مرزا قادیانی نے شور شرابے کی وجہ سے کمرہ تبدیل کر لیا تھا۔ لوگ مرزا قادیانی سے کہتے کہ تم اس سے مل آؤ، وہ تمہیں یاد کرتا ہے، تمہیں بڑے اصرار کے ساتھ بلاتا ہے مگر مرزا قادیانی جواب دیتا کہ میں تو خود اسے ملنا چاہتا ہوں مگر بات یہ ہے کہ میں اس کی تکلیف کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

تاریخ احمدیت کے مؤلف دوست محمد شاہد کا کہنا ہے کہ خود نصرت جہاں بیگم نے مرزا قادیانی کو مجبور کیا کہ جب وہ آپ سے ملنے کی اتنی خواہش رکھتا ہے تو آپ کھڑے کھڑے ہو آئیں۔ مگر مرزا قادیانی آخر وقت تک عبدالکریم کو ملنے نہ گیا۔ دراصل مرزا قادیانی مولوی عبدالکریم کو اس لیے نہ ملتا تھا کہ کہیں وہ بھی اس موذی اور خطرناک مرض کا شکار نہ ہو جائے۔ اسی خوف اور ڈر کی وجہ سے مرزا اپنے کمرہ سے نہ نکلتا۔ مولوی عبدالکریم کا پھوڑا پورے جسم پر پھیلتے پھیلتے کوڑھ اور جذام کی شکل اختیار کر گیا۔ وہ پورے جسم پر بے تحاشا خارش کرتا جس سے زخم کے مزید نشان بن جاتے، اور پھر کچھ دیر بعد ان زخموں میں پیپ بھر جاتی۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں پیپ کے پھوڑے نہ تھے۔ وہ چیختا چلاتا اور مدد کے لیے پکارتا مگر اس کی آواز کسی پر اثر نہ کرتی۔ کسی کو ہمت نہ پڑتی کہ اس کی مدد کے لیے آگے بڑھتا۔ حالانکہ وہاں کئی لوگ موجود رہتے مگر ان کے لیے یہ روزمرہ کا معمول تھا۔ وہ تو ہر روز ایسی آوازیں سننے کے عادی تھے۔ اور اس کے قریب جا کر اس کی مدد کرنے کا مطلب تھا، خود کو عذاب میں ڈالنا جو انہیں ہرگز قبول نہ تھا۔

یکم اکتوبر 1905ء کو اسے زبردست پیچش شروع ہو گئے جس کی وجہ سے اس پر کئی مرتبہ غشی کے دورے پڑے، نبض نامعلوم سی ہوتی اور وہ پھوڑوں کی درد سے چیخیں مارتا۔ جب مرزا قادیانی کو پتہ چلا کہ اب مولوی عبدالکریم کے زندہ رہنے کی کوئی امید نہیں ہے اور وہ آج کل کا مہمان ہے تو اس نے فوراً اپنے مریدوں سے کہا کہ مجھے دو الہام ہوئے ہیں پہلا الہام: ''اس نے اچھا ہونا ہی نہ تھا'' اور دوسرا الہام: ''کفن میں لپیٹا گیا'' مرزا قادیانی نے اعلان کیا کہ یہ الہامات مولوی عبدالکریم کی موت کے بارے میں ہیں۔ اسی دوران مولوی عبدالکریم ذات الجنب کی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس سے اس کا بخار 105 درجہ ہو گیا۔ یہ عبرتناک حالت کئی روز رہی۔ آخر 11 اکتوبر 1905ء کو بدھ کے دن اڑھائی بجے دوپہر کے قریب 45 سال کی عمر میں، مولوی عبدالکریم جہنم واصل ہو گیا۔ کوڑھ کی وجہ سے اس کا چہرہ بری طرح مسخ ہو کر رہ گیا۔ اس کی

لاش سے سرانڈ آتی تھی، کوئی شخص قریب جانا گوارا نہ کرتا، جو شخص اس کی لاش دیکھتا، کانپ کر رہ جاتا۔ خود مرزا قادیانی نے مولوی عبدالکریم کی بیماری کے دوران ملاقات کی اور نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کا چہرہ دیکھا، کیونکہ اس کی شکل انتہائی مکروہ اور کریہہ جانور سے بدل گئی تھی۔

مرزا قادیانی کی ہدایت کے مطابق:

12 اکتوبر 1905ء کو اس کی لاش ایک تابوت میں ڈال کر مقامی قبرستان میں دفن کی گئی۔ بعد ازاں 27 دسمبر 1905ء کو یہ تابوت نام نہاد ''قادیانی بہشتی مقبرہ'' میں منتقل کیا گیا۔

مفتی صادق اپنی کتاب میں مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کے جنازہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''جب مولوی عبدالکریم کی لاش نماز جنازہ کے واسطے میدان میں رکھی گئی اور آپ کا منہ کھولا گیا تاکہ لوگ دیکھ لیں اور حضرت مسیح موعود جنازہ پڑھانے کے واسطے تشریف لائے تو حضور نے فرمایا، منہ ڈھانک دو۔ چنانچہ منہ ڈھانک دیا گیا۔'' (ذکر حبیب از مفتی صادق ص 125)

اِسی طرح مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا شریف نے بھی اپنی یادداشتوں میں خود ان حقائق کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> ''مولوی عبدالکریم صاحب کا جنازہ جس وقت پڑھنے کے لیے رکھا گیا ہے تو اس وقت تقطر شروع ہوگیا تھا۔ جنازہ کے بعد ایک آدمی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور! میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنی جماعت کے سب لوگوں کے لیے دعائے مغفرت کر دی ہے۔ میں خود اس جنازہ میں موجود تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب کا جنازہ امانتاً دفن کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد بہشتی مقبرہ بنا تو پھر ان کو وہاں دفن کر دیا گیا۔ ان کے دفن کے وقت سیالکوٹ کے ایک دوست سید امیر علی صاحب نے حضور سے درخواست کی کہ مجھے شکل دیکھنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ چونکہ آپ کا دیرینہ تعلق تھا اس لیے آپ کو میں اس کی اجازت دیتا ہوں لیکن چہرہ دیکھ کر کسی اور شخص سے ذکر نہ کریں۔'' (ماہنامہ ''خالد'' جنوری 1958ء ص 9)

سچ ہے: سب سے بڑی نجاست دل کی نجاست ہے۔ نجس زندگی کا انجام بھی نجاست آلود ہوا کرتا ہے۔



قاضی ظہور الدین اکمل

غلاظت، خجالت اور ذلالت کا بدترین امتزاج، قادیانی جماعت کا مشہور شاعر قاضی ظہورالدین اکمل 25 مارچ 1881ء کو ضلع گجرات کے ایک گاؤں گولیکی میں پیدا ہوا۔ مشن ہائی سکول گجرات میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ وہ بچپن ہی سے بہت شرارتی اور آوارہ مزاج تھا۔ ایک روز کلاس میں برسر عام مشت زنی کرتے ہوئے پکڑے جانے پر سکول سے نکال دیا گیا۔ بعد ازاں اس کے والد مولوی امام دین کی مداخلت اور منت سماجت سے اسے دوبارہ داخلہ ملا۔ اسے اردو علم و ادب اور صحافت سے گہرا لگاؤ تھا۔ ایک آوارہ مزاج شاعر ہونے کے ناطے وہ بلا کا حسن پرست واقع ہوا تھا۔ حسن پرستی اور بدمستی اس کی گھٹی میں شامل تھی۔ وہ حسین صورت دیکھ کر بے قابو ہو جاتا۔ وہ شہوانی شاعری اور ننگے لطائف کا رسیا تھا، خوب رو لڑکیوں اور خوش ادا خواتین کی موجودگی میں کھل اٹھتا۔ خوبرو خواتین کے جھرمٹ میں وہ بہت جلد ان سے گھل مل جاتا اور راز دارانہ باتیں کرنے لگتا جیسی راجا اندر اپنی پریوں سے کرتا ہوگا۔ اس کی حسن پرستی میں اس کی شیطانی ہوس کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی۔ وہ حسن پرستی کو عبادت سمجھتا اور اس سے اغماض کو کفران نعمت گردانتا۔ حسن پرستی کی کمزوری کے باعث وہ خوبصورت لڑکوں پر بھی فریفتہ تھا۔ وہ اور مرزا بشیر احمد مل کر بورڈنگ ہاؤس کے خوبصورت لڑکوں سے لواطت کرتے۔ وہ بنیادی طور پر اذیت پسند تھا۔ مباشرت یا لواطت کرتے وقت اسے دوسروں کو تکلیف پہنچا کر خوشی محسوس ہوتی۔

اس کی بیوی سکینۃ النساء بے حد خوبصورت اور دلکش خدوخال کی مالک تھی۔ شادی سے پہلے اس نے میر اسحاق کو اپنے پُرجوش جنسی جذبے کی زنجیر میں جکڑ لیا تھا۔ اس کے لبریز بدن میں بڑی جان اور توانائی تھی۔ وہ پہلی نظر میں کسی بھی مرد کو چت کر دیتی تھی۔ میر اسحاق اس پر بُری طرح فریفتہ ہوگیا تھا۔ سکینۃ النساء نے آنکھوں کے اشاروں اور معنی خیز مسکراہٹوں کے سرخ شراروں سے ''ہاں'' کر دی تھی، تب میر اسحاق ایک مدت تک اس کی جسمانی قربت کے مزے لوٹتا رہا۔

میر اسحاق نے ایک دفعہ سکینۃ النساء کے بارے میں کہا تھا۔

ہم انہیں دیکھ کر حیران ہوئے جاتے ہیں
خود بخود چاک گریباں ہوئے جاتے ہیں

بعد ازاں سکینہ النساء کے والدین نے اس کی مرضی کے بغیر اس کی شادی ظہور الدین اکمل سے کر دی۔ سکینہ پر گویا قیامت ٹوٹ گئی تھی، کیونکہ ظہور الدین نہایت کریہہ صورت اور بد سیرت تھا۔ اس کا اوپر کا دھڑ بڑا اور ٹانگیں چھوٹی تھیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ مرجھایا ہوا چہرہ، پیلی نیلاہٹ لیے ہوئے ماتھا، پژمردہ اودے ہونٹ اور نوکیلے ہوئے ناہموار دانتوں نے اس کی شخصیت کو نہایت مکروہ بنا دیا تھا۔ شادی کے چند سالوں بعد اس کی بیوی کو دق کی بیماری لاحق ہوگئی۔ اکمل اتنا ظالم اور بے رحم شخص تھا کہ اس نے اس بیماری کے دوران ہی اپنی بیوی کو حاملہ کر دیا تھا۔ وہ بڑی بے دردی سے اس پر حکم چلاتا اور اسے تمام معاملات میں اپنی مرضی کے تابع رکھتا۔ اس نے اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لیے اس کی بیماری کی کوئی پرواہ نہ کی۔ بعد ازاں میر اسحاق کی ذاتی خواہش اور درخواست پر اس کا علاج حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ نے کیا جس سے وہ قدرے تندرست ہوگئی۔

قاضی اکمل 1897ء میں اپنے باپ مولوی امام دین گولیکی کے ہمراہ قادیان میں مرزا قادیانی سے بیعت ہوا۔ 1925ء میں وہ پورے خاندان سمیت قادیان چلے گئے جہاں انہوں نے مستقل رہائش اختیار کر لی۔ قاضی اکمل قادیانی جماعت کے کئی اخبارات و جرائد کا ایڈیٹر رہا۔ وہ کئی کتابوں کا مصنف تھا جن میں ظہور المسیح اور ظہور المہدی خاص طور پر قادیانی حلقوں میں مشہور و معروف ہیں۔ وہ بنیادی طور پر ایک شاعر تھا۔ اور شاعر بھی آوارہ مزاج۔ اس لیے اس کی شاعری میں زلف و گیسو، شراب و کباب، ہجر و وصال اور گل و بلبل کا اکثر تذکرہ ملتا ہے۔ اس کی ایک نظم ''پی لیتا ہوں'' کے عنوان سے اس کے مجموعہ کلام ''نغمہ اکمل'' میں شامل ہے۔ اس نظم کے چند اشعار ہی پڑھنے سے اس کی ذہنیت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ کس قماش کا آدمی تھا۔ ملاحظہ فرمائیں:

گاہے گاہے مزا منہ کا بدلنے کے لیے
مفت مل جاتی ہے جب تھوڑی سی پی لیتا ہوں میں
میکدے سے دور ہوں ہر چند، پی لیتا ہوں میں
جس سے مرتے مرتے کچھ دن اور جی لیتا ہوں میں

نصرت جہاں کی بے رخی کے بارے میں لکھتا ہے۔

میرے دل کی لگی کو دل لگی سمجھا ہے اے ناداں
وہی جانے جسے دل کی لگن محسوس ہوتی ہے
سر تسلیم خم ہے نقد جان و دل بھی حاضر ہے
جبین یار پر پھر بھی شکن محسوس ہوتی ہے

مزید لکھتا ہے۔

درخشانی پر اپنی شمع نازاں اور رقصاں ہے
بجا، لیکن یہ دیکھا جائے، پروانوں پہ کیا گزری

قاضی اکمل نے اپنے مادی مفادات اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے قادیانی مذہب اختیار کیا۔ وہ آنجہانی مرزا قادیانی کے شیطانی دعووں اور عقائد پر ایمان لایا۔ پھر مرزا قادیانی کی عقیدت میں اس قدر آگے بڑھا کہ اپنی شاعری میں اکثر حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں شدید ترین توہین کا ارتکاب کرنے لگا۔ اس کے بعض اشعار نہایت دل آزار اور گمراہ کن ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ؎

کل اولیاء سے بہتر بعض انبیاء سے افضل
یہ مصطفیٰ ہمارا یہ دلستان ہمارا
اس آئینہ میں دیکھے وہ جس نے دیکھنا ہو
محبوب لم یزل کا چہرہ نما یہی ہے
میرا دلی عقیدہ گر مجھ سے پوچھتے ہو
تو صاف میں کہوں گا وہ مصطفیٰ یہی ہے

قادیانی کہتے ہیں کہ جب وہ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں تو اس میں لفظ ''محمد'' سے ان کی مراد محمد عربی ﷺ ہی ہوتے ہیں۔ یہ قادیانیوں کی سادگی اور اپنے عقائد سے غالبًا لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ قادیانی عقیدہ کے مطابق کلمہ طیبہ میں لفظ ''محمد'' سے مراد ''مرزا غلام احمد قادیانی'' ہے۔ کیونکہ مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ وہ خود ''محمد رسول اللہ'' ہے۔ قادیانیوں کا یہی عقیدہ مسلمانوں کے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ آیئے ملاحظہ فرمائیں کہ مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد ایم اے اس سلسلہ میں مزید کیا کہتا ہے؟

- ''ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود (مرزا صاحب) نبی کریمؐ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے کہ صار وجودی وجودہ نیز من فرق بینی و بین المصطفی فما عرفنی و ما رئ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت آخرین منھم سے ظاہر ہے۔ ''پس مسیح موعود خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔'' (کلمۃ الفصل از مرزا بشیر احمد ایم اے ص 158)

پھر مزید بڑھتے ہوئے لکھتے ہیں:

- ''ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے ہیں، کسی کو بہت، کسی کو کم۔

مگر مسیح موعود کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہ کے تمام کمالات کو حاصل کرلیا اور اس قابل ہوگیا کہ ظلی نبی کہلائے پس ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریمؐ کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔"

(کلمۃ الفصل از مرزا بشیر احمد ایم اے ص 113)

قاضی ظہورالدین اکمل نے مذکورہ بالا عقیدہ کو شاعری میں ڈھالا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

امام اپنا عزیزو اس زماں میں
غلا احمد ہوا دارالاماں میں
غلام احمد ہے عرش رب اکرم
مکاں اس کا ہے گویا لامکاں میں
غلام احمد رسول اللہ ہے برحق
شرف پایا ہے نوع انس و جاں میں
محمد ﷺ پھر اُتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں
محمد ﷺ دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(اخبار بدر قادیان 25 اکتوبر 1906ء)

جب اس دلخراش قصیدہ پر اعتراض ہوا تو قادیانی قیادت نے جلتی پر تیل کی طرح جو جواب دیا، وہ نہایت افسوسناک ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"یہ وہ نظم ہے جو حضرت حضرت مسیح موعود کے حضور میں پڑھی گئی اور خوشخط لکھے ہوئے قطعے کی صورت میں پیش کی گئی اور حضور اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ پھر یہ نظم اخبار بدر 25 اکتوبر 1906ء میں چھپی اور شائع ہوئی۔ پس حضرت مسیح موعود کا شرف سماعت حاصل کرنے اور جزاکم اللہ تعالیٰ کا صلہ پانے اور اس قطعے کو اندر خود لے جانے کے بعد کسی کو حق ہی کیا پہنچتا ہے کہ اس پر اعتراض کر کے اپنی کمزوری ایماں وقلت عرفاں کا ثبوت دے۔" (اخبار روزنامہ "الفضل" 23 اگست 1944ء ص 4)

اس خبیث الفطرت انسان نے رسول کریم ﷺ کی توہین کرتے ہوئے درج ذیل ایک اور نظم "رسول قدنی" کے نام سے لکھی۔ جس میں اس نے نبی کریم ﷺ جن کو تمام مسلمان ان کے شہر مبارک "مدینہ طیبہ" کی نسبت سے "رسول مدنی" کہتے ہیں، کی نقل اتارتے ہوئے مرزا قادیانی کی شان میں اس کے شہر "قادیان" کی نسبت سے "رسولِ قدنی" کہا۔

اے مرے پیارے مری جان رسول قدنی
تیرے صدقے، ترے قربان رسول قدنی
تو نے ایمان ثریا سے ہمیں لا کے دیا
نازش دودۂ سلمانؓ رسول قدنی
انت منی و انا منک خدا فرمائے
میں بتاؤں تری کیا شان رسول قدنی
عرش اعظم پہ تری حمد خدا کرتا ہے
ہم ہیں ناچیز سے انسان رسول قدنی
دستخط قادر مطلق تری مسلوں پہ کرے
اللہ اللہ! یہ تری شان رسول قدنی
آسماں اور زمیں تو نے بنائے ہیں نئے
تیرے کشفوں پہ ہے ایمان رسول قدنی
پہلی بعثت میں محمدؐ ہے تو اب احمدؐ ہے
تجھ پہ پھر اُترا ہے قرآن رسول قدنی
سر چشم تری خاک قدم بنواتے
غوث اعظم شہ جیلان رسول قدنی
عرش بلقیس معانی ہے ترے قبضے میں
اس زمانہ کے سلیمانؑ رسول قدنی

(روزنامہ اخبار الفضل قادیان جلد 10 شمارہ نمبر 30، 16 اکتوبر 1922ء)

جناب شفیق مرزا اپنی کتاب ''شہر سدوم'' میں قاضی اکمل کی خباثتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قاضی اکمل بڑی معروف شخصیت تھے۔ اب تو عرصہ ہوا ھاویہ میں پہنچ چکے ہیں۔ جس زمانے میں راقم الحروف ربوہ میں بسلسلہ تعلیم مقیم تھا چند مرتبہ ان کے پاس بھی جانا ہوا۔ وہ صدر انجمن احمدیہ کے کوارٹرز میں رہتے تھے۔ بواسیر کے مریض تھے۔ اس لیے لیٹے ہی رہتے تھے اور ان کے پہلو میں ریڈیو مسلسل اپنی دھنیں بکھیرتا رہتا تھا۔ یہ خبیث الطرفین شخصیت ہی وہ ہے، جس نے مرزا غلام احمد کے عہد میں خود ان کے سامنے اپنی یہ نظم پیش کی تھی، جس کے یہ اشعار زبان زد عام ہیں:

محمد پھر اُتر آئے ہیں ہم میں

اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

ان کو ملنے کے لیے گئے تو نصر اللہ ناصر میرے ساتھ تھے۔ اگر ان کا حافظہ جواب نہ دے گیا ہو یا ملازمت کی مجبوریاں زیادہ نہ بڑھ گئی ہوں تو وہ تصدیق کر سکتے ہیں کہ قاضل اکمل نے تفنن طبع کے طور پر یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ہم چند دوست مرزا بشیر احمد کے پیچھے قادیان سے باہر سیر سپاٹے کے دوران نماز پڑھ رہے تھے۔ مرزا بشیر احمد نے امامت کروائی اور ابھی وہ نماز میں ہی تھے تو میں نے کہا ''اوئے وضو کیتا سائی'' یہ ہے قادیانی نماز......

جب میں لاہور آیا تو مظہر ملتانی مرحوم نے قاضی اکمل کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ایک شعر مجھے دکھایا جو ایک طویل نظم کا حصہ تھا۔ وہ شعر مجھے اب بھی یاد ہے جو یہ ہے ۔

بدن اپنا پھر آگے اُس کے ڈالا
توکلت علی اللہ تعالیٰ

اس قادیانی کی خباثت کا اندازہ لگائیں کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کرنے میں کس قدر بے باک تھا۔ ایک دوسرا شعر بھی قاضی اکمل کے اپنے ہینڈ رائٹنگ میں مظہر ملتانی مرحوم نے مجھے دکھایا تھا لیکن وہ اس قدر خستہ تھا کہ اس کا صرف ایک ہی مصرع پڑھا جا سکتا تھا۔ جو یہ ہے ۔

نہ چیخ مارو حبیب میرے کہ ہو چکا ہے دخول سارا

اب اگر قادیانی امت کے نام نہاد ''صحابیوں'' کی یہ حالت ہے تو پھر ان کے ''نبی صاحب'' خلفا'' اور دوسرے ''اہل بیت'' کی کیا حالت ہوگی، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔''

ظہور الدین اکمل کا بڑا بیٹا عبدالرحمٰن جنید لواطت کا عادی تھا۔ وہ اپنی سدومی ہوس کی تسکین اور تفریح طبع کے لیے نوخیز خوبصورت لڑکوں سے مباشرت کرتا۔ فردوس نامی لڑکی سے شادی کے بعد اس کی ازدواجی زندگی بے حد تلخ رہی۔ وہ دو بیٹیوں کا باپ ہونے کے باوجود زبردستی اپنی بیوی سے غیر فطری طریقے سے مباشرت کرتا۔ اس کی بیوی اس فعل سے شدید ذہنی کوفت اور اذیت محسوس کرتی۔ عبدالرحمٰن جنید کی ان حرکات کی وجہ سے وہ دائمی سر درد کی مریضہ بن گئی۔ پھر 35 سال کی عمر میں اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا جس کے نتیجہ میں وہ زندگی کی بازی ہار گئی۔

قاضی اکمل کا بیٹا عبدالرحمٰن جنید بھی شعائر اسلامی کی توہین کرتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بڑی حقارت سے کرتا۔ مرزا قادیانی کو (نعوذ باللہ) حضور نبی کریمؐ سے افضل قرار دیتا۔ ایک دن نہانے کے بعد گیلا تولیہ سکھانے کے لیے اس نے اپنے مکان کی دوسری منزل پر کھڑے ہو کر سامنے کے درخت پر کپڑا

ڈالنا چاہا مگر پاؤں جو پھسلا تو دھڑام سے گلی کے فرش پر گرا۔ پولیس نے ساری رات تفتیش کی کہ کہیں کسی نے دھکا دے کر گرایا تو نہیں۔ تفتیش مکمل ہونے پر اہل خاندان نے اس کی لاش پر سے کپڑا اٹھایا تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سخت گرمی کا موسم ہونے کی وجہ سے سارا جسم کیڑوں سے بھرا ہوا تھا۔

عبدالرحمٰن جنید کی دو لڑکیاں قانتہ فردوس اور فائزہ فردوس جنم جنم کی پیاسیاں تھیں۔ ان پر ٹوٹ کر جوانی آئی تھی۔ قانتہ فردوس بے پناہ نسوانی حسن کی مالکہ تھی۔ دراز قد اور جاذب نظر اتنی کہ دیکھنے والے اس کے حسن اور جسمانی خطوط کی دلکشی میں کھو کر رہ جاتے۔

کیا دیکھتے ہم ان کو مگر دیکھتے رہے

چوہدری بشیر احمد سابق ایم پی اے اور سابق امیر قادیانی جماعت شیخوپورہ جو شراب پیتا، شکار کھیلتا اور اپنا سارا وقت جنسی مشاغل میں گزارتا، اس کے قانتہ فردوس کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ قانتہ فردوس ان دنوں فاطمہ جناح گرلز کالج شیخوپورہ میں لیکچرار تھی۔ بعد میں قانتہ کی شادی حمید احمد نامی ایک شخص سے کر دی گئی۔ قانتہ فردوس گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں انگریزی کی ایسوسی ایٹ پروفیسر رہی۔ 25 اکتوبر 2002ء کو ریٹائرڈ ہوئی۔ اس کے میاں حمید احمد کے مطابق قانتہ کو ایک بار Psoriasis سورائسز ہو گیا تھا۔ یہ ایک تکلیف دہ جلد کی بیماری ہے۔ قانتہ کے جسم کی جلد اتر کر سارا بدن زخموں اور پیپ سے بھر گیا تھا۔ جس سے جسم سے بو آتی۔ وہ ایک منہ پھٹ عورت تھی۔ بیماری کی وجہ سے مزاج میں مزید چڑچڑا پن آ گیا۔ ایک طویل علاج کے بعد اسے زخموں سے نجات ملی تو جوڑوں میں شدید درد شروع ہو گیا۔ انفیکشن کی وجہ سے ہر وقت بخار رہتا۔ جب تکلیف انتہا پر ہوتی تو وہ بے ہوش ہو جاتی۔ اس کربناک اور المناک حالت میں وہ مر گئی۔

اس کی دوسری بہن فائزہ فردوس نہایت خوبصورت اور جواں سال تھی۔ لیکن اس کی چڑھتی جوانی کی بات ہی کچھ اور تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایسا نشہ تھا کہ دیکھنے والا خود بخود اس کی طرف مائل ہو جاتا۔ وہ جامعہ نصرت ربوہ کالج کی شریر اور چنچل حسینہ تھی۔ بعد ازاں وہ کالج یونین کی سیکرٹری منتخب ہوئی تو اس کی کرتوتوں کا تذکرہ پورے ربوہ میں ہونے لگا۔ وہ جالی دار ریشمی کپڑوں میں ملبوس ہو کر ربوہ کے بازاروں سے گزرتی تو ہر شخص کی ہوس آلود نظر اس کی طرف جھکنے لگتی۔ فائزہ کا مرزا ناصر کے گھر بہت آنا جانا تھا۔ فائزہ مرزا ناصر کی بیٹیوں کی سہیلی تھی۔ اسی اثناء میں فائزہ کی دوستی مرزا ناصر کے صاحبزادے انس سے ہو گئی۔ فائزہ سمندر کی طرح پیاسی اور شوخ تھی، اس لیے معاملہ طے ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ کئی سال بھنورے کی طرح اس نوخیز کلی کا رس چوستا رہا۔ بعد ازاں اس کی شادی ماہر امراض قلب معروف قادیانی ڈاکٹر مسعود الحسن نوری کے چھوٹے بھائی مطلوب الحسن سے ہوئی۔

بچپن میں قاضی اکمل کو چیچک کا مرض لاحق ہوا تھا جس کے دانوں کے نشانات سے اس کا چہرہ بُری طرح بگڑ گیا تھا۔ 1900ء کے بعد 9 برس تک وہ تپ دق اور Septicaemia کے مرض کا شکار ہوا

جس سے اس کا بایاں بازو بری طرح مفلوج ہوگیا۔ 22 سال کی عمر میں وہ خوفناک حد تک مراق کا شکار رہا۔ وہ مخصوص حالات میں جذباتی کیفیت کا شکار ہو جاتا جس سے اس کا چہرہ بگڑ جاتا اور ہونٹ سکڑ جاتے۔ بعد میں اسے مرگی کے دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ ایسے ہی ایک دورے میں اس کی بائیں آنکھ بری طرح متاثر ہوئی اور ترچھی دکھائی دینے لگی۔ دوروں کے دوران وہ حواس باختہ ہوکر عجیب وغریب حرکتیں کرتا اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنی شروع ہو جاتی۔ ماہر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے اس کا کئی ماہ علاج کیا جس سے وہ قدرے ٹھیک ہوگیا۔

1938ء میں حیض کے دوران جماع کرنے سے اس کے عضو تناسل پر خارش کے زخم نمایاں ہو گئے تھے۔ پیشاب میں شدید جلن اور اذیت محسوس ہوتی۔ بندش پیشاب کی وجہ سے اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ اس شرمناک بیماری کے عمل کے نتیجہ میں اس کی ریڑھ کی ہڈی بیٹھ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی دونوں ٹانگیں بالکل ناکارہ ہوگئی تھیں۔ اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ لاعلاج ہوگیا۔ اسے میو ہسپتال کے البرٹ وکٹر وارڈ میں داخل کرایا گیا جہاں کئی مہینے اس کا علاج ہوتا رہا۔ بعد ازاں وہ بغیر صحت یابی کے لاہور ہی میں واقع اپنے گھر منتقل ہوگیا۔ وہ اپنے نحیف ولاغر جسم کو لیے ہوئے آہستہ آہستہ موت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر لرز جاتے۔ اسی حالت میں 17 ستمبر 1956ء میں وہ ربوہ چلا گیا جہاں دارالصدر شرقی کے ایک کوارٹر میں فروکش رہا۔ بخار اور کھانسی کی وجہ سے وہ سوکھ کر کانٹا ہوگیا تھا۔ اتنا کمزور ہوگیا تھا کہ آواز بھی نہ نکلتی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر ہر وقت سوجن رہتی۔

1962ء میں اسے منہ کا کینسر ہوگیا۔ ہر وقت تھوکتا جس میں خون کی آمیزش ہوتی، صحت پہلے ہی کمزور تھی، اس لیے جسم میں قوت مدافعت نہ رہی۔ وہ ایک چارپائی پر پرانا لحاف اوڑھے پڑا رہتا۔ بڑی بڑی داڑھی اور بڑھے ہوئے سر کے بالوں پر ایک رومال بندھا ہوتا۔ پیلا چہرہ اور پھٹی پھٹی آنکھیں لحاف ہلتا تو بدبو کا ایک بھبھکا آتا۔ چارپائی پر اور لحاف کے اندر بے شمار کیڑے رینگتے پھرتے۔ اس کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی۔ وہ اپنی اس موذی مرض سے اس قدر تنگ آچکا تھا کہ اس نے کئی دفعہ خودکشی کا سوچا۔ اس ڈیپریشن میں اس کا ذہنی توازن خراب ہوگیا اور بالآخر نیم پاگل ہوگیا۔ آخری وقت میں اس پر اسہال کا شدید حملہ ہوا جس سے جانبر نہ ہوسکا۔ آخر کار طویل اور بے حد تکلیف دہ علالت کے بعد 27 ستمبر 1966ء کو صبح 6 بجے بے یار و مددگار نہایت عبرتناک موت سے ہمکنار ہوا۔

رحم کے قابل نہیں تھا اکمل
آسماں نے جو کیا تھوڑا کیا



مفتی محمد صادق

فطرت کا بدلنا ناممکن ہے۔ کہاوت ہے کہ بندر سونے کا چھلا پہن کر بھی بندر ہی رہے گا۔ یہ قول زریں مفتی صادق قادیانی پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ وہ 1872ء میں بھیرہ شہر کے محلہ مفتیاں میں پیدا ہوا۔ وہ حکیم نورالدین کے قریبی عزیزوں میں سے تھا۔ کچھ عرصہ جموں کشمیر میں حکیم نورالدین کے پاس رہا۔ پھر اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ لاہور میں مدرس کے طور پر ملازمت کی۔ بعد ازاں اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم ہوگیا۔ حکیم نورالدین کی تبلیغ سے وہ 31 جنوری 1891ء کو مرزا قادیانی سے بیعت ہوا۔ پھر 1900ء میں لاہور چھوڑ کر مستقل طور پر قادیان چلا گیا۔ وہاں ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر بھی رہا۔ وہ مرزا قادیانی کے نام نہاد ''صحابہ'' میں شامل تھا۔ مرزا قادیانی نے اپنی کتاب انجام آتھم میں درج اپنے ''صحابہ'' کی فہرست میں اس کا نام 65ویں نمبر پر درج کیا ہے۔ وہ ایک عرصہ مرزا محمود کا پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہا۔ بعد ازاں ناظر امور خارجہ کے طور پر بھی کام کرتا رہا۔ وہ کئی کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کی ایک کتاب ''ذکر حبیب'' قادیانی حلقوں میں بے حد مشہور اور عام ہوئی۔ اس کتاب میں درج بعض روایات نہایت دلچسپ اور مضحکہ خیز ہیں۔ آیئے! چند روایات سے آپ بھی محظوظ ہوں۔

تھیٹر

☐ ''حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے امرتسر جانے کی خبر سے بعض اور احباب بھی مختلف شہروں سے وہاں آگئے۔ چنانچہ کپورتھلہ سے محمد خاں صاحب اور منشی ظفر احمد صاحب بہت دنوں وہاں ٹھہرے رہے۔ گرمی کا موسم تھا، اور منشی صاحب اور میں ہر دو نحیف البدن اور چھوٹے قد کے آدمی ہونے کے سبب ایک ہی چارپائی پر دونوں لیٹ جاتے تھے۔ ایک شب دس بجے کے قریب میں تھیٹر میں چلا گیا، جو مکان کے قریب ہی تھا۔ اور تماشہ ختم ہونے پر دو بجے رات کو واپس آیا۔ صبح منشی ظفر احمد صاحب نے میری عدم موجودگی میں حضرت صاحب کے پاس میری شکایت کی کہ مفتی صاحب رات تھیٹر چلے گئے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ ایک دفعہ ہم بھی گئے تھے تاکہ معلوم ہو کہ وہاں کیا ہوتا ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں فرمایا۔ منشی

ظفر احمد صاحب نے خود ہی مجھ سے ذکر کیا کہ میں تو حضرت صاحب کے پاس آپ کی شکایت لے کر گیا تھا اور میرا خیال تھا کہ حضرت صاحب آپ کو بلا کر تنبیہ کریں گے۔ مگر حضور نے تو صرف یہی فرمایا کہ ایک دفعہ ہم بھی گئے تھے۔" (ذکر حبیب ص 18 از مفتی محمد صادق قادیانی)

عورتوں کے امام

❑ "باہر مردوں میں نمازیں باجماعت ہونے کے علاوہ آخری سالوں میں حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) ایک بہت بڑے عرصہ تک اندر عورتوں میں خود پیش امام ہو کر مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک لمبے عرصہ تک جمع کراتے رہے۔" (ذکر حبیب ص 65 از مفتی محمد صادق قادیانی)

پیشہ نبوت

❑ "18 جنوری 1905ء کو جبکہ میں قادیان کے ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھا، میں نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی خدمت بابرکت میں ایک رقعہ لکھا تھا، جس کا اصل بمعہ جواب درج کرنا مناسب ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کا موجب ہوگا:

رقعہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسُولہِ الکریم

حضرت اقدس مرشدنا ومہدینا مسیح موعود

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ صاحبزادہ میاں محمود احمد کا نام برائے امتحان (مڈل) آج ارسال کیا جائے گا۔ جس فارم کی خانہ پری کرنی ہے، اس میں ایک خانہ ہے کہ اس لڑکے کا باپ کیا کام کرتا ہے۔ میں نے وہاں لفظ نبوت لکھا ہے۔"

(ذکر حبیب ص 244، 245 از مفتی محمد صادق قادیانی)

خدا کی مشین

"ایک دفعہ جب سخت گرمی پڑی، تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک مضمون لکھا جس میں گرمی کا اظہار کرتے ہوئے، اور گرمی کے سبب کام نہ کر سکنے کی معذرت کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی لکھ دیئے۔ کہ "گرمی ایسی سخت ہے کہ اس کے سبب سے خدا کی مشین بھی بند ہوگئی ہے۔" اس میں مولوی صاحب نے اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے بھی شدت گرمی کے سبب کام چھوڑ دیا ہے۔" (ذکر حبیب ص 161 از مفتی محمد صادق قادیانی)

سب کا جنازہ پڑھ دیا

"قاضی سید امیر حسین صاحب کا ایک چھوٹا بچہ فوت ہونے پر جنازے کے ساتھ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) بھی تشریف لے گئے۔ اور خود ہی جنازہ پڑھایا۔ عموماً جنازے کی نمازیں حضرت مسیح

موعود (مرزا قادیانی) اگر موجود ہوتے، تو خود ہی امامت کرتے۔ اس وقت نماز جنازہ میں شامل ہونے والے دس پندرہ آدمی ہی تھے۔ بعد سلام کسی نے عرض کی کہ حضور میرے لیے بھی دعا کریں۔ فرمایا میں نے تو سب کا ہی جنازہ (ایمان کا۔ ناقل) پڑھ دیا ہے۔"

(ذکر حبیب ص 162,161 از مفتی محمد صادق قادیانی)

سُور مار

❏ "ایک دفعہ قادیان میں آوارہ کتے بہت ہو گئے اور ان کی وجہ سے شور وغل رہتا تھا۔ پیر سراج الحق صاحب نے بہت سے کتوں کو زہر دے کر مار ڈالا۔ اس پر بعض لڑکوں نے پیر صاحب کو چڑانے کے واسطے ان کا نام پیر کتے مار رکھ دیا۔ پیر صاحب حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی خدمت میں شاکی ہوئے کہ لوگ مجھے کتے مار کہتے ہیں۔ حضرت صاحب نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ اس میں کیا حرج ہے۔ دیکھئے حدیث شریف میں میرا نام "سور مار" لکھا ہے۔ کیونکہ مسیح کی تعریف میں آیا ہے کہ یقتل الخنزیر" (ذکر حبیب ص 162 از مفتی محمد صادق قادیانی)

کسی کی جان گئی، کسی کی ادا ٹھہری

❏ "صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب مرحوم کے دل بہلانے کے واسطے ایک دفعہ چھوٹی چڑیاں کہیں سے لائی گئیں۔ صاحبزادہ صاحب ان چڑیوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھنا پسند کرتے تھے اور بعض دفعہ بچپن کی ناواقفی سے ایسی طرح پکڑتے اور دبائے رکھتے کہ چڑیا کی جان پر بن جاتی۔ اس پر گھر کی کسی خادمہ نے صاحبزادہ صاحب کو چڑیا ہاتھ میں پکڑنے سے روکا۔ مگر حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے اس خادمہ کو منع کیا۔ فرمایا کہ یہ چڑیاں اس کے دل بہلانے کے واسطے ہیں۔ جس طرح چاہے پکڑے، تم نہ روکو۔"

(ذکر حبیب ص 171 از مفتی محمد صادق قادیانی)

"انہوں کجھ دیدا ہے"

❏ "حضرت مسیح موعود کے اندرون خانہ ایک نیم دیوانی سی عورت بطور خادمہ کے رہا کرتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے کیا حرکت کی کہ جس کمرے میں حضرت صاحب بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے۔ وہاں ایک کونے میں کھرا تھا، جس کے پاس پانی کے گھڑے رکھے تھے۔ وہاں اپنے کپڑے اتار کر اور ننگی بیٹھ کر نہانے لگ گئی۔ حضرت صاحب اپنے کام تحریر میں مصروف رہے، اور کچھ خیال نہ کیا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ جب وہ نہا چکی تو ایک اور خادمہ اتفاقاً آ نکلی۔ اس نے اس نیم دیوانی کو ملامت کی کہ حضرت صاحب کے کمرے میں اور موجودگی کے وقت تو نے یہ کیا حرکت کی۔ تو اس نے ہنس کر جواب دیا۔ انہوں کجھ دیدا ہے؟ یعنی اسے کیا دکھائی دیتا

ہے۔" (ذکر حبیب ص 38 از مفتی محمد صادق قادیانی)

مائی او پیا

❑ "ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت صاحب کی آنکھوں میں مائی او پیا تھا۔ اسی وجہ سے پہلی رات کا چاند نہ دیکھ سکتے تھے۔"

(سیرت المہدی جلد سوئم ص 119 از مرزا بشیر احمد ایم اے)

غرارہ

❑ "آخری ایام میں حضور ہمیشہ ایسے پاجامے پہنا کرتے تھے، جو نیچے سے تنگ اوپر سے کھلے گاؤ دم طرز کے اور شرعی کہلاتے ہیں۔ لیکن شروع میں 1890,95ء میں، میں نے حضور کو بعض دفعہ غرارہ پہنے ہوئے بھی دیکھا ہے۔" (ذکر حبیب ص 39 از مفتی محمد صادق قادیانی)

بیٹے کی خاطر نماز جمعہ نہیں پڑھی

❑ "صاجزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی مرض الموت کے ایام میں ایک جمعہ کے دن حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) حسب معمول کپڑے بدل کر عصاء ہاتھ میں لے کر جامعہ مسجد کو جانے کے واسطے تیار ہوئے۔ جب صاجزادہ کی چارپائی کے پاس سے گذرتے ہوئے ذرا کھڑے ہو گئے تو صاجزادہ صاحب نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا دامن پکڑ لیا۔ اور اپنی چارپائی پر بیٹھا دیا اور اٹھنے نہ دیا۔ صاجزادہ صاحب کی خاطر حضور بیٹھے رہے۔ اور جب دیکھا کہ بچہ اٹھنے نہیں دیتا، اور نماز جمعہ کے وقت میں دیر ہوتی ہے تو حضور نے کہلا بھیجا کہ جمعہ پڑھ لیں اور حضور کا انتظار نہ کریں۔" (ذکر حبیب ص 172 از مفتی محمد صادق قادیانی)

مفتی صادق نے کئی ایک شادیاں کیں جن سے اولاد بھی پیدا ہوئی۔ 1936ء میں اس نے ایک جرمن خاتون سے شادی کی۔ خاتون کا کہنا تھا کہ وہ مستقل طور پر جرمنی رہنا چاہتی ہے، مفتی صادق کے انکار پر اس نے طلاق لے لی۔ بعد ازاں مفتی صادق نے تقریباً 70 سال کی عمر میں 1940ء میں ایک نوخیز دوشیزہ سے شادی کر لی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مفتی صادق کراچی میں بیمار تھا اور مفسوبہ لڑکی قادیان میں تھی۔ مفتی صادق نے واپسی کا بھی انتظار نہ کیا اور ایک صاحب کو اپنا نمائندہ بنا کر بطریق نیابت نکاح کر لیا۔ (اخبار پیغام صلح لاہور جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 67 مورخہ 28 اکتوبر 1940ء)

معروف سابق قادیانی چوہدری غلام رسول چیمہ صاحب نے راقم کے ساتھ ایک ملاقات میں انکشاف کرتے ہوئے بتایا: "مشہور قادیانی مبلغ مولوی جلال الدین شمس کی بیٹیوں کے ساتھ مرزا محمود اور اس کے قریبی ساتھیوں نے زبردستی زنا کیا۔ یہ جولائی 1923ء کا واقعہ ہے۔ ان دنوں جلال الدین شمس امریکہ کے معروف شہر شکاگو میں قادیانی مبلغ کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ وہاں اسے اس المناک واقعہ کی

اطلاع ملی تو نہایت پریشانی کے عالم میں ستمبر 1923ء کو واپس قادیان پہنچا۔ جلال الدین شمس اس واقعہ کی شکایت لے کر مرزا محمود کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور بڑی لجاجت مگر امید بھری نظروں سے عرض کرتے ہوئے کہا: "حضور مجھ پر قیامت بیت گئی ہے، بہر حال جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اگر آپ میری متاثرہ بیٹی کو اپنی زوجیت میں لے لیں تو مجھ پر احسان عظیم کے علاوہ اس حادثہ کا بھی کچھ ازالہ ہو جائے گا۔ مرزا محمود یہ سنتے ہی آپے سے باہر ہو گیا اور شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "جلال الدین شمس! چوہدری اور کمی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تم اپنی حیثیت بھول رہے ہو۔ خبردار آئندہ ایسی بات کی۔ اپنی اوقات میں رہا کرو۔"

خاموشی کے ایک مختصر وقفہ کے بعد جلال الدین شمس نے ڈرتے ڈرتے نہایت بے بسی کے عالم میں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا: "حضور! کم از کم اپنے آدمیوں کو تو سمجھا دیں تا کہ میرے گھر والوں کے ساتھ آئندہ ایسا واقعہ دوبارہ پیش نہ آئے۔ مرزا محمود نے بڑے درشت لہجہ میں جواب دیتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے! میں اپنے گھوڑوں سے کہہ دوں گا لیکن تم بھی اپنی کھوتیاں باندھ کر رکھو۔" جلال الدین شمس کو اپنی "خدمات" کا صلہ مل چکا تھا۔"

اگست 1940ء میں مفتی صادق کو کئی ماہ تک بندش پیشاب کی تکلیف رہی۔ ماہر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اس کا علاج کرتی رہی۔ بعد ازاں مسلسل بخار اور کالی کھانسی کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ اس حالت میں کبھی قدرے افاقہ ہو جاتا اور کبھی پھر حالت خراب ہو جاتی۔ جنوری 1946ء میں غدۂ قدامیہ کی سوزش بڑھ جانے سے اس کی طبیعت بے حد تشویشناک ہو گئی۔ کئی ماہ تک پیشاب کے راستے خون آتا رہا۔ پھر مثانہ میں زخم ہو گئے۔ پیشاب کا ایک قطرہ بھی پیدا ہوتا تو سوزش شروع ہو جاتی۔ رات بھر پانچ پانچ، دس دس منٹ کے وقفہ سے سوزش کی تکلیف سے دورے پڑتے جس سے وہ بے ہوش ہو جاتا۔ ڈاکٹر میر اسماعیل نے اس کے لیے پنسلین کے ٹیکے تجویز کیے۔ (اخبار الفضل قادیان نمبر 8 جلد 34 ص 2 مورخہ 9 جنوری 1946ء)

بعد ازاں میو ہسپتال کے البرٹ وارڈ میں ڈاکٹر کرنل بھروچہ اور ڈاکٹر حشمت اللہ نے ایک آپریشن کے ذریعے شگاف کر کے مثانہ کھولا اور جریان خون بند کیا گیا۔

(روزنامہ الفضل قادیان 11 جنوری 1946ء)

امریکہ میں مسلسل شراب نوشی کی وجہ سے 1950ء میں اسے پھیپھڑوں کی شدید تکلیف شروع ہو گئی تھی۔ اس سے بعض اوقات اس کا سانس بھی رک جاتا تھا۔ اسی دوران اسے ٹی بی ہو گئی۔ علاج کے باوجود بیماری بڑھتی چلی گئی۔ ٹی بی پہلا درجہ طے کر کے دوسرے بلکہ تیسرے درجہ تک جا پہنچی۔ ڈاکٹری رپورٹس کے مطابق اس کے پھیپھڑوں میں خون چلا گیا تھا اور ٹی بی نے اس کے پھیپھڑے تقریباً ناکارہ کر دیئے تھے۔ اس کی موذی بیماری خصوصاً کھانسی سے اہل خانہ اور عزیز و اقارب کراہت محسوس کرتے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ڈاکٹر بھی کنی کترانے لگے۔ اس کا کمرہ اور کھانے پینے کے برتن بھی الگ کر دیئے گئے۔ لوگوں کو اس کے پاس زیادہ ٹھہرنے اور باتیں کرنے سے روک دیا گیا۔ قریبی عزیزوں سے کہا گیا کہ مجبوری اور

ضرورت کے سوا زیادہ قریب نہ رہیں۔ اس مرض اور دیگر بیماریوں کے علاوہ ایسے حالات سے اس کی طبیعت پر گہرا اثر پڑا جو نہایت تکلیف دہ، دل شکن اور روح فرسا تھا۔ وہ بستر مرگ پر زندہ درگور ہو گیا تھا۔ اسے صحت کی نسبت موت زیادہ قریب نظر آ رہی تھی۔ مرض کی شدت وغلبہ سے وہ اس قدر لاغر اور کمزور ہو گیا تھا کہ رفع حاجت تو درکنار پہلو بدلنے سے بھی عاجز آ چکا تھا۔ ربوہ میں اس کی بیماری اور حالت کا عام چرچا ہو گیا تھا۔ 23 ستمبر 1956ء کو رات بارہ بجے کے قریب اسے یکدم تکلیف شروع ہوئی۔ اس نے بے تحاشا چیخنا شروع کر دیا کہ میرے سینے میں آگ لگ گئی ہے۔ اس کے بیٹوں عبدالسلام اور منظور نے اس کے تمام کپڑے اتار دیئے۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر انجکشن لگائے جس سے کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اگلے روز دوپہر دو بجے پھر سر اور سینہ میں شدید تکلیف ہوئی جس سے بہت کربناک صورتحال پیدا ہو گئی۔ دوائی پلانے کی کوشش کی گئی مگر اس نے قے کر دی۔ یہ حالت کئی روز تک رہی۔ اکتوبر 1956ء میں اس پر فالج کا حملہ ہوا جس سے اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔ تقریباً چار ماہ تک اس حالت میں رہ کر وہ 13 جنوری 1957ء کو نہایت عبرتناک حالت میں جہنم واصل ہوا۔

واصف علی واصف نے بجا کہا تھا۔ ''انسان کی بداعمالیاں جب ایک خوفناک نتیجہ بن کر اس کی راہ میں آ موجود ہوں، وہ عذاب کا لمحہ ہے۔''



مریم بیگم

جنسی ضابطوں کی باغی مریم بیگم مرزا قادیانی کے پرانے دوست عبدالستار کی بیٹی تھی۔ وہ 1890ء میں قادیان میں پیدا ہوئی۔ بچپن ہی سے اس کی رگوں میں خون کے بجائے جیسے شہوانیت ہی رواں دواں تھی۔ ایک ایسی اضطرابی شہوانیت جسے کسی بھی مرد کی بانہوں میں پوری طرح قرار نہ آ سکا تھا۔ اس کی رگ رگ میں بجلیاں اور انگ انگ میں حیوانی جوش بھرا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہر رات ایک نیا آدمی ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کا منہ بھی اس جنسی یلغار میں محفوظ نہ رہتا۔ یہ جنسی ہیجان انگیز ڈرامے کئی سال جاری رہے۔ اس کے انداز واطوار میں ایک ایسا سحر تھا جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ مزاج میں شگفتگی اور اطوار میں بے حیائی رچی بسی تھی۔ وہ زندگی سے پوری طرح حظ حاصل کرنا جانتی تھی اور مسرت و راحت کی شراب کا آخری قطرہ تک پی جانے کا شوق رکھتی تھی۔ وہ اپنی مکروہ خصلتوں کے لیے انتہائی بدنام تھی۔ مختلف واقعات میں اس کی رسوائی پورے قادیان پر مہر لگا کر پرواز کر رہی تھی۔ خاندان والے چاہتے تھے کہ جس قدر ممکن ہو، خشکی پر تڑپتی مچھلی کو پانی کے حوالے کر دیا جائے۔ جلد ہی یہ کوششیں رنگ لائیں اور مریم بیگم کا نکاح مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا مبارک احمد سے کر دیا گیا مگر رخصتی نہ ہوئی۔ مرزا مبارک کثرت لواطت اور شراب نوشی کی وجہ سے انتہائی خطرناک عوارض کا شکار ہو کر بڑی عبرتناک موت مرا۔ مریم بیگم بے حد خوبصورت مگر شرم و حیا سے عاری ایک خرانٹ عورت تھی۔ وہ اپنی شہوت سے بھرپور آنکھوں کے ساتھ کسی کو دیکھتی تو ممکن نہ تھا کہ اس کا ایمان سلامت رہتا۔ وہ ایک دیوث عورت تھی جس کی شہوانیت کی دھوم پورے قادیان میں تھی۔ ایک دفعہ مرزا محمود نے اسے دیکھا تو خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ مرزا محمود ایک جنسی اتھلیٹ تھا۔ اس کے عشرت کدہ میں ہر وقت لہو ولعب کی محفلیں منعقد ہوتیں۔ اس سے پیشتر اس کی شادی محمودہ بیگم اور حکیم نورالدین کی بیٹی امۃ الحی سے ہو چکی تھی مگر وہ اس قدر عیاش تھا کہ قادیانیوں کی سب سے زیادہ شعلہ بجاں عورتیں بھی اس کی شہوانیت کی آگ سے پناہ مانگتی تھیں۔

مرزا محمود غرور و نخوت سے بھرا ہوا انسان تھا۔ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا۔ مگر وہ مریم بیگم کی زلفوں کا اسیر ہو چکا تھا۔ وہ دونوں جوان تھے اور بے لگام بھی۔ ایک شام دونوں نے محبت کا رشتہ قائم کر لیا اور ایک

دوسرے سے پیار کرنے کی قسمیں کھائیں۔ یہی شام جب گہری ہو کر رات بنی تو دونوں نے اپنی اپنی بے قراری کو قرار سے ہمکنار کرنے کے لیے محبت کے نومولود رشتے کو بھی آج ہی پکا کرنے کی ٹھان لی۔ پھر جیسے جیسے رات گہری ہوتی گئی، ان کا تعلق بھی گہرے سے گہرا ہوتا گیا۔ اگلی صبح وہ دونوں ہی اپنی اپنی فتح پر پھولے نہیں سما رہے تھے، لیکن بستر کی چادر شرم کے مارے شکن شکن ہو کر اپنی لطیف چوٹیں سہلا رہی تھی۔

مریم بیگم کئی سال تک مرزا محمود کی داشتہ رہی۔ ان کی غیر محتاط سرگرمیوں کی وجہ سے ان دونوں کے ناجائز تعلق کی بازگشت قادیان کے گھر گھر میں سنائی دینے لگی۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ رسوائی سے بچنے کی خاطر اب شادی کر لی جائے۔ چنانچہ 7 فروری 1921ء کو مریم بیگم کا نکاح مرزا محمود کے ساتھ عمل میں آیا۔ 21 فروری 1921ء کو تقریب رخصتانہ عمل میں آئی۔ دونوں ایک دوسرے کی عادات اور مزاج سے بخوبی آگاہ تھے۔ مریم بیگم کو مرزا محمود کی شیطانی کرتوتوں کا علم تھا۔ بعد ازاں وہ اس کی بدکاریوں میں مستعدی کے ساتھ برابر کی شریک رہی۔

چند ہی مہینوں میں مرزا محمود کا دل مریم بیگم سے بھر گیا۔ وہ اکثر اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہتا کہ ''وہ گدھے کی طبیعت والی عورت ہے جو ہمیشہ ناشائستگی کے ساتھ کسی بات کا جواب دیتی ہے اور پست انداز میں رہتی ہے'' کبھی کہتا کہ ''وہ جنسی اعتبار سے سرد ہے۔ کیونکہ اس نے اتنی دفعہ کروایا ہے کہ اب اس کی جنسی بھوک ختم ہو چکی ہے۔'' حالانکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا، مریم بیگم کی جنسی گرمی میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب مرزا محمود نے مریم بیگم سے جنسی اعتبار سے بے اعتنائی برتی تو وہ اپنی جنسی بھوک پوری کرنے کے لیے اپنے شکار خود تلاش کرنے لگی۔

ڈاکٹر نذیر احمد ریاض بیان کرتے ہیں کہ مرزا بشیر الدین محمود کے ایک صاحبزادے مرزا رفیع احمد کے اپنی سوتیلی والدہ (یعنی مرزا محمود کی بیوی) مریم بیگم سے ناجائز تعلقات تھے۔ ریشمی بدن والی مریم نے عیاشی واوباشی کے وہ طریقے وضع کیے جو اپنی مثال آپ تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک گناہ کی دعوت اور ترغیب تھی۔ شہوت پرستی میں ہر حد سے گزر کر وہ جنسی بھیڑ بن چکی تھی۔ طوائفوں کے لباس کی طرح وہ آئے دن اپنے یار بدلتی۔ اس آفت جان نے مرزا رفیع پر ڈورے ڈالے تو رفیع احمد اس کی توبہ شکن اداؤں کا اسیر بن گیا۔ مریم نے اسے بہلایا، پھسلایا، ورغلایا اور پھر مکروہ ترین باہمی ملاپ کے ذریعے اپنی ہوس پوری کی۔ مرزا رفیع اس کی عطا کردہ لذتوں کا ایسا شیدا ہوا کہ وہ اس کی ہر بات پوری کرتا۔ مرزا رفیع تنومند اور مردانہ وجاہت سے بھرپور جوان تھا۔ وہ دونوں اپنی شرمناک حرکتوں سے بداخلاقی کی ہر حد پار کر گئے۔ ان واقعات کی بازگشت دور دور تک سنائی دینے لگی تو مرزا محمود کے کان کھڑے ہوئے۔ اس نے مرزا رفیع کو انڈونیشیا بھجوا دیا۔ مرزا رفیع وہاں سے مریم کو خط لکھتا۔ سب پوسٹ ماسٹر کبھی کبھی دلچسپی کی خاطر خط کھول لیا کرتا۔ ایک خط میں مرزا رفیع نے اپنی سوتیلی والدہ کو لکھا:

میری جان، میں تم پر نثار۔ میں تمہارا بندہ بے دام ہوں۔ میں اپنے آپ کو تمہارے سامنے ہار چکا ہوں۔ میں التجا کرتا ہوں، میرے خط کا جواب ضرور دو۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ تم میری بیماری یا موت کا سبب بن جاؤ گی۔ میں خیالوں میں اپنا چہرہ اور آنکھیں تمہارے پیروں کے تلوؤں سے رگڑتا ہوں۔ میں جلد آنے والا ہوں۔ میں مزید صبر نہیں کرسکتا۔ تم انکار نہ کرنا۔

ایک مدت سے نہ قاصد ہے نہ خط ہے نہ پتہ
اپنے وعدوں کو تو کر یاد مجھے یاد نہ کر

تمہارا

رفیع

(کمالات محمودیہ از مظہر ملتانی)

مرزا محمود نے مریم بیگم کی بیماری کے متعلق خود لکھا:

''مریم بیگم کو پہلے بچہ کی پیدائش پر ہی اندرونی بیماری لگ گئی تھی جو ہر بچہ کی پیدائش پر بڑھ جاتی تھی اور جب بھی کوئی محنت کا کام کرنا پڑتا تو اس سے اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ میں نے اس کے لیے ہر چند علاج کروایا مگر فائدہ نہ ہوا۔ دو دفعہ ایچی سن ہاسپٹل میں داخل کروا کر علاج کروایا۔ ایک دفعہ لاہور چھاؤنی میں رکھ کر علاج کروایا۔ کرنل نلسن، کرنل ہیز، کرنل کاکس وغیرہ چوٹی کے ڈاکٹروں سے مشورے بھی لیے، علاج بھی کروائے مگر مرض میں ایسی کمی نہیں آئی کہ صحت عود کر آئے۔ بلکہ صرف عارضی افاقہ ہوتا تھا۔ چونکہ طبیعت حساس تھی کسی بات کی برداشت نہ تھی۔ کئی دفعہ ناراضگی میں بیہوشی کے دورے ہو جاتے تھے اور ان میں اندرونی اعضاء کو اور صدمہ پہنچ جاتا تھا۔ آخر میں نے دل پر پتھر رکھ کر ان سے کہہ دیا کہ پھر دورہ ہوا تو میں علاج کے لیے پاس نہ آؤں گا۔ چونکہ دورے ہسٹیریا کے تھے۔ میں جانتا تھا کہ اس سے فائدہ ہوگا۔ اس کے بعد صرف ایک دورہ ہوا۔ اور میں ڈاکٹر صاحب کو بلا کر فوراً چلا گیا۔

1942ء میں، میں سندھ میں تھا کہ مریم سخت بیمار ہوئیں اور دل کی حالت خراب ہوگئی۔ مجھے تار گئی کہ دل کی حالت خراب ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا میں آجاؤں تو جواب گیا کہ نہیں۔ اب طبیعت سنبھل گئی ہے۔ یہ دورہ مہینوں تک چلا اور کہیں جون جولائی میں جا کر افاقہ ہوا۔ اس سال انہی دنوں میں امِ ناصر احمد کو بھی دل کے دورے ہوئے۔ نہ معلوم اس کا کیا سبب تھا۔

تین چار ہفتوں بعد مریم بیگم کو پھر شدید دورہ ہوا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ دورہ ایسا سخت ہے کہ بچنے کی امید نہیں۔ کچھ دنوں بعد مجھے نقرس کا دورہ ہوا۔ اور مریم بیگم کے پاس جانا چھوٹ گیا۔ اس وقت ڈاکٹروں نے غلطی سے ایک ایسا ٹیکہ لگا دیا جو اسے موافق نہیں تھا۔ اس ٹیکہ کا یہ اثر ہوا کہ اس کا پیٹ یکدم پھول گیا اور اتنا پھولا کہ موٹے سے موٹے آدمی کا بھی اتنا پیٹ نہیں ہوتا۔ میں بیماری میں لنگڑاتا ہوا وہاں

پہنچا اور اس کی حالت زیادہ خطرناک پا کر لاہور سے کرنل ہیز کو اور امرتسر سے لیڈی ڈاکٹر وائن کو بلایا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ اسے فوری طور پر لاہور پہنچایا جائے۔ بعد میں مریم بیگم کی سخت تشویشناک حالت کے پیش نظر یہ فیصلہ ہوا کہ اس کا آپریشن کیا جائے۔

ڈاکٹر میر اسماعیل کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔ بہرحال 14 جنوری کو اس کا آپریشن ہوا۔ 15 جنوری کو اس کے دل کی حالت خراب ہونی شروع ہوگئی۔ پھر اسے خون کی بوتلیں لگائی گئیں جس سے وقتی طور پر افاقہ ہوا۔ 25 جنوری کو میں چند دن کے لیے قادیان آ گیا۔ میرے قادیان آنے کے بعد ان کی حالت خراب ہوگئی اور زخم جسے مندمل بتایا جاتا تھا، پھر پورے کا پورا کھول دیا گیا۔ کمزوری بے حد ہوگئی۔ وہ بیماری سے سخت اذیت محسوس کر رہی تھی۔ جو زخم کے درد کی وجہ سے ناقابل برداشت تھی۔ بیماری کی لمبی تکلیف اور طبیعت کے چڑچڑا پن کی وجہ سے اس کے ساتھ ہی اسے دل کے دوروں کی تکلیف بڑھنے لگی۔ ڈاکٹر بڑوچہ نے جس سے علاج کے لیے ہم مریم کو سرگنگا رام ہسپتال لے آئے تھے، مریم کو افیون بھی دینی شروع کر دی۔ بہرحال انجام قریب آ رہا تھا۔ دل کی حالت بہت کمزور ہو چکی تھی، اب وہ دوائی کا اثر ذرا بھی قبول نہیں کر رہا تھا۔ میں تھک کر شیخ بشیر احمد کے گھر پر سونے کے لیے چلا گیا، کوئی چار بجے آدمی دوڑا ہوا آیا کہ جلد چلیں حالت نازک ہے۔ میں اس کے پاس گیا تو دیکھتا ہوں کہ اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے اور شدید ضعف کے آثار ظاہر ہو رہے تھے مگر ابھی بول سکتی تھی۔ میں نے اسے کہا کہ تم نے روحانی کمزوری دکھائی ہے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ موت تیزی سے اس کی طرف آ رہی تھی۔ اس وقت دہلی سے ڈاکٹر لطیف تشریف لے آئے انہوں نے کہا کہ بیماری کی وجہ سے سانس پر دباؤ ہے اور ڈر ہے کہ جانکندن کی تکلیف زیادہ سخت نہ ہو۔"

(تاریخ احمدیت از دوست محمد شاہد ج9 ص 531 تا 537)

مرزا محمود کے افعال مذمومہ میں شاید ہی کسی اور عورت نے اتنا تعاون کیا ہو جتنا مریم بیگم نے کیا۔ مگر ایسا عبرتناک انجام اس عورت کا ہوا ہے شائد ہی کسی اور عورت کا ہوا ہو۔ درجنوں لوگوں سے غیر معمولی جماع کی وجہ سے وہ سوزاک اور سیلان کی مریضہ بن گئی تھی۔ اس کے علاوہ اسے پراسٹیٹ گلینڈ کی بھی جلن تھی۔ آخری کئی سال وہ اپنے درد کرنے والے جسم اور متورم پیٹ کو چاروں طرف سے گرم پانی کی بوتلوں سے ڈھانپ کر لیٹتی، اس سے اس کی تکلیف میں کچھ کمی ہوتی۔

بقول شفیق مرزا، شیخ عبدالرحمٰن مصری کہتے ہیں:

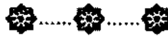
"جب میں نے خلیفہ صاحب" کی اہلیہ مریم کی موت کی تفصیلات کے بارہ میں "پیغام صلح" میں لکھنا شروع کیا اور یہ بتایا کہ اس کے رحم سے اس قدر پیپ خارج ہوتی تھی کہ مرنے کے بعد بھی بند نہیں ہوتی تھی، اس لیے چار مرتبہ کفن تبدیل کیا گیا تو اس مضمون کی اشاعت کے بعد قاضی اکمل نے مجھے خط لکھا اور

میری تصحیح کرتے ہوئے بیان کیا کہ چار نہیں، پانچ کفن تبدیل کیے گئے تھے۔" (شہر سدوم از شفیق مرزا ص 80)

بعد ازاں وہ آتشک کے موذی مرض میں مبتلا ہوگئی۔ اس کے رحم سے ہر وقت پیپ خارج ہوتی رہتی۔ اس بیماری سے اس کا تمام جسم سر سے پیر تک گل سڑ گیا۔ 7 مارچ 1944ء کو وہ نہایت عبرتناک انجام کے ساتھ گنگارام ہسپتال لاہور میں جہنم واصل ہوئی۔ لیکن یاد رہے کہ موت کے بعد بھی گندگی سیلاب کی طرح بہتی رہی۔ اور تقریباً چار پانچ دفعہ گندگی کو روکنے کے لیے کفن پر کفن ڈالا گیا تا کہ گندگی کو روکا جا سکے۔ جنازے کے وقت بھی بدبو اور تعفن کی اس قدر فراوانی تھی کہ خدا کی پناہ۔ اس بدبو کو دور کرنے کے لیے قیمتی سے قیمتی عطر استعمال میں لایا گیا لیکن یہ عطر بھی اس بدبودار تعفن کو مسخر نہ کر سکا۔ اس طرح اصل حقیقت جس کو پردۂ اخفا میں رکھنے کی کوشش کرتے رہے چھپ نہ سکی۔ تمام ظاہری کوششوں کے باوجود منظر عام پر آ گئی۔ اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ جو اشخاص جنازے کے ہمراہ تھے اس میں سے چند مخصوص لوگوں کے سوا باقی کو عمداً کافی سے زائد فاصلہ پر رکھا گیا۔ چند ہی منٹ بعد مدرسہ احمدیہ کا گیٹ بند کر کے تمام اشخاص کو روک دیا گیا۔ پھر وہی چند مخصوص اشخاص کا کارواں دفن کرنے لے گیا، دفن کرنے کے بعد گیٹ کھول دیا گیا تا کہ دعا میں شریک ہو سکیں۔

مریم بیگم جوانی میں اپنی عیاشیوں پر بڑے فخر اور تکبر سے کہتی کہ اگر خدا ہے تو ان کو سزا کیوں نہیں ملتی۔ اب خدا کے عذاب کا آپ خود ہی اندازہ لگا لیجیے۔ خدا یقیناً ہے لیکن اس کے ہاں دیر ضرور ہے، اندھیر نہیں۔

فاعتبروا یااولی الابصار



ڈاکٹر میر محمد اسماعیل

ڈاکٹر میر محمد اسماعیل 18 جولائی 1881ء کو پیدا ہوا۔ وہ مرزا قادیانی کی دوسری بیگم نصرت جہاں بیگم کا چھوٹا بھائی تھا۔ اپنی ہمشیرہ کی شادی کے بعد اس نے 15 جون 1891ء کو مرزا قادیانی سے بیعت کی۔ 1936ء میں سول سرجن کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہوا۔ تو قادیان میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔

ڈاکٹر میر اسماعیل کی شادی اگست 1906ء میں اپنی پھوپھی زاد بہن سے ہوئی۔ میر اسماعیل لواطت کا عادی تھا۔ اپنی بیوی سے غیر فطری انداز میں مباشرت کرتا جس سے اسے حد درجہ اذیت ہوتی۔ اس بنیاد پر چند ماہ بعد اس خاتون نے میر اسماعیل سے طلاق لے لی۔ بعد ازاں میر اسماعیل کی دوسری شادی مرزا شفیع کے ہاں ہوئی۔

جناب شفیق مرزا اپنی کتاب ''شہر سدوم'' میں لکھتے ہیں:

''مصری صاحب نے مؤلف کو بتایا کہ جب انہوں نے اپنے صاحبزادے کے انکشاف پر (کہ مرزا محمود نے اس کے ساتھ لواطت کی ہے) مرزا محمود کے بارے میں تحقیقات شروع کی تو اس قدر الم انگیز واقعات سامنے آئے کہ وہ حیران رہ گئے۔ اسی اثناء میں انہوں نے مرزا محمود کے ماموں ڈاکٹر میر محمد اسماعیل سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو وہ کہنے لگے:

''حضور سلسلے کا اتنا کام کرتے ہیں، اگر تھوڑی بہت یہ تفریح بھی کر لیتے ہیں تو کیا حرج ہے۔''

میر اسماعیل کو شراب نوشی اور لواطت کی عادت تھی۔ وہ خوبصورت لڑکوں کے مقعد میں شراب ڈالتا اور پھر ان سے لواطت کرتا۔ مسلسل شراب نوشی اور لواطت نے اس کی ظاہری جسمانی خوبصورتی کو بہت متاثر کیا۔ اس کا وزن مسلسل کم ہوتا جاتا تھا۔ چہرے پر جھریاں نمودار ہو گئیں۔ اس کے بال جھڑنے لگے اور جلد ہی اس کی حالت ایسی ہو گئی کہ اسے دیکھ کر کراہت آنے لگی۔ وہ شدید نفسیاتی دباؤ کا شکار تھا۔

اپریل 1947ء میں اسے دمہ کے شدید دورے شروع ہو گئے۔ دمہ کا دورہ کئی کئی گھنٹے رہتا۔ جون میں اس کی حالت نہایت گھمبیر ہو گئی۔ وہ کئی کئی گھنٹے نیم بے ہوشی کی حالت میں رہتا۔ مرزا محمود نے 4 جولائی 1947ء کے خطبہ جمعہ میں اس کے لیے دعا کی تحریک کی۔ اس پر میر اسماعیل کی حالت مزید

دگرگوں ہوتی چلی گئی۔

اس کے علاج معالجہ کی ہر ممکن کوششیں جاری تھیں۔ ڈاکٹر حشمت اللہ خاں، کیپٹن ڈاکٹر شاہنواز اور ڈاکٹر مرزا منور احمد اس کا علاج کر رہے تھے۔ جبکہ ڈاکٹر عبدالحق ڈینٹل سرجن لاہور اور ڈاکٹر محمد یعقوب ماہر ایکس رے امرتسر خصوصی طور پر بلائے گئے تھے۔ 7 جولائی کو اس پر نمونیہ کا سخت حملہ ہوا جس سے پھیپھڑے بے حد متاثر ہوئے اور غشی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ 18 جولائی کو اس کی حالت تیزی سے بگڑنے لگی۔ اس موقع پر مرزا محمود نور ہسپتال کے تمام ڈاکٹروں کو ہمراہ لے کر پہنچا۔ معائنہ کے بعد مشورہ ہوا کہ اسے فوراً آکسیجن دی جائے جو لاہور کے سوا نہ مل سکتی تھی۔ آخر معلوم ہوا کہ مرزا شریف کے کارخانہ میں کمرشل آکسیجن ہے، وہ لا کر شروع کی گئی۔ پھر پنسلین کا ایک لاکھ یونٹ دیا گیا اور ساتھ ہی کونین کا ٹیکہ بھی مگر بے ہوشی میں کمی نہ ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی بخار 104-105 تک پہنچ گیا۔ اس کا سانس اکھڑ گیا اور نبض ڈوبنے لگی۔ 7 بج کر چالیس منٹ پر اس نے خون آلود قے کی اور نہایت عبرتناک حالت میں جہنم واصل ہوا۔



مرزا منصور احمد

آنجہانی مرزا قادیانی کا پوتا، مرزا شریف احمد کا بیٹا اور موجودہ قادیانی خلیفہ مرزا مسرور کا باپ مرزا منصور احمد 13 مارچ 1911ء کو قادیان میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ لڑکپن اور جوانی نہایت عیش و عشرت میں گزاری۔ دولت اور اقتدار کے تمام حربوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس نے جنسی آوارگی کے کئی شرمناک کھیل کھیلے جو آج بھی قادیان میں ضرب المثل ہیں۔ وہ ایک عرصہ تک قادیانی جماعت کے ناظر اعلیٰ کی حیثیت سے اپنے ''فرائض'' سرانجام دیتا رہا۔

26 اگست 1933ء کو اس کی شادی ناصرہ بیگم کے ساتھ قادیان میں ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً 22 سال تھی۔ یہ شادی اس کی مرضی کے خلاف تھی، اس لیے میاں بیوی کے درمیان ہم آہنگی نہ رہی۔ دراصل وہ اپنی کزن امتہ الحکیم کو پسند کرتا تھا بلکہ ایک عرصہ تک دونوں کا معاشقہ بھی چلتا رہا۔ امتہ الحکیم اپنے حسن و جمال، شوخ و شنگ لباس اور بناؤ سنگھار کے نت نئے طریقوں سے اخلاقیات کی تمام حدود کو توڑ چکی تھی۔ بعض اوقات وہ اپنے کپڑوں سے باہر نکل آتی۔ وہ جنون کی حد تک شہوت انگیز تھی۔ حد سے بڑھی ہوئی شہوانی پیاس سے بے تاب ہو کر وہ مرزا منصور کے علاوہ دیگر مردوں سے بھی ''ہل من مزید'' کا تقاضا کرتی۔ بالآخر امتہ الحکیم کی شادی داؤد مظفر شاہ سے ہوگئی لیکن اس کے بعد بھی وہ دونوں حسب معمول اپنی جنسی خواہشات کی تسکین کے لیے برابر ملتے رہے۔ دوسری طرف ناصرہ بیگم کے ساتھ مناکحت کے رشتے میں کوئی زیادہ پائیداری نہ رہی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے تقریباً بے نیاز ہو چکے تھے۔ ان حالات نے ناصرہ بیگم کے لیے بے حیائی اور بدکاری کا راستہ کھول دیا تھا۔ اس کا گھر اوباشی و عیاشی کی آماجگاہ تھا۔ اس کا ہر انداز سراپا دعوت صد گناہ ہوتا تھا۔ ایسی حالت میں اس کے چہرے پر کسی شرم یا جھجک کی ہلکی سی جھلک بھی پائی نہ جاتی۔ اس نے اپنی عشوہ فروشی اور خباثت کو ایک نیا اور منفرد روپ دیا۔

مرزا منصور احمد کو ''سیکس کا مینارہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ وہ اپنی عیاشی اور جنسی گرمی میں سب سے منفرد تھا۔ ربوہ میں اس کے معاشقوں کا بے حد چرچا تھا۔ شیخ نعیم مربی کی خوبرو بیوی امتہ الحلیم زاہدہ، احمدیہ ماڈرن سٹورز ربوہ کے مالک اسحاق کی بیٹیوں امتہ الرؤف ظفر اور امتہ الشکور، دہلی روڈ لاہور کینٹ کی سلیمہ

بیگم، شیخ عبدالقادر (سابق سوداگر مل) کی بیٹی عائشہ صادقہ، ربوہ کی سعیدہ احسن اور لاہور کی نسیم سعید کے ساتھ اس کے تعلقات کسی سے پوشیدہ نہ تھے۔ پرانے لاہور ایئر پورٹ کے چوک پر واقع بریگیڈیئر (ر) طیب کی کوٹھی مرزا منصور کی رنگ رلیوں کے لیے مخصوص ہوتی تھی۔ مرزا منصور ان تتلیوں کو اپنے ساتھ لاہور لاتا اور پھر کئی کئی دن ان سے اپنی جنسی ہوس پوری کرتا۔ امتہ الحلیم زاہدہ کو ''ربوہ کی گشتی'' بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ایک رات میں پچاس مردوں کی جنسی ضرورت پوری کر سکتی ہے۔ اسی طرح بڑی بڑی چھاتیوں والی سعیدہ احسن نے رائل فیملی کے ہر ممتاز فرد کو اپنے ریشمی بدن کی ہوش رُبا سیج پیش کی۔ مرزا منصور ان پر ایسا لٹو ہوا کہ اپنی بیوی کو بھی بھول گیا۔ ایسی ہی عیاشیوں کے نتیجہ میں 1986ء میں اسے پھیپھڑوں کی تکلیف شروع ہوئی۔ مختلف ٹیسٹوں سے پتہ چلا کہ شراب کی وجہ سے ٹی بی جیسے موذی مرض نے اُسے اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ لیا ہے۔ ضعف کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے بھی قاصر تھا۔ سانس لیتے ہوئے اسے تکلیف ہوتی۔ ساری ساری رات کھانستا جس سے اسے سینے میں شدید تکلیف محسوس ہوتی۔ وہ تقریباً 9,8 سال تک اس حالت میں رہا۔ 1996ء میں اس کی حالت خاصی خراب ہوگئی۔ جولائی 1996ء میں اس پر فالج کا حملہ ہوا جس کے باعث اس کے ہاتھ میں رعشہ آ گیا جس کا معمولی اثر بائیں ٹانگ پر بھی ہوا۔ بیماری کے باعث اس کے کئی دانت گر گئے تھے۔ (بعد میں اس نے مصنوعی دانت لگوا لیے تھے) جنوری 1997ء میں اس کے پیٹ میں شدید درد ہوئی۔ ڈاکٹروں کے مطابق اسے اپنڈکس کا درد تھا۔ فوری طور پر فضل عمر ہسپتال میں اپنڈکس کا آپریشن کیا گیا۔ لیکن درد اسی طرح موجود رہا۔ مرنے سے تین دن پہلے اسے پیٹ کا اپھارہ ہوگیا جس سے اس کا پاخانہ بند ہوگیا۔ یہ شدید قسم کی قبض تھی جو جلاب اور انیمہ کے باوجود کھلنے میں نہ آئی۔ اس کا پیٹ بیحد پھول گیا۔ اس حالت میں وہ نہایت عبرتناک حالت میں جہنم واصل ہوگیا۔ اس کی پھولی ہوئی لاش سے سخت بدبو اور سڑاند آتی۔ لاش کے گلنے سڑنے کے خدشہ کے پیش نظر اسے مرنے کے فوراً بعد ربوہ میں دفن کر دیا گیا۔



ثاقب زیروی

ذہنی طور پر مختل اور جنسی نکتہ نظر سے ابنارمل ثاقب زیروی 11 اپریل 1919ء میں ماہیوالہ ضلع قصور میں پیدا ہوا۔ اس کے ہونٹ موٹے اور چہرہ ناقابل بیان حد تک بھدا تھا۔ ابتدائی تعلیم فیروز پور میں حاصل کی۔ 1950ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ تقسیم ہند سے پہلے وہ روزنامہ انقلاب میں ملازم رہا۔ وہ ایک شاعر اور ادیب کے طور پر معروف ہوا۔ وہ قادیانی جماعت کے سالانہ جلسوں میں مرزا قادیانی اور اس کے نام نہاد خلیفوں کی شان میں مبالغہ آمیز اور دروغ گوئی پر مبنی نظمیں پڑھتا اور ان سے بھاری رقمیں بٹورتا۔ وہ ہفت روزہ ''لاہور'' کا بانی تھا جو ادبی اور سیاسی ہونے کے علاوہ قادیانی جماعت کا زبردست ترجمان بھی ہے۔ قادیانی تاریخ کے بعض اہم واقعات کو منظوم انداز میں پیش کر کے اس نے قادیانی حلقے میں بے حد شہرت پائی۔ ایک صحافی ہونے کے ناتے قادیانیت کے لیے اس کی خدمات اور وابستگی نے اسے ہر قادیانی خلیفہ کے قریب کر دیا تھا۔ کبھی کبھار اس کے قلم سے سچ بھی نکل جاتا تھا۔ اس کی مثال اس کی ایک مشہور نظم ہے جو ربوہ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ واقفانِ راز کا کہنا ہے کہ ثاقب زیروی نے یہ نظم قادیانی قیادت کو بلیک میل کرنے کے لیے لکھی تھی۔

جناب شفیق مرزا کا کہنا ہے کہ ''اگر ثاقب زیروی اپنی شاعری کو مرزا غلام احمد قادیانی کے خاندان کی قصیدہ خوانی کے لیے وقف کر کے تباہ نہ کرتے تو ملک کے اچھے شعراء میں شمار ہوتے۔ سچ کہنے کی پاداش میں وہ ربوائی ریاست کے زیر عتاب رہ چکے ہیں مگر اب چونکہ انہوں نے خوف فساد کی وجہ سے قادیانی امت کے سیاسی و معاشی مفادات کے لیے اپنے آپ کو رہن کر رکھا ہے اور ہفت روزہ ''لاہور'' قادیانی امت کا سیاسی آرگن بن گیا ہے، اس لیے اب ربوہ میں ان کی بڑی آؤ بھگت اور خاطر مدارات ہوتی ہے اور ہر طرف سے انہیں ''بشریٰ لکم'' کی نوید ملتی ہے۔ عرصہ ہوا انہوں نے ایک نظم اپنے ''خلیفہ صاحب'' کے بارہ میں لکھی تھی مگر اشاعت کے مرحلہ پر اس پر یہ نوٹ لکھ دیا گیا۔

''ایک پیر خانقاہ کی لادینی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر''

قارئین غور فرمائیں کہ ''پیر خانقاہ'' اور ربوہ کے مذہبی قبرستان کے احوال میں کیسی مماثلت و

مشابہت ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسی کی تصویر ہے۔"

میں کہاں آ نکلا

شورشِ زُہد بپا ہے میں کہاں آ نکلا
ہر طرف مکر و ریا ہے میں کہاں آ نکلا
نہ محبت میں حلاوت نہ عداوت میں خلوص
نہ تو ظلمت نہ ضیا ہے میں کہاں آ نکلا
چشم خود بیں میں نہاں حرص زر و گوہر کی
کذب کے لب پہ دعا ہے میں کہاں آ نکلا
راستی لحظہ بہ لحظہ ہے رواں سوئے دروغ
صدق پابند جفا ہے میں کہاں آ نکلا
دن دہاڑے ہی دکانوں پہ خدا بکتا ہے
نہ حجاب اور حیا ہے میں کہاں آ نکلا
یاں لیا جاتا ہے بالجبر عقیدت کا خراج
کیسی بے درد فضا ہے میں کہاں آ نکلا
خندہ زن ہے سفلگی اس کی ہر اک سلوٹ میں
یہ جو سرسبز قبا ہے میں کہاں آ نکلا
دلنوازی کے پھریروں کی ہواؤں کے تلے
جانے کیا رینگ رہا ہے میں کہاں آ نکلا
عجز سے کھلتی سمٹتی ہوئی باچھوں پہ نہ جا
ان کے سینوں میں دغا ہے میں کہاں آ نکلا
یہ ہے مجبور مریدوں کی ارادت کا خمار
یہ جو آنکھوں میں جلا ہے میں کہاں آ نکلا
قلب مومن پہ سیاہی کی تہیں اتنی دبیز
ناطقہ سہم گیا ہے میں کہاں آ نکلا
الغرض یہ وہ تماشا ہے جہاں خوف خدا
چوکڑی بھول گیا ہے میں کہاں آ نکلا

ثاقب زیروی شراب و کباب کا رسیا تھا۔ سنڈان روڈ پر واقع بلونت مینشن میں کرا[illegible]

میں دنیا بھر کا فحش اور عریاں لٹریچر موجود رہتا جس سے وہ گھنٹوں جنسی تلذذ حاصل کرتا۔ بعد ازاں اس کے خاص ''ٹوٹے'' دوستوں کی محفل میں سنا کر قہقہے لگاتا اور داد وصول کرتا۔ اس کے خاص دوستوں میں خالد احمد، احمد بشیر، عبدالماجد شیخ، عبدالکریم قدسی، خواجہ سرفراز ایڈووکیٹ، نجیب احمد، ایوب رومانی، حمید آرٹسٹ اور شرقی بن شائق وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ثاقب زیروی اور احمد بشیر (بائیں بازو کا معروف دانشور) کی دوستی کئی برسوں پر محیط اور اتنی گہری تھی کہ وہ ہم جنسی تعلقات قائم کر چکے تھے۔ اس کی اوباشی اور عیاشی کے بارے میں صرف اتنا اشارہ کر دینا کافی ہے کہ جنسی اعتبار سے اسے دونوں اصناف مرد و زن میں یکساں مقبولیت حاصل تھی۔

میر اسحاق کی بیٹی آنسہ بیگم، منیر الدین کی بھانجی مبارکہ اور ڈاکٹر اسماعیل کی بیٹی امتہ اللہ بیگم سے ثاقب زیروی کے ناجائز تعلقات کی رنگین داستانیں ربوہ میں آج بھی بڑے مزے سے لیکن دبے لفظوں میں سنائی جاتی ہیں۔ دوسری طرف نوخیز، نازک اندام اور خوبصورت لڑکے اس کی کمزوری تھے۔ وہ کسی خوبرو لڑکے کو دیکھتا تو اس کے رگ و پے میں موج و سرور دوڑ جاتی۔ ایسے لگتا کہ اس کے خون میں بجلیاں کڑک رہی ہیں۔ اس نے زندگی کی آخری سانس تک عیش و عشرت کا بازار گرم کیے رکھا۔ اس کی جنسی معرکہ آرائیوں کی شہرت اور قصے لاہور کے ٹی ہاؤس سے لے کر ربوہ کے ایوان محمود تک زبان زدِ عام تھے۔ مرزا خلیل قمر جو اس کے بے تکلف دوستوں میں سے ہے، اس کے ''عضو تناسل'' کی مثال ''مینارۃ المسیح'' سے دیتا ہے۔ اس کے اندر جو شیطان بیٹھا تھا، اس نے ایک مذہبی جماعت کے شاعر کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔

1972ء کے لگ بھگ ثاقب زیروی میلسی کے ایک خوبرو لونڈے معین نجمی کی زنانہ اداؤں کا اسیر ہو چکا تھا۔ ثاقب اپنے دفتر میں اس سے اپنا نجمی ذوق پورا کرتا اور اس کے بدلے اسے بھاری معاوضہ ادا کرتا۔ بقول خالد چوہدری جب ثاقب زیروی، نجمی سے اپنی جنسی ہوس پوری کر رہا ہوتا تو نیچے سے نجمی، ثاقب کی غزلیں پڑھتا۔ اس دوران ثاقب اسے بار بار اپنی معروف غزل کا یہ مصرعہ پڑھنے کے لیے کہتا:

پھولوں سے اٹھ رہا ہے دھواں فرط رنگ سے

ثاقب زیروی کی قادیانی خلیفہ مرزا ناصر اور مرزا طاہر سے بڑی حد تک بے تکلفی تھی۔ وہ سب ایک ہی حمام کے ننگے تھے۔ ربوہ میں اسے وی آئی پی پروٹوکول ملتا۔ قادیانی اعلیٰ قیادت میں با اثر ہونے کی وجہ سے لوگ اس سے بے حد متاثر تھے۔ وہ اپنے کاموں کے سلسلہ میں اس کی سفارش ضروری سمجھتے ہوئے اسے ہر شے پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے۔

دوسری طرف اس کی ہمشیرہ حفیظ بیگم کو اپنے پُرکشش خدوخال کی بناء پر قادیانی جماعت میں بے حد اہمیت حاصل تھی۔ وہ اپنی جماعت کے لیے حسین، رنگین اور سنگین قسم کے فرائض سرانجام دیتی۔ اسلام آباد میں بڑے بڑے بیوروکریٹس اس کا دم بھرتے تھے۔ وہ ایک ہی نگاہ میں بڑے بڑوں کو گھائل کر کے

رکھ دیتی۔ اس کی بے لگام جوانی قیامت ڈھاتی۔ بقول صالح نور ایک دفعہ مرزا محمود نے کہا تھا ''حفیظ بیگم کے اعضائے نہانی جنگلی بچھیا جیسے ہیں۔''

اسی طرح ثاقب زیروی کی بھانجی نعیمہ سلہری بھی کسی سے کم نہ تھی۔ وہ مرزا خورشید احمد کی داشتہ ہے۔ بیرونِ ممالک سے ربوہ آنے والے مہمانوں کی تفریح طبع کے لیے اس کی خدمات حاصل کی جاتیں ہیں۔ نعیمہ مہمانوں کی جنسی ہوس پوری کرنے کے ساتھ ساتھ پروٹوکولز کی بھی تمام ذمہ داریاں پوری کرتی اور پھر اس پر فخر محسوس کرتی ہے۔ سچ ہے کہ عقیدت میں اگر غلاظت شامل ہو جائے تو یہ گناہ بن جاتی ہے۔

ہفت روزہ ''لاہور'' کی اشاعت 18 جنوری 2003ء کے مطابق 10 اگست 1949ء میں اسے کمر پر پھوڑے کی تکلیف ہوئی۔ ماہر ڈاکٹروں نے اس کا علاج کیا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آہستہ آہستہ پھوڑا پوری کمر پر پھیل گیا۔ ایک عرصہ تک وہ ڈاکٹروں کے نشتروں کا تختہ مشق بنا رہا۔ وہ درد و کرب اور اذیت سے ساری ساری رات چیخیں مارتا۔ ڈاکٹر روزانہ پھوڑوں سے پیپ نکالتے مگر رات کو وہ گندے اور فاسد مواد سے پھر بھر جاتے۔ بے تحاشا ٹیکوں کی وجہ سے اسے گردوں کی تکلیف شروع ہو گئی۔

دسمبر 1996ء میں ثاقب زیروی کو معمولی برین ہیمرج ہوا اور فوری آپریشن کے نتیجہ میں سنبھل گیا مگر ہاتھ میں رعشہ طاری ہو گیا۔ انہی دنوں قادیان میں قادیانی جماعت کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا، قادیانی خلیفہ مرزا طاہر نے اس کی ایک نظم ''اے قادیان دارالامان اونچی تیری شان'' خصوصی طور پر پڑھوائی۔

مارچ 1997ء میں اس کی سانس کی نالیوں میں سوزش پیدا ہو گئی۔ مختلف ٹیسٹوں کے بعد پتہ چلا کہ وہ پھیپھڑوں کی دق میں مبتلا ہو گیا ہے۔ وہ ہر وقت کھانستا رہتا جس سے پاس بیٹھے لوگوں کو بھی کراہت ہوتی۔ اس موذی اور خطرناک بیماری کے باوجود بھی وہ اپنی عیاشیوں سے باز نہ آیا۔ پھر خدا کا بدترین عذاب آتشک کی بیماری کی صورت میں اس پر نازل ہوا۔ وہ ربوہ میں کسی آتشک زدہ عورت کے ساتھ جنسی اختلاط کر بیٹھا جس سے اس کے عضو تناسل پر پھنسی نمودار ہوئی۔ اس سے اس کی ران کے اوپر غدود پھول گئے۔ اسے فضل عمر ہسپتال ربوہ میں داخل کروایا گیا جہاں ڈاکٹروں نے پھنسی کو کاٹ کر نکال دیا لیکن مرض نے جسم میں اپنے پاؤں مضبوطی سے جما لیے تھے۔ اس کے علاوہ اس کی مقعد میں بھی پھنسیاں نکلنی شروع ہو گئیں جس سے اس کی مقعد کے حلقے ڈھیلے پڑ گئے اور وہاں بھی خارش اور گھرگھراہٹ پیدا ہونے کے باعث وہ چیختا، چلاتا اور کہتا کہ میری مقعد کے اندر کوئی سخت چیز داخل کرو جس سے مجھے سکون ہو۔ وہ عجیب و غریب حرکات کرتا اور بعض اوقات چیزیں اٹھا کر دوسروں پر پھینکتا۔ وہ تقریباً 6 ماہ تک اسی طرح کراہتا رہا۔ پھر اس کے جسم پر پھنسیاں نکلنی شروع ہو گئیں جن میں اکثر پیپ رہتی۔ بعد ازاں اس کے جسم میں گلٹیاں بننی شروع ہو گئیں جس سے زخم بن جاتا، پیپ پیدا ہوتی تو جسم کا وہ حصہ گل سڑ جاتا اور ایسے محسوس ہوتا جیسے کسی نے تیزاب پھینکا ہے۔ ایک عرصہ تک اس کا علاج ہوتا رہا مگر بیماری کی شدت میں کوئی کمی نہ آئی۔ کیونکہ یہ

بیماری نہیں بلکہ غضب الٰہی تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کی داشتہ میر اسحاق کی بیٹی آنسہ بیگم بھی اسی نوعیت کی بیماری سے عبرتناک حالت میں مری، وہ گناہ کی کھلی دعوت تھی۔ وہ اندرونی پیچیدگیوں کی وجہ سے ایک عرصہ بستر مرگ پر رہی۔ بعض واقفان راز کا کہنا ہے کہ اسے گلا دبا کر مارا گیا۔

ستمبر 1999ء میں ثاقب زیروی کو سل کی بیماری لاحق ہوگئی۔ شدید درد سے اس کی حالت نہایت تشویشناک ہوگئی۔ اس کی بات چیت نا قابل فہم ہوگئی۔ بعض اوقات غصے کے عالم میں گالیاں دیتا۔

قادیانی جماعت کا چوتھا خلیفہ مرزا طاہر اپنی کتاب ''ہومیو پیتھی'' کے ص798 پر لکھتا ہے:

''ایک اور بات یاد رکھنی چاہیے کہ سل اور آتشک (Syphilis) دونوں کے مریض بیماری بڑھنے پر پاگل بھی ہو جاتے ہیں مگر دونوں کے پاگل پن میں فرق ہوتا ہے۔ سل کے مریض عموماً سر میں شدید درد کے دوروں اور سینے کے اندرونی زخموں کی تاب نہ لاکر پاگل ہو جاتے ہیں۔ سفلس کے مریض کا سارا جسم زخموں اور ناسوروں سے بھر جاتا ہے جو ہڈیاں بھی گلا دیتے ہیں۔ ناک کی ہڈی گل کر بالکل بیٹھ جاتی ہے۔ یہ مرض براہ راست دماغ پر بھی حملہ آور ہوتا ہے اور مریض کو مکمل طور پر پاگل کر دیتا ہے۔ سل کے پاگل میں تشدد کا رجحان پایا جاتا ہے۔'' بالکل ایسی ہی علامات ثاقب زیروی کی تھیں۔

ستمبر 2001ء میں ثاقب زیروی کو شدید ٹائیفائیڈ بخار چڑھا جس سے اس کی حالت مزید خراب ہوتی گئی۔ اس کا جسم پہلے ہی کمزور تھا مگر اس بیماری نے اس میں جسمانی اور دماغی نقائص بھی پیدا کر دیئے۔ آخری وقت سر اور ٹانگوں میں رعشہ طاری ہوگیا۔ بولتا تو کوئی سمجھ نہ آتی۔ وہ مکمل طور پر فاتر العقل ہوگیا تھا۔ آخر کار اسی عبرتناک حالت میں وہ 13 جنوری 2002ء کو رات آٹھ بجے نہایت بھیانک موت سے دوچار ہوا۔

؎ خس کم جہاں پاک



مرزا مبارک احمد

راجہ اندر کا جانشین مرزا مبارک احمد 1914ء میں مرزا محمود کے ہاں قادیان میں پیدا ہوا۔ وہ مرزا محمود کی پہلی بیوی محمودہ بیگم کا دوسرا بیٹا اور موجودہ قادیانی خلیفہ مرزا مسرور کا ماموں تھا۔ مولوی فاضل کے امتحان کے بعد اس نے بی اے کیا۔ بعد ازاں وہ قادیانی تحریک جدید کا صدر اور مجلس انصار اللہ کا صدر بنا۔ وہ ایک عرصہ تک مرزا محمود کے ساتھ سفروں میں رہا اور اپنے باپ کی ''پاکیزگی'' کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ کہتے ہیں: بھلائی سے بھلائی کا راستہ کھلتا ہے تو برائی برائی کو کھینچتی ہے۔ بعد ازاں مرزا مبارک نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بے راہروی اور کج روی کی راہ اختیار کر لی۔ جس کی وجہ سے اس کی ازدواجی زندگی عدم آہنگی کی صورت اختیار کر گئی۔ میاں بیوی میں صرف نام کا رشتہ رہ گیا تھا۔ قدرت کا انتقام دیکھیے کہ اس کے اثرات ان کی اولاد پر بھی پڑے۔ اس کی بیٹی امتہ الباقی اپنے دیرینہ آشنا ظفر نذیر کے ہمراہ کینیڈا بھاگ گئی تھی۔ 14 سال کی عمر تک پہنچنے سے قبل صرف تین سال میں اس نے 5 اسقاط کروائے۔ 16 سال کی عمر میں اس نے ایک ناجائز بچے کو جنم دیا۔

مرزا مبارک ساری زندگی جنسی بے اعتدالیوں کا شکار رہا۔ بڑے بڑے مربی شرافت و اخلاق کی تمام حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسے شہوت پرستی کا ہر موقع فراہم کرتے۔ یہاں تک کہ جب مرزا مبارک بیرونی مشنوں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے یورپ جاتا تو وہاں کی قادیانی عبادت گاہیں اس کی شہوت رانیوں اور ہوسناکیوں کے مراکز بن جاتیں۔ ربوہ کی حیدرہ بیگم المعروف آپا جان، لاہور ڈیفنس کی عزیزہ فردوس، لجنہ کی زاہدہ خانم، ابوالعطاء جالندھری کی بیٹی امتہ الرحمٰن، مربی بشیر احمد قمر کی اہلیہ امتہ الحفیظ اور پیر مطہر کی خوبرو بیوہ لبنیٰ اس کی خاص داشتائیں تھیں جنہیں وہ اپنی بے قید و بے مہار جنسی اباحیت کا نشانہ بناتا اور اس کے بدلہ میں ان کی ہر فرمائش پوری کرتا۔ کثرت جماع کے نتیجہ میں مرزا مبارک کئی خطرناک بیماریوں کا شکار ہو گیا اور ایک عرصہ تک ان سے نبرد آزما ہوتا رہا۔

15 جون 2004ء کی رات اسے پیٹ میں زبردست انفیکشن ہوئی۔ تشخیص میں اپنڈکس اور انتڑیوں میں زخم پائے گئے۔ فوری طور پر آپریشن تجویز ہوا۔ چنانچہ 18 جون کو آپریشن ہوا لیکن دوران آپریشن اپنڈکس پھٹ جانے کی وجہ سے آپریشن بہت پیچیدگی اختیار کر گیا۔ ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش کے باوجود حالت بہتر نہ ہو سکی۔ بالآخر 21 جون 2004ء کو نہایت بھیانک حالت میں جہنم واصل ہوا۔

شیخ عبدالماجد

شتر بے مہار کی طرح بے استاد شیخ عبدالماجد معروف قادیانی مصنف عبدالقادر سابق سوداگر مل کا بیٹا اور نہایت متصب وجنونی قادیانی تھا۔ وہ کئی کتابوں کا مصنف تھا۔ قادیانی جرائد و رسائل میں اس کے کئی مضامین شائع ہوتے جن میں وہ اسلامی مقدس شخصیات کا مذاق اڑاتا، ان کے افکار ونظریات پر طنز کرتا اور خوش ہوتا۔

خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ عمر کے آخری حصہ میں اسے وقتاً فوقتاً مرگی سے مشابہ دورے پڑنے شروع ہوئے تو مختلف ٹیسٹوں سے معلوم ہوا کہ اسے دماغی کینسر ہے جس کا سبب دماغ کے اندر دائیں جانب ایک رسولی ہے جو ابتدائی مرحلے میں ہے۔ علاج معالجہ کے باوجود یہ رسولی آہستہ آہستہ بڑھتی گئی۔ دماغ کا ایک حصہ رسولی کے پریشر کے تلے آ کر ماؤف ہو جاتا جس کی موذی تکلیف سے وہ بے تحاشا چیخیں مارتا اور گندی گالیوں کی تکرار کرتا۔

ستمبر 2001ء میں اس رسولی کے دباؤ اور پریشر کی وجہ سے اس پر فالج کا حملہ ہوا۔ جس سے اس کے جسم کا بایاں حصہ تقریباً ناکارہ ہوگیا۔ اس عبرتناک حالت میں وہ اول فول بکتا، برتن توڑتا اور انتہائی غصے کے عالم میں گھر والوں کے سامنے الف ننگا ہو جاتا۔ شیخ عبدالماجد کی ان غیر اخلاقی اور گھٹیا حرکات کی وجہ سے اس کی بیوی سارہ بیگم نفسیاتی مریضہ بن گئی۔ بالآخر ایک دن وہ شیخ ماجد کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی بیٹی امتہ العزیز کے ہمراہ اپنے داماد خلیل کے پاس ڈیفنس لاہور منتقل ہو گئی۔ اس صورتحال میں شیخ ماجد کا بھائی عبدالمالک اسے اپنے گھر لے گیا جہاں وہ تین سال تک بیماریوں کے کربناک عذاب کا شکار رہا۔ نومبر 2004ء کے آخر میں اس کے دماغ کی نالی پھٹ گئی جس کے نتیجہ میں وہ بے ہوش ہوگیا۔ اس کی خطرناک حالت کے پیش نظر اسے ہسپتال داخل کروایا گیا جہاں وہ 3 دسمبر 2004ء کو نہایت عبرتناک اور عذاب کی حالت میں مرا۔ شیخ عبدالماجد اپنی طویل بیماری پر اٹھنے والے اخراجات کی بناء پر قادیانی جماعت کو ماہانہ چندہ ادا نہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہونے کی شدید خواہش کے باوجود اسے 4 دسمبر 2004ء کو قادیانی جماعت کے عام قبرستان ماڈل ٹاؤن لاہور میں دفن کیا گیا۔ کیونکہ وہ بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کی شرائط پوری نہ کرتا تھا۔



امتہ الحفیظ بیگم

کہاوت ہے کہ پیدا ہوتے ہی کانٹوں کے منہ تیکھے ہوتے ہیں۔ امتہ الحفیظ بھی اپنی ماں کی بدولت نوعمری ہی میں بے حیائی کو حیا اور بے باکی کو حجاب کا درجہ دیتی تھی۔ وہ بڑی گہرائی اور گیرائی کی مالک تھی۔ اس نے محض گیارہ سال کی عمر میں میر قاسم علی کو اپنی نرم بانہوں کی گرم پناہوں میں لے لیا۔ وہ 25 جون 1904ء کو پیدا ہوئی۔ اس کا کندن بدن جنسی خواہش کی منہ زور طوفانی لہروں کا مرکز تھا۔ اس نے بیسیوں لوگوں کے بستر گرمائے۔ آخر کار 11 سال کی عمر میں 7 جون 1915ء کو محض بے پناہ دولت اور ہزاروں ایکڑ زمین ہتھیانے کے چکر میں عبداللہ نامی ایک عیاش جاگیردار سے اس کا نکاح ہوا، جبکہ 22 فروری 1917ء کو اس کی باقاعدہ رخصتی ہوئی۔ شادی کے تین ماہ بعد اس نے ایک لڑکے کو جنم دیا جس کی ولدیت کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا اس لیے دشوار ہے کہ امتہ الحفیظ کے کئی مردوں سے تعلقات تھے۔ وہ آفت کا پرکالہ تھی۔ جوانی کے جوش اور شباب کی شدت نے اس کے بے باک بدن کو شہوت کا بھڑکتا ہوا شعلہ بنا دیا تھا جسے کسی ایک مرد کی صحبت کی پھوہار ٹھنڈا نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے وہ اپنی رنگین فطرت کا اظہار کرنے سے باز نہ رہ سکی اور رفتہ رفتہ اس بے حیائی میں تمام سرحدیں پار کر گئی۔ جب یہ بدمستیاں اپنے عروج پر پہنچیں تو عیاشی و اوباشی کی داستانیں بن کر لوگوں کی زبانوں سے نکلنے لگیں۔ وہ ظاہری خوبصورتی کے باوجود نیچے سے گندگی کا ڈھیر تھی۔ آوارگی اور بدکاری میں امتہ الحفیظ نے اپنی ماں کی ہی پیروی کی۔ وہ سر سے پاؤں تک جنسی ملاپ کی دعوت دکھائی دیتی تھی۔ اس کے جواں خون کی حدت ایسی نہ تھی جو کسی ایک مرد سے ٹھنڈی ہو جاتی، اسے ''منہ زور جنسی بلی'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وہ جس شخص سے بھی جنسی تعلق قائم کرتی، اسے دنوں میں کمزور اور نحیف کر دیتی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ امتہ الحفیظ ''رفیقانِ خواب گاہ'' کی رگوں سے خون نچوڑتی رہی ہے۔ بعض معالجین نے مرزا محمود کو امتہ الحفیظ کے متعلق بتایا تھا کہ اس عورت کی اخلاقی بے راہ روی جنون کی حد تک ہے اور اگر اس جنسی جنون کو کم کرنا چاہتے ہو تو اس کو جرمنی لے جاؤ، وہاں اس کا علاج ہے۔

سیانے کہتے ہیں کہ دنیا کی عیش و عشرت مُردے کی یاد کی طرح دیر تک نہیں رہتی۔ امتہ الحفیظ

جس نے ساری زندگی عیاشی واوباشی میں گزاری، بالآخر قدرت کی پکڑ میں آ گئی۔ وہ اختناق الرحم کی بیماری میں مبتلا ہوگئی تھی۔ جن عورتوں کو جلق کی عادت ہو، انہیں یہ مرض لاحق ہوتا ہے۔ یہ مرض مرگی کی مانند دورہ سے ہوتا ہے جس کو ہسٹیریا اور باؤ گولہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے پیٹ سے ایک گولا سا اٹھ کر اوپر کو چڑھتا اور گلے میں جا اٹکتا جسے وہ بار بار نگلنے کی کوشش کرتی۔ اس سے اس کا دم گھٹنے لگتا۔ دل کی دھڑکن مزید بڑھ جاتی اور یکا یک چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی۔ جب ہوش میں آتی تو ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے اور سرد ہو جاتے۔ امتہ الحفیظ دورے کی حالت میں ایسی ایسی واہیات بکتی کہ خدا کی پناہ۔ وہ شدت درد سے اپنے سر کے بال نوچتی اور دیوار کے ساتھ ٹکریں مارتی۔ جب دورہ کم ہو جاتا تو ہانپنے لگتی۔ بیماری نے اس کا دل و دماغ ٹھکانے نہیں رہنے دیا۔ ڈاکٹروں کے مطابق اس کے رحم میں خون جم گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بن گئے تھے جس سے اس کے چہرے سے وحشت ٹپکتی تھی۔

مرزا محمود نے اگست 1962ء میں اسے علاج کے لیے سوئٹزرلینڈ بھجوایا۔ امتہ الحفیظ طویل علاج کے باوجود وہاں بھی صحت یاب نہ ہوسکی۔ 1960ء میں وہ معدے کے کینسر میں مبتلا ہوگئی جس کی وجہ سے وہ بہت کم کھاتی۔ اور اکثر قے کر دیتی۔ بالآخر یہ ناپاک ابلیسی روح وحشت و اضطراب اور رنج والم کے عالم میں 6 مئی 1987ء کو 108 سی ماڈل ٹاؤن لاہور میں جہنم واصل ہوئی۔

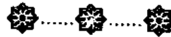
امتہ الحفیظ کا خاوند عبداللہ خاں اپنے والد کی طرح کثرت جماع، شراب نوشی اور اغلام بازی ایسی قبیح عادات کی وجہ سے نہایت لاغر اور کمزور تھا۔ وہ مختلف قسم کے عوارض اور امراض کا مجموعہ بن چکا تھا۔ اسے کاہلی، سستی اور اعضاء شکنی کی اکثر شکایت رہتی۔ پیشاب کرتے وقت جلن اور سوزش محسوس کرتا۔ پیشاب بکثرت اور بار بار آتا۔ کمر میں درد رہتا اور دماغ و اعصاب بھی کمزور ہو گئے تھے۔ اسے 40 سال کی عمر میں آتشک و سوزاک کی بیماری لگ چکی تھی جو 66 سال کی عمر تک اس کے ساتھ رہی۔ آتشک کا مرض دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ اس بیماری نے اسے لاغر اور جسم کے تمام بالوں سے عاری کر دیا تھا۔ وہ چلنے پھرنے سے اتنا معذور ہو گیا تھا کہ وہ چارپائی سے اتر بھی نہ سکتا تھا۔ اس نے زندگی کے آخری گیارہ سال انتہائی پیچیدہ بیماریوں میں مبتلا ہو کر گزارے۔ پھر آخری سال ستمبر 1961ء میں اسے دل کا شدید دورہ پڑا جس سے وہ جانبر نہ ہوسکا۔ وہ 66 سال کی عمر میں نہایت المناک حالت میں 18 ستمبر 1961ء کو جہنم واصل ہوا۔

شادی کے بعد امتہ الحفیظ کے بطن سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ قدسیہ، شاہدہ اور فوزیہ۔ یہ تینوں بہنیں سراپا خباثت تھیں۔ بیٹی قدسیہ بیگم کی چھاتیوں میں نقص تھا۔ دونوں چھاتیوں کا سائز آپس میں نہ ملتا تھا۔ اس کا خاوند احسن محمود اکثر کہتا کہ "میرے سامنے ایسی مخلوق ہے جسے قدرت نے بھی ٹھکرا دیا ہو۔"

مرزا محمد حسین "احسن محمود نے قدسیہ بیگم سے سہاگ رات اس قدر اذیت اور شدت سے مباشرت کی

جس کے نتیجہ میں اس کا رحم پھٹ گیا اور وہ ساری زندگی بچے پیدا کرنے کے قابل نہ رہی۔'' امتہ الحفیظ کی دوسری بیٹی شاہدہ کا کیس ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس کے رحم میں مستقل سوزش تھی جو اس کے جنسی ہیجان کا سبب بنتی تھی۔ حد سے بڑھی ہوئی ہوس کی تسکین کی خاطر اس نے ہر خاص و عام کو اپنی خلوتوں اور سلوٹوں میں شریک کرلیا تھا۔ مسلسل جنسی عیاشیوں کے نتیجہ میں اس کی اندام نہانی میں پیچیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ ڈاکٹروں کے مطابق رحم کی موجودہ صورتحال کی وجہ اس کا حد درجہ اشتعال و ہیجان ہے۔ اگر اس صورتحال کو نہ روکا گیا تو خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس کی تیسری بیٹی فوزیہ بیگم سیلان الرحم کی مریضہ تھی۔ سیلان الرحم صحت کے لیے گھن کا کام دیتا ہے۔ اس کا چہرہ زرد، اشتہا ندارد، نلوں میں درد ار جماع کے وقت شدید درد ہوتا۔ اس کے رحم سے ہر وقت سفید رطوبت خارج ہوتی جس سے ہر وقت اس کے جسم سے بو آتی جس سے ہر فرد کو سخت اذیت محسوس ہوتی۔ اس کا خاوند اس سے شدید نفرت کرتا۔ شادی کے تین سال بعد دونوں میں ناچاقی ہوگئی اور معاملہ طلاق تک جا پہنچا۔

ے رہیں گی بعد ان کے بھی یونہی رسوائیاں ان کی



محمد علی لاہوری

مولوی محمد علی لاہوری دسمبر 1874ء کو ریاست کپورتھلہ کے موضع مرار میں پیدا ہوا۔ میٹرک تک تعلیم وہیں حاصل کی۔ 1896ء میں انگریزی میں ایم اے کیا۔ پھر اسلامیہ کالج لاہور میں ملازمت اختیار کی۔ بعد ازاں کچھ عرصہ اورینٹل کالج لاہور میں جو ٹکسالی دروازہ کے باہر تھا، ملازمت کی۔ 1897ء میں وہ خواجہ کمال الدین کے ساتھ پہلی مرتبہ قادیان گیا اور مرزا قادیانی کی بیعت کی۔ 1899ء میں اس نے وکالت کا آخری امتحان پاس کیا اور ملازمت چھوڑ کر پریکٹس شروع کر دی۔ انہی دنوں مرزا قادیانی اپنی بعض تحریرات اور میموریل وغیرہ مولوی محمد علی کو بھیجتا، جس کا وہ انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع ہونے کے لیے واپس قادیان بھجوا دیتا۔ انہی دنوں وہ مستقل طور پر قادیان چلا گیا جہاں اس نے مرزا قادیانی کے گھر کی تیسری منزل پر رہائش اختیار کی۔ مولوی محمد علی نے یہاں سے رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی میں نکالنا شروع کیا جو انگریزی دان طبقہ کو خصوصی طور پر بھجوایا جاتا۔ یہ رسالہ قادیانی عقائد ونظریات کا زبردست ترجمان تھا۔ مولوی محمد علی لاہوری کا نکاح 4 اپریل 1901ء کو مرزا قادیانی کی منظوری سے میاں نبی بخش کی بیٹی فاطمہ بیگم کے ساتھ گورداسپور میں ہوا۔ اس سلسلہ میں مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد ایم اے اپنی مشہور کتاب ''سیرۃ المہدی'' میں لکھتا ہے:

''ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے لاہور کی پہلی شادی حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے گورداسپور میں کرائی تھی۔ جب رشتہ ہونے لگا تو لڑکی کو دیکھنے کے لیے حضور نے ایک عورت کو گورداسپور بھیجا، تا کہ وہ آ کر رپورٹ کرے کہ لڑکی صورت وشکل وغیرہ میں کیسی ہے اور مولوی صاحب کے لیے موزوں بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ وہ عورت گئی۔ جاتے ہوئے اسے ایک یادداشت لکھ کر دی گئی۔ یہ کاغذ میں نے لکھا تھا اور حضرت صاحب نے بمشورہ حضرت ام المومنین لکھوایا تھا۔ اس میں مختلف باتیں نوٹ کرائی تھیں۔ مثلاً یہ کہ لڑکی کا رنگ کیسا ہے۔ قد کتنا ہے۔ اس کی آنکھوں میں کوئی نقص تو نہیں۔ ناک، ہونٹ، گردن، دانت، چال ڈھال وغیرہ کیسے ہیں۔ غرض بہت ساری باتیں ظاہری شکل وصورت کے متعلق لکھوا دی تھیں کہ ان کی بابت خیال رکھے اور دیکھ کر واپس آ کر بیان

کرے۔ جب وہ عورت واپس آئی اور اس نے ان سب باتوں کی بابت اچھا یقین دلایا تو رشتہ ہو گیا۔ اسی طرح جب خلیفہ رشید الدین صاحب نے اپنی بڑی لڑکی حضرت میاں صاحب (مرزا محمود) کے لیے پیش کی تو ان دنوں میں یہ خاکسار ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس چکراتہ پہاڑ پر جہاں وہ متعین تھے، بطور تبدیلی آب و ہوا کے گیا ہوا تھا۔ واپسی پر مجھ سے لڑکی کا حلیہ وغیرہ تفصیل سے پوچھا گیا۔ پھر حضرت میاں صاحب سے بھی شادی سے پہلے کئی لڑکیوں کا نام لے لے کر حضور نے ان کی والدہ کی معرفت دریافت کیا کہ ان کی کہاں مرضی ہے۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب نے بھی والدہ ناصر احمد کو انتخاب فرمایا اور اس کے بعد شادی ہوگئی۔'' (سیرت المہدی جلد سوئم ص 296 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

اسی طرح کی ایک شادی مرزا قادیانی نے اپنے خاص مرید میاں ظفر احمد کپورتھلوی کی کروائی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں:

''بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ مدت کی بات ہے جب میاں ظفر احمد صاحب کپورتھلوی کی پہلی بیوی فوت ہوگئی اور ان کو دوسری بیوی کی تلاش ہوئی تو ایک دفعہ حضرت صاحب نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر میں دو لڑکیاں رہتی ہیں، ان کو میں لاتا ہوں۔ آپ ان کو دیکھ لیں، پھر ان میں سے جو آپ کو پسند ہو، اس سے آپ کی شادی کر دی جائے۔ چنانچہ حضرت صاحب گئے اور ان دو لڑکیوں کو بلا کر کمرہ کے باہر کھڑا کر دیا اور پھر اندر آ کر کہا کہ وہ باہر کھڑی ہیں، آپ چک کے اندر سے دیکھ لیں چنانچہ میاں ظفر احمد صاحب نے ان کو دیکھ لیا اور پھر حضرت صاحب نے ان کو رخصت کر دیا اور اس کے بعد میاں ظفر احمد صاحب سے پوچھنے لگے کہ اب بتاؤ تمہیں کون سی لڑکی پسند ہے۔ وہ نام تو کسی کا جانتے نہ تھے۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ جس کا منہ لمبا ہے، وہ اچھی ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے میری رائے لی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تو نہیں دیکھا پھر آپ خود فرمانے لگے کہ ہمارے خیال میں تو دوسری لڑکی بہتر ہے۔ جس کا منہ گول ہے۔ پھر فرمایا جس شخص کا چہرہ لمبا ہوتا ہے۔ وہ بیماری وغیرہ کے بعد عموماً بدنما ہو جاتا ہے لیکن گول چہرہ کی خوبصورتی قائم رہتی ہے۔ (کامیاب دلال۔ مرتب) میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ اس وقت حضرت صاحب اور میاں ظفر احمد صاحب اور میرے سوا اور کوئی شخص وہاں نہ تھا۔ اور نیز یہ کہ حضرت صاحب ان لڑکیوں کو کسی احسن طریق سے وہاں لائے تھے اور پھر ان کو مناسب طریق پر رخصت کر دیا تھا جس سے ان کو کچھ معلوم نہیں ہوا مگر ان میں سے کسی کے ساتھ میاں ظفر احمد صاحب کا رشتہ نہیں ہوا، یہ مدت کی بات ہے۔'' (سیرت المہدی جلد اوّل ص 259 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

مولوی محمد علی کی اہلیہ 20 نومبر 1908ء میں انتقال کر گئی۔ اس کے بعد 29 اپریل 1910ء میں اس کی دوسری شادی ڈاکٹر بشارت احمد کی بیٹی مہر النساء سے بھیرہ میں ہوئی۔ دوسری بیوی سے چھ لڑکیاں اور

دولڑکے پیدا ہوئے۔ سب سے بڑی لڑکی عطیہ بیگم دس سال کی عمر میں گردوں کی شدید بیماری کے بعد فوت ہوگئی۔

1908ء میں مرزا قادیانی جہنم واصل ہوا۔ اس کے بعد حکیم نورالدین خلیفہ بنا۔ 1914ء میں اس کے مرنے کے بعد قادیانی جماعت میں جھگڑا پیدا ہوگیا۔ مولوی محمد علی لاہوری چاہتا تھا کہ وہ خلافت کا زیادہ حق دار ہے۔ لیکن مرزا قادیانی کے خاندان والے چاہتے تھے کہ ''خلافت'' خاندان سے باہر نہ جائے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا محمود قادیانی گدھی پر سوار ہوگیا۔ اس کے بعد محمد علی لاہوری اپنے ساتھیوں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، خواجہ کمال الدین، ڈاکٹر محمد حسین شاہ، شیخ رحمت اللہ، حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ، شیخ نیاز احمد وزیر آبادی، مولوی غلام حسن پشاوری اور حامد شاہ وغیرہ کے ساتھ قادیان چھوڑ کر لاہور آ گیا اور یہاں اپریل 1914ء میں ''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام'' کے نام سے تنظیم بنا کر کام شروع کر دیا۔ اس پر مرزا محمود نے لاہوری جماعت پر شدید تنقید شروع کر دی۔ بقول محمد علی لاہوری:

''اختلاف کے فوراً بعد ہی میاں محمود احمد صاحب نے لاہور کے احباب پر انتہائی غیظ وغضب کا اظہار کرنا شروع کیا۔ اور یہ ہمیشہ ان کی طرز رہی۔ چنانچہ مولانا محمد علی صاحب اور ان احباب کو ''ڈھائی ٹوٹیاں تے فتو باغبان'' کا خطاب دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ ''جہنم کی چلتی پھرتی آگ'' ہیں اور ''گوبھی شلغم کے گلے سڑے چھلکے ہیں'' اور یہ کہ ''ان سے بدترین قوم آج تک صفحہ زمین پر پیدا ہی نہیں ہوئی۔''

(مجاہد کبیر از ممتاز احمد فاروقی)

مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی اور رسول ہے۔ اس سلسلہ میں مرزا قادیانی لکھتا ہے:

میرے پاس جبرائیل آیا

''میرے پاس آئیل آیا اور اس نے مجھے چن لیا اور اپنی انگلی کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آ گیا...... اس جگہ آئیل خدا تعالیٰ نے جبرائیل کا نام رکھا ہے اس لیے کہ بار بار رجوع کرتا ہے۔''

(حقیقۃ الوحی ص 103، روحانی خزائن نمبر 22 ص 106 از مرزا غلام احمد قادیانی)

خدا تعالیٰ کی وحی

''میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا...... اور یہ دعویٰ امت محمدیہ میں سے آج تک کسی اور نے ہرگز نہیں کیا کہ خدا تعالیٰ نے میرا یہ نام رکھا ہے اور خدا تعالیٰ کی وحی سے صرف میں اس نام کا مستحق ہوں۔''

(حقیقۃ الوحی ص 387، روحانی خزائن نمبر 22 ص 503 از مرزا غلام احمد قادیانی)

خدانے میرا نام نبی رکھا

''اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔''

(حقیقۃ الوحی ص387، روحانی خزائن نمبر 22 ص503از مرزا غلام احمد قادیانی)

کثرت وحی

''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں، ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔'' (حقیقۃ الوحی ص391، روحانی خزائن نمبر 22 ص407,406از مرزا قادیانی)

امتی بھی، نبی بھی

''جس قدر نبی گذرے ہیں، ان سب کو خدا نے براہ راست چن لیا تھا۔ حضرت موسیٰ کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں تھا۔ لیکن اس امت میں آنحضرت ﷺ کی پیروی کی برکت سے ہزار ہا اولیاء ہوئے ہیں اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی بھی۔ اس کثرت فیضان کی کسی نبی میں نظیر نہیں مل سکتی۔''

(حقیقۃ الوحی ص28 (حاشیہ) روحانی خزائن نمبر 22 ص30از مرزا غلام احمد قادیانی)

بارش کی طرح وحی نازل ہوئی

- ''مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی، اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔''

(حقیقۃ الوحی ص150، روحانی خزائن نمبر 22 ص154,153از مرزا قادیانی)

- ''میں خدا تعالیٰ کی تئیس برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں۔ میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی ص150، روحانی خزائن نمبر 22 ص154از مرزا غلام احمد قادیانی)

قادیان، رسول کا تخت گاہ

''تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک کہ

طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے، قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کے لیے نشان ہے۔''

(دافع البلاء ص 14، روحانی خزائن نمبر 18 ص 230 از مرزا غلام احمد قادیانی)

ختم نبوت، ایک باطل عقیدہ، اسلام شیطانی مذہب

''یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہوسکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ ہیں، قصے ہیں اور کوئی اگرچہ اس کی راہ میں اپنی جان بھی فدا کرے، اس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے اور ہر ایک چیز پر اس کو اختیار کرلے، تب بھی وہ اس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات اور مخاطبات سے اس کو مشرف نہیں کرتا۔

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا۔ (دریں چہ شک۔ ناقل) میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور اندھا رکھتا ہے اور اندھا ہی مارتا اور اندھا ہی قبر میں لے جاتا ہے۔'' (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص 184، روحانی خزائن جلد 21 ص 354 از مرزا قادیانی)

ایک غلطی کا ازالہ

''ہماری جماعت میں سے بعض صاحب جو ہمارے دعویٰ اور دلائل سے کم واقفیت رکھتے ہیں جن کو نہ بغور کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ وہ ایک معقول مدت تک صحبت میں رہ کر اپنے معلومات کی تکمیل کرسکے، وہ بعض حالات میں مخالفین کے کسی اعتراض پر ایسا جواب دیتے ہیں کہ جو سراسر واقعہ کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے باوجود اہل حق ہونے کے ان کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔ چنانچہ چند روز ہوئے ہیں کہ ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے، وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ سے دیا گیا حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے، حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں ایسے الفاظ، رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔ پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہوسکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں بلکہ اس وقت تو پہلے زمانہ کی نسبت بھی بہت تصریح اور توضیح سے یہ الفاظ موجود ہیں۔''

(ایک غلطی کا ازالہ ص 3، روحانی خزائن نمبر 18 ص 206 از مرزا قادیانی)

جبکہ لاہوری جماعت کا عقیدہ ہے کہ ہم مرزا قادیانی کو دوسرے مجددوں کی طرح ایک مجدد

مانتے ہیں۔ حالانکہ محمد علی لاہوری مرزا قادیانی کے مندرجہ بالا عقائد ونظریات کو نہ صرف مانتا تھا بلکہ پورے زور وشور کے ساتھ اس کی تبلیغ وتشہیر بھی کرتا تھا۔ اس نے پورے زور قلم کے ساتھ اپنے پرچہ ''ریو آف ریلیجنز جلد 7 ص 294'' پر تحریر کیا:

''جھوٹے مدعی نبوت کو نصرت نہیں دی جاتی بلکہ اسے ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے..... اس طرح مرزا صاحب کے ساتھ نہیں کیا۔ پس جس شخص کے ساتھ خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے مقرر کردہ قوانین کی رو سے جھوٹوں والا سلوک نہیں کرتا بلکہ صادقوں اور سچے رسولوں والا سلوک کرتا ہے، اس کی صداقت پر شبہ کرنا خدا تعالیٰ سے جنگ کرنا اور اس کے کلام کی خلاف ورزی کرنا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت کسی کی صداقت کا نہیں ہوسکتا اور اگر یہ ثبوت کافی نہیں تو پھر کسی نبی کی نبوت ثابت نہیں ہو سکے گی۔''

جناب بابو پیر بخش لاہوری، لاہوری مرزائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ اپنا عقیدہ بتائیں کہ آپ اس بات کو مانتے ہیں کہ مرزا قادیانی پر قرآن کی آیات دوبارہ نازل ہوئی تھیں جو کہ انہوں نے خواب میں سنیں یا دوسرے مسلمانوں کی طرح عالم خواب میں توارد کے طور پر ان کی زبان پر جاری ہوتی تھیں؟ اخیر میں ایک عبارت مرزا قادیانی کی نقل کی جاتی ہے اس کی نسبت آپ کا کیا اعتقاد ہے؟ وھو ہذا۔

''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں، ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا، دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔'' (حقیقت الوحی ص 391 خزائن ج 22 ص 406)

دوم: مرزا قادیانی کہتے ہیں ۔

آنچہ داد است ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا بہ تمام

(نزول المسیح ص 99 خزائن ج 11 ص 477)

یعنی جو کچھ ہر ایک نبی کو نعمت دی گئی ہے ان تمام نعمتوں کا مجموعہ مجھ اکیلے کو دیا گیا ہے۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی تمام نبیوں سے افضل ہونے کے مدعی تھے کیونکہ کل نبیوں کے کمالات و فضائل تمام جمع کر کے جب خدا تعالیٰ نے مرزا قادیانی کو دے دیئے اور دوسرے کسی نبی کو مجموعہ کمالات انبیاء نہ بنایا تو اب مرزا قادیانی کے دعویٰ افضل الرسل میں کیا شک ہے؟

آپ صاحبان جب مرزا قادیانی کے مرید ہیں اور ان کو مسیح موعود بھی یقین کرتے ہیں تو پھر ان کو نبی نہ ماننا اور مرزا قادیانی کے عقائد اور الہامات کے برخلاف صرف بلا دلیل یہ کہہ دینا کہ ہم مرزا قادیانی

کو صرف ایک مجدد دوسرے امت محمدی کے مجددوں کی طرح مانتے ہیں کس طرح درست ہے؟ کیا دوسرے مجددوں نے بھی نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا تھا اور یہ کہتے تھے کہ ہم مجموعہ کمالاتِ تمام انبیاء ہیں جو آدم سے لے کر اب تک گزرے ہیں؟

ہرگز نہیں۔ کوئی سند شرعی ہے اور کوئی نظیر ہے تو بتاؤ کہ کوئی شخص امت محمدی ﷺ میں مدعی نبوت و رسالت ہوا اور سچا مانا گیا یا اس کو مجدد دین مانا گیا؟ اگر نہیں (اور یقیناً نہیں) تو پھر مرزا قادیانی مدعی نبوت ہو کر مجدد کس طرح ہوئے؟ اس طرح تو مسیلمہ سے لے کر جس قدر مدعیانِ نبوت گزرے ہیں سب کے سب مجدد ہوئے اور یہ بالکل غلط اور باطل عقیدہ ہے کہ مدعی نبوت کو مجدد مانا جائے۔

آپ صاف صاف فرمائیں کہ مرزا قادیانی کے دعاوی کے برخلاف آپ کس طرح کہتے ہیں کہ ہم ان کو نبی نہیں مانتے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ میں مسلمان محمدی تو ہوں مگر محمد ﷺ کو نبی نہیں مانتا؟ حالانکہ محمد ﷺ فرماتے ہوں کہ میں نبی ہوں۔ پس جب آپ ایک طرف تو مرزا قادیانی کو پیر و مرشد و مسیح موعود یقین کرتے ہیں اور دوسری طرف عام مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ ہم مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتے۔ کون عقلمند اس بلا دلیل دعویٰ کو مان سکتا ہے؟ کیونکہ پیر تو کہتا ہے کہ میرا ایمان یہ ہے کہ میں اپنی وحی کو قرآن کی مانند سمجھتا ہوں اور اسی وحی کی کثرت کے باعث تمام افراد امت سے ممتاز ہو کر نبی و رسول کا لقب خدا سے پایا ہے۔ مگر مرید کہتا ہے کہ میں آپ کا مرید ہوں آپ کے تابع فرمان ہوں۔ آپ کو صاحب وحی والہام بھی یقین کرتا ہوں۔ مسیح موعود بھی مانتا ہوں۔ مگر نبی نہیں مانتا۔ کیسی بے دلیل اور پھیکی بات ہے؟ اسی سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ مصلحت وقت مدنظر ہے اور کھانے کے دانت اور ہیں اور دکھانے کے اور ہیں۔ جب مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود نبی اللہ ہوں تو پھر آپ احمدی ہو کر مرزا قادیانی کے دعویٰ کے برخلاف کس طرح کہتے ہیں کہ مسیح موعود تو مانتے ہیں اور نبی اللہ نہیں مانتے۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (بقرہ 85) کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یا تو آپ ان کے دعاوی والہامات کے مطابق ان کو رسول و نبی مانیں اور اگر وہ آپ کے نزدیک اس دعویٰ نبوت و رسالت میں سچے نہیں ہیں تو پھر ان کو مجدد بھی نہیں ماننا چاہیے کیونکہ مجدد دین کبھی مدعی نبوت نہیں ہوا۔"

(اظہار صداقت (کھلی چٹھی بنام محمد علی لاہوری و خواجہ کمال الدین لاہوری از بابو پیر الٰہی بخش)

بقول پروفیسر محمد الیاس برنی":

"قادیانیوں کی ان دونوں جماعتوں میں درحقیقت کوئی فرق نہیں بلکہ یہ اختلاف اور نزاع صرف اقتدار کا ہے اگر مولوی محمد علی کو مرزا محمود کی جگہ خلافت مل جاتی تو وہ بھی وہی کہتا جو عام قادیانی کہتے ہیں۔...... ان دونوں فرقوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کا رنگ گہرا عنابی اور دوسرے کا ہلکا گلابی ہے۔ پھر ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر ان میں اختلاف حقیقی ہے تو لاہوری جماعت والوں کو چاہیے کہ وہ قادیانیوں کو

برملا کافر کہیں کہ ایک غیر نبی کو نبی مان رہے ہیں۔ اسی طرح قادیانیوں پر لازم ہے کہ وہ لاہوریوں کو کافر کہیں کہ وہ ایک ''نبی برحق'' کی نبوت کے منکر ہیں؟ لیکن ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان میں اختلاف حقیقی نہیں بلکہ بناوٹی ہے۔

قادیانی جماعت پورے منافع کی طالب ہے اور لاہوری جماعت کمتر منافع پر راضی ہے مگر کاروبار وہی ایک ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوشی

من انداز قدت را می شناسم

لاہوری جماعت کی دورخی اب نہیں چل سکتی۔ اتنی مدت چلی یہ بھی تعجب ہے۔ اب اس کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنا ناگزیر ہے خواہ وہ یکسوئی مسلمان ہو جائے اور تبلیغ اسلام میں لگ جائے اور خواہ وہ جی کڑا کر کے پکی قادیانی بن جائے اور قادیانیت میں کھپ جائے۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا''

(قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ از مولانا پروفیسر محمد الیاس برنی'')

مولوی محمد علی لاہوری کی بعض پالیسیوں پر خود اس کی جماعت کے کئی لوگوں نے بے حد تنقید کی۔ شدید بیماری کی حالت میں اس نے ایک دفعہ کہا ''بیماری نے تو نہیں مگر ان لوگوں نے میرا دل توڑ دیا ہے۔''

(مجاہد کبیر از ممتاز فاروقی)

لاہوری جماعت کے ایک ممبر نے لاہوری جماعت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا:

''انجمن (اشاعت اسلام لاہور) اس وقت مولوی محمد علی صاحب کی ہے، بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ خود انجمن ہیں۔ امیر قوم، پریسیڈنٹ اور انچارج تصنیفات وہ خود ہیں۔ انجمن کا امین ان کا بھتیجا ہے۔ منیجر بکڈپو ان کا بھانجا ہے۔ مہمان خانہ انجمن کا مہتمم بھی ان کا رشتہ دار ہے۔ ایک وقت میں سیکرٹری ان کا بڑا بھائی تھا۔ پھر ان کا ہم زلف چودھری ظہور احمد صاحب بہت مدت تک رہا جس کے عہد حکومت میں بہت گڑبڑ مچی۔ شعبہ اخبارات کے انچارج ان کے ایک دوسرے ہم زلف یعنی محمد یعقوب خاں صاحب ہیں گویا قریباً سب کے سب عہدہ داران کے رشتہ دار ہیں جو کہ بڑی بڑی رقوم تنخواہ میں وصول کرتے ہیں۔ چنانچہ چودھری ظہور احمد صاحب کا گریڈ اڑھائی صد روپیہ کا تھا۔ محمد یعقوب خاں صاحب ساڑھے تین صد روپیہ ماہوار لیتے ہیں۔ مولوی (محمد علی) صاحب کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا۔ چودھری ظہور احمد صاحب کی ایک زمین احمدیہ بلڈنگس میں تھی۔

انجمن کا فیصلہ تھا کہ مسلم ہائی سکول احمدیہ بستی میں بنے۔ مولوی صاحب نے اپنے اختیارات برت کر اس کو کالعدم کیا اور اپنے ہم زلف کی زمین کو بہت ہی گراں قیمت پر انجمن کے ہاتھوں بکوا کر اسے

بیوپاریوں کے قرض کے پنجے سے بچالیا۔ اب سکول کسمپرسی کی حالت میں ایک گندی جگہ پر واقع ہے، جس کے بالمقابل گائے اور بھینسوں کے اصطبل ہیں اور تنور بھی موجود ہیں۔

لاکھوں روپیہ سے قوم کے بچوں کے لیے مسلم ہائی سکول تیار ہوتا ہے۔ لیکن مولوی صاحب کے دل میں قومی ایثار اس قدر جوش زن ہے کہ ان کا اپنا لڑکا ایک عیسائی انگریزی سکول میں پڑھتا ہے۔ کیا مولوی صاحب ان تمام باتوں سے انکار کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔''

(انجمن اشاعت اسلام لاہور (لاہوری فریق کی انجمن) کے ایک ممبر کا مضمون مندرجہ اخبار ''الفضل'' قادیان جلد 16، نمبر 20، مورخہ 7 ستمبر 1928ء)

اس ممبر نے مولوی صدرالدین پر شدید تنقید کرتے ہوئے لکھا:

''اب میں مولوی صدرالدین صاحب کا جو مولوی محمد علی کے دست راست ہیں، حال بیان کرتا ہوں۔ انہوں نے مسلم ہائی سکول کھلوایا جو کہ چند سال کے بعد چوہدری ظہور احمد صاحب کی زمین پر بنایا گیا۔ اس میں مولوی صدرالدین نے اپنے ایک رشتہ دار کو دکان کھلوا دی جس میں ان کا حصہ تھا۔ پھر بورڈوں کے روپیہ سے گندم ارزاں خرید کر گراں نرخ پر سکول کو فروخت کی۔

برلن مسجد پر قوم کا روپیہ تو لگا، لیکن مولوی صدرالدین صاحب نے اس کو اپنی ذاتی ملکیت ٹھہرایا ہوا ہے۔ کیا زمین کی رجسٹری آج تک ان کے ذاتی نام میں نہیں؟ انہوں نے انجمن کے مطالبوں کے باوجود اس رجسٹری کو انجمن کے نام منتقل کیوں نہیں کیا۔ مولوی صدرالدین صاحب قوم کے روپیہ پر بطور ملازم انجمن جرمنی گئے۔ انہوں نے قوم کے روپیہ سے وہاں ذاتی تجارت شروع کی اور کیوں قومی روپیہ سے مال خرید کر اپنے عزیزوں کو سیالکوٹ بھیجا اور نصف نفع رکھ کر رقم واپس کی۔ علاوہ ازیں قوم کے روپیہ سے ذاتی نفع کے لیے کیوں علیحدہ حمائل شریف چھپوائی۔'' (انجمن اشاعت اسلام لاہور (لاہوری فریق کی انجمن) کے ایک ممبر کا مضمون مندرجہ اخبار ''الفضل'' قادیان جلد 16، نمبر 20، مورخہ 7 ستمبر 1928ء)

1931ء میں مولوی محمد علی لاہوری کو ٹیوبرکل کی شدید تکلیف شروع ہوگئی، جو عرصہ 10 ماہ سے چلی آرہی تھی۔ اس دوران اس کا 8 پونڈ وزن کم ہوگیا۔ ضعف اس قدر بڑھ گیا کہ چلنا مشکل ہوگیا۔ اپریل 1938ء میں شدید بخار میں مبتلا رہنے لگا۔ مسلسل بخار نے تکلیف دہ صورت اختیار کرلی۔ کمزوری بہت بڑھ گئی۔ ضعف اس قدر ہوگیا کہ بات کرنا بھی دشوار ہوگیا۔ اسی دوران اسے ڈلہوزی شفٹ کردیا گیا جہاں سرجن ڈلہوزی، لاہور کے ڈاکٹر غلام محمد اور ڈاکٹر بشارت نے علاج شروع کیا۔ بخار کی صحیح تشخیص نہ ہوسکی اور ایک وقت ایسا آیا کہ معالج بھی مایوس ہوگئے۔ یہ صورت حال کم وبیش 6 ماہ رہی، اس دوران بخار کی شدت نے اسے اذیت ناک صورتحال سے دوچار کیا۔ ستمبر 1948ء میں وہ کوئٹہ میں مقیم تھا کہ اسے ایک بار پھر شدید بخار کا دورہ پڑا۔ جسم پر جگہ جگہ گلٹیاں بن گئیں جس سے سوجن اور ورم ہوگئے۔ حالت انتہائی

تشویشناک ہوگئی۔ 15 اکتوبر 1948ء کو لاہور کے مشہور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کو علاج کے لیے کوئٹہ بھیجا گیا۔ اس کے ہمراہ ڈاکٹر اللہ بخش، ڈاکٹر سعید احمد اور ڈاکٹر بشارت احمد بھی تھے۔ کرنل الٰہی بخش نے مفصل معائنہ کے بعد بتایا کہ پیپ کے زہر کا اثر تمام جسم میں سرایت کر چکا ہے۔ دونوں پھیپھڑوں کے زیریں حصے ماؤف اور قلب کی جھلی اور سینے کا اگلہ حصہ بے حد متاثر ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں گردے میں بھی پیپ پڑ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ کام کرنے سے فیل ہو چکے ہیں۔ گویا زہر تمام اعضائے رئیسہ پر اثر کر رہا تھا۔ یہ سلسلہ 1950ء تک جاری رہا۔ 17 اور 18 ستمبر 1950ء کی درمیانی شب رات 12 بجے اسے دردِ دل (Coronory Thrombosis) کا سخت حملہ ہوا۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر ابتدائی طبی امداد دی۔ دوپہر کے بعد ایک اور خطرناک حملہ ہوا۔ اس وقت سے مارفیا کے ٹیکے لگنے شروع ہوگئے مگر اوپر تلے کوئی چار دفعہ حملے ہوئے اور آکسیجن بھی لگنی شروع ہوگئی۔ شدید بیماری کے باعث وہ کروٹ بھی نہ دل سکتا تھا۔ دیگر عوارض بھی اس کے ساتھ شروع ہوگئے۔ 28 ستمبر کی رات کو پھر دل کا دورہ پڑا جس سے اس کی حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ یہ حالت تقریباً 6 ماہ سے زائد عرصے تک رہی۔ 5 اپریل 1951ء کو پھر بخار اور انفلوئنزا کا شدید حملہ ہوا۔ فوری طور پر ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش اور ڈاکٹر محمد یوسف کو بلایا گیا، جنہوں نے بھاری انجیکشن لگائے اور کھانے کو ادویات دیں۔ مختلف ٹیسٹوں سے پتہ چلا کہ آنتوں میں زخم ہوگئے ہیں اور اس کے زہریلے اثرات (زہرباد) اندر ہی اندر پورے جسم میں سرایت کر گئے ہیں۔ اسی دوران اسے سردرد کے ساتھ گردن میں سخت اکڑاؤ آگیا اور پھر مسلسل متلی شروع ہوگئی۔ تشخیص کے لیے ڈاکٹروں نے اس کے خون کو Culture کیا اور حرام مغز سے CSF نکال کر ٹیسٹ کے لیے لیبارٹری بھجوایا تو پتہ چلا کہ خون میں Polymorph اور WBC کی تعداد کافی زیادہ ہے جو مریض کے لیے بے حد خطرناک ہوسکتی ہے۔ اس کی دماغی حالت بگڑنے پر ڈاکٹروں نے اس کے حرام مغز میں کئی ایک ٹیکے لگائے گئے جس سے دماغ کی جھلیاں بے حد متاثر ہوئیں۔ اس سے اس کی حالت مزید خطرناک ہوئی۔ 13 اکتوبر 1951ء کی صبح اسے برین ہیمرج ہوا۔ ناک اور منہ سے بے تحاشا خون نکلا۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں اور اسی دن ساڑھے گیارہ بجے اس کی موت واقع ہوگئی۔

واصف علی واصف نے کیا خوب کہا تھا۔ ''عذاب یہ نہیں کہ کیا ہوا، عذاب تو یہ ہے کہ اس واقعے (عبرتناک موت) کے پیچھے کیا ہے اور اس سے آگے کیا ہوگا۔''



پیام شاہجہان پوری

جن خبیث ترین قادیانیوں نے چند ٹکوں کے عوض اپنے قلم سے اسلام اور پاکستان کی نظریاتی اساس کو مسلسل نقصان پہنچایا، ان میں پیام شاہجہان پوری کا نام سرفہرست ہے۔ وہ پندرہ روزہ ''تقاضے'' لاہور کا ایڈیٹر اور کئی متنازعہ کتابوں کا مصنف ہے۔ پندرہ روزہ ''تقاضے'' جھوٹے مدعی نبوت مرزا قادیانی اور ان کی ذریت کے ناپاک عقائد و عزائم کی ترویج کے لیے وقف ہے۔ اس پرچہ میں اسلامی تعلیمات اور اسلامی مقدس شخصیات کے افکار و نظریات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اہل اسلام کے اجماعی عقائد پر رکیک حملے کیے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ مسلسل مسلمانوں کی دل آزاری کا سبب بنا رہا ہے۔ وہ روزنامہ ''دن'' میں کالم لکھتا اور تاریخی حقائق مسخ کرتا رہا، اس کے کالموں کا مرکزی موضوع ہمیشہ ردِ جہاد رہا۔ وہ مجاہدین اسلام کے کارناموں پر طنز کے تیر برساتا۔ اس کی تحریروں نے قادیانی ناسور کی پرورش میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس طرح وہ مسلسل مسلمانوں کی دل آزاری کا سبب بنا رہا۔

کہتے ہیں خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ ان دنوں پیام شاہجہان پوری پر قہرِ خداوندی نازل ہو چکا ہے۔ ایک سال قبل بے تحاشا شراب پینے سے وہ عارضہ قلب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ایک عرصہ تک میو ہسپتال میں رہا۔ قادیانی ڈاکٹروں نے بہت علاج معالجہ کیا، کچھ افاقہ ہو گیا مگر پھر باز نہ آیا۔ اس کے دفتر میں شراب پانی کی طرح بہتی تھی۔ وہ شراب پیتا نہیں بلکہ شراب اسے پیتی تھی۔ خوبصورت لڑکیاں اور لڑکے ہمیشہ اس کے پہلو میں رہتے۔ وہ انہی کے لیے ہی کماتا اور پھر انہی پر لٹا دیتا۔ شبینہ محفلوں میں خود بھی ان سے اپنی جنسی ہوس پوری کرتا اور اس دعوت عیش میں اپنے دوستوں کو بھی شامل کرتا۔ جن میں اس کا جگری یار اور قادیانی ٹوڈی، منو بھائی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

جنسی اختلاط اور اغلام بازی کی کثرت سے پیام شاہجہان پوری کا پورا جسم کھوکھلا ہو چکا ہے۔ خارش سے اس کے جسم پر چھوٹے چھوٹے چھالے بن گئے، جنھوں نے بعد ازاں پھوڑوں کا روپ دھار لیا جس سے اس کی جلد تیزی سے خراب ہو رہی ہے۔ زبان پر چھالوں میں پیپ پڑ چکی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہیں کر سکتا۔ اس کے جسم پر پھوڑوں کے علاوہ بے شمار گلٹیاں پیدا ہو چکی ہیں جن

کی شدت تکلیف سے وہ ہر وقت بری طرح کراہتا رہتا ہے۔ گردن اور بغلوں کے نیچے پیدا ہونے والی گلٹیوں نے اسے ہر قسم کے سکون سے عاری کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ دانتوں اور پیٹ میں درد روزانہ کا معمول ہے۔ وہ تقریباً ایک سال سے بخار کی کیفیت میں ہے۔ گردن کئی کئی گھنٹے اکڑی رہتی ہے۔ بعض اوقات تشنج کی علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اس کے جسم کے غدود زیادہ اور سخت ہو گئے ہیں۔ مسلسل علاج کے باوجود روزانہ ایک نئی بیماری جنم لیتی ہے۔ اس کا وزن ناقابل یقین طور پر کم ہو چکا ہے۔ تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ اسے کینسر کا موذی مرض لاحق ہو گیا ہے۔ وہ ان دنوں میو ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ کے سامنے (ریڈیو تھراپی ڈیپارٹمنٹ) کینسر وارڈ کے کمرہ نمبر 32 میں اپنا خبیث وجود لیے بے یار و مددگار پڑا ہوا ہے۔ یہ خطرناک اور بھیانک امراض اللہ تعالیٰ کا عذاب ہیں۔ وہ ایک زندہ لاش بن چکا ہے۔ اس کا دل و دماغ بیکار اور اعضائے جسم شل ہو گئے ہیں۔ اس کی شکل انتہائی بدصورت اور کریہہ ہو چکی ہے۔ اس کے کمرے سے بدبو کے بھبکے اٹھتے ہیں۔ اہل خانہ کے علاوہ ہر مہمان اس کے پاس جانے میں کراہت محسوس کرتا ہے۔ دیکھیے! اللہ تعالیٰ کا یہ عذاب دنیا میں اس پر کب تک رہتا ہے؟

قارئین کرام! میں نے اوپر پیام شاہجہان پوری کی جو عبرتناک حالت بیان کی ہے، اس بارے میں اگر کسی شخص کو جھوٹ، تعصب یا کوئی شک وشبہ محسوس ہو تو وہ براہِ کرم درج ذیل ایڈریس پر رابطہ کر کے ان حالات وواقعات کی خود تصدیق کر سکتا ہے۔

پیام شاہجہان پوری

ایڈیٹر پندرہ روزہ ''تقاضے''۔ N-23 عوامی فلیٹس، ریواز گارڈن، لاہور فون: 7322313



محترم قارئین!

میں نے پیام شاہجہان پوری کی جان لیوا موذی بیماری کے حالات یہاں تک درج کیے تھے تو میرا خیال تھا کہ یہ کتاب شائع ہونے کے لیے جلد پریس چلی جائے گی۔ مگر بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر کتاب جلد شائع نہ ہو سکی۔ اس دوران پیام شاہجہان پوری کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ 11 مارچ 2005ء کو اس کا سانس اکھڑنے لگا۔ مختلف ٹیسٹوں سے پتہ چلا کہ اس کے پھیپھڑوں میں انفیکشن ہے۔ بعد ازاں اسے آکسیجن لگا دی گئی۔ 14 مارچ تک وہ اسی کیفیت میں رہا۔ 15 مارچ کی صبح اسے خون آلود قے آئی جس سے اس کی حالت تیزی سے بگڑنے لگی۔ نبض اور سانس رک رک کر چلنے لگیں۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ وہ شدت تکلیف سے چیخ مارتا مگر نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے اس کی آواز دب جاتی۔ اس پر وہ شدید غصے کا اظہار کرتا مگر سمجھ نہ آتی۔ اس کی بعض احمقانہ حرکات سے پتہ چلتا کہ شائد وہ اپنا دماغی توازن

کھو بیٹھا ہے۔ اسی حالت میں 16 مارچ 2005ء کو وہ نہایت عبرتناک حالت میں جہنم واصل ہوا۔ اس کی لاش کو گلنے سڑنے سے بچانے کے لیے اس پر مختلف کیمیکلز لگائے گئے۔ بعد ازاں فوری طور پر اس کی لاش کو ربوہ لے جایا گیا۔ جہاں رات کی تاریکی میں صرف چند قریبی قادیانی رشتہ داروں کی موجودگی میں اسے عام قبرستان میں دفن کیا گیا۔

خس کم جہاں پاک

مرزا ادریس احمد

حقیقت یہ ہے کہ موت کا زبردست ہاتھ جہاں بڑے بڑے سرکشوں کی سرکشی اور بڑے بڑے متکبروں کا غرور ختم کر ڈالتا ہے، وہاں ان کے اکثر عیوب پر بھی پردہ ڈال جاتا ہے۔ وقت اور تاریخ نے ایسے بہت سے کرداروں کے معاملے میں فیاضی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے لیکن مرزا ادریس کا معاملہ مختلف اور منفرد ہے۔ مرزا ادریس موجودہ قادیانی خلیفہ مرزا مسرور کا بڑا بھائی تھا۔ بدقسمتی سے وہ نوجوانی میں ہی ہم جنسیت کا شکار ہو گیا۔ اس کی بنیادی وجہ ربوہ کا ماحول ہے۔ ربوہ بدکاری، منافقت اور جعل وفریب کی زندہ تصویر ہے۔ یہاں کے لوگ ہر آئینی و قانونی پابندی کو توڑنے، اخلاقی حدود کو پھلانگ جانے اور تمام اقدار کو پاؤں تلے روند ڈالنے میں کبھی دریغ نہیں کرتے بلکہ اسے فیشن قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں ہر شخص کو اپنی اپنی مرضی کا سودا تلاش کرنے میں ذرا بھی دقت پیش نہیں آتی۔ جواء، شراب اور زناکاری اس معاشرے کا امتیازی نشان ہے۔ یہاں کسی کو کسی کی منفی سرگرمیوں پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس آزاد، لبرل اور روشن خیال ماحول نے مرزا ادریس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ لواطت کا مستقل عادی ہو گیا۔ اس نے اپنے گرد بے حد خوبصورت اور نازک اندام لڑکوں کا ایک گروہ جمع کر لیا تھا۔ بقول سیف الحق (سابق قادیانی) وہ طویل ''شہسواری'' کے بعد بھی تازہ دم نظر آتا۔ کہنے کو تو اس کی کزن فرزانہ عتیقہ اس کی بیوی بن گئی تھی لیکن مرزا ادریس اپنی معکوس جنسی کج روی میں مصروف رہا اور نتیجتاً فرزانہ اپنی تسکین کا سامان کہیں اور ڈھونڈتی رہی۔ مرزا ادریس کو فرزانہ کی رنگین سرگرمیوں پر قطعاً کوئی اعتراض نہ تھا۔ بقول سیف الحق، مرزا ادریس اس قدر بے غیرت اور بے حس ہو گیا تھا کہ اپنی بیوی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دوسروں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے دیکھ کر بھی چپ رہتا اور اپنے حال میں مگن رہتا۔ لیکن حیرانگی کی بات ہے کہ لجنہ کراچی کی امتہ الرشید ارسلہ، لاہور کی ڈاکٹر نوشین، اسلام آباد کی سعیدہ فرحت، ربوہ کی زرینہ بیگم اور فرح رشید ملک، مربی احمد جلیل کی بیٹی امتہ النصیر اور مربی رفیق حیات کی بیگم شاکرہ حیات اس کے خاص ''رفیقان شب'' میں شامل تھیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کی عیاشیوں اور اوباشیوں میں اس کا بھتیجا مرزا وقاص اور دوست

ابوالحسن قدسی برابر کے شریک تھے۔ مرزا وقاص رائل فیملی کا کھلنڈرا نوجوان ہے جو نہ صرف منشیات بلکہ رنگین محفلوں کا بھی عادی ہے۔ اس کی حکایات لذیذ سن کر بے حیاؤں کو بھی شرم آ جاتی ہے۔ فرزانہ سنوری کے ساتھ اس کی جنسی آوارگی کے شرمناک کھیل کی بازگشت آج بھی ربوہ میں سنائی دیتی ہے۔ جبکہ ابوالحسن قدسی کے راولپنڈی کی مقصودہ بیگم، لاہور کی امتہ الرحمٰن، کراچی کی امتہ القدیر اور مجلہ مصباح کی مدیرہ امتہ اللہ خورشید کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ یہ عورتیں بیوروکریسی میں ایک خاص مقام رکھتی تھیں اور اپنی جنسی خدمات کے عوض قادیانی جماعت کے کئی ناممکن کام ممکن بنا دیتیں۔

لواطت اور شراب نوشی کی وجہ سے مرزا ادریس پھیپھڑوں کے سرطان میں مبتلا ہوگیا تھا۔ روزنامہ الفضل ربوہ کی اشاعت 28 اپریل 2005ء کے مطابق الشفاء انٹرنیشنل میں ایک آپریشن کے ذریعے اس کا ایک پھیپھڑا نکال دیا گیا تھا۔ بعد ازاں اس پر نمونیہ کا اٹیک ہوا جس سے اس کی حالت روز بروز بگڑتی چلی گئی۔ وہ کئی ہفتے آپریشن کی پیچیدگیوں کا شکار رہا۔ بے پناہ عیاشیوں اور آوارگیوں کے نتیجے میں اسے نامعلوم مگر انتہائی خبیث قسم کا مرض بھی لاحق ہوگیا تھا جس کا انجام اس کی قبل از موت کے سوا کچھ نہ ہوسکتا تھا۔ وہ ہر لمحے موت کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اور ہر لحہ اس پر قیامت بن کر گزرتا۔ اس حالت میں وہ 27 اپریل 2005ء کو نہایت عبرتناک حالت میں جہنم واصل ہوا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ مرزا ادریس کے آخری ایام میں مذکورہ بالا تینوں خواتین اس کی تیمارداری اور خصوصی خدمت پر مامور تھیں جبکہ اس کی بیوی فرزانہ ایک دن بھی ہسپتال نہ آئی۔ اسے صرف 28 اپریل 2005ء کو مرزا ادریس کی آخری رسومات کے موقع پر ربوہ میں دیکھا گیا۔



میجر عبداللطیف

قادیانی جماعت لاہور کا نائب امیر میجر عبداللطیف 21 مارچ 2005ء کو صبح 5 بجے CMH ہسپتال لاہور میں نہایت بھیانک موت سے ہمکنار ہوا۔ وہ 1939ء میں انگریز فوج میں بھرتی ہوا۔ پاکستان بننے کے بعد پاک فوج میں آ گیا جہاں سر ظفر اللہ خاں کی سفارش سے میجر کے عہدہ پر ترقی حاصل کی۔ 1965ء میں فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد قادیانی جماعت لاہور کا سرگرم مبلغ رہا۔ دس سال تک سیکرٹری ضیافت کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ 1990ء میں مرزا طاہر نے اسے قادیانی جماعت کا نائب امیر مقرر کیا۔ 1945ء میں اس کی شادی فہمیدہ نامی ایک خاتون سے ہوئی جو بہت زیادہ امیر لیکن بہائی فرقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ بہائی فرقہ کے پیروکار بہاء اللہ کو نبی مانتے ہیں۔ میجر لطیف مرزا قادیانی کو نبی مانتا تھا۔ میجر لطیف کو یقین تھا کہ وہ فہمیدہ کو قادیانی بنا لے گا لیکن وہ اپنے منصوبے میں ناکام رہا۔ اس مسئلہ پر دونوں میاں بیوی کی ایک عرصہ تک ناچاقی رہی۔

میجر لطیف کئی سالوں سے شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کا مریض تھا۔ نومبر 2004ء میں سیڑھیوں سے گرنے سے اس کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اسے CMH میں داخل کروا دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ گھر منتقل ہو گیا۔ بعد ازاں اسے گردوں کی شدید تکلیف شروع ہو گئی۔ درد کی شدت سے وہ کئی کئی گھنٹے بے ہوش رہتا اور بے تحاشا چلاتا۔ فروری 2005ء کے آخری ہفتہ اسے فالج کا حملہ ہوا۔ اسے دوبارہ CMH داخل کروا دیا گیا۔ وہ چلنے پھرنے حتیٰ کہ بولنے سے بھی معذور ہو گیا۔ اسے نالیوں کے ذریعے خوراک دی جاتی۔ 2 مارچ کے بعد اس پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسے انتہائی نگہداشت وارڈ CCU میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں اسی حالت میں 21 مارچ 2005ء کو وہ سوئے جہنم روانہ ہوا۔ 24 مارچ 2005ء کو دارالذکر لاہور میں اس کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔



عبدالمجید خالد بٹ

معروف قادیانی عبدالمجید خالد بٹ کی عبرتناک موت ربوہ کے قادیانیوں کے لیے نہایت شرمندگی اور پریشانی کا باعث بنی۔ وہ ایک عرصہ تک نیشنل بینک آف پاکستان میں اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ کے عہدہ پر فائز رہا۔ وہ بے حد بدکار اور سیاہ کار انسان تھا۔ مرزا محمود کی طرح اسے مقدس رشتوں کی پہچان نہ تھی۔ وہ ہر محرم اور غیر محرم عورت کو شیطانی نظروں سے دیکھتا اور پھر اسے پھانس کر اپنی ہوس کا نشانہ بناتا۔ اس دیوث کے اپنے دوست بشارت الرحمٰن کی بیوی زاہدہ خانم سے ناجائز مراسم تھے جس کا بشارت الرحمٰن کو بخوبی علم تھا۔ مگر وہ بوجوہ کچھ نہ کرسکتا تھا۔ 12 اکتوبر 2004ء کو اسے دل کی معمولی تکلیف محسوس ہوئی۔ اسے فضل عمر ہسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر علاج معالجہ کیا اور وہ خطرناک حالت سے باہر نکل آیا لیکن حفظ ماتقدم کے طور پر اسے ہسپتال سے فارغ نہ کیا گیا۔ 16 اکتوبر 2004ء کو علی الصبح وہ اپنے پرائیویٹ کمرے میں زاہدہ خانم کے ساتھ بالکل عریاں حالت میں دادِ عیش دے رہا تھا کہ اس حالت میں اسے شدید ہارٹ اٹیک ہوا اور آناً فاناً مر گیا۔ اس بدقسمت کو اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ وہ توبہ کر لیتا یا ڈاکٹروں کو اطلاع دیتا تاکہ وہ اس کی جان بچانے کی آخری کوشش کرتے۔ زاہدہ خانم پریشانی کے عالم میں اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر فوری طور پر کپڑے پہن کر رفو چکر ہوگئی۔ بعد ازاں 7 بجے کے قریب جب نرسنگ سٹاف معمول کے مطابق کمرے میں آیا تو عبدالمجید خالد بٹ کو مردہ پایا تو وہ سب حیران و پریشان ہو گئے۔ بعد ازاں تحقیق و تفتیش سے تصدیق ہوگئی کہ اس کے کمرے میں رات بھر اس کی داشتہ زاہدہ خانم موجود تھی۔ انجام سے بے خبر دونوں رات بھر رنگ رلیاں مناتے رہے اور صبح یہ حادثہ ہوگیا۔ قادیانیوں نے اس واقعہ کو چھپانے کی بے حد کوشش کی مگر ناکام رہے۔ بعد ازاں عبدالمجید خالد بٹ کے بڑے صاحبزادے ندیم احمد بٹ نے اس سارے واقعہ کی رپورٹ امور عامہ کے دفتر میں کی اور اپنے والد کی موت کا ذمہ دار زاہدہ خانم کو ٹھہرایا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اب تک (اگست 2005ء) دفتر امور عامہ نے زاہدہ خانم کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہیں کی۔

بہت بے آبرو ہو کر اٹھے دنیا کی محفل سے



دیکھو انہیں جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

محترم قارئین!

آپ قادیانیوں کے اخبار روزنامہ ''الفضل'' کا کوئی سا شمارہ لے لیں۔ اس کے ہر شمارہ میں ''اطلاعات واعلانات'' کے تحت ''سانحہ ارتحال'' اور ''درخواست دعا'' پر مبنی خبریں ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر روز کوئی نہ کوئی قادیانی ایک نئے عذاب میں مبتلا ہو رہا ہے۔ کسی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے تو کوئی فالج کا شکار ہے۔ کوئی برین ہیمرج میں مبتلا ہے تو کسی کی گردوں کی خرابی کی وجہ سے حالت تشویشناک ہے۔ کسی کو کینسر لاحق ہے تو کوئی ٹی بی کا مریض۔ کوئی دمہ کا مریض ہے تو کوئی دماغ کے آپریشن کا منتظر۔

یاد رہے کہ یہ اعلانات اس وقت تک شائع نہیں ہوتے، جب تک متعلقہ حلقہ کا قادیانی صدر یا امیر اس تمام واقعہ کی تصدیق نہ کرے۔ طوالت کے خوف سے صرف چند واقعات جو میرے ذاتی علم میں بھی ہیں، پیش کرتا ہوں۔

- ❑ مرزا قادیانی کے دوست مولوی امام دین آف جسوکی ضلع گجرات کی بیٹی رسول بی بی مسلسل اسہال کا شکار ہو کر 25 فروری 2005ء کو جہنم واصل ہوئی۔
- ❑ قادیانی جماعت رسالپور کا صدر سکواڈرن لیڈر (ر) قاضی شفیق ٹی بی کے موذی مرض کا شکار ہو کر 18 فروری 2005ء کو جہنم واصل ہوا۔
- ❑ چوکی کی قادیانی جماعت کا صدر شیخ مشتاق احمد کی ٹانگ میں گنگرین ہو گیا تھا۔ جس پہ 27 فروری 2005ء کو اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی۔ یہ زہر پورے جسم میں پھیل رہا ہے۔ ماہرین کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود کوئی افاقہ نہیں ہو رہا۔
- ❑ 13 فروری 2005ء کو قادیانی تبلیغ کے سلسلہ میں جنگل سے گزرتے ہوئے بُرکینا فاسو میں قادیانی جماعت کا مربی شکیل احمد زہریلے سانپ کے کاٹنے سے تڑپ تڑپ کر مرا۔ سانپ کے زہر کا اثر اس کے اعصاب پر پڑا جس سے سانس لینے میں بے حد رکاوٹ پیدا ہوگئی۔ اور اسے فوری زہرباد ہو گیا۔ مرنے سے چند منٹ پہلے اس کی نکسیر پھوٹی۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق زہر کی وجہ سے اس کے خون کی نالیوں میں زخم ہو گئے تھے۔

- مرزا منظور احمد کشمیر بلاک علامہ اقبال ٹاؤن کی بیگم کو عرصہ دس سال سے کینسر ہے۔ ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دے دیا ہے۔
- ماسٹر خان محمد بلوچ رحمٰن کالونی ربوہ کی بیوی بشریٰ صادقہ ہیپاٹائٹس سی کا شکار ہو کر 19 فروری 2005ء کو واصل جہنم ہوئی۔ یہ وہی بشریٰ صادقہ ہے جسے چوہدری نذیر احمد اختر نے ایک عرصہ تک بغیر نکاح کے جرمنی میں اپنی بیوی کے طور پر اپنے پاس رکھا۔ اس کا ایک بیٹا باسط احمد، آئیوری کوسٹ میں قادیانی جماعت کا مبلغ ہے۔
- عطاء المجیب راشد لندن کی والدہ اور ابوالعطاء جالندھری کی بیوی سعیدہ بیگم ایک عرصہ تک انتڑیوں کے سرطان میں مبتلا ہے۔ مکمل بے آرامی کی وجہ سے سر میں شدید درد رہتا ہے۔ بعض اوقات وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔ جس پر نبض اور سانس بہت تیز ہو جاتی ہیں۔ اس کی اس حالت کے پیش نظر اس کے گھر والے بھی تنگ اور عاجز آ گئے ہیں اور شدت سے اس کی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔
- مرزا اقبال (ر) انسپکٹر پولیس اسلام آباد کی جواں سال بیٹی مدیحہ مہرین اقبال 22 سال کی عمر میں اسقاط حمل کے نتیجہ میں 26 فروری 2005ء کو عبرتناک موت کا شکار ہوئی۔ وہ BSC میں پڑھتی تھی۔ اہل محلہ اس واقعہ کو اس کے والد کی ''کرتوتوں کا پھل'' قرار دیتے ہیں۔
- جمال الدین شمس قادیانی مربی پر فالج کا حملہ ہوا ہے۔ جس سے اس کے جسم کا دایاں حصہ بالکل ناکارہ ہو گیا ہے۔ وہ ہر وقت نیم غنودگی میں رہتا ہے۔ اور اس دوران اول فول بکتا رہتا ہے۔ آج کل فضل عمر ہسپتال ربوہ میں داخل ہے جہاں اس کی عبرتناک حالت کی ہر شخص خود تصدیق کر سکتا ہے۔
- قادیانی خلیفہ مرزا ناصر کا ہم پیالہ و ہم نوالہ مقبول احمد آج کل گردوں اور پھیپھڑوں کے زبردست انفیکشن کا شکار ہے اور بہت بری حالت میں شیخ زید ہسپتال میں داخل ہے۔
- عبدالرحیم درد کا بھانجا حمید اللہ 27 جنوری 2003ء کو مثانے میں زخموں کی وجہ سے نہایت کراہت کی موت مرا۔ اس کی موت نہایت بیچارگی اور بے بسی کا نمونہ تھی۔
- مسعود احمد خاں دہلوی سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل کی بیوی سلیمہ بیگم 3 مارچ 2005ء کو جگر کے سرطان میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوئی۔ وہ تقریباً سات سال تک اس موذی مرض کا شکار رہی۔ اس کی حالت کے خیال سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آخری مہینوں میں اس کے بیٹوں اور بیٹیوں نے اسے ملنا بلکہ دیکھنا بھی ترک کر دیا تھا۔
- میاں رضا احمد آف کوٹ قاضی اور ان کی بیوی کینیکیٹ کے رہنے والے ہیں۔ میاں رضا دہاں

کی قادیانی جماعت کے جنرل سیکرٹری اور ان کی بیوی لجنہ کی صدر ہے۔ دونوں میاں بیوی 21 فروری 2005ء کو ریاست میری لینڈ (امریکہ) سے بذریعہ کار کلیکٹ جا رہے تھے کہ راستے میں اونگھ آنے سے حادثہ ہوگیا۔ میاں رضا احمد کے ساتھ اس کی بیوی اور تین بچے بھی تھے۔ میاں رضا اور اس کی بیوی کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ جبکہ بچے بھی سر پر زخم آنے کی وجہ سے شدید زخمی ہوئے۔ ایک بچے کے پیٹ میں سیٹ بیلٹ کی وجہ سے زیادہ زخم آئے۔ اس وقت تمام اہل خانہ ہسپتال میں داخل ہیں۔

- قادیانی مربی سعید انصاری 29 جنوری 2004ء کو دماغ میں ٹیومر کی وجہ سے نہایت عبرتناک حالت میں مرا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس کی اہلیہ محمودہ بیگم بھی 1988ء میں اسی مرض کا شکار ہو کر جہنم واصل ہوئی۔
- قادیانی خلیفہ مرزا ناصر کا پرایویٹ سیکرٹری شیخ محبوب عالم خالد 12 جنوری 2004ء کو ہیضہ کے مرض کا شکار ہو کر جہنم واصل ہوا۔ اسے درد کے بڑے دست اور زوردار آواز سے الٹیاں آتیں۔ یہ سلسلہ کئی ہفتے جاری رہا۔ اس مرض سے اس کے خون میں نمکیات کی کمی کی وجہ سے پٹھوں میں اکڑاؤ شروع ہوگیا جو پہلے ہاتھوں میں تھا۔ پھر ٹانگوں، بازؤوں اور آخر میں پیٹ کے پٹھوں میں شروع ہوگیا۔ اس کی آنکھیں اندر دھنس گئیں، چہرہ سکڑ گیا۔ آواز کمزور ہوگئی۔ سانس تیز اور بلڈ پریشر کم ہوتا چلا گیا۔ اسی کربناک کیفیت میں وہ جہنم واصل ہوگیا۔
- قادیانی جماعت اسلام آباد کا مربی نصر اللہ خاں ملہی 28 جولائی 2004ء کو کار کے ایک حادثہ میں نہایت عبرتناک حالت میں مرا۔ اس پر توہین رسالت کا مرتکب ہونے پر تعزیرات پاکستان کی دفعہ C-295 کے تحت مقدمہ بھی درج ہوا تھا۔
- قادیانی مبلغ صوفی اسحاق ربوہ میں گردوں کے عارضہ کی وجہ سے شدید بیمار رہا۔ بعد ازاں دونوں گردے ناکارہ ہوگئے۔ اس بیماری کے دوران اسے فالج کا حملہ ہوا جس پر اس کی حالت نہایت تشویشناک ہوگئی۔ کئی ماہ اس بیماری میں رہ کر بالآخر وہ 14 اگست 2004ء کو جہنم واصل ہوا۔
- قادیانی مربی اسماعیل منیر 22 ستمبر 2004ء کو ہیوسٹن امریکہ میں ایک پراسرار بیماری کا شکار ہو کر مرا۔ اس کا بیٹا الیاس منیر آج کل جرمنی میں قادیانی مبلغ ہے۔
- طاہر احمد ناگی سیکرٹری مال قادیانی جماعت حلقہ نیلا گنبد کینسر اور پھیپھڑوں کی انفیکشن کا شکار ہے۔ وہ ان دنوں جناح ہسپتال اور شوکت خانم ہسپتال میں زیر علاج ہے اور نقاہت کی وجہ سے چلنے پھرنے سے قاصر ہے۔
- چوہدری رضی اللہ وڑائچ سابق منیجر یو بی ایل ربوہ کئی سالوں تک ایک پراسرار بیماری کا شکار رہا

جس سے اس کے جسم سے قوت مدافعت بالکل ختم ہوگئی تھی۔ بیماری کے ایک طویل اور سخت عذاب کے بعد 16 مارچ 2005ء کو نہایت عبرتناک موت کا شکار ہوا۔

- آمنہ بیگم زوجہ نیک محمد خاں غزنوی تقریباً 12 سال تک فالج کا شکار رہی۔ دنیا بھر کے ڈاکٹروں سے علاج معالجہ کے باوجود کوئی افاقہ نہ ہوسکا۔ یہ عورت نصرت جہاں بیگم کی تمام تر بدمعاشیوں اور اوباشیوں میں شریک کار تھی، یوں اس نے ''شریک جرم'' کا کردار ادا کیا۔ سابق قادیانی مرزا محمد حسین اس کی بے باک کرتوتیں بیان کرتے تو کانوں کو ہاتھ لگاتے۔ وہ 15 مارچ 2005ء کو نہایت بھیانک حالت میں جہنم واصل ہوئی۔
- محمود احمد چیمہ سابق مربی کی ہمشیرہ حفیظ بیگم نئی ایک بیماریوں میں مبتلا ہے۔ اس کی ایک ٹانگ میں اب خون حرکت نہیں کررہا اور ڈاکٹروں نے ٹانگ کاٹنے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ آج کل فضل عمر ہسپتال میں داخل ہے۔
- تصور احمد قادیانی (ربوہ) جو موٹر سائیکل اور ٹرین کے حادثہ میں شدید زخمی ہوگیا تھا۔ 3 جون 2005ء کو اس کا آپریشن ہوا جو کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کی ایک ٹانگ اور ایک بازو ضائع ہوگئے ہیں۔
- ڈاکٹر عبدالقدیر آئی سرجن کراچی کو حال ہی میں برین میں ٹیومر ظاہر ہوا ہے۔ اس کی دماغی حالت نہایت بری ہے۔ وہ آج کل کراچی کے ایک ہسپتال میں زیر علاج ہے۔
- صلاح الدین (احمد گولڈ سمتھ) ہارٹ اٹیک اور فالج کی وجہ سے فضل عمر ہسپتال ربوہ میں داخل تھا۔ مختلف ٹیسٹوں کی رپورٹس سے پتہ چلا کہ اسے زبان کا کینسر ہے۔ ڈاکٹروں نے اسے خانم میموریل ہسپتال لاہور میں ریفر کردیا ہے۔
- انور حسین عباسی سیکرٹری مال دارالفتوح غربی ربوہ کا والد مظفر حسین عباسی کوارٹر صدر قادیانی جماعت بعارضہ فالج اور برین ہیمرج نہایت تشویشناک حالت میں ہے۔ 20 جون 2005ء کو اسے فضل عمر ہسپتال کے CCU میں داخل کیا گیا۔ وہ کئی دنوں سے مسلسل بے ہوش ہے۔
- روزنامہ الفضل ربوہ، 18 اپریل 2005ء (آخری صفحہ) کی اشاعت میں معروف قادیانی مرزا عبدالرشید دارالعلوم غربی کی ''درخواست دعا'' شائع ہوئی ہے: ''خاکسار مرگی کے دورے سے بے ہوش ہو جانے کی بناء پر فضل عمر ہسپتال ربوہ میں 12 دن داخل رہا۔ بعارضہ قلب بواسیر کا آپریشن نہ ہوسکا۔ چارپائی کی بائی پر گرنے کی وجہ سے پیشانی بھی زخمی ہوگئی ہے۔ دریں اثناء میرے پھوپھی زاد بھائی اور ہم زلف مرزا عبدالمالک صاحب فتح پور ضلع گجرات کی فالج کے اچانک حملہ سے زبان بند ہوگئی۔ سارا جسم مفلوج ہوگیا۔ نالیوں کے ذریعے یخنی دی جارہی ہے۔''

- ارشد اعجاز مربی کا بیٹا خلدون احمد واقف نو انتڑیوں کی سوزش کی وجہ سے فضل عمر ہسپتال میں داخل ہے۔ بعد ازاں مختلف ٹیسٹوں سے پتہ چلا کہ اسے نیفروٹک سنڈروم کی بیماری بھی لاحق ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں ایک معمولی سا سوراخ ہے جس کی وجہ سے اس کی حالت خاصی نازک اور خطرناک ہے۔

- منصور احمد مربی عرصہ گیارہ سال سے بدترین فالج کا شکار ہے۔ اس کے علاوہ اسے شوگر کا بھی مرض ہے۔ منصور نے پہلے امۃ الحکیم لیقہ سے شادی کی تھی۔ بعد ازاں وہ خوبصورت اور دعوت صد گناہ بن کر بازاروں میں پھرنے اور ''بلیک بیوٹی'' کے نام سے شہرت پانے والی اپنی سالی امۃ السمیع راشد پر لٹو ہو گیا اور اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر اپنی سالی سے شادی کر لی۔ چونکہ اسے قادیانی خلیفہ مرزا ناصر کی گہری رفاقت نصیب تھی، اس لیے اس کے اس کارنامے پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔ بعض واقفان راز کا کہنا ہے کہ ''بلیک بیوٹی'' مرزا ناصر کی داشتہ تھی اور سلسلہ کی خدمت کے نتیجے میں حاملہ ہو گئی تھی۔ چنانچہ خلیفہ صاحب کے حکم پر مربی منصور احمد قربانی کا بکرا بنا اور اس کی شادی ہوئی۔ چند ماہ پہلے امۃ السمیع راشد کے ہاتھ میں خون کی بندش کی شکایت ہو گئی تھی اور ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں 2 ہفتے تک زیر علاج رہی۔ ڈاکٹروں نے ہاتھ کاٹنے کا کہا۔ لیکن بعد ازاں 24 اپریل 2005ء کو فضل عمر ہسپتال ربوہ میں اس کے ہاتھ کا آپریشن ہوا جو یہاں کامیاب نہ ہو سکا اور مزید پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

- موجودہ قادیانی خلیفہ مرزا مسرور کی والدہ ناصرہ بیگم گذشتہ کئی سالوں سے انتہائی خطرناک اور موذی بیماریوں کا شکار ہے۔ اس کے دماغ میں ٹیومر ہے جس کے دو آپریشن ہو چکے ہیں مگر کوئی افاقہ نہیں۔ اس ٹیومر کی وجہ سے اسے دن میں متعدد مرتبہ غشی کے دورے پڑتے ہیں۔ اس کے دل کا ایک وال بھی بند تھا جسے آپریشن کے بعد چالو کر دیا گیا۔ وہ آج کل فضل عمر ہسپتال ربوہ کے انتہائی نگہداشت وارڈ C.U.U میں داخل ہے جہاں اس کی حالت انتہائی تشویشناک ہے۔ معدہ اور انتڑیوں میں تعفن کی وجہ سے سوہضم کی خطرناک شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ خرابی جگر کی وجہ سے اس کا پورا جسم متورم ہے۔ خوراک کی نالی لگی ہوئی ہے۔ نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے وہ کوئی حرکت نہیں کر سکتی۔ ماہر ڈاکٹروں کی نگرانی میں اس کا علاج ہو رہا ہے۔ کئی ماہ سے روزنامہ الفضل ربوہ میں دعاؤں کی درخواست کا اعلان شائع ہو رہا ہے۔ قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ زرق برق زندگی کی دلدادہ ناصرہ کو ''ملکہ حسن'' بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے حسین، سحر انگیز اور جمال فتنہ خیز کو دیکھ کر ''سن رسیدہ مربی'' تک ششدر رہ جاتے اور پکار اٹھتے کہ اس مجسمہ حسن و جمال کی خاطر جہنم کی سختیاں بھی منظور ہیں۔ (العیاذ باللہ)



مکتبہ ختم نبوۃ کی چند اہم مطبوعات

خطبات ختم نبوت (4 جلد)	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سوانح وافکار	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
خطبات جالندھریؒ	مولانا محمد علی جالندھریؒ
خطبات محمودؒ	مفتی محمود
مجالس ذکر	حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ
سید محمد یوسف بنوریؒ، سوانح وافکار	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
خطبات لدھیانویؒ	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
صدائے محراب (اول، دوم)	صاحبزادہ طارق محمود
جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات	مولانا محمد اسلم زاہد
تحفہ دلہن جدید	مولانا ثناءاللہ سعد
خلفائے راشدین (صدیقی حصہ)	مولانا ثناءاللہ سعد
ذوق خطابت	مولانا محمد عمیر شاہین
راہ علم کے مسافر	مولانا محمد عمیر شاہین
رفیق پیمبر صدیق اکبرؓ	مولانا ثناءاللہ سعد

مرزا غلام احمد قادیانی
حکیم نور الدین
مرزا بشیر الدین محمود
نصرت جہاں بیگم

قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک انجام

’’یہ کتاب قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک حالات زندگی اور بھیانک ولرزہ خیز انجاموں کو بے نقاب کرتی ہے۔ اس میں درج کئی واقعات اس قدر خوفناک ہیں کہ شائد آپ انہیں تسلیم کرنے میں تامل محسوس کریں یا یہ رائے قائم کریں کہ مصنف نے بعض جگہ پر اپنے تعصب، جھوٹ یا جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ کا یہ سوچنا فطری امر ہے کیونکہ اس کتاب میں درج بعض انکشافات اس قدر ہوش ربا اور چشم کشا ہیں کہ انہیں پڑھتے ہوئے یقین ہی نہیں آتا۔ لیکن کیا کیجئے! ان قادیانیوں کے جرائم اس قدر سنگین ہیں کہ وہ براہ راست خدائی عذاب کا مستوجب بنے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے تمام واقعات نہایت مستند ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں، اس لیے ان کی تاریخی حیثیت نہایت معتبر اور ثقہ ہے۔ میں نے تقریباً 2 سال تک انتہائی محنت اور احتیاط سے قادیانی کتب، اخبارات ورسائل، قادیانی و اینٹی قادیانی ویب سائٹس اور قادیانی ٹیلی ویژن چینل **MTA** سے براہ راست استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ کئی اہم سابق قادیانیوں سے مختلف ملاقاتوں میں اس موضوع پر سیر حاصل معلومات حاصل کیں جو بے شمار چشم کشا واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ اس بناء پر زیر نظر کتاب نہایت مستند، مبنی بر حقیقت اور اہم معلومات پر مشتمل ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی قادیانی یا قادیانی نواز کو اس کتاب میں درج کردہ حقائق و واقعات سے کوئی اختلاف ہو تو وہ میرے خلاف طعن و تشنیع کے طومار باندھنے کے بجائے اخلاقی جرأت بروئے کار لاتے ہوئے دنیا بھر کی کسی بھی عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔ وہاں از خود دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ یاد رہے مرزا قادیانی اپنے ان مخالفین کو جھوٹا اور شکست خوردہ سمجھتا تھا جو اس کے چیلنج کا جواب نہیں دیا کرتے تھے۔‘‘

مبارکہ بیگم
مریم بیگم
مولوی عبدالکریم سیالکوٹی
قاضی ظہور الدین اکمل
ثاقب زیروی
امۃ الحفیظ بیگم
مرزا بشیر احمد ایم اے
محمد علی لاہوری
مرزا منصور احمد
مفتی محمد صادق
ایم ایم احمد
پیامِ شاہجہانپوری
مرزا ناصر احمد
مرزا طاہر احمد
چوہدری ظفر اللہ خاں
ڈاکٹر عبدالسلام